تفسیرِ غالب

ڈاکٹر گیان چند

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سری نگر

تفسیرِ غالبؔ

ڈاکٹر گیان چند

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز

تفسیرِ غالب

یعنی

غالب کے غیر متداول کلام کی شرح

از

ڈاکٹر گیان چند
صدرِ شعبۂ اردو۔ جموّں یونیورسٹی

جموّں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز

اشاعت ۱۹۷۱ء

تعداد ۵۰۰

طباعت جمالی پریس دہلی

قیمت ۱۶ روپے ۸۰ پیسے

کتابت غلام رسول کاتب
بشیر احمد کاتب علم گری بازار
سرینگر

انتساب

کلامِ غالبؔ کے سب سے بڑے ماہر اور اُردو کے مُستند محقق

مولانا امتیاز علی خان عرشی

کے نام

جو حالیؔ کی طرح مُنکسر المزاج، شریف اور مرنجاں مرنج انسان ہیں
جن کے نسخۂ عرشی پر یہ شرح مبنی ہے

عرضِ ناشر!

مرزا غالب نے اپنے اُردو اور فارسی اشعار میں کم از کم تین بار کشمیر کا براہِ راست نام لیا ہے۔ لیکن شانِ نزول ہر جگہ ایک سی ہے یعنی ـــــــ

طراوتِ چمن و خوبیٔ ہوا کہیے

ایک قصیدے میں وہ کشمیر کا ذکر اس آرزومند لہجے میں کرتے ہیں ؏

شرابِ قندیٔ ہندوستاں دماغم سوخت

زِ شیرہ خانۂ کشمیرم آورند شراب

آج کشمیر کلچرل اکادمی اُن کے کلام کی کیف آور صہبا کو ملک کے ممتاز غالب شناس ڈاکٹر گیان چند جین کی نکتہ آفرینیوں کے پیمانوں میں انڈیل کر غالب نوازوں کی محفل میں پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہی ہے ـــ غالب نے اپنے کلام کی کیفیت کا سُراغ دیتے ہوئے لکھا تھا ؏

در تہہِ ہر حرف غالب چیدہ ام میخانۂ

انبساط، آگہی اور سرمستی کے ان میخانوں کی تلاش اُن کے زمانے کی طرح آج بھی جاری ہے اور اس طلسماتی وادی میں کیف و سرور کے نئے سرچشمے برابر نمودار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ تلاش ان میخانوں کے وقوع کی جہت کی طرف ہی مرکوز نہیں ہے بلکہ اس حیرت انگیز خاصیت کو بھی دریافت کر رہی ہے جو رند اور زاہد، عاشق اور فاسق دونوں کی کیفیاتی طور پر جداگانہ پیاس کو یکساں تشفی کے ساتھ بجھانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ اگرچہ "تفسیرِ غالب" غالب صدی میں شائع نہیں ہو سکی لیکن یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھی جانی چاہیے ـــ ہمیں یقین ہے کہ اس سے غالب شناسی کے نگارخانے میں بصیرت کی ایک نئی اور رنگین شعاع کا اضافہ ہو جائے گا۔ خود غالب زندہ ہوتے تو اس نکتہ سنجی پر انہیں اپنا یہ شعر یاد آ جاتا ـــ

سخنِ سادہ دِلم را نفریبد غالب

نکتۂ چند زِ پیچیدہ بیانے بمن آر

محمد یوسف ٹینگ

(ڈپٹی سیکرٹری کشمیر)

شہید گنج۔ سری نگر ۔ ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۱ء

فہرست

★
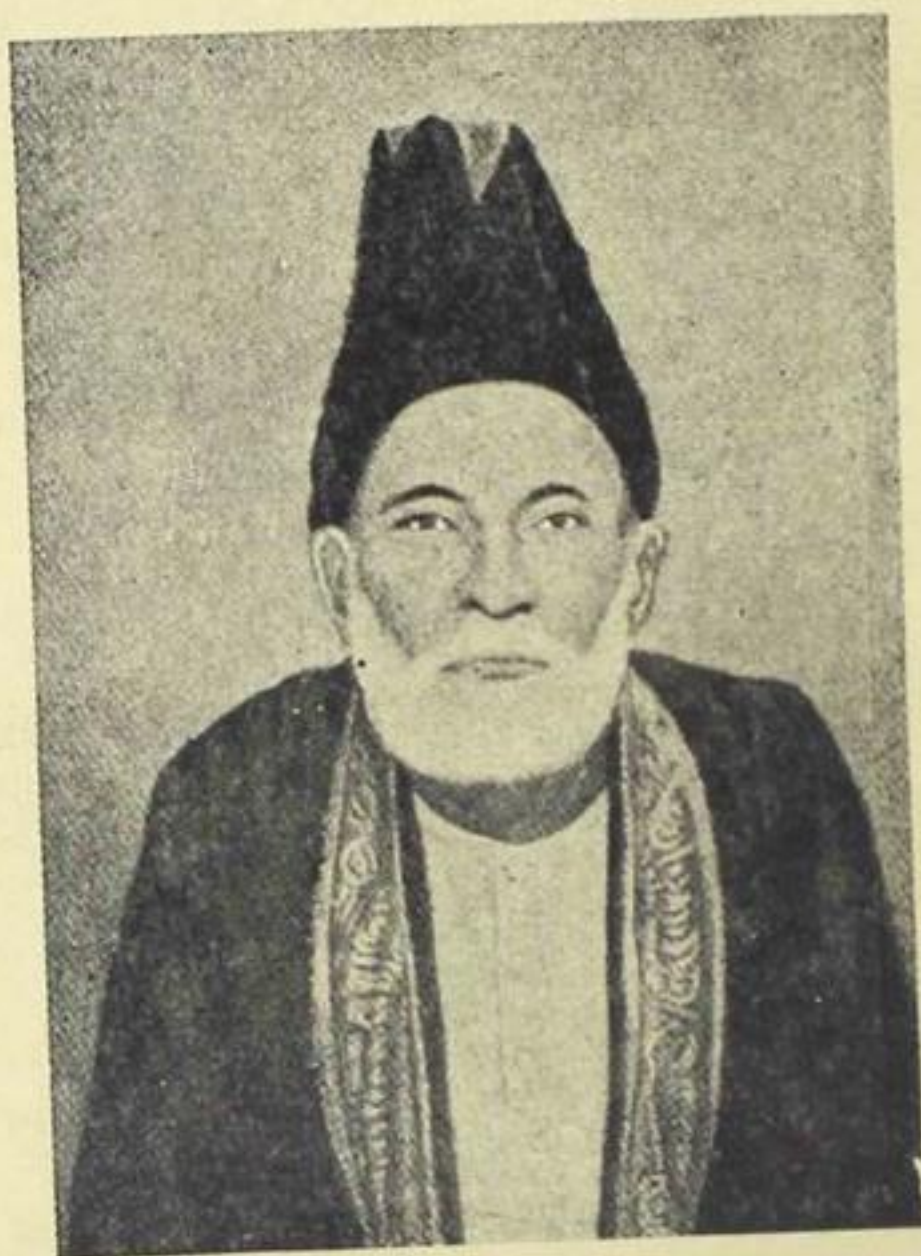
مرزا اسد اللہ خان غالب

۱۷۹۷ء — ۱۸۶۹ء

دیباچہ

غالب کے متداول دیوان کی شرحیں تیس سے اوپر ہیں لیکن ابتدائی قلم زد کلام اس قدر مُغلق ہے کہ وہ ابھی تک کا ملاً ممنونِ تشریح نہیں ہوا۔ غیر متداول حصّہ ذیل کے کلام پر مشتمل ہے۔

(۱) نسخۂ حمیدیہ کی اصل نسخۂ بھوپال کا بڑا حصّہ۔ اس نسخے کا انتخاب نسخۂ شیرانی ہے اور اس کا انتخاب گُلِ رعنا۔ ان دونوں انتخابات میں اپنے ماخذ کے علاوہ کچھ اشعار مزید بھی ہیں۔ اس قلم زد کلام کا بہترین ایڈیشن نسخۂ عرشی ہے۔

(۲) اپریل ۱۹۶۹ء میں بھوپال سے دریافت شدہ خود نوشت دیوان جو کلامِ غالب کا قدیم ترین مجموعہ ہے۔ اس کا بیشتر حصّہ نسخۂ بھوپال میں آگیا ہے لیکن ۱۶۹۔ اُردو اشعار ایسے ہیں جو غالب نے قلم زد کر دئے اور نسخۂ بھوپال سمیت کسی قلمی یا مطبوعہ مجموعے میں نہیں ملتے۔

(۳) نسخۂ عرشی کا جزو یادگارِ نالہ۔ یہ ان متفرق اشعار کا مجموعہ ہے جو متداول دیوان میں موجود نہیں لیکن انہیں غالب نے صریحاً قلم زد بھی نہیں کیا۔

(۴) عرشی صاحب کو نسخۂ عرشی کی اشاعت کے بعد غالب کا کچھ اور متفرق کلام مِلا جسے ان کے صاحبزادے اکبر علی خان نے "نقوش" لاہور شمارہ ۱۰۱ بابتہ نومبر ۱۹۶۴ء میں ضمیمہ نسخۂ عرشی کے نام سے شائع کیا۔ اس میں وہ پانچ قلم زد اشعار بھی شامل ہیں، جو خُود نوشتِ دیوان کے بعد اور کسی نسخے میں نہیں آئے۔

ان میں سے صرف نسخۂ بھوپال کے قلم زد کلام کے کچھ حِصّے کی شرحیں مِلتی ہیں جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے :-

(۱) مولانا عبدالباری آسی نے نسخۂ حمیدیہ میں شامل قلم زد کلام کی شرح بکمل

شرح کلامِ غالب ہ کے نام سے لکھی جو ۱۹۳۱ء میں صدیق بک ڈپو لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ یہ قلم زد کلام کے ۱۶۶۲ شعروں میں سے ۱۰۶۳ - اشعار کو محیط ہے۔

(۲) شیر علی خان سرخوش نے عنقائے معانی کے عنوان سے غالب کے متداول دیوان کی شرح دو جلدوں میں کی۔ تیسری جلد ضمیمہ ہے جو قلم زد کلام کے ۱۹۶ شعروں کی شرح ہے۔

(۳) وجاہت علی سندیلوی نے باقیاتِ غالب میں ۱۸۳ شعروں کی شرح کی۔ انہوں نے "نشاطِ غالب" میں مروجہ اشعار کے ساتھ چند قلم زد شعروں کی شرح بھی کی ہے۔

میری شرح ذیل کے کلام کو محیط ہے:-

(۱) نسخۂ عرشی کا پہلا حصہ "گنجینۂ معنی" جو ۱۶۶۲ شعروں پر مشتمل ہے۔

(۲) نسخۂ عرشی کے تیسرے جزو یادگارِ نالہ میں سے ۱۱۸ منتخب مشکل اشعار۔

(۳) غالب کے خود نوشت دیوان میں سے ۱۶۹ - اشعار جو دوسرے نسخوں میں نہیں آئے۔

(۴) ضمیمۂ نسخۂ عرشی از اکبر علی خان مشمولۂ "نقوش" بابت نومبر ۱۹۶۴ء میں سے چھ اشعار۔ یادگارِ نالہ اور ضمیمۂ نسخۂ عرشی میں سے الحاقی یا مشکوک اشعار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس طرح مختلف شرحوں کی تفصیل یہ ہے:-

	گنجینۂ معنی							
	قصیدہ	غزل	رباعی	میزان	یادگارِ نالہ	خود نوشت دیوان	ضمیمہ نسخۂ عرشی	کُل میزان
آسی	×	۱۰۵۱	۱۲	۱۰۶۳	×	×	×	۱۰۶۳
سرخوش	×	۱۹۶	×	۱۹۶	×	×	×	۱۹۶
سندیلوی	۶	۱۷۷	×	۱۸۳	×	×	×	۱۸۳
گیان چند	۱۴۳	۱۵۰۸	۱۲	۱۶۶۳	۱۱۸	۱۶۹	۶	۱۹۵۶

وہ اشعار جن کی شرح پہلی بار میں نے کی ہے:-

۱۴۳	۳۸۸	۵۳۱	+	۱۱۸ +	۱۶۹ +	۶	۸۳۴

ممکن ہے شمار میں کہیں تھوڑی بہت بھول چوک ہو گئی ہو!

اس طرح یہ شرح ۱۰۵ اشعروں کے سوا نسخۂ عرشی کے غیر متداول کلام کی شرح ہے۔ غزلوں کے شمار میں نسخۂ عرشی طبع اوّل کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ نسخۂ شیرانی کے متن کو نسخۂ بھوپال پر فوقیت ہے۔ نسخۂ عرشی کے متن کی طباعت تک نسخۂ شیرانی کی پوری تفصیلات نہ ملی تھیں۔ وہ اختلافِ نسخ میں درج ہیں۔ میں نے اختلافِ نسخ کی مدد سے متن کو نسخۂ شیرانی کے مطابق دُرست کر لیا ہے۔ اگر کہیں نہیں کیا تو اس کی وجہ ظاہر کر دی ہے۔

آسی نے ۱۹۳۱ء کے ایڈیشن میں یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ دوسرا ایڈیشن ہے جس میں انہوں نے متعدد نو دریافت غزلیں بھی شامل کی ہیں (جو بعد میں قطعی طور پر وضعی اور جعلی ثابت ہوئیں)۔ مجھے علم نہیں کہ اس شرح کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت بھی آئی؟ دراصل یہ شرح اس قدر غیر معروف رہی ہے کہ جب میں نے اپنی شرح شروع کی، مجھے اس کے وجود کا علم نہ تھا۔ کام کے دوران معلوم ہوا۔ مالک رام اور قاضی عبدالودود جیسے ماہرینِ غالب سے بات ہوئی تو وہ بھی اس کے وجود سے واقف نہ تھے۔ آسی نے مکمل قلم زد کلام کی شرح نہیں کی۔ انہوں نے بقولِ خود وہ اشعار شامل نہیں کئے جن کی پیچیدگیِ ترکیب اور ژولیدگیِ بیان کی وجہ سے حل کرنے کی ہمت ہی نہ بندھی مالک رام صاحب نے بھی مجھے یہ مشورہ دیا کہ جو اشعار مہمل دکھائی دیں اُنہیں مہمل لکھ کر چھوڑ دیا جائے۔ مطالعے اور غور و خوض سے مجھے اندازہ ہوا کہ پورے کلام میں ایک شعر بھی مہمل نہیں ہے، اس لئے میں نے بقدرِ بالیست ہر شعر کے معنی لکھے ہیں۔ آسی نے نہ صرف زیادہ مشکل اشعار چھوڑ دئے ہیں بلکہ جنہیں دیا ہے وہ بھی بعض اوقات اتنا مختصر ہوتا ہے کہ تشریح کا حق ادا نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ تو وہ شعر کو انہیں الفاظ میں نثر میں لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً :-

(۱) ہے بہار تیز رَو گلگونِ نکہت پر سوار۔ یک شکستِ رنگِ گُل صد جنبشِ مہمیز ہے

[بہار نہایت تیزی کے ساتھ خوشبو کے گھوڑے پر سوار ہو کر چلی جا رہی ہے اور ایک شکستِ رنگ سے سینکڑوں جُنبشِ مہمیز کا اثر پیدا ہوتا ہے۔ مہمیز کرنا گھوڑے پر ایڑ لگانے کو کہتے ہیں]

(۲) اسدؔ جمعیتِ دل در کنارِ بے خودی خوشتر
دو عالم آگہی سامانِ یک خوابِ پریشاں ہے

[اے اسدؔ! تمام جمعیتِ دل بے خودی کی گود میں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ گویا یہ زمانہ بھر کی آگاہی اور ہوشیاری ایک خوابِ پریشان کے واسطے پیدا ہوئی ہیں]

میں متعدد مقامات پر آسی کی تشریح سے متفق نہیں۔ اس کے باوجود میں اعتراف کروں گا کہ شاذ و نادر آسی نے میری غلط روی کی اصلاح بھی کی ہے۔ جہاں تک مترخوش کی تشریح کا تعلق ہے، وہ بیشتر صورتوں میں غلط، بے ربط اور "ماروں گھٹنا، پھوٹے آنکھ" کی مصداق ہے۔ وجاہت علی سندیلوی نے جن اشعار کے معنی لکھے ہیں وہ سلجھے ہوئے اور تشفی آمیز ہیں۔ گو اکثر صورتوں میں ان کا ذہن آسی سے متاثر ہے اس لیے ان سے ہٹ کر غور نہیں کر پاتا۔ میں نے ایک بار آسی کو دیکھے بغیر تمام اشعار کی شرح کی، اس کے بعد آسی اور بقیہ دونوں شرحوں کو سامنے رکھ کر نظرِ ثانی کی۔ یہ کام ۱۹۶۸ء کے آخر تک مکمل ہو چکا تھا۔

غالبؔ کا قلم زد کلام اجنبی فارسی محاوروں کی جنت ہے۔ فارسی لغات کے بغیر ان اشعار کے حل کی سعی نامشکور رہے گی۔ میں نے قدم قدم پر بہارِ عجم اور فرہنگِ آنند راج کا سہارا لیا ہے۔ میں اس گنجینۂ معنی کی طلسم کشائی میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، اس کا فیصلہ قارئین کریں گے۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ غالبؔ کے اشعار میں بعض ضروری اجزا کے حذف ہونے کی وجہ سے شاعر کے مافی الضمیر تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ شعر میں مبتدا کون سا ہے، خبر کون سی، یا مشبہ کون سا ہے اور مشبہ بہ کون سا۔ غیر معین صورتوں میں ایک سے زیادہ ممکنہ مفاہیم درج کر دئیے گئے ہیں۔

غالبؔ کا یہ کلام اردو شاعری کے ذخیرے میں سب سے زیادہ دقیق اور مغلق ہے اس کے معنی تلاش کرنا ناکوں چنے چبانا ہے اور وہ بھی لوہے کے۔ شرح کی ابتدا میں میں نے عرشی صاحب کی خدمت میں تقریباً دس شعر بھیجے اور ان کے مفہوم کے بارے میں رہبری چاہی۔ موصوف نے کمالِ لطف سے ان کے معنی عنایت کئے۔ ان میں سے بعض سے میں مطمئن ہوا۔ بعض کے بارے میں کسی قدر شبہ رہا۔ ان کے علاوہ میں نے چند

دوسرے چوٹی کے محققین سے مل کر بعض دقیق اشعار کے حلِ معنی میں مدد چاہی۔ ہاتھ کے ہاتھ وہ ایک بھی شعر کے معنی کی گتھی نہ سلجھا سکے۔ اب مجھے خود اعتمادی ہو گئی کچھ یہ بھی ہے کہ میں غالب کے ذہن کی کجی اور اس کی مخصوص نہجِ فکر سے آشنا ہو گیا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ قارئین بعض صورتوں میں میری تشریحوں سے مطمئن نہ ہوں گے۔ شاید یہ شارح سے زیادہ شعر کا قصور ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میں بعض صورتوں میں شاعر کے عندیہ تک نہیں پہنچ پایا ہوں اور مجھ سے بہتر تشریح ممکن ہو سکتی ہے۔ شاید میں نے کوئی فاحش غلطی کر کے اپنی عدمِ صلاحیت اور کم علمی کا راز افشا کر دیا ہو۔ میں خوش ہوں گا اگر میری تشریحیں زیرِ بحث لا کر ان سے بہتر تشریح تک پہنچا جائے۔ میرا مقصد ہی یہ ہے کہ بحث و تمحیص کے بعد اس کلام کے درول کو چیرا جا سکے۔ میری تشریح کے بعد قارئین کے لئے یہ اشعار ایک بند طلسم نہ رہیں گے بلکہ وہ ان کی کشود کی کئی راہیں تلاش کر سکیں گے۔

عبدالباری آسی اور وجاہت علی سندیلوی کا رُجحان یہ ہے کہ قلم زد کلام کو شاعرانہ حیثیت سے اتنا ہی بلند مرتبہ دیا جائے جتنا متداول دیوان کو۔ میں اس سے متفق نہیں۔ قلم زد کلام کے کچھ اشعار ضرور اچھے ہیں لیکن بیشتر صورتوں میں یہ کلام محض ذہنی جمناسٹک ہے۔ سرکس میں کسے ہوئے تار یا جھولے پر طرح طرح کے کرتب دکھانا ہے۔ یہ کلام ایک صحرائے لق و دق ہے جس میں رُوحِ شاعری کا نخلستان شاذ ہے۔

ہمارے مُلک میں اُردو کتابوں کی اشاعت کا مسئلہ بھی ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس کے لئے میں جموں و کشمیر کلچرل اکیڈیمی کے صدر جناب غلام محمد صادق (وزیرِ اعلیٰ جموں و کشمیر) اور سیکرٹری جناب نیلامبر دیو شرما کا ممنون ہوں کہ ان حضرات نے اس کتاب کو اکیڈیمی کی طرف سے شائع کرنا منظور کیا۔ یہ بیل محترمی پروفیسر محمد مجیب کی مدد کے بغیر شاید منڈھے نہ چڑھتی۔ ان کے لُطفِ خاص کے لئے بھی مشکور ہوں۔

جموں۔ یکم فروری ۱۹۷۰ء

گیان چند

قصائد

(۱)

نسخۂ عرشی میں قصیدوں کے اشعار گنجینۂ معنی اور نوائے سروش میں منتشر ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے تسلسل مجروح ہوگیا ہے۔ آیندہ اوراق میں متن کو اختلافِ نسخ میں مندرج نسخۂ شیرانی کے مطابق صحیح کر لیا گیا ہے۔ نسخۂ بھوپال میں اس قصیدے کا عنوان "قصیدۂ حیدریہ بہ تمہیدِ بہارِ مغفرت" ہے۔

سنگ پہ کار گہِ ربطِ نزاکت ہے کہ ہے
خندۂ بے خودیِ کبک، بہ دندانِ شرار

بہار کے اثر سے ہر چیز میں اتنی نزاکت آگئی ہے کہ پتھر بھی نزاکت کا کارخانہ بن گیا ہے۔ سنگ سے شرر اسی وقت نکلتا ہے جب ایک سخت ضرب لگائی جائے جس کے ساتھ ایک کرخت آواز پیدا ہوگی۔ اب پتھر اتنا نازک و لطیف ہوگیا ہے کہ شررِ سنگ کے دانتوں سے ہنسی کی آواز نکلتی ہے۔ ہنسی بھی کون سی، جو ایک عشق پیشہ پرند چکور کو مستی و بے خودی میں آتی ہے۔ شرر اور دندان میں مشابہت ہے۔ کبک اور سنگ کا تعلق کبکِ دری سے ظاہر ہے۔

کشتۂ افعیِ زُلفِ سیہِ شیریں کو
بیستوں سبزے سے ہے سنگِ زمرّد کا مزار

افعی: کالا سانپ۔ بیستوں وہ پہاڑ ہے جسے کاٹ کر فرہاد نے جوئے شیر نکالی تھی۔ شیریں کی سیہ زُلف کو افعی سے تشبیہ دی ہے۔ اس افعی کا مارا ہوا اگر بیستوں میں دفن کیا جائے تو پورا پہاڑ سبزے کی شدّت سے اتنا سبز ہوجائے گا گویا عاشق کو زمرّد کا مزار نصیب ہوگیا۔ زمرّد ہرے رنگ کا پتھر ہوتا ہے۔ افعی اور زمرّد میں یہ تلازمہ بھی ہے کہ روایت کے مطابق زمرّد کے سامنے افعی اندھا ہوجاتا ہے۔

حسرتِ جلوۂ ساقی ہے کہ ہر پارۂ ابر
سینہ بے تابی سے مَلتا ہے بہ تیغِ کہسار

تیغِ کہسار: پہاڑ کی چوٹی، جس کی نوک تلوار کی نوک کی طرح تیز ہوتی ہے۔
تردامن بادل کو بھی مے خواری کا شوق ہے اور وہ ساقی کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ اسے نہ دیکھ پانے پر وہ اتنا مضطرب ہے کہ اپنے سینے کو تیغِ کہسار سے مَل کر گویا جان دینے کو آمادہ ہے۔

دشمنِ حسرتِ عاشق ہے رگِ ابرِ سیاہ
جس نے برباد کیا ریشۂ چندیں شبِ تار

عاشق کی حسرت رات کی سیاہی میں زیادہ اُبھرتی ہے۔ اب کی بہار میں بادل اتنا سیاہ ہے کہ اس کے آگے اتنی تاریک رات بھی تاریک نہیں معلوم ہوتی۔ رات کے پوری طرح سیاہ نہ ہونے کی وجہ سے عاشق کی حسرت بے نہایت نہیں۔ رگِ ابر سے مُراد بادل کی وہ فرضی رگ جس سے پانی ٹپکتا ہے، رگ کی مناسبت سے شبِ تاریک میں بھی ریشہ پیدا کر لیا۔

چشم بر چشم پچنے ہے بہ تماشا مجنوں
ہر دو سو خانۂ زنجیر، نگہ کا بازار

بہار کی یہ شدت ہے کہ ہر آنکھ محوِ تماشا ہے، حلقۂ زنجیر کی آنکھ بھی۔ اس میں بھی نگاہیں پیدا ہو گئی ہیں۔ مجنوں زنجیر کی آنکھ پر اپنی آنکھ رکھ کر اس کے آر پار بہار کا منظر دیکھتا ہے۔ اس طرح حلقۂ زنجیر کی آنکھ کے دونوں طرف نگاہوں کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اس طرف مجنوں کی نگاہیں اُس طرف چشمِ حلقۂ زنجیر کی فرضی نگاہیں۔ گویا خانۂ زنجیر (یعنی حلقۂ زنجیر) نگاہ زار بن گیا۔

خانۂ تنگ، ہجومِ دو جہاں کیفیت
جامِ جمشید ہے یاں قالبِ خشتِ دیوار

دو جہاں کیفیت: بہت سی کیفیّت۔ کثرتِ مقدار دکھانے کے لئے یہ غالب کی مخصوص ترکیب ہے۔ یک جہاں زانو تامّل، یک بیاباں ماندگی وغیرہ کے ڈھنگ پر۔

عموماً چھوٹا کمرہ دِل تنگی کا باعث ہوتا ہے لیکن اس بہار میں تنگ مکان میں بھی کیفیتوں کے ہجوم لگے ہیں۔ جامِ جمشید شراب کا جام تھا اور دونوں جہاں کے حالات بھی بتاتا تھا۔ خانۂ تنگ کی دیوار کی اینٹ گویا جامِ جمشید کے قالب میں ڈھل کر بنی ہے اسی لئے اس سے بنے مکان میں دونوں دُنیاؤں کی کیفیت نظر آتی ہے۔

سُنبل و دام کمیں خانۂ خوابِ صیّاد
نرگس و جام سیہ مستیٔ چشمِ بیدار

دونوں مصرعوں میں "و" عطف کے لئے نہیں حرفِ تشبیہ کا کام دے رہا ہے۔ خوابِ صیّاد: صیّاد مکر کرکے نیند کا بہانہ کرکے لیٹ جائے اور صید کے آنے پر اسے فوراً گرفتار کرلے۔ صیّاد گھات لگا کر، جال بچھا کر نیند کا بہانہ کرکے بیٹھتا ہے۔ سُنبل چونکہ بالوں کی طرح ہوتا ہے، اسے جال سے تشبیہہ دی ہے۔ بہار میں سُنبل اتنا خوش نما ہے کہ دیکھنے والا اسی طرح اس کا اسیر ہو جاتا ہے، جیسے خواب کا مکر کرنے والے صیّاد کے دام میں۔ نرگس کسی حسین کی ہوشیار آنکھ کے مستی بھرے پیالے کی طرح ہے۔ خواب، اور بیدار میں صنعتِ تضاد ہے۔

طرّہ ہا بسکہ گرفتارِ صبا ہیں شانہ
زانوے آئنہ پر مارے ہے دستِ بیکار

زانوئے آئنہ: پرانے زمانے میں رواج تھا کہ خواتین زانو پر آئینہ رکھ کر اپنی آرائش کرتی تھیں۔ زانوئے آئینہ سے مُراد ہے وہ زانو جس پر آئینہ رکھا ہے۔ زُلفیں صبائے بہار کی ہو کر رہ گئی ہیں، خواہ وہ انہیں پریشان کرے، خواہ سنوارے آرائش کے وقت حسینوں کا ہاتھ بیکار ہوگیا۔ زُلفوں کی طرف سے اسے بے نیاز ہوجانا پڑا۔ اس لئے وہ کنگھی کو اپنے اس زانو پر پھینک دیتا ہے جس پر آئینہ دھرا ہے۔

بسکہ یک رنگ ہیں دِل، کرتی ہے ایجادِ نسیم
لالے کے داغ سے، جوں نقطۂ و خطِ سُنبل زار

دِل سے مُراد ہے پھولوں کا دِل یعنی داغ جس کا بہترین منظر داغِ درونِ لالہ ہے۔ لالے کے سب پھولوں کے داغ بھی سیاہ ہیں اور سُنبل بھی سیاہی مائل ہوتا ہے۔

نسیم نے یہ کمال دکھایا کہ لالے کے پھولوں کے داغوں سے نقطے اور خطوط تراشے اور ان سے سنبل زار کی تشکیل کی۔

اے خوشا فیضِ ہوائے چمنِ نشو و نما
بادہ پُر زور و نفس مست و مسیحا بیمار

چمن کی بالیدہ کرنے والی ہوا کا فیض بھی کیا خوب ہے۔ ہوا کے اثر سے شراب تیز اثر اور لوگوں کے سانس مستی بھرے ہو گئے ہیں۔ کوئی بیمار نہیں ہوتا۔ مسیحا اور معالج کو کوئی کام نہیں بچا۔ بیکاری کے غم سے صرف وہی یعنی مسیحا بیمار پڑ گیا ہے، بقیہ سب صحت مند ہیں۔

ہمتِ نشو و نما میں یہ بلندی ہے کہ سرو
پرِ قمری سے کرے صیقلِ تیغِ کہسار

تیغِ کہسار: پہاڑ کی چوٹی۔ تلوار کا زنگ چھڑانے کے لئے کسی چیز سے رگڑتے ہیں۔ نشو و نما میں یہ بلندی ہے کہ سرو دامنِ کوہ میں لگا ہے۔ اس کے اوپر قمری بیٹھی ہے۔ اب سرو بالیدہ ہو کر پہاڑ کی چوٹی کے برابر پہنچ گیا۔ گویا اپنے اوپر کی قمری کے پر سے تیغِ کوہ (پہاڑ کی چوٹی) کو رگڑ کر صیقل کر رہا ہے۔

ہر کفِ خاک، جگر تشنۂ صد رنگِ ظہور
غنچے کے میکدے میں مستِ تامّل ہے بہار

جگر تشنہ: بہت مشتاق۔ مستِ تامّل: غور و خوض میں محو۔ ذرا سی مٹھی بھر خاک بھی سو رنگ میں ظاہر ہونے کی بہ شدّت مشتاق ہے۔ کفِ خاک سے غنچہ پیدا ہوا۔ اس میں بہار سوچ میں کھوئی ہوئی ہے کہ میں کن کن رنگوں میں ظاہر ہوں۔ غنچے کو میکدے سے تشبیہہ دی ہے تاکہ غور کو مستی سے مشابہ کیا جا سکے!

کس قدر عرض کروں ساغرِ شبنم، یا ربّ؟
موجۂ سبزۂ نوخیز ہے لبریزِ خمار

میں شبنم کے کتنے ساغر پیش کروں۔ نئے اُگے ہوئے سبزے کی موجیں تو پہلے ہی خمار سے بھرپور ہیں۔ سبزہ پر شبنم پڑی وہ مست ہو گیا۔ اب مزید ساغر کیوں پیش

غنچۂ لالہ بہ مستِ جوانی ہے ہنوز / شبنمِ صبح ہوئی رعشۂ اعضائے بہار

دوسرے مصرع سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے اعضا پر رعشہ طاری ہے لیکن بہاریہ تشبیب میں یہ مضمون نہیں آسکتا۔ لالہ کا پھول بہت عارضی ہوتا ہے۔ صبح کو دھوپ نکلنے پر ایک طرف شبنم غائب ہو جاتی ہے، دوسری طرف گلِ لالہ کی زندگی کنارے آلگتی ہے۔ لیکن اس بہار کے موسم میں دن چڑھنے پر بھی لالے کا غنچہ جوانی کے عالم میں ہے، حالانکہ شبنمِ صبح اُڑ چکی ہے۔ پیری میں اعضا پر رعشہ آجاتا ہے۔ بہار کے اعضا پر سے رعشہ اس طرح غائب ہے جیسے شبنم غائب ہو گئی ہے۔ یعنی شبنم کا اُڑ جانا گویا رعشے کا چلا جانا ہے۔ شبنم کی ڈھلکتی بوندوں میں رعشے کی کیفیت تھی۔ اس کا دو گیارہ ہونا ایک عیب کا ختم ہو جانا ہے جو خوش آئند ہے۔

جوشِ بیدادِ تپش سے ہوئی عریاں آخر / شاخِ گلبن بہ صبا، چھوڑ کے پیراہنِ خار

ایران کی بہار سردیوں کے بعد آتی ہے۔ اُس وقت دو باتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو گرمی بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات پیراہن اُتارنا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ کہ عشاق کو بے قراری ہوتی ہے اور وہ پیراہن وغیرہ اُتار کر عریاں ہو جاتے ہیں۔ تپش کے معنی گرمی اور بے قراری دونوں کے ہیں۔ ہوا کے پاس کانٹوں کا پیراہن تھا۔ بے قراری اور سوزش کی وجہ سے صبا نے یہ کانٹوں کا پیراہن پھولوں کی ٹہنی میں چھوڑا اور وہاں سے ہر طرف گھومنے کو چل نکلی۔ یعنی بہار میں پھولوں کے پودوں سے ہوائیں نکل کر بہہ رہی ہیں جیسے عریاں ہو گئی ہوں!

سازِ عریانیِ کیفیتِ دل ہے: لیکن / یہ مئے تُند نہیں، موجِ خرامِ اظہار

ساز: اہتمام۔ موجِ خرام بدونِ اضافت: لہریں لے لے کر خرام کرنے والی۔

کیفیتِ دل کے عریاں ہونے کے سامان مہیا ہیں۔ لیکن یہ تندشراب اظہار پر مائل نہیں یعنی دلوں میں پوشیدہ ہے۔

موجِ مے پر ہے، براتِ نگرانِ اُمید
گلِ نرگس سے کفِ جام پہ ہے، چشمِ بہار

برات: تنخواہ کا کاغذ یا چیک جسے دکھا کر خزانے سے مشاہرے کا روپیہ ملتا ہے۔ کفِ جام: جام میں بھری ہوئی شراب کے جھاگ۔ چشم ہونا: توقع یا خواہش ہونا۔ اُمید کو مجسم کر کے نگراں یا نگہبان قرار دیا ہے۔ اُمید کی تنخواہ یا حصّہ یا رزق موجِ مے پر ہے۔ یعنی موجِ مے سامانِ رزق فراہم کرتی ہے۔ دوسری طرف بہار بھی اپنی للچائی ہوئی آنکھ شراب سے لبریز جام پر ڈال رہی ہے۔ بہار کی آنکھ کون سی ہے؟ نرگس کا پھول جس کے ذریعے بہار جام مانگ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے پہلے مصرع میں اُمید، بہار کی اُمید ہو۔

گلشن و میکدہ، سیلابیِ یک موجِ خیال
نشّہ و جلوۂ گل، برسرِ ہم فتنۂ غبار

نسخۂ عرشی میں عیار چھپا ہے لیکن عرشی صاحب نے مجھے لکھا کہ "غبار" صحیح ہے میری رائے میں "ہم فتنہ" بھی سہوِ قرأت ہے۔ فتنہ سے کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔ زبردستی کوئی معنی پہنائے جا سکتے ہیں۔ اس شعر میں اور اس کے آگے کے اشعار میں پھول اور نشے یا باغ اور میکدے کی مشابہت دکھائی ہے۔ دونوں میں ایک ہی موجِ خیال کا سیلاب آ رہا ہے۔ یہاں سیلاب تباہی کی قوت نہیں، سیرابی کا وسیلہ ہے۔ باغ پانی سے سیراب ہوتا ہے اور میکدہ شراب سے۔ گویا دونوں کے ذہنوں میں ایک ہی قسم کی موجِ خیال جاری و ساری ہے۔ جلوۂ گل زمین کے غبار کے اُوپر ظاہر ہوتا ہے اور نشہ غبارِ کلفت کے اُوپر۔ غبار خواہ زمین کا ہو، خواہ کلفت کا، فتنہ ہے۔ ہم فتنہ: ایک ساتھ فتنہ بپا کرنے والے۔ نشے اور پھول کا جلوہ دونوں فتنہ انگیز غبار کو دبا کر ظاہر ہوتے ہیں۔

پُشتِ لب تہمتِ خط کھینچے ہے بے جا یعنی
سبز ہے موجِ تبسّم، بہ ہوائے گفتار

چونکہ ایران میں کالا اور نیلا رنگ منحوس سمجھا جاتا ہے، اس لئے ان رنگوں کی اشیاء کو سبز کہتے ہیں۔ چرخِ اخضر اور خطِ سبز کی یہی وجہ ہے۔ ہونٹوں کے اُوپر خط کے بال کہنا ایک تہمت ہے۔ دراصل بولنے کی خواہش میں موجِ تبسم سبز ہو گئی ہے۔ یہ بہار کا اثر ہے کہ موج بھی سرسبز ہو گئی۔ ہوا: خواہش

جائے حیرت ہے کہ گُل بازیِ اندیشۂ شوق
اس زمین میں نہ کرے سبز قلم کی رفتار

زمین سے مُراد شعر کی زمین نہیں بلکہ مقام یا خطہ ہے۔ حیرت کا مقام ہے اگر اس زمین یعنی باغ میں بیٹھ کر کسی کا شوق گُل کاریاں دِکھلائے اور اس کے قلم کی چال سبز نہ ہو جائے یعنی اس کی تحریر نغز نہ ہو جائے۔ اندیشۂ شوق: شوقِ مجسم کا تخیّل یعنی خود شوق۔ قلم سے مُراد خامہ ہے۔ گو ایہام کے طور پر پیڑوں کی قلم کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے!

کسوتِ تاک میں ہے، نشۂ ایجادِ ازل
سبحۂ عرضِ دو عالم، بہ کفِ آبلہ دار

نشۂ ایجادِ ازل: مبدائے عالم نے ازل میں تخلیق کی جو خواہش کی۔ سبحۂ عرضِ دو عالم: تسبیح گردانی۔ خدا کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی نشانی ہے۔ اس کے سہارے دونوں دُنیاؤں سے متعلق خواہشوں کی عرض داشت کی جا سکتی ہے۔ اب شعر کے معنی سُنیئے۔ انگور کے لباس میں معمولی نشہ پوشیدہ نہیں۔ یہ جوشِ تخلیق کا نشہ ہے! (ظاہر ہے کہ یہ تخلیق شراب کی تخلیق ہے) کسی درماندہ شخص کی آبلہ دار ہتھیلیاں نہیں۔ یہ شخص ہاتھ میں تسبیح لیئے ہے اور اس دُنیا اور اُس دُنیا کے بارے میں کچھ خواہشوں کی تکمیل کی دُعا مانگ رہا ہے۔ ہاتھ کا آبلہ دار ہونا نامستحسن صورتِ حال ہے۔ اسے شاعر نے پسندیدہ بنا کر پیش کیا ہے۔

عرضِ دو عالم کے معنی "دونوں دُنیاؤں سے متعلق معروضات" کے علاوہ "دونو

دُنیاؤں کے رہنے والوں کے معروضات " بھی ہوسکتے ہیں۔ اس طرح نشۂ انگور کو وُسعت دے کر نشۂ تخلیق بنا دیا اور مجروح ہاتھ کے آبلوں کو ایسی تسبیح، جس پر دُنیا بھر کے باشندوں کی خواہشاتِ دلی کے لئے دُعا مانگی جا رہی ہے۔

بہ نظر گاہِ گلستانِ خیالِ ساقی
بے خودی، دامِ رگِ گل سے ہے پیمانہ شکار

اس قصیدے کے کئی اشعار میں غالب نے پھول اور شراب کا اجتماع کیا ہے۔ یہاں ساقی کے تصور کو گلستان سے مشابہ کیا ہے اور اس باغ کو نظر کا میدان قرار دیا ہے۔ بے خودی یعنی مستی رگِ گل کے جال سے پیمانے کو شکار کر رہی ہے یعنی ساقی کے بارے میں سوچا جائے تو خیال میں گلزار کا عالم بھی ہو جاتا ہے اور پیمانے کا سرور بھی!

بہ ہوائے چمنِ جلوہ ہے طاؤس پرست
باندھے ہے پیرِ فلک، موجِ شفق سے زنّار

ہوا: خواہش۔ چمنِ جلوہ سے جلوہ کے چمن بہتر رہتا۔ طاؤس، غالب کے کلام میں رنگینی کی علامت ہے۔ اس کا ذکر اکثر کرتے ہیں۔ بہار میں، بالخصوص برسات میں مور بولتے ہیں۔ آسمان جلوۂ بہار کی رونق دیکھنے کی ہوس میں طاؤس کو پسند کرنے لگا ہے۔ کیونکہ طاؤس مجسّمِ رنگ و جلوہ ہے۔ غالباً غالب کے نزدیک طاؤس پرستی ہندو عقیدہ ہے جو صحیح نہیں، پیرِ فلک کو ہندوئیت کی طرف مائل دکھانے کے لئے زنّار کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ شفق کی موج کو زنّار قرار دیا ہے۔

یک چمن جلوۂ یوسف ہے بہ چشمِ یعقوب
لالہ ہا داغ بر افگندہ و گل ہائے خار

یک چمن جلوہ: بہت سارا جلوہ۔ بہار کی وجہ سے یعقوب کی نظر کو ہر طرف یوسف کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ لالے کے پھولوں نے داغ گرا دئے ہیں اور پھول بغیر کانٹوں کے ہو گئے ہیں۔ لالہ اور داغ کی کمزوری داغ اور خار تھے۔ وہ بھی جاتے رہے۔

بیضۂ قمری کے آئینے میں پنہاں صیقل
سروِ بے دِل سے عیاں عکسِ خیالِ قدِ یار

قمری اور سرو میں رعایت ہے اور پنہاں اور عیاں میں تضاد ہے۔ لوہے کے آئینے میں صیقل کی جاتی تھی۔ سرو و قمری، باغ و بہار کے لوازم ہوتے ہیں۔ بیضۂ قمری صیقل شدہ آئینے کی طرح صاف و شفّاف ہے۔ سرو ہمارے محبوب کے قد کو دیکھ کر دِل دے چکا ہے۔ سروِ بے دل یار کے قدِ بلند کے تصوّر کا عکس ہے!

عکسِ موجِ گُل و سرشاریِ اندازِ حباب
نگہِ آئنہ، کیفیتِ دِل سے ہے دوچار

اندازِ سرشاری کی بجائے سرشاریِ انداز لانا غالب ہی کا شیوہ ہے۔ پانی کے کنارے پھولوں کا تختہ ہو تو موجِ گُل کا عکس پانی میں دِکھائی دے گا۔ یہ عکس اور اس کی وجہ سے حباب کی مستی دیکھنے کے قابل ہے۔ بہار ہی کے اثر سے یہ کرشمہ ہے کہ آئینہ نہ صرف انسان کے ظاہر کو دیکھتا ہے بلکہ اس کے دِل کی کیفیت کا بھی مشاہدہ کر لیتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دِلی کیفیت اتنی شدید ہو کہ چہرے پر ظاہر ہو جائے!

کِس قدر ساز دو عالم کو ملی جُرأتِ ناز
کہ ہوا ساغرِ بے حوصلۂ دِل، سرشار

کونین کا ساز و سامان کتنا ناز کرنے لگا ہے کہ ایسا دِل جو ساغرِ بے حوصلہ تھا یعنی جسے رندی و سرشاری کی ہمت نہ تھی وہ بھی سرشار ہو گیا ہے!

ورنہ وہ ناز ہے جس گلشنِ بے داد سے تھا
طورِ مشعل بہ کف از جلوۂ تنزیہِ بہار

جلوۂ تنزیہ: پاکیزہ جلوہ۔ اس شعر میں "ورنہ" اور "جس" پُوری طرح معنی نہیں دیتے۔ ورنہ کا تو کوئی موقع ہی نہیں۔ شعر کا مفہوم پہلے شعر سے وابستہ ہے۔ گُلشنِ بیداد سے مُراد غالباً صحرائے نجف ہے جس سے متعلق نوائے سروش والے حصّے میں کچھ اور اشعار بھی ہیں۔ اوقاف کی موجودہ صورت میں سوال ہوتا ہے کہ جس

گلشنِ بے داد سے طور مشعل بہ کف تھا اُس کا کیا ہوا؟ " جس سے شروع ہونے والے جملے کے بعد کوئی اور فقرہ بھی آنا چاہیئے ورنہ بات نامکمل رہ جائے گی۔ بہتر یہ ہوگا کہ اوقات اس طرح لگائے جائیں۔

ورنہ وہ ناز ہے جس گلشنِ بے داد ~~سے~~، تھا
طور مشعل بہ کف از جلوۂ تنزیہہِ بہار

کچھ الفاظ کے اضافے کے ساتھ اس کی تشریح یوں ہوگی ۔۔۔ " پہلے سازِ دو عالم کو جرأتِ ناز نہ تھی۔ اب جس گلشنِ بے داد کے طفیل عالم کو ناز ہے طور اسی کی بہار کے جلوۂ تنزیہہ سے مشعل بہ کف تھا۔" ورنہ وہ " کی جگہ " اور یہ " ہو تو زیادہ مناسب ہو۔ "جلوۂ تنزیہہِ بہار" اس کا جلوۂ تنزیہہِ بہار ہے۔ شعر کے معنی اب صاف ہو جاتے ہیں۔

صحرائے نجف کو گلشن کہا۔ چونکہ وہاں حضرت علی کا روضہ ہے۔ اسے بے داد کا گلشن کہا۔ چونکہ اس کا تعلق ایک مظلوم شہید سے ہے۔ دُنیا کو اسی گلشن کی وجہ سے ناز ہے۔ اسی کی پاکیزہ بہار کے جلوہ سے طور نے اکتسابِ نُور کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ پر مشعل سی روشن ہو گئی تھی۔ یعنی تجلّیِ طور کا ماخذ اسی باغ یا صحرا کی بہار تھی!

سایۂ تیغ کو دیکھ اس کے، بہ ذوقِ یک زخم
سینۂ سنگ پہ کھینچے ہے الف، بالِ شرار

الف: اس زخم کو کہتے ہیں جو الف کی شکل کا ہو۔ سینے پر الف کھینچنا: ایران میں رسم ہے کہ عاشق، قلندر اور ماتم کرنے والے سینے پر الف کھینچ لیتے ہیں۔ بالِ شرار: شرار کے پنکھ یعنی خود شرار۔ شعر میں تیغ کی کاٹ کا مبالغہ ہے۔ حضرتِ علی کی تلوار پتھر کی طرف کو چلتی ہے۔ اس کے سایہ کو دیکھتے ہی سنگ سے شرر نکل پڑتا ہے۔ وہ شرر سنگ کے سینے پر الف کا نشان بنا دیتا ہے جو عاشقوں کی نشانی ہے یعنی پتھر زبانِ حال سے تلوار پر تقاضا کرتا ہے کہ جلد آ۔ اور مجھے زخم کی لذّت عطا کر"

بُت کدہ، بہرِ پرستش گریِ قبلۂ ناز
باندھے زنّارِ رگِ سنگ، میانِ کہسار

پہاڑ کے بیچ کوئی بت کدہ بنا ہے جو ظاہر ہے، پتھروں سے بنا ہوگا۔ بت پرست کے لئے پوجا پاٹھ کرتے وقت زنّار بھی بندھا ہونا چاہیئے۔ بت کدہ جو بظاہر مقامِ کفر ہے۔ وہ قبلۂ ناز یعنی حضرت علی کی پرستش کرتا ہے اور اپنی وضع نباہنے کے لئے زنّار بھی باندھے ہے۔ وہ زنّار ہے رگِ سنگ۔ رگِ سنگ پتھر کی دھاریوں کو کہتے ہیں۔۔۔

سبحہ گرداں ہے اسی کے کفِ اُمید کا ابر
بیم سے جس کے صبا، توڑے ہے صد جا زنّار

پہلے شعر میں زنّار باندھنے کا ذکر تھا۔ اس شعر میں حضرتِ علی کے خوف سے نشانِ کفر زنّار کو توڑا گیا ہے۔ جن کے ڈر سے ہوا لوگوں کے زنّار توڑتی پھرتی ہے۔ بادل انہیں کے بخشش کرنے والوں ہاتھوں کی توصیف کرتا رہتا ہے۔ سبحہ اور زنّار میں رعایت ہے۔ کفِ اُمید: اُمید دِلانے والا ہاتھ یعنی سخاوت کرنے والا ہاتھ۔

رنگریزِ گُل و جامِ دو جہاں ناز و نیاز
اوّلیں دورِ امامت، طربِ ایجادِ بہار

عرشی اس شعر کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ اوّلیں دورِ امامت سے مُراد امامِ اوّل ہے۔ یہ معنی اوّلِ دورِ امامت یا اولینِ دورِ امامت سے برآمد ہو سکتے تھے۔۔۔ فی الوقت اسی کے معنی امامت کا پہلا دَور لئے جائیں گے۔ یہ دَور پھول کو رنگ دینے والا ہے۔ بہت سے ناز و نیاز سے بھرا جام ہے اور بہار کی خوشیاں تخلیق کرتا ہے۔ دو جہاں ناز و نیاز: بہت زیادہ ناز و نیاز۔ ناز و نیاز حُسن و عشق کی صفات ہیں یعنی یہ دَورِ عشق کا دَور ہے۔ حضرت کی سمت سے ناز اور طالبوں کی سمت سے نیاز کی کثرت ہے۔

جوشِ طوفانِ کرم، ساقیِ کوثر ساغر
مُنہ فلک آئینہ ایجادِ کفِ گوہر بار

آئینہ ایجاد کو ایک ترکیب ماننا چاہیئے۔ حضرت کے طوفانِ کرم کا جوش ہے۔ وہ ایسے ساقی ہیں جن کا ساغر حوضِ کوثر ہے۔ ان کے گوہر برسانے والے ہاتھ کی

عکاسی کے لئے نو آسمانوں نے اپنا آئینہ ایجاد کیا ہے۔ یعنے ان کے کفِ گوہر بار کی وُسعت نو فلک کے برابر ہے۔

نسخہ عرشی میں مصرعِ ثانی کے اوقاف ہیں۔ ع۔ نہ فلک آئینہ، ایجادِ کفِ گوہر بار۔ ایجاد کے بعد تو بہر حال اضافت ہونی ہی چاہیئے۔ مطبوعہ مصرع کے معنی یوں ہوں گے کہ نو آسمانوں کا آئینہ حضرت علی کے کفِ گوہر بار کی ایجاد ہے۔ ظاہر ہے یہ مفہوم اتنا اچھا نہیں جتنا سابق قرأت کے ساتھ کہ کفِ گوہر بار کی عکاسی کے لئے نو آسمانوں نے اپنا آئینہ اختراع کیا ہے۔

پہنے ہے پیرہنِ کاغذِ ابری، نیساں
یہ تنک مایہ ہے فریادیِ جوشِ ایثار

کاغذی پیرہن پہننا کسی کے خلاف فریاد کرنے کی نشانی ہے۔ ابری کے لفظ میں ایہام ہے۔ ابری ایک کاغذ کا نام ہے جو کتابوں کی جلد پر چڑھاتے ہیں اور ابری کا صوری تعلق ابر سے بھی ہے۔ ابرِ نیساں کاغذ ابری یعنے بادل کا پیراہن پہن کر آیا ہے۔ یہ حضرتِ علی کے جوشِ ایثار یعنی کثرتِ جود و کرم کے خلاف فریاد کرتا ہے کہ یہ مجھ سے بھی بڑھ گئے۔ نیساں موتی برسانے والا بادل ہوتا ہے لیکن حضرت کے کفِ گوہر بار کے آگے کم مایہ رہ جاتا ہے۔

پر یہ دولت تھی نصیبِ نگہِ معنی ناز
کہ ہوا صورتِ آئینہ میں، جوہر بیدار

نسخہ عرشی سے تو پتہ نہیں چلتا کہ اس شعر سے پہلے نوائے سروش کا کون سا شعر تھا اور کس دولت کا ذکر ہے۔ نسخہ حمیدیہ سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کے اشعار میں حضرت کے مکان کی توصیف ہے۔ بالکل پہلے کا شعر یہ ہے:

واں کے خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کاہ
وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

اب صاف ہو گیا کہ "یہ دولت" سے مُراد حضرت کی سرا کا خاشاک ہے۔ نگہِ معنی ناز: وہ نگاہ جو معنی یعنی درون کی صفات پر ناز کرے۔ آئینے کی نگاہ مُراد ہے۔ کیونکہ

آئینے میں معنوی یا باطنی خوبیاں ہوتی ہیں۔ فولادی آئینے کا جوہر کبھی دھبّوں کی شکل میں کبھی لکیروں کی شکل میں ہوتا ہے۔ آخرالذکر صورت میں جوہر کی مشابہت خاشاک سے ہوئی۔ کہتے ہیں کہ حضرت کے قصر کے خاشاک کی دولت آئینے میں جوہر بن کر ظاہر ہوئی۔ یہ ایسا مقام ہے جو باطنی خوبیوں سے بھرپور ہے۔

اے خوشا مکتبِ شوق و بلدستانِ مُراد
سبقِ نازکی، ہے عجز کو صدجا، تکرار

نوائے سروش میں اس سے پہلے شعر میں صحرائے نجف کی تعریف ہے۔ مکتبِ شوق و بلدستانِ مُراد سے مطلب صحرائے نجف ہے۔ بلدستان: شہر۔ مکتب اور سبق کے ساتھ بلدستان کی بجائے ادبستان زیادہ موزوں ہوتا۔ صحرائے نجف حضرت سے اُلفت کا مکتب ہے۔ اس دیار میں سب کی مُرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔ بے نوائی اور بے بسی یہاں آکر بار بار ناز کا سبق پڑھنے لگتی ہے۔ یعنی اس صحرا کے عاجز بھی اپنے بخت پر ناز کرتے ہیں۔

مشقیِ نقشِ قدم، نسخۂ آبِ حیواں
جادۂ دشتِ نجف، عمرِ خضر کا طومار

نوائے سروش کے جزو میں اس سے دو شعر پہلے صحرائے نجف میں سیر کرنے والے عارفوں کے نقشِ قدم کا ذکر ہے۔ موجودہ شعر میں بھی انہیں کا نقشِ قدم مُراد ہے۔ مشقی: وہ کاغذ جس پر بچے لکھنے کی مشق کرتے ہیں۔ صحرائے نجف کے نقوشِ قدم کی مصوّری کی مشق کی جائے تو وہ کاغذ آبِ حیات کے حصول کا نسخہ بن جائے گا۔ دشتِ نجف کا راستہ عمرِ خضر کی طرح طویل اور لامتناہی ہے۔ یعنی اس دشت میں چلنے والے کو عمرِ خضر نصیب ہو سکتی ہے۔ طومار: کاغذ کا لمبا چوڑا تختہ بالخصوص وہ کاغذ جس میں جاگیر عطا کرنے کی سند ہو۔

جلوہ تمثال ہے، ہر ذرّۂ نیرنگ سواد
بزمِ آئینہ، تصویر نُما، مُشتِ غُبار

سواد: نواح، قابلیت۔ ذرۂ نیرنگ سواد: وہ ذرہ جس کے ہر طرف نیرنگی یعنی

تبدیلیاں ہیں یا جو تبدیلی کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صحرائے نجف کا رنگارنگ ذرّہ جلوے کی طرح ہے جس میں مختلف تصویروں کا عکس ہو۔ آئینے میں بہت سی شکلوں اور چیزوں کے عکس سے بزم کی کیفیت ہو جاتی ہے۔

دو جہاں طالبِ دیدار تھا، یارب کہ ہنوز
چشمکِ ذرّہ سے ہے گرم، نگہ کا بازار

دونوں عالم حضرت کے طالبِ دیدار تھے۔ یہ اس سے ظاہر ہے کہ دشتِ نجف کے ذرّے ابھی تک چشمک زن ہیں۔ گویا کسی کو دیکھنے کے لئے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا رہے ہیں۔ اس طرح نگاہوں کا بازار گرم ہے۔

پہلے مصرع میں "تھا" کا مبتدا ذرّے کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں "دو جہاں" مقداری ترکیب ہو جائے گی۔ "دو جہاں طالب" یعنی بہت زیادہ طالب۔ ذرّہ دیدار کا بے انتہا شایق تھا۔ ذرّوں میں روشنی پڑتی ہے تو ایک چشمک زنی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہے نفس، مایۂ شوقِ دو جہاں ریگِ رواں
پائے رفتار کم و حسرتِ جولاں بسیار

دو جہاں ریگِ رواں: اُڑنے والے ریت کے متعدد ذرّے۔ یہ تمثیل ہے ہزاروں مجنوں کی۔ نفس: پھولا ہوا سانس۔ اُردو شاعری کی روایات میں عشق میں جنگل میں جولانی کی جاتی ہے۔ ریت کے ذرّوں یا مجنوں کو فرطِ شوق کی وجہ سے جولانی کی مسرت بہت زیادہ ہے۔ لیکن چلنے کی صلاحیت لامتناہی نہیں۔ ان کے شوق کے مقابلے میں کم ہے۔ نتیجتاً پھولا ہوا سانس ہی ان کے شوق کی متاع ہے۔

دشتِ اُلفت چمن و آبلہ مہماں پرور
دلِ جبریل، کفِ پا پہ ملے ہے رُخسار

دشتِ نجف اُلفت کا باغ ہے۔ اس میں چلنے والے اہلِ شوق کے پاؤں میں آبلہ پڑتا ہے تو وہ اُس مہمان دشت کی پرورش اور تواضع کرتا ہے۔ کس طرح؟ جبریل کا دل اگر اس کے تلوے پر اپنا رُخسار مَلتا ہے۔ یعنی جبریل اپنا دل مَلتا ہے۔ اس سے

بڑی مہمان پروری کیا ہوگی!

یاں تک انصاف نوازی کہ اگر ریزۂ سنگ
بے خبر دے بہ کفِ پائے مُسافر آزار
یک بیاباں تپشِ بالِ شرر سے، صحرا
مغزِ کہسار میں کرتا ہے فرو، نشترِ خار

یک بیاباں تپش: ایک بیاباں بھر کر تڑپ یعنی بہت سی تڑپ۔ بالِ شرر: چنگاری کا پر یعنی خود چنگاری۔ فرو کرنا: اندر داخل کرنا، اُتارنا۔ حضرت یہاں تک انصاف کرتے ہیں کہ اگر دشتِ نجف کے پتھر کا ٹکڑا بے خبری میں بھی مسافر کے پاؤں کو تکلیف دے تو صحرا پتھر کے منبع یعنی کہسار کے مغز میں نشتر اُتار دیتا ہے۔ وہ نشتر کون سا ہے؟ بہت سی چنگاریاں جو پتھر میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حُسنِ تعلیل ہے۔

فرش اس دشتِ تمنا میں نہ ہوتا گر، عدل
گرمیِ شعلۂ رفتار سے جلتے خس و خار

فرش ہونا: بچھا ہونا۔ دشتِ تمنا سے مُراد صحرائے نجف ہے۔ کیونکہ وہاں تمنا سے بھرے دِل آتے ہیں اور خار و خس کا خیال کئے بغیر جولانی کرتے ہیں۔ اگر وہاں انصاف کا دَور دَورہ نہ ہوتا تو اہلِ شوق کی گرمیِ رفتار خس و خار کو پھونک کے رکھ دیتی۔ لیکن حضرت کے انصاف کی وجہ سے رفتار کو اعتدال میں رکھنا پڑتا ہے۔ تاکہ خس و خار کو گزند نہ پہنچے!

ابرِ نیساں سے ملے موجِ گہر کا تاواں
خلوتِ آبلہ میں گم کرے، گر تو، رفتار

گہر اور آبلے میں رعایت ہے۔ اے مُسافرِ دشتِ نجف! اگر تو آبلے کی خلوت میں اپنی رفتار کھو دے۔ یعنی آبلۂ پا کی وجہ سے چلنے سے معذور ہو جائے تو تلافی کے طور پر ابرِ نیساں موتیوں کی لہریں عطا کرے گا۔ تاواں: جرمانہ۔

یک جہاں بسملِ اندازِ پر افشانی ہے
دام سے اس کے، قضا کو ہے رہائی دُشوار

اس سے اگلا شعر ذوالفقار کی تعریف میں ہے۔ یہ شعر بھی تلوار سے متعلق ہے۔ موزوں تر یہ ہوتا کہ یہ آئندہ شعر کے بعد آتا۔ پَر افشانی: پَر جھاڑنا۔ اس کے مجازی معنی ترکِ تعلقات یا ترکِ دُنیا کے بھی ہیں۔ لیکن غالب کے اشعار میں یہ محض پَر زنی یا پرواز کے معنی میں آیا ہے۔ ایک عالم اس تلوار کے چلنے کے انداز کا بِسمل یعنی فریفتہ ہے۔ اس کے جال سے انسان تو درکنار، موت کو بھی رہائی نہیں ہو سکتی!

موجِ ابروئے قضا، جس کے تصوّر سے دونیم
بیم سے جس کے، دلِ شحنۂ تقدیر، فگار

اس تلوار کے بارے میں سوچنے ہی سے موت کی ابرو دو ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ اس کے خوف سے تقدیر کے کوتوال کا دِل زخمی ہے۔ پہلے مصرع میں ابرو کی مناسبت تلوار سے ہے۔ قضا سے بظاہر موت مُراد ہے لیکن قضا و قدر احکامِ خداوندی کو کہتے ہیں۔ دوسرے مصرع کی تقدیر سے مُراد قدر ہی ہے۔ یعنی دونوں مصرعوں میں مِلا کر قضا و قدر کو ذوالفقار سے خائف دِکھا دیا ہے۔

شعلۂ تحریر سے اس برق کی، ہے کِلکِ قضا
بالِ جبریل سے، مِسطر کشِ سطرِ زنہار

شعلۂ تحریر: شعلے جیسی تحریر لکھنے والی۔ مِسطر: وہ دفتی یا گتّا جس پر متوازی ڈورے باندھ لیے جائیں اور ان کی داب سے کاغذ پر سطروں کے نشان بنا دیے جائیں یا پھر لوہے کی پٹّی، جس کی مدد سے کاغذ پر سطریں کھینچی جائیں۔ زنہار: امان۔ پناہ۔ ذوالفقار وہ برق ہے جو شعلہ جیسی تحریر لکھتی ہے۔ موت کا قلم ویسی تحریر کہاں لکھ سکتا ہے۔ اس نے جبریل کے پروں کا مِسطر بنایا ہے اور اس سے کاغذ پر سطریں کھینچ رہا ہے تاکہ اس میں پناہ چاہنے کا مضمون لکھ سکے!

موجِ طوفاں ہو اگر، خُونِ دو عالم ہستی
ہے حِنا کو سرِ ناخن سے گزرنا دُشوار

ذوالفقار اگر دونوں عالموں کی ہستیوں کا خون بہا دے، اس حد تک کہ خُون کے طوفان میں موجیں اُٹھنے لگیں تو بھی کسی کو ہاتھوں کو حِنائی یا رنگین کرنے کی اجازت

نہ ہوگی۔ حِنا باہر سے آکر سرِ ناخن کو بھی رنگ نہیں دے سکتی۔ ہاتھوں کا حِنا زدہ یا رنگین ہونا خوشی کی نشانی ہے۔ ذوالفقار اگر قتل و خون کا بازار گرم کرے تو خون کی حِنا سے بھی کسی کا کفِ دست بلکہ سرِ ناخن بھی رنگین نہیں کیا جا سکتا۔

دشت تسخیر ہو، گر، گردِ خرامِ دُلدُل

نعل در آتشِ ہر ذرّہ ہے، تیغِ کہسار

دشت تسخیر: جنگل کو فتح کرنے والی۔ دُلدُل: حضرتِ علی کا گھوڑا۔ نعل در آتش: مضطرب۔ تیغِ کہسار: پہاڑ کی چوٹی۔ پہاڑ جنگل کا حصّہ ہے۔ خرام کے وقت اگر دُلدُل کی گرد دشت و کوہ کو تسخیر کرے تو پہاڑ کا ہر ذرّہ تڑپ اُٹھے گا۔ یعنے دُلدُل کے چلنے سے محض زمین سے گرد نہیں اُڑتی بلکہ پہاڑ کے پتھروں کے تمام ذرّات بھی اُتھل پتھل ہو جاتے ہیں۔

بالِ رعنائیِ دُم، موجۂ گُلبندِ قبا

گردشِ کاسۂ سُم، چشمِ پری آئینہ دار

بال: پنکھ یا بازو۔ گلبند: ایک قسم کا رنگین کپڑا۔ اس کی دُم کی رعنائی ایسی ہے جیسے رنگین گلبند کی قبا پر موج کا عالم۔ اس کے سُموں کی گردش کی آئینہ داری کوئی چیز کرتی ہے تو وہ پری کی آنکھ ہے۔ یعنی اس کے سُم پری کی آنکھ کی طرح حسین ہیں۔ کاسۂ سُم سے مُراد خود سُم ہے!

گردِ رہ اس کی بھریں شیشۂ ساعت میں اگر

ہر نفس راہ میں ٹوٹے، نفسِ لیل و نہار

شیشۂ ساعت سے مُراد ریت گھڑی ہے۔ لیل و نہار: رات دِن۔ اگر دُلدُل کی گردِ راہ سے بھر کر گھڑی کا شیشہ تیار کیا جائے تو وہ اتنی تیزی سے ایک خانے سے گزر کر دوسرے خانے میں پہنچے گا کہ ایک لمحے کے بھی جُزو میں ایک گھنٹہ ہو جائے گا جس کی وجہ سے چوبیس گھنٹے کا لیل و نہار بھی شاید ایک لمحے کی مدّت میں پُورا ہو جایا کرے گا۔ اس تیزی سے گزرنے کی وجہ سے ہر لمحے لیل و نہار کا سانس ٹوٹے اور اُکھڑ جایا کرے گا۔

نرم رفتار ہو جس کوہ پہ وہ برق گداز
رفتنِ رنگِ حنا ہے، تپشِ بالِ شرار

غالب کے یہاں کسی چیز کے غائب ہونے کی مثال رنگِ حنا کے اُڑنے سے دی جاتی ہے۔ اس شعر میں اور اس سے اگلے شعر میں دُلدُل کی نرم روی کی کیفیت دکھائی گئی ہے۔ یوں تو وہ برق کو بھی پگھلا دینے والا ہے لیکن اگر پہاڑ پر نرم خرام ہو تو اس کے سُموں سے جو چنگاریاں اُڑیں گی، ان میں تپش اور حدّت کا عنصر اس طرح غائب ہو گا جیسے حنا کا رنگ کچھ دنوں میں غائب ہو جاتا ہے!

ہے سراسر روی عالمِ ایجاد اُسے
جیبِ خلوت کدۂ غنچہ میں، جولانِ بہار

پُوری دُنیا کو آہستہ اور سرسری طور سے قطع کر لینا اس کے لئے ایسا سُبک اور سہل کام ہے جیسے بند غنچے کی تنہائی کے درمیان بہار کی جولانی۔ غنچے کے اندر جگہ ہی کتنی ہوتی ہے۔ دُلدُل کے لئے پُوری دُنیا کی سیر اتنا ہی مختصر اور خوش گوار کام ہے!

جس کے حیرت کدۂ نقشِ قدم میں مانی
خونِ صد برق سے باندھے ہے کفِ دست نگار

نگار: حنا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ کفِ دست پر نگار باندھنا یعنی کفِ دست پر حنا باندھنا، جس کے معنی ہیں بے کاری و تعطّل کا مُسلّط ہونا۔ دُلدُل کا نقشِ قدم ایک حیرت کدہ ہے۔ مانی اگر اس کی تصویر بنانا چاہے تو اس کا ہاتھ معذور و مُعطّل ہو کر رہ جاتا ہے جیسے اس پر حنا بندھی ہو۔ حنا بھی کون سی، سَو بجلیوں کے خُون کی۔ مانی نقشِ قدم کے نقش کے لئے برق کے خُون کو رنگ کی جگہ استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ برق میں بڑی تیزی ہوتی ہے۔ جب ایک برق کا خون نقّاشیِ نقشِ قدم میں ناکام رہتا ہے تو دوسری برق کے خون سے کام لیتا ہے۔ اس طرح سینکڑوں بجلیوں کا خُون ہو جاتا ہے اور مانی نقش گری میں معذور رہتا ہے۔

ذوقِ تسلیم تمنّا سے بہ گلزارِ حضور
عرضِ تسخیرِ تماشا سے بہ دامِ اظہار

مطلعِ تازہ ہوا موجۂ کیفیّتِ دِل
جامِ سرشارِ مے و غنچۂ لب ریزِ بہار

چونکہ پہلے شعر کا مفہوم مکمل نہیں، اس لئے اسے متعاقب شعر کے ساتھ قطعہ بند مانا جائے گا۔ تسلیمِ تمنّا : تمنّا کا پُورا ہونا۔ تسخیرِ تماشا : خوشگوار منظر دیکھنے میں کامیاب ہونا۔ شاعر کی چشم و دِل کامرانی کے عالم میں ہیں اور اس کیفیّت کے ساتھ وہ حضور یعنی حضرت علی کے گلزار میں مطلعِ تازہ عرض کرتا ہے۔ اس کے محرکات دو ہیں۔ تمنّا کی کامرانی کا ذوق اور منظر دیکھ کر اس کے بیان کو اظہار کے جال میں اسیر کرنا یعنی اس کا بیان کرنا۔ ان دو ولولہ خیز محرکات کی وجہ سے نیا مطلع ذیل کے تین رُوپ دھار لیتا ہے۔ کیفیّتِ دِل کی موج، شراب کا مست کرنے والا پیالہ اور بہار کی کیفیّات سے بھرپُور غنچہ۔

اگلا شعر شکلِ طاؤس . . . . . . متداول دیوان کا ہے، اس لئے اس کے معنی نہیں دئے جائیں گے!

گردِ جولاں سے ہے تیری، بہ گریبانِ خرام
جلوۂ طور، نمک سودۂ زخمِ تکرار

نمک سودہ : نمک میں لپٹا ہوا۔ تکرار : دوبارہ ہونا۔ مثنّیٰ ہونا۔ جلوۂ طوٗر ظاہر ہوا۔ اور پوشیدہ ہوگیا۔ اس عمل کو خرام کہا ہے۔ ایک طرف جلوۂ طوٗر کا خرام ہے اور دوسری طرف اسی کا مثنّیٰ آپ کا گھوڑے پر سوار ہوکر جلوہ دِکھاتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ آپ کا جلوۂ طور کے جلوے کی تکرار ہے جو جلوۂ طور کے لئے زخم کی طرح ہے کہ مجھ جیسا دوسرا جلوہ کیوں موجود ہوا۔ جولانی کے وقت آپ کے اسپ سے جو گرد اُٹھتی ہے وہ جلوۂ طوٗر کے زخم پر نمک کی طرح بیٹھتی ہے اور وہ اس سے لذّت پاتا ہے۔ گویا آپ کا جلوہ نہ صرف یہ کہ جلوۂ طور کی تکرار ہے بلکہ جلوۂ طور آپ کے جلوے سے کیف اندوز ہوتا ہے۔ خرام یا ظہور میں گریبان پیدا کر دینا تکلّف ہے!

جس چمن میں ہو ترا جلوۂ محرومِ نواز
پرِ طاؤس کرے گرمِ نگہ کا بازار

غالبؔ کے شعر میں طاؤس اور پرِ طاؤس کثرتِ رنگ کی علامت ہے۔ لیکن غالبؔ نے حضرت علیؓ کے جلوے کے آگے پرِ طاؤس کو رنگ و جلوہ سے محروم قرار دیا ہے۔ وہ جس باغ میں جاکر محروموں پر کرم کریں گے وہاں پرِ طاؤس آپ کے جلوے کا جی بھر کے مشاہدہ کرے گا اور اپنے لئے اکتسابِ رنگ و نور کرے گا۔

جس ادب گاہ میں تو آئینۂ شوخی ہو
جلوہ ہے ساقیِ مخموریِ تابِ دیوار

آئینۂ شوخی: عکاسِ شوخی۔ تاب: قوتِ ضبط و برداشت۔ مخموری: زوالِ نشہ ــــ ادب گاہ یا دبستان سنجیدہ مقام ہوتا ہے لیکن ہمارے رِند منش شاعر وہاں بھی شوخی دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ وہاں کی دیواریں ضبط کے باعث بے نشہ ہیں۔ اگر آپ وہاں جاکر شوخی و مستی کی عکس ریزی کریں تو آپ کا جلوہ دیواروں کا ضبط توڑ کر ان کے خمار کو مستی سے سیراب کردے گا۔ پیچاک دور کردیں تو شعر کا مفہوم یہ ہے کہ تو ادبستان میں جلوہ آرا ہو تو وہاں ایک مستی و سرشاری کا ماحول پیدا ہوجائے۔

تو وہ ساقی ہے کہ ہر موجِ محیطِ تنزیہہ
کھینچے خمیازے میں، تیرے لبِ ساغر کا خمار

تنزیہہ: پاکیزگی، الوہیت۔ خمار: نشہ ٹوٹنے کی کیفیت لیکن مطلق نشے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں یہی معنی ہیں۔ غالبؔ موج کی روانی کو انگڑائی سے، اور انگڑائی کو موج سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ تو ایسا ساقی ہے کہ الوہیت کے سمندر کی موج ہر روش میں (جو خمیازہ یعنی انگڑائی سے مشابہ ہے) تیرے ساغر سے نشے کا اکتساب کرتی ہے۔ یعنی تو الوہیت کے پاک سمندر کو بھی مستی عطا کرتا ہے۔ (خمیازے میں، کے بعد وقفہ میرا دیا ہوا ہے)

گردباد، آئینۂ فتراکِ دماغِ دلہا
تیرا صحرائے طلب، محفلِ پیمانہ شکار

آئینہ فتراک: آئینۂ فتراک۔ اضافت محذوف ہے۔ دماغِ دلہا سے دماغ و

دلہا بہتر ہوتا بہ صورتِ موجودہ دلوں کے دماغ یعنی خود دل۔ صحرائے طلب: اُردو غزل میں یہ مضمون عام ہے کہ عشق میں صحرانوردی کی جاتی ہے۔ اس صحرا کو صحرائے طلب کہیں گے۔ اس ظالم صحرا میں بگولے بھی اُٹھتے ہیں۔ تیرے صحرائے طلب میں جو بگولے اُمڈ رہے ہیں وہ ایسا آئینہ ہیں جس میں دکھائی دے جاتا ہے کہ کتنے دل تیرے فتراک میں پھنس گئے ہیں۔ اسیری اور بگولوں کے باوجود اس صحرا میں بڑا نشہ ہے۔ یہ ایسی محفل ہے جس نے شراب کے پیمانوں کو صید کر لیا ہے۔ یعنی صحرائے عشق مستی سے بھرپور ہے۔ شعر کا خلاصہ ہوا کہ متعدد دل تیری محبت میں گرفتار ہیں اور تیری چاہ نشے کی کیفیت رکھتی ہے۔

ذوقِ بے تابیٔ دیدار سے تیرے ہے ہنوز
جوشِ جوہر سے دلِ آئینہ، گُل دستۂ خار

فولادی آئینے کے جوہر میں لکیریں ہوتی ہیں۔ انھیں خار سے مشابہ کیا ہے۔ آئینہ تجھے دیکھنے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ آئینے میں جوہر نہیں، اسی تڑپ کے کانٹے ہیں۔ جو آئینے کے دل میں کھٹک رہے ہیں۔

ترا پیمانۂ مے، نسخۂ ادوارِ ظہور
ترا نقشِ قدم، آئینۂ شانِ اظہار

جامِ جم سے ستاروں کا مقام اور غیب کے حالات معلوم ہو جاتے تھے۔ ترا پیمانۂ مے ایسی کتاب ہے جس میں ظہورِ کائنات یعنی تاریخِ عالم کے مختلف ادوار کی تفصیل درج ہے۔ خدا نے تخلیقِ کائنات کے ذریعے جو اپنا اظہار کیا ہے، ترا نقشِ قدم اس کی شان و شوکت کا بہترین آئینہ ہے۔ جب تیرا نقشِ قدم ہی شانِ تخلیق ظاہر کرتا ہے تو خود تیری ذات تو شاید معراجِ تخلیق ہوگی۔

آیتِ رحمتِ حق، بسملۂ مصحفِ ناز
مسطرِ موجۂ دیباچۂ درسِ اسرار

مسطر: سطریں کھینچنے کا آلہ۔ تو رحمتِ حق سے بھری ہوئی آیت ہے۔ تو ناز کے صحیفے کا بسم اللہ ہے۔ ناز، محبوب یا اہلِ اقتدار کی صفت ہوتی ہے۔ ناز کے صحیفے

کے بسم اللہ ہونے کے معنی ہیں کہ تو ناز کی معراج ہے۔ یعنی تجھ میں ایسی صفات ہیں کہ تجھے ناز زیب دیتا ہے۔ رازِ کونین سے متعلق کوئی رسالہ لکھا جائے تو دیباچے میں اس کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔ تو اس رسالے کے دیباچے کی موجوں یعنی سطروں کا بنانے والا اسطر ہے۔ یعنی تیری ذات سے کونین کے رازوں کی واکشود کی ابتدا ہوتی ہے۔

قبلۂ نورِ نظر، کعبۂ اعجازِ مسیح!
مژۂ دیدۂ نخچیر سے، نبضِ بیمار

تو نگاہوں کے نور کا قبلہ ہے۔ یعنی اعجازِ عیسیٰ تیری ذات میں بدرجۂ اتم بسا ہوا ہے۔ شکار شدہ جانور کی آنکھوں میں حسرت، طلبِ رحم، یاس وغیرہ بھری ہوتی ہے، تو ایسے صید کی پلکوں کو دیکھتا ہے تو ہمدردی و رحم کے باعث تو بھی مضمحل اور سست ہو جاتا ہے جیسے کسی بیمار کی نبض ہو۔ پلک اور نبض دونوں ایک خط کی شکل میں ہوتی ہیں۔ اس لئے ان میں مناسبت ہے۔ دونوں مصرعوں میں لف و نشر مرتب معلوم ہوتا ہے۔ نورِ نظر اور دیدہ میں تعلق ہے۔ اعجازِ مسیح اور نبضِ بیمار میں۔

تہمتِ بے خودیِ کفر نہ کھینچے یا رب
کمی ربطِ نیاز و خطِ نازِ بسیار

دوسرے مصرع میں خط حشو ہے۔ خطِ ناز: ناز کی تحریر یعنی خود ناز۔ حضرت علی رضؓ بہت ناز والے ہیں۔ مجھے ان سے جتنا نیاز رکھنا چاہیئے، اتنا نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے کہیں مجھ پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ یہ کفر کے نشے میں مست ہے اور ایک قابلِ ارادت ہستی سے کافی شغف نہیں رکھتا۔

نازپروردۂ صد رنگِ تمنا ہوں، ولے
پرورش پائی ہے، جوں غنچہ، بہ خونِ اظہار

میں طرح طرح کی خواہشوں کا پروردہ ہوں۔ یعنی شروع سے گوناگوں خواہشیں رکھتا ہوں۔ لیکن جس طرح غنچہ اپنی جبلت سے اظہار کا شائق ہوتا ہے۔ اسی طرح

میں بھی ان خواہشوں کو محض دل میں بند رکھنے پر قانع نہیں بلکہ ان کا اظہار بھی کیا چاہتا ہوں۔

تنگیِ حوصلہ، گردابِ دو عالم آداب
دید یک غنچہ سے ہوں بسملِ نقصانِ بہار

دو عالم آداب: بہت سے آداب۔ آداب سے مراد آدابِ بہار ہیں۔ گرداب میں جو چیز گرتی ہے وہ جان سے جاتی رہتی ہے۔ حوصلے کا تنگ ہونا آدابِ بہار کا مقتل ہے۔ غنچہ تنگ حوصلہ ہے اس لئے آدابِ بہار سے بیگانہ ہے۔ میں غنچے کو دیکھ کر بہار کے نقصان کا اندازہ کرتا ہوں اور اس نقصان پر تڑپتا ہوں۔ یعنی اگر غنچہ کم حوصلہ نہ ہوتا اور کھِل جاتا تو بہار میں کس قدر اضافہ ہو جاتا۔ گرداب کا دہانہ تنگ ہوتا ہے۔ اس لئے تنگیِ حوصلہ کو گرداب سے مشابہ کیا ہے۔

رشکِ نظارہ تھی یک برقِ تجلّی کہ ہنوز
تشنۂ خونِ دو عالم ہوں بہ عرضِ تکرار

یہ واضح نہیں کہ برقِ تجلّی سے مراد حضرت علی رضؓ کا جلوہ ہے یا خدا کی تجلّی۔ جلوۂ حیدر ہی سمجھ لیجئے۔ ایک بار یہ برق چمکی تو رشکِ نظارہ تھی۔ یعنی نظارہ سوز تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی تکرار ہو۔ یعنی دوبارہ چمکے۔ خواہ اس سے دونوں عالم کیوں نہ جل جائیں اس طرح میں دو عالم کے خون کا پیاسا ہوں۔ یعنی مشاہدۂ تجلّی کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہوں!

وحشتِ فرصتِ یک جیب کشش نے کھویا
صورتِ رنگِ حنا، ہاتھ سے دامانِ بہار

جیب: پیراہن۔ جیب کشش: کشیدن کے متعدد معنی ہیں جن میں اکٹھا کرنا، آراستہ کرنا، رنگنا، بنانا بھی ہیں۔ غالب کسی چیز کے غائب ہونے کی مثال رنگِ حنا کے اُڑانے سے دیتے ہیں۔

ہمیں یہ وحشت رہی کہ کسی طرح ایک پیراہن تیار کرنے کی مہلت مِل جائے لیکن وہ نہ ملی۔ ہم اسی چکر میں رہے اور ہاتھ سے بہار کا دامن نکل گیا۔ یعنی بہار ختم ہو گئی۔ جشنِ

بہار کے لئے لباس کی ضرورت ہے۔ ہمیں توفیق ہی نہ ہوئی کہ بہار سے لطف اندوزی کا ساز و سامان اکٹھا کر سکیں!

شعلۂ آغاز، ولے حیرتِ داغِ انجام
موجِ مے، لیک زسر تا قدم آغوشِ خمار

میں ابتدا میں شعلے کی طرح تاباں تھا لیکن انجام میں بجھ کر داغ کی طرح رہ گیا۔ اور اس حسرت ناک انجام پر حیرت ہوتی ہے۔ میں موجِ شراب ہوں لیکن سر سے پاؤں تک عدمِ نشہ ہوں۔ موج کی روانی آغوش سے مشابہ ہوتی ہے۔ خمار نشے کا زوال ہے۔ یہ شعر غالب کے معاشی حالات کے پسِ منظر میں پڑھا جائے تو اس کے معنی آئینہ ہو جائیں۔ میں بچپن میں رئیس تھا۔ اب بے نوا ہوں۔ مزاج رئیسانہ ہے لیکن زمانے نے کامِ دل برآری کا سامان نہ دیا۔

ہے اسیرِ ستمِ کش مکشِ دامِ وفا!
دلِ وارستۂ ہفتاد و دو ملّت بے زار

دلِ وارستہ: آزاد دل۔ ہفتاد و دو ملّت: مسلمانوں کے ۷۲ فرقے۔ میرا آزاد دل مذہبی فرقوں کے اختلافات سے بے زار ہے۔ مجھ سے توقع کی جاتی ہے کہ میں اپنے فرقے کے عقائد سے وفاداری کروں گا۔ لیکن میں اس وفا کی کش مکش کو ایک ستم کی طرح برداشت کر رہا ہوں۔ شاعر کا دل، جو مذاہب سے بلند رہنا چاہتا ہے، اس کش مکش میں مبتلا ہے کہ آبائی مسلک پر قائم رہا جائے کہ نہیں!

مژۂ خواب سے کرتا ہوں، بہ آسایشِ درد
بخیۂ زخمِ دلِ چاک، بہ یک دستہ شرار

دلِ چاک ہو گیا ہے۔ درد میں آرام لانے کے لئے دل کے زخم کو سیتا ہوں۔ کاہے سے؟ مژۂ خواب کی سوئی اور شرار کے دھاگے سے۔ جس طرح گلدستہ پھولوں کا مجموعہ ہوتا ہے اسی طرح دستۂ شرار، شرر کا خوشہ ہے۔ درد کا علاج نیند ہے لیکن سوتے وقت جلن ہوتی ہے۔ پلکیں جلتی ہیں۔ دل و دماغ میں شرار چھوٹ رہے ہوتے ہیں۔ اس حالت میں کوششِ خواب کے باوجود درد سے راحت معلوم!

محرمِ دردِ گرفتاریِ مستی معلوم!
ہوں نفس سے، صفتِ نغمہ، بہ بندِ رگِ تار

مستی کی جگہ ہستی ہوتا تو شعر کے معنی صاف ہو جاتے۔ معلوم کے معنی ہیں نہیں۔
جس طرح نغمہ، ساز کے تار کا اسیر ہوتا ہے۔ میں سانس کے تار کا اسیر ہوں۔ کسی کو
ہستی میں گرفتاری کے درد کی کیا خبر۔ نغمے کے تعلق سے تار کے معنی ساز کے تار کے ہیں۔
اور شاعر کے تعلق سے وہ تار ہے جو رسّی کی طرح باندھنے کے کام آئے!
اگر مستی ہی پڑھا جائے تو بھی کچھ نہ کچھ معنی ممکن ہیں۔ جس طرح نغمہ تار کا اسیر
ہوتا ہے، اسی طرح میں سانس کے تار کا اسیر ہوں۔ زندگی کے نشے میں مست ہوں،
انجام کا خیال نہیں۔ کبھی کبھی اپنی غفلت کا احساس ہوتا ہے تو بڑا درد ہوتا ہے۔
کسی کو میری اس اذیتِ احساس کی کیا خبر!

تھا سرِ سلسلہ جنبانیِ صد عمرِ ابد
ساز ہا مفت بہ ریشم کدۂ نالۂ زار

ساز ہا: ساز و سامان۔ مفت: رائیگاں۔ میں نے عمرِ ابد حاصل کرنے کی
سلسلہ جنبانی کی۔ لیکن اس میں ناکام رہا۔ موت آتی ہے اور موت قطعِ اُمید ہے۔ اس
لئے نالہ و آہ کے سوا چارہ نہیں۔ جب انجام یہ ہے تو کس لئے انسان گھر کو سجاتا ہے
ریشم کے فرش فروش سے بالکل ریشم کدہ بنا لیتا ہے۔ اس میں طرح طرح کے ساز و
سامان رکھتا ہے۔ حالانکہ اس کا مسکن اور یہ دُنیا دراصل زار نالی کی جگہ ہے۔ رونے
دھونے کے اس مقام میں ساز بے سُود ہیں۔ دوسرے مصرع میں نالہ کی رعایت سے
ساز کے معنی سازِ موسیقی بھی ہو سکتے ہیں لیکن وہ اتنے برمحل نہیں جتنے ساز و سامان۔

لیکن اس رشتۂ تحریر میں سر تا سرِ فکر
ہوں بہ قدرِ عددِ حرفِ علی سبحہ شمار

"ہوں" واؤ مجہول سے نہیں واؤ معروف سے مضارع ہے۔ اس سلسلۂ تحریر میں
فکر کے اس سرے سے اُس سرے تک میں علی کے اعداد کے مطابق دانۂ تسبیح شمار کروں۔
علی کے ۱۱۰ عدد ہوتے ہیں۔ یہ قصیدہ ۱۱۰ شعروں کا ہے جن میں سے ۲۸ شعر تمہیدی

دیوان میں اور ۸۲ گنجینۂ معنی میں ہیں!

دوست اس سلسلۂ ناز کے جوں سُنبل و گُل
ابرِ مے خانہ کریں ساغرِ خورشید شکار

نوائے سروش میں اس سے پہلے کے شعر میں کہتے ہیں۔ ع
دشمنِ آلِ نبی کو بہ طرب خانۂ دہر ـــــ زیرِ نظر شعر میں سلسلۂ ناز سے مُراد آلِ نبیؑ ہے۔ اس شعر میں اور اس سے بعد کے تین شعروں میں آلِ نبیؑ کے دوستوں کے لئے دُعائیں ہیں۔ شاعر کے ذہن میں دہر طرب خانہ ہے۔ دُعا دیتا ہے کہ اس خاندان کے دوست مے خانہ میں نا و نوش کریں۔ مے پرستی کے لئے دُھوپ ناگوار اور ابر و لولہ آور ہوتا ہے۔ مُحبانِ آلِ نبیؑ مے خانے میں سُنبل و گُل کی طرح ساغروں کا جمگھٹ کر دیں۔ یہ ساغرِ خورشید کا شکار کرنے والے ہیں۔ یعنی سُورج سے زیادہ روشن ہیں اور دُھوپ کو ماند کر دینے والے ہیں۔ اس طرح یہ ساغر مل کر مے خانے میں بادل کی کیفیت طاری کر دیں گے۔

لنگرِ عیش پہ سرشارِ تماشائے دوام
کہ رہے خونِ خزاں سے بہ حنا پائے بہار

لنگر: وہ مقام جہاں مُفت کھانا تقسیم ہو۔ دوست عیش کے لنگر پر ہمیشہ تماشا دیکھتے رہیں اور بہار خزاں کے خُون سے ہمیشہ پاؤں میں حنا لگا کر رنگین و شاداب رہے بہار کا رنگ و بُو کے ساتھ موجود رہنا ہی وہ تماشا ہے جس کی طرف مصرعِ اولیٰ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

زُلفِ معشوق کشش، سلسلۂ وحشتِ ناز
دلِ عاشق، شکن آموزِ خمِ طرّۂ یار

وحشتِ ناز: نازِ معشوق سے پیدا شدہ وحشت۔ معشوق کی زُلفوں کی کشش، ناز سے پیدا شدہ وحشت کا سلسلہ بڑھاتی رہے۔ عاشق کا دِل یار کی زُلفوں کے خم کو مزید شکن بڑھانے کی ترغیب دِلاتا رہے۔ زُلف جتنی شکن دار ہوگی، دِل اُتنے ہی زیادہ پھنسیں گے۔ یعنی دُعا یہ ہے کہ مُحبانِ آلِ نبیؑ میں حُسن و عشق ایک دوسرے کو نوازتے رہیں۔

مے تمثالِ پری، نشۂ مینا آزاد
دلِ آئینہ طرب، ساغرِ بختِ بیدار

سلسلۂ علی کے دوستوں کو یہ نعمتیں میسّر ہوں (۱) شراب جو پری کی طرح ہو۔ (۲) نشہ جو بوتل سے آزاد و بے نیاز ہو، یعنی بغیر پیے نشہ طاری رہے۔ (۳) دل جو آئینے کی طرح خوش و خرم ہو۔ چونکہ آئینے میں گرد و کدورت نہیں ہوتی اس لئے اسے شادماں قرار دیا ہے۔ گرد غم کی نشانی ہے (۴) بیدار نصیب کا ساغر۔

(۲)۔ اس پورے قصیدے میں بیزاری و اضمحلال کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔

توڑے ہے عجزِ تنک حوصلہ، بر روئے زمیں
سجدہ تمثال وہ آئینہ، کہیں جس کو جبیں

سجدہ تمثال: سجدے کی تصویر رکھنے والا۔ جبیں وہ آئینہ ہے جس میں سجدے کا نقش ہوتا ہے۔ غایتِ عجز میں انسان آئینے کو زمین پر پھینک دے گا جس سے وہ ٹوٹ جائے گا۔ آئینہ حقیقت کو آنکھوں کے سامنے لاتا ہے، اس لئے آئینے کو توڑنا ایسا کام نہیں جسے سراہا جا سکے۔ زمین پر سر رکھ کر سجدہ کرنا عاجزی اور کم حوصلگی ہے جس سے جبیں کا آئینہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر معمولی آئینے کو توڑنا معیوب ہے تو جبیں کا آئینہ توڑنا اور بھی معیوب ہوا۔

توڑے ہے نالہ سررشتۂ پاسِ انفاس　　　سرکرے ہے دلِ حیرت زدہ شغلِ تسکیں

سررشتہ: بغیر اضافت کے تدبیر کو کہتے ہیں اور اضافت کے ساتھ تھوڑی سی مقدار کو۔ یہاں اضافت کے باوجود تدبیر و چارۂ کار ہی مراد ہے۔ پاس: لحاظ، محافظت۔ روتے وقت سانس میں خلل پڑتا ہے۔ اس سے شاعر کہتا ہے کہ نالہ سانسوں کی نگہداشت کو بھلا دیتا ہے یا حیات کا خیال نہیں رکھتا۔ لیکن حیران دل تسکین کا معرکہ سر کرتا ہے یعنی جاں کاہ نالوں کے بعد دل کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

یاس، تمثال بہار آئینۂ استغنا
وہم، آئینۂ پیدائیِ تمثال یقیں

بہار آئینہ: بہار کا جلوہ دکھانے والی۔ تمثال بہار آئینہ: ایسی تصویر جس میں بہار کا عالم ہو۔ تمثال بہار آئینۂ استغنا: استغنا کی وہ تصویر جو بہار نما ہو۔ آئینۂ پیدائیِ تمثال یقیں: یقیں کی تصویر کے ظاہر ہونے کا آئینہ۔ استغنا کی خوشگوار تصویر سے غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے۔ قناعت و استغنا دراصل ناامیدی کا دوسرا نام ہے۔ یقین کی تصویر کا ظہور پذیر ہونا بھی دھوکا ہے کیونکہ جسے ہم یقین سمجھتے ہیں وہ محض وہم ہے اس طرح استغنا اور یقین دونوں ہیچ ہیں۔

خوں ہوا جوشِ تمنّا سے دو عالم کا دماغ
بزمِ یاس، آں سوئے پیدائی و اخفا رنگیں

آں سوئے پیدائی و اخفا: وجود و عدم کے دوسری طرف۔ غالب ہی کا ایک مصرع ہے ع ہیں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا۔ دُنیا والوں نے طرح طرح کی تمنائیں کیں۔ ناکام رہے، دماغ خوں ہوگیا۔ وجود و عدم سے پرے بزمِ یاس سجی ہے اور تمنّاؤں کے خون سے رنگین ہے۔ یاس کی محفل کا رنگین ہونا تمنّاؤں کی ناکامی اور یاس کے پھلنے پھولنے کی نشانی ہے!

خانہ ویرانیِ اُمید و پریشانیِ بیم
جوشِ دوزخ ہے خزانِ چمنِ خُلدِ بریں

ہمیں اپنے نیک انجام کی اُمید نہیں۔ یہ اُمید برباد ہوگئی ہے۔ ایک خوف ہمیں پریشان کر رہا ہے کہ جنّت کا باغ ہمارے مقسوم میں نہیں۔ اس نومیدی و پریشانی کے سبب ہمارے لئے تو باغِ بہشت پر خزاں آگئی اور ایسی زبردست خزاں آئی کہ وہ جوشِ دوزخ سے کم نہیں!

بادِ افسانہ بیمار ہے، عیسیٰ کا نفس
استخواں ریزۂ موراں ہے سلیماں کا نگیں

باد: صدمہ، کلام۔ بادِ عیسیٰ حضرتِ عیسیٰ کے حیات بخش سانس کو کہتے ہیں۔ سلیماں کے نگیں پر اسمِ اعظم کندہ تھا۔ جس کی وجہ سے جنّ و انس و وحوش و طیور سب ان کے زیرِ نگیں تھے۔ چیونٹی انکے مقابلے میں حقیر ترین مخلوق ہے۔ اس شعر میں دمِ عیسیٰ اور شوکتِ سلیمان دونوں کی بے حقیقتی دکھائی ہے۔ بادِ نفس سانس کے صدمے کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عیسیٰ کا نفس کسی بیمار کے افسانے کی طرح صدمہ پہنچانے والا تھا۔ یہ کہنا بے کار ہے کہ وہ زندگی دیتا تھا۔ سلیمان کی حشمت کی نشانی یعنے اس کی انگوٹھی چیونٹیوں کی ہڈیوں کے ٹکڑے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ آج چشمِ عبرت سے دیکھا جائے تو دونوں میں کیا فرق ہے!

موجِ خمیازۂ یک نشہ، چہ اسلام و چہ کفر
کجیِ یک خطِ مسطر، چہ توہّم، چہ یقیں

غالب انگڑائی لینے کو موج کی روش سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کیا اسلام اور کیا کفر ایک نشے کی لہر ہیں۔ نشہ عدمِ ہوش ہوتا ہے۔ گویا اسلام و کفر غور و فکر کا نتیجہ نہیں، محض ایک نشۂ غفلت ہیں۔ وہم اور یقین (شکوک رکھنا یا راسخ العقیدہ ہونا) دونوں ایک پیمانے کی کجی ہیں۔ یعنی راستی سے بھٹک جانے کا نام ہیں۔ توہّم کا تعلّق کفر سے اور یقین کا تعلّق اسلام سے ہے!

قبلہ و ابروئے بُت، یک رہِ خوابیدۂ شوق
کعبہ و بُت کدہ، یک محملِ خوابِ سنگیں

رہِ خوابیدہ: رہِ دُور دراز۔ قبلہ جس کی طرف سجدہ کیا جاتا ہے۔ ابرو اور محرابِ نماز میں مماثلت ہے۔ محمل میں وقتِ سفر سو بھی جاتے ہیں۔ اس لئے یہاں محمل حجرۂ خواب کے معنی میں ہے۔ خوابِ سنگیں: بہت گہرا خواب یعنی غفلت۔ قبلہ اور بُت دونوں کی عبادت راہِ دُور دراز ہے۔ کعبہ اور بُت کدہ دونوں شدید غفلت کے مقام ہیں۔ یعنی کعبہ و دیر، منزل تک نہیں پہنچا سکتے!

عیش بسمل کدۂ عیدِ حریفاں معلوم
خوں ہو آئینہ کہ ہو جامۂ طفلاں رنگیں

بسمل کدۂ عید: عیدگاہ۔ کوئی یہ کہے کہ حریفوں نے عیدگاہ میں قربانیاں کیں اور دھومیں مچائیں تو یہ غلط ہے، خواہ ثبوت کے طور پہ خون، آئینۂ اظہار ہو، خواہ لڑکوں کا جامہ خون سے رنگیں ہو۔ میں نہیں مان سکتا کہ لوگوں نے عیش کیا ہوگا۔ آئینہ ہونے سے مراد ہے صریح دلیل بن کر ظاہر ہونا۔ بیزاری کی فضا سے شاعر یقین نہیں کر سکتا کہ عید بھی دلوں کو کھلا سکتی ہے!

نزعِ مخمور ہوں اُس دید کی دُھن میں کہ مجھے
رشتۂ سازِ ازل ہے، نگہِ بازپسیں!

نزعِ مخمور: خمار کا وہ شدید عالم جس میں نزع کی کیفیت ہو۔ اُس دید سے مراد

حسنِ ازل کی دید ہے۔ میں اسے دیکھنے کے اشتیاق میں تڑپ رہا ہوں۔ میری پیچھے پلٹنے والی نگاہ ازل پر جا کر رُکتی ہے، جیسے یہ ازل کے ساز کا تار ہو۔ یعنی نغمۂ ازل اور میری نگاہ میں بڑی ہم آہنگی ہے۔ نوائے سروش میں اس سے پہلے کے شعر میں زمزمۂ اہلِ جہاں کا مذکور ہے۔ اس سے عدمِ دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ اس شعر میں کہتے ہیں کہ میری دلچسپی ازل کے حسن اور اس کے کلام میں ہے

حیرت آفت زدۂ عرضِ دو عالم نیرنگ
موم آئینۂ ایجاد ہے، مغزِ تمکیں

دو عالم نیرنگ: بہت سی نیرنگیاں یعنے زمانے کا رنگ بدلنا۔ موم آئینہ: روایت ہے کہ ابتداً شیشے کی پُشت پر مسالے کی بجائے موم لگاتے تھے تاکہ نظر آر پار نہ گزرے اور شیشہ آئینے کا کام دے۔ آئینۂ ایجاد: دُنیا۔ تمکیں: مُستقل مزاجی، ذی مرتبہ ہونا۔ دُنیا میں نیرنگیوں کی کثرت دیکھ کر حیرت بھی پریشان ہے۔ یعنی ہم روز روز کے انقلابوں سے حیرت کے عالم میں ہیں۔ جو لوگ مُستقل مزاج اور بھاری بھرکم ہونے کے مُدعی ہیں اُن کا مغز آئینۂ عالم کا موم بن کر رہ گیا ہے۔ مغز اور موم میں مشابہت ہے موم ملائم ہوتا ہے اس لئے اس کا وصف تمکین نہیں، نیرنگی ہے۔ دوسرے مصرع کا مفہوم ہے کہ کوئی شخص دُنیا میں کتنا بھی مُستقل مزاجی یا عزّ و جاہ کا بھرم باندھنا چاہے، اس کی ہستی آئینۂ عالم کے لئے موم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی یعنے وہ بھی نیرنگ کا شکار ہو کر رہے گا

وحشتِ دل سے پریشاں ہیں چراغانِ خیال
باندھوں ہوں آئینے پر چشمِ پری سے آئیں

آئیں باندھنا: آئینہ بندی کرنا۔ میرا خیالستان میری وحشت کی وجہ سے پریشان ہے۔ میں آئینے کی رونق کے لئے اس پر چشمِ پری باندھ رہا ہوں۔ پری کا تعلق جنون آسیب سے ہوتا ہے۔ آئینے میں کسی حسین کی آنکھ کا عکس پڑے تو آئینے کی رونق تو بڑھ ہی جائے گی لیکن اس سے اپنی وحشت ضرور بڑھے گی

کوچہ دیتا ہے پریشاں نظری پر، صحرا
رم آہو کو ہے ہر ذرّے کی چشمک میں کمیں

کوچہ دینا: راستہ دینا۔ پہلے مصرع میں نظر کے انتشار کا ذکر ہے اور دوسرے میں آہو کے رَم کا۔ ذرّے جھلمل کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں سے اشارہ کرتے ہیں اور یہ ہرن کی بھاگ دوڑ کے لئے ایک حیلہ بن جاتا ہے۔ اسی چشمکِ ذرّات کی وجہ سے صحرا میں انسان بھی اِدھر اُدھر دیکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یعنی صحرا نے پریشاں نظری کا موقع دیا۔

چشمِ اُمید سے گرتے ہیں دو عالم، جوں اشک
یاس، پیمانہ کشِ گریۂ مستانہ نہیں!

جس طرح آنکھ سے آنسو گر جاتا ہے، اسی طرح اُمید کی آنکھ سے دونوں عالم گر پڑے۔ یعنی اب ہمیں دونوں عالموں سے متعلق کسی قسم کی اُمید نہیں۔ یاس کا عالم ہے اور یاس مستانہ زار نالی کا پیمانہ نہیں پیتی۔ مستانہ گریہ عشق میں کیا جاتا ہے۔ یاس میں جو گریہ کر رہے ہیں وہ مستانہ نہیں!

کس قدر فکر کو ہے نالِ قلم، موئے دماغ
کہ ہوا خونِ نگہ، شوق میں، نقشِ تمکیں

نالِ قلم: قلم کے اندر کا باریک ریشہ، کنایہ ہے تصنیف و تالیف کے کاموں سے بالخصوص شعر گوئی سے ـــ موئے دماغ: خلل اندازِ شخص۔ تمکیں: ثابت قدمی، شوکت۔ ـــ شاعر قلم لے کر مضامین کی تلاش میں کھو جاتا ہے۔ یہ گہری سوچ پریشان کن ہے۔ ہوس یہ ہے کہ نادر خیالات پیش کریں گے تو دُنیا میں ہمارا نقشِ تمکیں بیٹھے گا۔ مرتبت کے اس شوق میں کثرتِ مطالعہ و تصنیف و تالیف سے نگاہیں خون ہو گئیں موئے دماغ، لفظی معنی میں نالِ قلم سے مُشابہ ہے

عُذرِ لنگ، آفتِ جولانِ ہوس ہے یا ربّ!
جل اُٹھے گرمیِ رفتار سے، پائے چوبیں

عُذر: سبب۔ اس جگہ اس کے معنی حیلہ نہیں ہو سکتے۔ پائے چوبیں: لکڑی کے

وہ پاؤں، جنھیں باندھ کر نٹ رسّی پر چلتے ہیں۔ ہرمز دبن نوشیرواں کا سپہ سالار بہرام چوبیں مراد نہیں۔ ہوس کی بھاگ دوڑ بالآخر انسان کو لنگڑا اور بے کار بنانے کا باعث ہوتی ہے۔ لکڑی کے پاؤں زیادہ تیز چلنے سے بے کار ہو گئے۔ آدمی کی طاقت محدود ہے۔ اس پر زیادہ بوجھ ڈالنے سے ہمّت جواب دے جاتی ہے اور آدمی ناکارہ ہو جاتا ہے۔

نہ تمنّا، نہ تماشا، نہ تحیّر، نہ نگاہ
گردِ جوہر میں ہے آئینۂ دل پردہ نشیں

جوہر فولادی آئینے میں نقطوں یا لکیروں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ یہاں نقطوں اور دھبوں کی شکل کی طرف اشارہ ہے جو گرد سے مُشابہ ہے۔ تحیّر آئینے کی خصوصیت ہے کیونکہ یہ جدھر دیکھتا ہے دیکھتا ہی رہتا ہے۔ اس قصیدے میں بے زاری اور مایوسی کے جذبات ہیں اور وہی اس شعر میں ہیں۔ میرے دِل کا آئینہ گرد میں ڈوبا ہوا ہے۔ کون سی گرد؟ جوہر کی گرد۔ گردِ جوہر سے اَٹا دینے میں غالب نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کثرتِ کمال کے باوجود ان کا دِل بے قدر ہے۔ اس دِل میں نہ کوئی تمنّا ہے نہ اس آئینے میں کوئی منظر دِکھائی دیتا ہے۔ نہ کسی بات پر حیرت ہے نہ یہ کسی کی طرف دیکھتا ہے۔ غرضیکہ ان کا دِل ہر جذبے سے عاری ہو گیا ہے۔

کھینچوں ہوں آئینے پر خندۂ گل سے مِسطر
نامہ عنوان، بیانِ دِلِ آزُردہ نہیں

نسخۂ عرشی میں قرأت ہے "نامۂ عنوانِ بیانِ دلِ آزُردہ نہیں" — میری رائے میں اس طرح معنی نہیں نکلتے۔ میں مندرجہ بالا قرأت تجویز کرتا ہوں۔ آئینے سے مُراد آئینۂ دِل ہے۔ مِسطر: سطریں کھینچنے کا آلہ۔ مِسطر کھینچنا: کاغذ پر سطریں کھینچنا۔ صاف و شفّاف ہونے کی وجہ سے آئینے کو گردِ غم سے پاک مان سکتے ہیں۔ خندۂ گُل تو خوشی کی نشانی ہے ہی۔ سطریں کسی مادّی چیز سے کھینچی جاتی ہیں۔ خندہ سے سطریں کھینچنے کا کام تو لیا نہیں جا سکتا۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ آئینے پر کِھلے ہوئے پھول کو رکھ کر اس کی پنکھڑیوں کے سہارے سطریں کھینچی جائیں۔ سطریں کھینچنے کے بعد

صفحۂ آئینہ پر نام لکھیں گے۔ اس نامے کا عنوان دلِ آزردہ کی رام کہانی نہیں۔ یعنی
میں نے طے کیا ہے کہ دِل کو خندۂ گُل کی طرح خوش رکھا جائے اور محبوب سے ہنسی
خوشی کی باتیں کی جائیں۔

رنجِ تعظیمِ مسیحا نہیں اُٹھتا مجھ سے
درد ہوتا ہے مرے دِل میں جو توڑوں بالیں

بالیں شکستن: کسی کی تعظیم کے لئے سر اُٹھانا۔ میں اپنے معالج حضرتِ عیسیٰ
کی تعظیم کی تکلیف نہیں اُٹھا سکتا۔ اگر تکیے سے سر اُٹھاتا ہوں تو میرے دِل میں درد
ہوتا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ مجھے مسیحا کے علاج سے عقیدت نہیں۔ اس کی طرف توجہ نہیں
کرنا چاہتا۔

بسکہ گستاخیِ اربابِ جہاں سے ہوں ملول
پرِ پروازِ مری بزم میں ہے، خنجرِ کیں

اہلِ دُنیا کی گُستاخی مجھے رنجیدہ کرتی ہے۔ پروانے کا میری بزم میں آکر پَر افشاں
ہونا ایسی ہی دراندازی ہے۔ مجھے اس سے ایسی تکلیف پہنچتی ہے جیسے کسی نے
کینے کی وجہ سے میرے خنجر چبھو دیا ہو! پَر اور خنجر میں مناسبت ہے۔

اے عبارت، تجھے کس خط سے ہے درسِ نیرنگ؟
اے نگہ، تجھ کو ہے کس نقطے میں مشقِ تسکیں

اس شعر میں گُریز کا مضمون ہے۔ چنانچہ اگلا شعر ہے ؏

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ
یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

چونکہ ابھی تک طرح طرح کے موضوعات پر لکھ رہے تھے اور دُنیا کی نیرنگیوں سے
سبق لے رہے تھے۔ اب اپنی تحریر کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تجھے کس کی تحریر سے
دُنیا کی نیرنگیوں کی وضاحت ہوتی ہے اے نگہ! کس نقطے پر دیکھنے سے تجھے
تسکین ہوتی ہے؟ ظاہر ہے کہ اِدھر اُدھر کے موضوعات سے درس نہیں لینا چاہیئے۔
بلکہ حضرت علی رضؓ کی تحریر سے۔ اسی طرح آنکھ کو عالمِ موجودات میں کسی شئے کو دیکھ کر

تسکین نہیں حاصل کرنی چاہیئے بلکہ حضرت علیؓ کی ذات کو دیکھ کر۔

جلوۂ ریگِ رواں دیکھ کے گردوں ہر صبح
خاک پر توڑے ہے آئینۂ نازِ پروین

صبح کے وقت ریگستان میں اُڑتی ہوئی ریت کا منظر اتنا دلکشا معلوم ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر آسمان نے عقدِ ثریّا کا آئینہ مٹی پر توڑ دیا۔ کیونکہ یہ اتنا خوش نُما نہ تھا۔ ریت کے ذرّوں، تاروں کے جھگھٹے اور آئینے کے ریزوں میں مُشابہت ہوتی ہے

شورِ اوہام سے مت ہو شبِ خونِ انصاف
گفتگو بے مزہ و زخمِ تمنّا نمکیں

اوہام بالعموم مذہبی عقیدے میں وہم و شکوک کو کہتے ہیں۔ شبِ خوں: شبخوں اضافت کے ساتھ بھی آتا ہے۔ زخم کا نمکیں یا نمک زدہ ہونا اس کے ہرے ہونے کے معنی میں ہے۔ شور کے معنی کھاری کے بھی ہیں اور یہاں یہ مناسبت بھی شاعر کے ذہن میں ہے۔ شعر کی نثر ہوگی۔ شورِ اوہام سے شبخونِ انصاف، گفتگو کا بے مزہ ہونا اور زخمِ تمنّا کا نمکیں ہونا مت ہو جیو ـــــ ضعیف العقیدہ لوگوں کے شور و غُل سے انصاف و حقیقت کا خاتمہ نہ ہونے پائے۔ نیز اس شور سے گفتگو میں بے لُطفی نہ آجائے یا تمنّا کا زخم نہ سڑ جائے۔ آخر الذکر فقرے سے خواہش پُوری ہونے کے امکانات کا کم ہو جانا مُراد ہے۔ تمنّا، وصلِ محبوبِ حقیقی کی ہوسکتی ہے۔

ختم کر ایک اشارت میں عباراتِ نیاز
جوں مہِ نو ہے نہاں گوشۂ ابرو میں جبیں

عباراتِ نیاز: حضرت علی کی جناب میں نیاز کے مضامین۔ جبیں: عربی میں کنپٹی کو کہتے ہیں۔ یعنی گوشۂ ابرو سے ملحق طرفِ پیشانی۔ فارسی اور اُردو میں مطلق پیشانی کے معنی میں آنے لگا ہے۔ یہاں طرفِ پیشانی مُراد ہے۔ مطلب ہُوا۔ اے قلم! ایک اشارے یعنی چند بلیغ لفظوں میں نیاز و طاعت کے مضامین سما دے جس طرح جبیں گوشۂ ابرو میں چھپی ہوتی ہے، سامنے سے دیکھنے سے جبیں (طرفِ

پیشانی) نہاں ہی دِکھائی دیتی ہے۔ یہ سامنے سے ایک خط جیسی دِکھائی دے گی۔
لیعنی نئے چاند کی طرح۔ نور اور سفیدی وجہِ شبہ ہے۔ چونکہ ابرو چھوٹی چیز ہے اور
جبیں قدرے بڑی۔ انہیں کی مماثلت پر شاعر چاہتا ہے کہ نیاز کا طومار بھی چند الفاظ
میں بند کر دیا جائے!

معنیٔ لفظِ کرم، بسملۂ نسخۂ حسن
قبلۂ اہلِ نظر، کعبۂ اربابِ یقیں

کرم کے لفظ سے کیا مراد ہے۔ حضرت علیؓ کی ذات، وہ حسن کی کتاب کی بسم اللہ
ہیں۔ یعنی دُنیا میں حسن کی ابتدا انہیں سے ہوئی ہے۔ وہ عقل مندوں کے قبلہ اور
راسخ العقیدہ لوگوں کے کعبہ ہیں۔

جلوہ رفتارِ سرِ جادۂ شرعِ تسلیم!
نقشِ پا جس کا ہے توحید کو معراجِ جبیں

جلوہ رفتار: جلوے کو رفتار میں لانے والا یعنی جلوہ دِکھانے والا۔ شرعِ تسلیم:
خدا کی مرضی کو تسلیم کرنے کا مسلک۔ وہ خدا کی مرضی اور احکامات کو قبول کرنے کے
راستے پر جلوہ آرا ہیں۔ یعنی مرضیِ مولا کے آگے ان کا سر تسلیم خم ہے۔ توحید کو:
توحید کے لئے۔ کسی کو توحید کی راہ پر گام زن ہونا ہے تو ان کے نقشِ پا پر سجدہ کرے
یہ جبیں کے لئے معراج ہے اور توحید پر اعتقاد کا سب سے پکا ثبوت

کوہ کو بیم سے اس کے، ہے جگر باختگی
نہ کرے نذرِ صدا، ورنہ متاعِ تمکیں

جگر باختگی: ڈرنا۔ پہاڑ حضرت علی کے خوف سے ہراساں ہے ورنہ صدا کر کے اپنی
تمکیں کو ہاتھ سے نہ گنواتا۔ کسی آواز کی پہاڑ سے بازگشت کو صدائے کوہ کہیں گے۔
یہ صدا الاماں کی صدا ہے۔ صاحبِ تمکیں خاموش رہتا ہے۔ خائف آدمی فریاد کرتا ہے۔

وصفِ دُلدُل ہے مرے مطلعِ ثانی کی بہار
جنّت نقشِ قدم سے ہوں میں اسکے گل چیں

مطلعِ ثانی میں دُلدل کا وصف کرتا ہوں۔ اس کا نقشِ قدم جنّت کی طرح ہے۔

اور میں اس جنت سے پھول چنتا ہوں۔

گردِ رہ، سُرمہ کشِ دیدۂ اربابِ یقیں
نقشِ ہر گام، دو عالم صفہاں زیرِ نگیں

اصفہان کا سُرمہ مشہور ہے۔ نیز اگلے وقتوں میں اصفہان بڑا بارونق شہر سمجھا جاتا تھا۔ مثل تھی اصفہاں نصف جہاں۔ دو عالم صفہاں: بہت سے اصفہان۔ زیرِ نگیں: زیرِ اقتدار کیونکہ نگینِ خاتم سے مُہر کا بھی کام لیا جاتا ہے۔ دُلدل کے پاؤں سے اُٹھنے والی گرد راسخ العقیدہ لوگوں کی آنکھ میں سُرمہ لگاکر بصیرت عطا کرتی ہے۔ اس کے ہر قدم کا نقش کتنے اصفہانوں کو اپنا مطیع رکھتا ہے۔ یعنی اصفہان سے زیادہ بارونق ہے اور سُرمۂ اصفہانی سے زیادہ روشنی عطا کرتا ہے۔

برگِ گُل کا ہو جو طوفانِ ہوا میں عالم
اس کے جولاں میں نظر آوے ہے یوں دامنِ زیں

وہ جب دوڑتا ہے تو زین کا دامن ایسے خوش نُما معلوم ہوتا ہے جیسے طوفان کے وقت ہوا میں پھول کی پنکھڑیاں اُڑتی ہوں!

اس کی شوخی سے، بہ حیرت کدۂ نقشِ خیال
فکر کو حوصلۂ فرصتِ ادراک نہیں

اس کی شوخی اور تیز رفتاری ایسی ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ شاید تصوّر اس کا اندازہ کر سکے لیکن خیال کی دُنیا میں بھی اس کی شوخی نے ایک حیرت کدہ بنا دیا ہے اور فکر اس حیرت کدے میں دُلدل کی شوخی کی شناخت نہیں کر سکتا، گرفت نہیں کر پاتا۔ یعنی شوخی ایسی بے نہایت ہے کہ تصوّرِ انسان دُنیائے فکر میں بھی حیران ہو کر رہ جاتا ہے!

جلوۂ برق سے ہو جائے نگہ عکس پذیر
اگر آئینہ بنے حیرتِ صورت گرِ چیں

صورت گرِ چیں: چین کے مُصوّر، چینی نقاش مشہور ہیں۔ دُلدل کی شوخی دیکھ کر چین کے ماہر نقاش بھی حیران ہیں کہ اس کی تصویر کیونکر بنائی جائے۔ آئینہ میں جب

دُلدل کا عکس پڑتا ہے تو وہ بھی نقّاشِ چین کی طرح بھونچکّا رہ جاتا ہے۔ آئینہ تو آگے بھی حیران تھا۔ دُلدل کے عکس کے بعد تو بالکل ہی حیران ہو گیا۔ اس وقت نگاہ اگر آئینے میں دیکھے تو دُلدل کا عکس کیا برق کا جلوہ دِکھائی دے گا۔ یعنی دُلدل میں اتنی شوخی ہے کہ اس کا عکس جلوۂ برق کی طرح ہے۔

ذوقِ گُل چینیٔ نقشِ کفِ پا سے تیرے
عرش چاہے ہے کہ ہو در پہ ترے خاک نشیں

اس سے پہلا شعر نوائے سروش میں درج ہے جس میں حضرت علی رضؓ سے خطاب کیا گیا ہے۔ چناں چہ مندرجہ بالا شعر بھی دُلدل کے بارے میں نہیں، حضرت علیؓ کے بارے میں ہے۔ تیرے پاؤں کے نقش سے گُل چینی کے لیے آسمان تیرے دروازے پر زمین پر بیٹھا ہوا چاہتا ہے کہ تُو در سے گزرے، خاک پر تیرا نقشِ قدم بنے۔ تو وہ اس سے استفادہ کرے۔

تجھ میں اور غیر میں نسبت ہے، ولیکن بہ تضاد
وصیٔ ختمِ رُسل تُو ہے بہ اثباتِ یقیں

ختمِ رُسل: حضرت محمدؐ۔ وصی: جس کو وصیّت کی جائے۔ یعنی جو صحیح معنی میں جانشین ہو۔ شیعوں کے عقیدے کے مطابق حضرت علی رضؓ کو رسولؐ کا خلیفۂ اوّل ہونا چاہیئے تھا۔ "غیر" سے مُراد دوسرے خلفائے کرام ہیں۔ تجھ میں اور غیر میں یہ مناسبت ہے کہ تُو یقیناً رسولؐ کا وصی تھا۔ یعنے رسولؐ کی خواہش تھی کہ تُو ان کا جانشین ہو جب کہ دوسرے خلفائے راشدین وصیٔ رسولؐ نہیں تھے۔ اس طرح تجھ میں اور ان میں تضاد کا تعلق ہوا۔

دادِ دیوانگیٔ دِل کہ ترا مدحت گر
ذرّے سے باندھے ہے خُرشیدِ فلک پر آئیں

آئیں باندھنا: آئینہ بندی کرنا، زیبائش کرنا۔ میرے دِل کی دیوانگی کی داد دے کہ میں ذرّے سے خورشید کی تزئین کا حوصلہ کر رہا ہوں۔ تُو خورشید کی طرح ہے اور میرے مدحیہ مضامین محض ذرّے۔ آرائش کسی بہتر چیز سے ہوتی ہے، کم تر

سے نہیں۔

(۳)

یہ بھی منقبت میں ہے لیکن نامکمل۔ اس کی تشبیب کے اشعار ہی کہے گئے۔ ان میں سے تین شعر متداول دیوان میں منتخب ہو کر غزلیات کی ضمن میں گئے ——

بہ گمانِ قطعِ زحمت، نہ دوچارِ خامشی ہو
کہ زبانِ سرمہ آلود، نہیں تیغِ اصفہانی

زبانِ سرمہ آلود: خاموش زبان۔ کیونکہ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے۔ اصفہان کی دو چیزیں مشہور ہیں سرمہ اور تلوار۔ اس طرح دوسرے مصرع میں ان دونوں کا اجتماع پر لطف ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ یہ گمان نہ کر کہ خاموش رہنے سے ساری مصیبت دور ہو جائے گی۔ زبانِ خاموش تلوار نہیں کہ زحمت کو قطع کر دے!

بہ فریبِ آشنائی، بہ خیالِ بے وفائی
نہ رکھ آپ سے تعلق، مگر ایک بدگمانی

حقیقت آشنائی کے لیئے اپنی ذات اور احساسِ ذات کو فنا کرنا ہوتا ہے۔ مگر ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور —— انسان کی ذات بھی اپنی نہیں۔ تجھے کبھی یہ فریب ہوتا ہے کہ تیری ذات تیرے ساتھ دوستی و خلوص کا برتاؤ کر رہی ہے۔ کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ تیرے ساتھ بے وفائی کر رہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ سے بھی کوئی تعلق نہ رکھ، سوائے ایک بدگمانی کے یعنی اپنی ذات پر بھی اعتماد نہ رکھ۔ خودی کو ختم کر دے۔

نظرے سوئے کہستاں، نہیں غیر شیشہ ساماں
جو گدازِ دل ہو مطلب، تو چمن ہے سنگ جانی

"مطلب" سے مراد مطلوب ہے۔ سنگ جانی: پتھروں کے بیچ زندگی بسر کرنا یعنی جفاکشی۔ غالب کے زمانے میں پہاڑ گرمی سے بچنے کی تفریح گاہ نہ تھے بلکہ جفا جوئی کے مقام تھے۔ پہاڑ کی طرف نظر رکھنا یعنی پہاڑوں پر چلے جانا کوئی جفاکشی

نہیں بلکہ نظر کو شیشے کی طرح نرم کر دینے کا باعث ہے۔ اگر دل گدازی یعنی تنزیہہِ جذبات مقصود ہو تو پہاڑوں پر جانے کی جفاکشی اس کے لئے چمن ہے یعنی بہت سے مواقع فراہم کرتی ہے۔

بہ فرازِ گاہِ عبرت، چہ بہار و کو تماشا؟
کہ نگاہ ہے سیہ پوش بہ عزائے زندگانی

عبرت کی بلندی پر چڑھ کر دیکھا جائے تو بہار اور طرح طرح کے مناظر سب بے حقیقت ہیں۔ نگاہِ زندگی کے ماتم میں سیاہ پوش ہے یعنی اہلِ نظر کی نگاہ دیکھ سکتی ہے کہ دُنیا میں زندگی اتنی مختصر ہے کہ ادھر پیدا ہوئی اُدھر ختم۔ بس ماتم کرنے کا مقام ہے۔ نگاہ چونکہ کالی پتلی میں سے نکلتی ہے۔ اس لئے اسے سیاہ پوش کہنے کا جواز ہے!

بہ فراقِ رفتہ یاراں، خط و حرف، مُو پریشاں
دلِ غافل از حقیقت، ہمہ ذوقِ قصہ خوانی

قصہ خوانی: داستاں گوئی۔ قصہ سُنانا۔ میرے جو دوست انتقال کر گئے، ان کی یاد ہر دم ستاتی ہے۔ اب جو میں کچھ لکھنے بیٹھتا ہوں تو حروف اور سطریں پریشان اور کج مج ہو جاتی ہیں جیسے ماتم میں بال پریشان کئے ہوں۔ دل کو مرگ و زیست کی حقیقت معلوم نہیں۔ وہ دمِ تحریر صرف اپنے دوستوں کے فراق کا خیال کرتا ہے اور ان کے قصے سُناتا رہتا یا لکھتا رہتا ہے۔

تپشِ دلِ شکستہ، پئے عبرت، آگہی ہے
کہ نہ دے عنانِ فرصت بہ کشاکشِ زبانی

عنانِ فرصت دینا: وقت فراہم کرنا، موقع دینا۔

ٹوٹے دل کی تڑپ عبرت کو خبردار کرتی ہے کہ وہ زبانی کج بحثی کو پیدا ہونے کا موقع ہی نہ دے۔ طرح طرح کی کج بحثیوں میں انسان خود بھی بہک جاتا ہے۔ دوسروں کو بھی بہکاتا ہے۔ یہ عبرت آموزی کی نفی ہے۔ دلِ گداختہ کی شدّتِ احساس درکِ حقیقت کر سکتی ہے اور یہ درکِ حقیقت کا ہوگا۔

"عبرت آگہی" کو ایک ترکیب مان لیا جائے تو شعر کے معنی یہ ہوں گے ——

دلِ شکستہ کی تڑپ عبرتِ آگہی کے لئے وجود میں آتی ہے تاکہ تو زبانی کھینچ تان کو وجود میں آنے کا موقع ہی نہ دے۔

پہلے معنی بہتر ہیں۔

نہ وفا کو آبرو ہے، نہ جفا تمیز جو ہے!
چہ حسابِ جاں فشانی؟ چہ غرورِ دل ستانی

وفا اور جاں فشانی عاشق سے متعلق ہیں اور جفا اور دل ستانی محبوب سے۔ آج کل وفا کی کوئی آبرو نہیں، اس لئے جان دینے پر آمادہ رہنے کی کیا اہمیت؟ حسینوں کی جفا کو تمیز نہیں کہ کسی پر کی جائے اور کسی پر نہیں۔ کوئی حسین اس بات پر غرور کرے کہ میں نے تمہارا دل لے کر تمہیں عشق کا موقع دیا تو یہ غرور نامناسب ہے۔ کیونکہ اس محبوب کو تو سچے اور جھوٹے عاشق میں بھی تمیز نہیں۔

بہ شکنجِ جستجوہا، بہ سرابِ گفتگوہا
تگ و تازِ آرزوہا، بہ فریبِ شادمانی

شکنج: زنجیر۔ آرزو شادمانی کے لئے بھاگ دوڑ کر رہی ہے لیکن یہ دھوکا ہے۔ اس کی تگ و تاز کہاں ہو رہی ہے۔ جستجو کی زنجیر اور باتوں کے سراب میں۔ آدمی طرح طرح کی آرزوئیں کرتا ہے۔ انہیں پورا کرنے کی جستجو کرتا ہے لیکن ایک زنجیر میں بندھا ہوا ہے۔ کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ لوگوں سے طرح طرح کی بات چیت کرتا ہے کہ شاید اسی طرح مقصد بر آری ہو جائے لیکن نہیں ہوتی۔ یہ تمام کوششیں فریب ہیں۔

نہیں شاہراہِ اوہام، بجز آں سوئے رسیدن
تری سادگی ہے غافل درِ دل پہ پاسبانی

غالب متشکک ہیں۔ اوہام بھی مذہبی عقائد میں تشکیک کے سوا کچھ نہیں۔ اس شعر میں اوہام یا تشکیک کا جواز پیش کیا گیا۔ جو لوگ تشکیک کو الحاد سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اوہام کا راستہ بھی عالمِ موجودات سے، اس طرف یعنی ماورائیت کی طرف لے جاتا ہے۔ جو لوگ درِ دل پہ پاسبانی کرتے ہیں کہ کوئی وہم و شک اس میں داخل نہ ہونے پائے، وہ سادہ لوح ہیں۔ وہم اور تشکیک بھی اس عالم سے دوسری طرف

لے جاتے ہیں۔

چہ اُمید و نااُمیدی؟ چہ نگاہ و بے نگاہی؟
ہمہ عرضِ ناشکیبی، ہمہ سازِ جاں ستانی

بہتر یہ ہے کہ دونوں مصرعوں کے جزوِ اوّل کو عاشق سے منسوب کیا جائے اور جزوِ دوم کو محبوب سے۔ لف و نشرِ مرتب ہوا۔ اُمید اور نااُمیدی خواہشوں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔ خواہشیں عدمِ قناعت یا بے صبرے پن کی نشانی ہیں۔ اس لئے کیا اُمید اور کیا نااُمیدی دونوں محض ناشکیبی کا اظہار ہیں۔ محبوب کی توجہ اور تغافل دونوں جان لینے کا سامان ہیں۔ اس طرح عشق میں ضرر ہی ضرر ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ پورے مضمون کو صرف متکلم سے متعلق کیا جائے۔ اس صورت میں بے زاری کا مضمون ہو جائے گا۔ اب نگاہ کے معنی دُنیا کے ساز و سامان پر نگاہ کرنا یعنی ہوس کرنا۔ بے نگاہی: کم التفاتی۔

کیا خواہش اور کیا بے التفاتی، کیا اُمید اور کیا نااُمیدی، سب ناشکیبی کا اظہار ہیں۔ سب جان لینے کے سامان ہیں۔

اگر آرزو ہے راحت، تو عبث بہ خوں تپیدن
کہ خیال ہو تعب کش بہ ہوائے کامرانی

تعب کش: رنج اُٹھانے والا۔ ہوائے کامرانی: آرزو پوری ہونے کی خواہش۔ آرزو پوری ہونے پر راحت ملتی ہے۔ خوش گوار انجام کی اُمید میں ابتدا یعنے آرزو کرنے میں بھی ایک راحت ہے۔ جب یہ مان لیا کہ آرزو راحت ہے تو اس کے حصول کی جدّ و جہد میں آدمی خون میں کیوں تڑپتا ہے؟ اور تصوّر میں رنج کیوں اُٹھاتا ہے؟ جب انجام بخیر ہونا ہے تو راستے کی سختیوں سے کیوں ملول ہوا جائے؟

شرر و شورِ آرزو سے تب و تابِ عجز بہتر
نہ کرے اگر ہوس پر، غمِ بے دلی، گرانی

ہوس دوڑاتی ہے کہ حصولِ آرزو کے لئے شور و شر میں پڑا جائے لیکن اس پریشانی سے تو عاجزی کی تڑپ بہتر ہے بشرطیکہ بے دلی و مایوسی ہوس کو ناگوار نہ ہو۔

بھاگ دوڑ کرنے سے بہتر ہے افسردگی کے ساتھ بیٹھ رہنا۔

ہوسِ فروختن ہا، تب وتابِ سوختن ہا
سرِ شمع نقشِ پا ہے، بہ سپاسِ ناتوانی

فروختن: افروختن کا مخفف ہے، بہ معنی روشن کرنا۔ دُنیا کو روشن کرنے کی ہوس کا نتیجہ ہے جلنے کی بے قراری۔ شمع نے یہ ہوس کی، جلی اور اس کا سر گُل کی شکل میں زمین پر جا پڑا ہے جیسے نقشِ پا ہو۔ اور یہ اس کی موجودہ ناتوانی ظاہر کرتا ہے۔ صُبح کے وقت شمع کی جگہ قدرے موم یا گُل باقی رہ جاتا ہے جو پہلے سرِ شمع تھا، اب نقشِ پا ہے۔

شررِ اسیرِ دل کو ملے اوجِ عرضِ اظہار
جو بہ صورتِ چراغاں، کرے شعلہ نردبانی

نردبانی: زینے کا کام کرنا۔ کسی عمارت پر چراغاں ہو تو روشنی کی ایک قطار کے اُوپر دوسری قطار اور اس کے اُوپر اور قطاریں ہوتی ہیں۔ اس طرح روشنی کی سیڑھیاں بن جاتی ہیں۔ دِل میں جو شرر بلند ہے وہ اگر شعلہ بن کر اُوپر اُٹھے تو اسے اظہار کی بلندی مِل جائے گی۔ یعنی خواہش کی چنگاری دِل میں دبی رہے تو بے سُود ہے۔ اسے شعلہ بنا کر غلغلہ کر دو۔ اس کی تکمیل کی کوشش کرو!

ہوئے مشقِ جُرأتِ ناز، رہ و رسمِ طرحِ آداب
خمِ پُشت خوش نُما تھا بہ گزارشِ جوانی

ہم جوانی میں رسوم آداب کا خیال رکھتے تھے۔ مثلاً حسینوں کے سامنے جوانی کی ترنگ میں کوئی گزارش کرنی ہوتی تھی تو سر ہی خم نہ کرتے تھے بلکہ پُشت بھی خم کر لیتے تھے۔ اور یہ خمِ پُشت جوانی میں خوش نُما معلوم ہوتا تھا۔ ہماری جوانی جُرأتِ ناز کی نذر ہو کر رہ گئی اور ہم ضعیف و ناتواں ہو گئے۔ اب بڑھاپے میں وہ آداب مثلاً گزارش کے وقت پُشت کو خم کرنا اور پھر سیدھا کر لینا ممکن نہیں۔ ضعیفی کا خمِ پُشت خوشنما بھی معلوم نہیں ہوتا!

اگر آرزو رسا ہو پۓ دردِ دل مداوا ہو
وہ اجل کہ خوں بہا ہو بہ شہیدِ ناتوانی

زندگی میں یہ آرزو رہی کہ محبوب ہماری طرف توجہ کرے۔ اس نے دھیان نہ دیا۔ عاشق دردِ دل کے ہاتھوں ناتواں ہوتا گیا اور شہید ہو گیا۔ اگر اس کی آرزو زوردار اور شدید ہو تو محبوب کے دل میں اثر کرے گی اور عاشق کی زندگی میں نہیں تو اس کی موت کے بعد وہ اس کی طرف توجہ کرے گا۔ دل میں اس کے بارے میں سوچے گا۔ اس طرح عاشق کے دردِ دل کی دوا ہو جائے گی اور موت اس کے لئے خوں بہا ہو جائے گی۔ زندگی میں آرزو پوری نہ ہوئی، نہ سہی، مرنے کے بعد تو پوری ہو گئی۔

غمِ عجز کا سفینہ بہ کنارِ بے دلی ہے
مگر ایک شہپرِ مور کرے سازِ بادبانی

عجز: مایوس ہو کر ترکِ خواہشات کر دینا۔ بے دلی: افسردگی و مایوسی۔ شہپرِ مور: چیونٹی کا بڑا پر۔ کبھی کبھی چیونٹی کے بھی پر نکل آتے ہیں۔ عاجزی کی کشتی افسردگی کے کنارے سے لگی ہے۔ شاید چیونٹی کا پر اس کے لئے بادبان بن جائے اور یہ سفینہ چل پڑے۔ جس شدت کی مایوسی ہے اسی کے ہم پلہ بادبان تلاش کیا ہے۔ ہم اتنے افسردہ ہیں کہ تمام خواہشوں سے ہاتھ دھو لیا ہے۔ جس طرح ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے، اسی طرح ہمیں کمزور سے کمزور سہارا بھی مل جائے تو اسی سے تقویت ملے۔

مجھے انتعاشِ غم نے پۓ عرضِ حال بخشی
ہوسِ غزل سرائی، تپشِ فسانہ خوانی

انتعاش: عیش۔ عاشقوں اور شاعروں کے لئے غم عیش ہوتا ہے۔ اس غم نے مجھے اکسایا کہ میں اپنے اظہارِ حال کے لئے غزل گاؤں، تڑپ سے بھرے افسانے سناؤں۔

دلِ نا امید کیونکر بہ تسلی آشنا ہو
جو امیدوار رہیئے نہ بہ مرگِ ناگہانی

نا اُمیدوں کو اسی خیال سے تسلّی مِلتی ہے کہ شاید مرگِ ناگہاں آکر سب مصیبتوں سے چھٹکارا دے دے۔ اگر یہ اُمید نہ ہو تو نا اُمید دِل کو کیونکر تسلّی ہو سکتی ہے۔

مجھے بادہ طرب سے بہ خمار گاہِ قسمت

جو مِلی تو تلخ کامی، جو ہوئی تو سر گرانی

تلخ کامی کے لُغوی معنی مُنہ کا ذائقہ کڑوا ہونا اور سر گرانی کے لغوی معنی سر کا بھاری ہونا۔ شراب پینے سے مُنہ کڑوا ہو جاتا ہے اور نشہ اُترنے پر سر بھاری ہو جاتا ہے۔ خمار گاہ: شراب خانہ لیکن خمار نشہ اُترنے کی کیفیت ہے۔ اس لیۓ اس لفظ میں یہ اشارہ بھی پوشیدہ ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ قسمت کے مَے خانے میں مجھے خوشی کی شراب سے صرف اتنا حصہ مِلا کہ میں تلخ کام اور سر گراں رہا۔ ان دونوں لفظوں کے مجازی معنی ہیں ناکام و پریشان ہونا۔

نہ ستم کر اَب تو مجھ پر کہ وہ دِن گئے کہ ہاں تھی

مجھے طاقت آزمائی، تجھے اُلفت آزمائی

"ہاں تھی" حشو ہے اور وزن پُورا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ تُو ستم کر کے یہ آزماتا تھا کہ میری اُلفت قائم رہتی ہے کہ نہیں اور میں خُود کو یہ آزماتا تھا کہ دیکھوں مجھ میں ان جفاؤں کو برداشت کرنے کی طاقت ہے کہ نہیں

بہ ہزار اُمیدواری رہی ایک اشک باری

نہ ہُوا حصولِ زاری، بجُز آستیں فشانی

آستیں فشانی: رونا ترک کرنا۔ کسی چیز سے ہاتھ اُٹھا لینا۔ ہم ہزار بہ اُمید رہے بہت آہ و زاری کی کہ شاید فریقِ مقابل کا دِل پسیج جائے اور ہمارا کام ہو جائے۔ لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ آخر کار ہمیں کامِ دِل سے ہاتھ اُٹھا لینا پڑا۔

کروں عذرِ ترکِ صحبت، سو کہاں وہ بے دماغی

نہ غرورِ میرزائی، نہ فریبِ ناتوانی

میرزائی: رئیسی۔ دوست مجھے اپنے پاس نشست کے لیے بلاتے ہیں۔ میں ان کی صحبت کو ترک کرنے کا کوئی عُذر نہیں کر سکتا کیونکہ اب نہ وہ بے دماغی باقی ہے نہ

رئیسی کا غرور نہ کمزوری کا بہانہ۔ یعنی اب مجھ میں کوئی اکڑ نہیں اور میں اہلِ روزگار سے ملنے جلنے میں کوئی تامّل نہیں کرتا۔

ہمہ یک نفس تپش سے تب و تابِ ہجرت پوچھ
کہ ستم کشِ جنوں ہوں نہ بہ قدرِ زندگانی

بہ قدر: بہ مقدار یا بہ مناسبت۔ میرا ہر ایک سانس یعنی ہر لمحہ بے قراری سے بھرا ہے۔ نہ پوچھ کہ میں ہجر میں کتنا تڑپ رہا ہوں! مجھے جنوں کا ستم زندگی کی مناسبت سے کہیں زیادہ ملا ہے۔ یعنی انسان ایک زندگی میں جتنا جنون برداشت کر سکتا ہے، مجھے اس سے زیادہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

کفِ موجۂ حیا ہوں بہ گزارِ عرضِ مطلب
کہ سرشک قطرہ زن ہے بہ پیامِ دل رسانی

گزار: ادا کرنا۔ قطرہ زن: بھاگ کر چلتا ہوا۔ میں اپنے مطلب کی بات عرض کرنے میں حیا کی موج کا کف ہوں۔ یعنی مجھے اپنی ضرورت کا اظہار کرنے میں بہت شرم محسوس ہوتی ہے۔ میرے دل کا پیام پہنچانے کے لئے میرا آنسو (قاصد کی طرح) دوڑ رہا ہے۔ یعنی مجھے اپنی تمنّا کو لفظوں میں ظاہر کرنے کی تاب نہیں۔ آنسوؤں سے میرے دل کا حال ظاہر ہو جاتا ہے۔

یہی بار بار جی میں مرے آئے ہے کہ غالب
کروں خوانِ گفتگو پہ دل و جاں کی میہمانی

دل و جان کی تواضع گفتگو کے دستر خوان پر کروں۔ یعنی دل و جان کی خواہشوں کے بارے میں بہت کچھ ذکر اذکار کروں۔ معنی میں لطافت اُس وقت آ سکتی ہے جب گفتگو سے مراد محبوب سے گفتگو ہو۔ یہ جی چاہتا ہے کہ محبوب کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کروں اور دل و جاں کو خوش کروں۔

غزلیات

(الف)

(۱)

آتشیں پا ہوں، گدازِ وحشتِ زنداں نہ پوچھ
موئے آتش دیدہ ہے ہر حلقہ یاں زنجیر کا

آتشیں پا: تیز رو، بے قرار۔ موئے آتش دیدہ: کمزور بال۔ متداول دیوان میں یہ شعر یوں دیا گیا ہے: ۔

بسکہ ہوں غالبؔ اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

پرانے متن کے معنی یہ ہیں کہ وحشتِ زنداں نے مجھے نہایت مضطرب کر رکھا ہے۔ میری اس وحشت اور بے قراری کے آگے زنجیر کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ اس طرح کمزور ہے جیسے جلا ہوا بال۔ بال جل کر مدوّر ہو جاتا ہے۔ یعنی حلقۂ زنجیر سے اور زیادہ مشابہ ہو جاتا ہے۔

شوخیِ نیرنگ، صیدِ وحشتِ طاؤس ہے
دام، سبزے میں ہے، پروازِ چمن تسخیر کا

بہ صورتِ موجودہ پہلا مصرع بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اگر یہ یوں ہوتا ع وحشتِ طاؤس صیدِ شوخیِ نیرنگ ہے۔ تو معنی بہت صاف ہو جاتے۔ بہ صورتِ موجودہ یہ مفہوم ہے:۔

شوخیِ نیرنگ: مناظر کی بوقلمونی۔ پروازِ چمن تسخیر: ایسی بڑی اڑان کہ ایک بار پورے باغ کے اوپر سے گزر جائے۔ دنیا بڑی رنگا رنگ ہے لیکن طاؤس اپنی وحشت کی وجہ سے ان سب کا تماشا نہیں کرتا۔ وہ چاہے تو تمام باغوں کے اوپر سے گزر کر

ان کی رنگینی سے محظوظ ہو۔ لیکن اسے تو جنگل کا سبزہ پسند ہے اور وہ وہیں رہنا پسند کرتا ہے۔ گویا سبزے نے جال ڈال کر اس کی پرواز کو گرفتار کر لیا ہے

لذّتِ ایجادِ ناز، افسونِ عرضِ ذوقِ قتل
نعل، آتش میں ہے تیغِ یار سے، نخچیر کا

نعل در آتش: بے قرار۔ چونکہ اہلِ افسوں جسے بے قرار کرنا چاہتے تھے، نعل پہ اس کا نام لکھ کر آگ میں رکھ دیتے تھے۔ محبوب طرح طرح کے ناز ایجاد کر رہا ہے یعنی طرح طرح سے اپنی آرائش کر رہا ہے اور اس میں اسے لذّت ملتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ عاشق کے قتل ہونے کی خواہش تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے۔ محبوب کی ناز آرائی عاشق کی التجائے قتل کا باعث ہے۔ صید یعنی عاشق، محبوب کی تلوار کی وجہ سے بغایت بے قرار ہے کہ وہ قتل میں دیر کیوں کر رہی ہے۔

خشت، پشتِ دستِ عجز و قالب، آغوشِ وداع
پُر ہوا ہے سیل سے، پیمانہ کس تعمیر کا

پشتِ دست: عاجزی کی نشانی ہے، بالخصوص جب یہ زمین پر رکھی جائے۔ آغوشِ وداع: کسی کو رخصت کرتے وقت بغل گیر ہونا۔ پیمانہ پُر ہونا: عمر کا آخر ہونا۔ قدما میں سے کسی کا شعر ہے ؎

جب ہو گئی شراب میں دیوانہ مر گیا
ساغر کے خالی ہوتے ہی پیمانہ بھر گیا

عمارت کا پیمانہ سیلاب سے بھرا ہو تو وہ ایسا ہی ضرر رساں ہے جیسے انسان کا پیمانہ زہر سے: قالب سے مُراد اینٹ کا قالب ہے۔ گو عمارت کا قالب بھی مُراد ہو سکتا تھا لیکن غالب اکثر قالبِ خشت کا مضمون لاتے ہیں۔ کہیں اینٹیں بنتی دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اینٹیں ناتواں ہاتھ کی پشت کی طرح ہیں۔ ان کے سانچے ہیں، وداع کرنے والی آغوش کا انداز ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اینٹوں سے جو عمارت بنے گی وہ اتنی کمزور ہو گی کہ بنتے ہی رُخصت ہو جائے گی! کس عمارت کی قضا آ گئی ہے جو ایسی اینٹوں کا انتظام ہو رہا ہے۔ عمارت کی نیو میں سیلاب کا پانی آ جانا

اس کے انہدام کی نشانی ہے

اس شعر میں غالب انتہا کے قنوطی ہیں۔ یعنی ہر تعمیر میں تخریب کے آثار دیکھ لیتے ہیں ع "مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی"

وحشتِ خوابِ عدم، شورِ تماشا ہے اسد
جو مژہ، جوہر نہیں آئینۂ تعبیر کا

فولادی آئینے کو گھسا جائے تو جو دھاریاں نمودار ہوں گی وہ اس کا جوہر ہیں۔ پلک اس سے مشابہ ہوتی ہے۔ آئینۂ تعبیر کا جوہر ہونا یعنی تعبیر بتانے کی صلاحیت رکھنا۔ شعر کی نثر یوں ہے ——— جو مژہ آئینۂ تعبیر کا جوہر نہیں (اس مژہ کا) شورِ تماشا وحشتِ خوابِ عدم ہے۔ وحشت ناک خواب' اور وہ بھی عدم کا وحشت ناک خواب کتنا پریشان ہوگا۔ شعر کے معنی یہ ہوئے کہ جس شخص کی آنکھ ژرف بیں نہیں' اس کا یہ دعویٰ کہ وہ دنیا کے مناظر دیکھ رہا ہے' جھوٹ ہے۔ اس کے یہ مناظر عدم میں دیکھا ہوا خوابِ پریشاں ہیں

نسخۂ حمیدیہ میں مژہ کی جگہ "مزہ" چھپ گیا ہے۔ سرخوش نے جو مزہ کی اصلاح کر کے "بدمزہ" تجویز کیا اور پھر کچھ کے کچھ معنی لکھ دئے۔

(۲)

جنوں گرم انتظار و نالہ بے تابی کمند آیا
سویدا، تا بہ لب، زنجیریِ دودِ سپند آیا

"تا" اور "بہ" میں ایک لفظ حشو ہے۔ گرم انتظار: انتظارِ آمدِ محبوب میں محو۔ بے تابی کمند: جس کے پاس بے تابی کی کمند ہو۔ سویدا: دِل کے مرکز کا کالا نقطہ جسے ایک اور شعر میں غالب نے دھوئیں کا نتیجہ بتایا ہے۔

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

زنجیری: زنجیر میں گرفتار۔ عاشق کے حالِ زار کا نقشہ ہے۔ جنوں محبوب کے انتظار میں رہتا ہے اور نالہ مجھے بے تاب کرتا رہتا ہے۔ نالہ کرتے کرتے دِل ہونٹوں

تک آگیا ہے۔ کالا سویدا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نظرِ بد سے محفوظ رکھنے کے لئے سپند جلایا گیا ہو اور یہ سپند کے دھوئیں میں لپٹا ہوا ہو۔

مرِ اختر فشاں کی، بہرِ استقبال، آنکھوں سے
تماشا، کشورِ آئینہ میں آئینہ بند آیا

ذرا سی توسیع کے ساتھ اس شعر کی نثر یہ ہوگی ـــــ تماشا استقبال کے لئے مرِ اختر فشاں کی آنکھوں سے کشورِ آئینہ میں آئینہ بند آیا ـــــ مرِ اختر فشاں: وہ چاند جو تارے بکھیرتا ہے یعنی محبوب کیونکہ اس کی نگاہیں اختر ہیں۔ آئینہ بند: شہر میں جب کوئی بڑا آدمی آتا تھا تو اس کے استقبال کے لئے راستوں میں آئینہ بندی کی جاتی تھی۔ محبوب آئینے کے سامنے آرائش کے لئے بیٹھا تو تماشا نے شہرِ آئینہ یعنی خانۂ آئینہ میں اس کا استقبال کیا۔ استقبال کے لئے آئینہ بندی بھی کی اور وہ آئینہ بندی خود محبوب کی نگاہوں کے عکس سے ماخوذ کی۔

سرخوش نے "آنکھوں سے" کی بجائے "آنکھوں میں" لکھ کر عجیب معنی نکالے ہیں۔ یعنی استقبال کا مقام کشورِ آئینہ کو نہیں، آنکھوں کو قرار دیا۔ حالانکہ مصرعِ اوّل کا قدیم ترین متن ؏ بہ استقبالِ تمثالِ زِ ماہ اختر فشاں شوخی ـــــ بھی تمثالِ آئینہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تغافل، بدگمانی، بلکہ میری سخت جانی سے
نگاہِ بے حجابِ ناز کو بیم گزند آیا

نگاہِ بے حجابِ ناز: محبوب کی بے باک نگاہ۔ اس نے پہلے مجھ سے تغافل برتا پھر بدگمان ہوا کہ چونکہ میں تغافل کے باوجود زندہ و سلامت ہوں اس لئے شاید عاشقِ صادق نہیں۔ جب عرصے تک مجھے کوئی ضرر نہ ہوا تو وہ میری سخت جانی دیکھ کر گھبرا گیا کہ الٹا کہیں اس کی نگاہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ شاید یہ شخص کوئی پہنچا ہوا عاشق ہے کہ اتنی جفاؤں کے بعد بھی سالم رہا۔ اس پر جفا کا انجام برا نہ ہو۔

فضائے خندۂ گُل تنگ و ذوقِ عیش بے پروا
فراغت گاہِ آغوشِ وداعِ دِل، پسند آیا

فراغت گاہ: آرام کرنے کی خلوت گاہ۔ آغوشِ وداع: کسی کو وداع کرتے وقت بغل گیر ہونا۔ ہمیں خندۂ گُل کی فضا گھٹی گھٹی محسوس ہوئی۔ اس لئے ہم نے اس کی طرف توجّہ نہ کی۔ ہمارا عیش کا ذوق بے پرواہے یعنی ہمیں عیش کا ذوق ہی نہیں ہمارے سینے سے جب دِل رُخصت ہوگیا تو وہاں ایک خلوت کدہ بن گیا اور ہمیں وہ پسند آگیا۔ دِل کو وداع کرنے کے بعد بالکل بے فکری اور فراغت ہوجاتی ہے کیونکہ سارے مخمصے دِل ہی کی بدولت ہیں۔ ہمیں بے دلی راس آگئی۔

عدم ہے خیر خواہِ جلوہ کو زندانِ بے تابی
خرامِ ناز، برقِ خرمنِ سعیِ سپند آیا

جو شخص محبوب کے جلوے کا خیر خواہ ہے اُسے نہ صرف بے تابی کے قید خانے میں پڑنا پڑتا ہے بلکہ یہ قید اس کی جان لینے کا باعث ہوجاتی ہے۔ سپند اس کے خرامِ ناز کے جلوے کا خیر خواہ تھا۔ آگ پر پڑا، بے تاب ہوا۔ لیکن یہ بے تابی اس کے لئے برقِ خرمن ہوگئی۔ معدوم کرنے کا باعث ہوگئی اور وہ ختم ہوگیا۔ سعیِ سپند اس کی تڑپ ہے!

(۳)

سوادِ چشمِ بسمل، انتخابِ نقطہ آرائی
خرامِ نازِ بے پروائیِ قاتل پسند آیا

سوادِ چشم: آنکھ کی سیاہی یعنی آنکھ کی کالی پتلی۔ انتخابِ نقطہ آرائی: ایک محاورہ ہے "نقطۂ انتخاب۔ یعنی وہ نقطہ جو کسی کتاب میں پسندیدہ شعر یا سطر کے آگے لگادیں۔ غالب نے غلطی سے نقطۂ انتخاب کی جگہ "انتخاب نقطہ" باندھا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بھوپالی نسخے میں اس شعر پر غالب نے لا لا لکھا ہے جس کے معنی ہیں منسوخ۔ ورنہ معنی کے لحاظ سے اس شعر میں ایسی کوئی قباحت نہ تھی۔ نقطہ آرائی کے معنی ہوئے نقطہ لگانا اور انتخاب نقطہ آرائی: نقطۂ انتخاب لگانے

کی جگہ کا انتخاب۔ بسمل کی آنکھ کی پتلی نقطۂ انتخاب ہے۔ قتل کے بعد قاتل کا بے پروائی سے خرامِ ناز پسند آیا اس لئے اس پر نقطۂ انتخاب لگا دیا۔

روانی ہائے موجِ خونِ بسمل سے ٹپکتا ہے
کہ لطفِ بے تحاشا رفتنِ قاتل پسند آیا

ٹپکتا ہے: ظاہر ہوتا ہے۔ بسمل کا خون تیزی سے لہریں مارتا ہوا بہہ رہا ہے۔ اُدھر قاتل اسے قتل کر کے بے تحاشا بھاگا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خونِ بسمل کو قاتل کے بھاگنے کی ادا پسند آگئی اور یہ بھی اسی کی طرح رواں ہے۔

ہوئی جس کو بہارِ فرصتِ ہستی سے آگاہی
برنگِ لالہ، جامِ بادہ بر محمل پسند آیا

نسخۂ عرشی کے حاشیہ ص ۲۱۸ کے مطابق یہ شعر اس جگہ ہونا چاہیئے۔ نسخے میں "نظر آیا" چھپا ہے جو سہوِ طباعت ہے۔ "پسند آیا" ہونا چاہیئے۔ مسافر رواروی کے عالم میں ہوتا ہے اس لئے محمل پر بیٹھے بیٹھے ہی کھا پی لیتا ہے۔ لالے کے پھول کی زندگی نہایت مختصر ہوتی ہے۔ گلِ لالہ کی مشابہت جام سے بھی ہے محمل سے بھی۔ گویا وہ حالتِ سفر میں جام پی رہا ہے۔ جسے بھی زندگی کی بہار کی قلت سے واقفیت ہوگئی، اس نے عیش بھی کیا تو بڑی عجلت اور رواروی میں۔ عیش میں گم ہو کر نہیں رہ گیا!

اسدؔ! ہر جا سخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگِ بہارِ ایجادیِ بیدلؔ پسند آیا

طرح ڈالنا: بنیاد ڈالنا۔ سخن سے مراد بیدل کا سخن۔ بیدل کی شاعری نے ہر جگہ نئے نئے مضامین پیدا کئے ہیں۔ مجھے اس کا نئی نئی بہاریں تراشنے کا رنگ پسند آگیا۔ بہارِ ایجادی اور طرحِ باغ تازہ ڈالنا دونوں ہم معنی ہیں اور دونوں بیدل کی شاعری سے متعلق ہیں۔

---

(۴)

عالم، جہاں بہ عرضِ بساطِ وجود تھا
جوں صبح، چاکِ جیب مجھے تار و پود تھا

چاکِ جیب: چاکِ گریباں، جو دیوانگی کی علامت ہے۔ ازل کے میدان میں جہاں ساری دُنیا بساطِ وجود پر آمد کی منتظر تھی، میرے لئے چاکِ گریباں ہی لباس تھا۔ جیسے صبح کا وجود چاک سے عبارت ہے۔ اندھیرے کا گریباں چاک ہو کر، اُفق پر صبح کی سفیدی نمودار ہوتی ہے۔ اس لئے صبح کو چاکِ گریباں کہتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ میں آفرینشِ عالم سے بھی پہلے جنوں میں مُبتلا تھا۔

عالم طلسمِ شہرِ خموشاں ہے سر بسر
یا میں غریبِ کشورِ بُود و نبود تھا

شہرِ خموشاں: گورستان۔ کشورِ بُود و نبُود: آنی و فانی دُنیا جس میں ایک چیز ابھی تھی اور ذرا دیر کے بعد نہ رہی۔ میرے لئے یہ دُنیا بالکل طلسم ہے۔ کسی شے نے مجھے اپنی حقیقت نہ بتائی یا یہ کہ میں اس دُنیا میں اجنبی تھا۔ غرض یہ ہے کہ میں یہاں کی زبان نہ سمجھ سکا!

بازی خورِ فریب ہے، اہلِ نظر کا ذوق
ہنگامہ، گرمِ حیرتِ بُود و نبود تھا

بازی خور: دھوکا کھانے والا۔ حیرتِ بود و نبود: چیزوں کے نہایت آنی و فانی ہونے پر حیرت۔ جو لوگ دُنیا کا نظارہ کر کے لُطف اندوز ہو رہے تھے وہ در اصل دھوکا کھا رہے تھے۔ دُنیا کا تمام ہنگامہ چیزوں کے آنی و فانی ہونے پر حیرت میں ہے۔ نسخۂ عرشی میں ہنگامہ کے بعد وقفہ ہے اور یہی بہتر ہے۔ بغیر وقفے کے بھی معنی ممکن ہیں۔ لیکن اتنے برجستہ نہ رہیں گے۔ اس صورت میں "ہنگامہ گرم" کا فاعل "ذوقِ اہلِ نظر" ہوگا اگر اہلِ نظر حیرتِ بُود و نبُود میں مُبتلا ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ انھیں اشیا کی حقیقت کا اندازہ ہو گیا۔ پھر وہ فریب کا شکار کیونکر ہوں گے۔ اس لئے ہنگامے ہی کو

گرمِ حیرت کر دیا جائے

تنگیِ رفیقِ رہ تھی، عدم یا وجود تھا
میرا سفر، بہ طالعِ چشمِ حسود تھا

طالع: طلوع کرنے والا۔ نجومیوں کی اصطلاح میں برجِ فلک جو ولادت یا سوال کے وقت اُفق پر نمودار ہو۔ غالب کو یہاں طلوع لکھنا چاہیئے تھا۔ لیکن وزن کی مجبوری سے طالع باندھ گئے ہیں۔ چشمِ حاسد کی تنگی مشہور ہے۔ اس کا بخت یا برجِ فلک بھی تنگ ہوگا۔ میں عدم میں رہا یا وجود میں، تنگی میرے ساتھ رہی۔ گویا میں چشمِ حاسد کے اندر سفر کر رہا تھا۔ تنگی کے معنی تنگ ہونا یعنے پریشانی۔

تُو یک جہاں قماشِ ہوس جمع کر، کہ میں
حیرت متاعِ عالمِ نقصان و سُود تھا

قُماش: متاع، ریشمی کپڑے۔ یک جہاں قماش: بہت سامان و اسباب۔ حیرت متاع: وہ شخص جس کی متاع صرف حیرت ہو یعنی حیران۔ اے مخاطب! تُو ہی ہوس کے ساتھ مال و اسباب دُنیا جمع کر۔ میں تو اس سُود و زیاں کی دُنیا کا کاروبار دیکھ کر حیرت ہی میں مُبتلا رہا۔ کیونکہ آخر کار یہ سب سامان جاتا رہے گا اور نقصان ہی نقصان ہوگا۔

گردش محیطِ ظلم رہا جس قدر فلک
میں پائمالِ غمزۂ چشمِ کبود تھا

گردش محیطِ ظلم: ظلم کے ساتھ گردش کرنے والا۔ چشمِ کبود: نیلی آنکھ۔ آسمان مجھ پر ظلم کرنے کے لیے جتنی گردشیں کرتا رہا، میں نیلی آنکھوں کے غمزوں سے پریشان ہوتا رہا۔ خود آسمان بھی کبود چشم ہے اور بعض حسین بالخصوص مغربی کبود چشم ہوتے ہیں۔ دونوں مُراد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شعر میں کسی قدر شوخی ہے کہ آسمان مجھ پر ظلم کیا کر رہا ہے۔ میرے نزدیک ایک نیلی آنکھوں والی حسینہ مجھ پر محوِ کرم ہے

پوچھا تھا گرچہ یار نے احوالِ دل، مگر
کس کو دماغِ منّتِ گُفت و شنود تھا

اگرچہ یار نے ہمارا احوالِ دِل پُوچھا لیکن میرے بس کا نہیں تھا کہ میں بات چیت کا احسان لیتا۔ اس لئے اس سے کچھ نہ کہا۔

خور شبنم آشنا نہ ہوا، ورنہ میں اسدؔ
سر تا قدم گزارشِ ذوقِ سجود تھا

اگر شبنم پر دُھوپ پڑے تو فوراً شبنم آفتاب تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اگر سُورج اس کی طرف التفات ہی نہ کرے تو شبنم مجبُور و محروم رہے گی۔ میں بھی سر تا قدم محبُوب کے حضور میں سجدہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی میری طرف دھیان ہی نہ دیا۔

(۵)

ہے کہاں تمنّا کا دوسرا قدم یا رب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

دشتِ امکاں: دُنیا۔ اس شعر پر مجھے ہندو دیومالا کے وامن اوتار کی یاد آتی ہے۔ یہ کسی راجہ کو شرمندہ کرنے کے لئے برہمن کے بھیس میں آئے اور اس سے جھونپڑی بنانے کے لئے تین قدم زمین کا سوال کیا۔ راجہ نے ہاں کر دی۔ وامن نے ایک قدم میں پوری دُنیا کو محیط کر لیا۔ دوسرے میں پاتال کو۔ تیسرے قدم کے لئے کوئی جگہ ہی نہ بچی۔ غالب کہتے ہیں:
ہماری تمنّا کی وُسعتوں کا کیا پُوچھنا! ساری دُنیا اور اس کے سارے امکانات اس کا محض ایک نقشِ پا ہیں۔ ہماری تمنّا نے دوسرا قدم رکھنا ہی کہاں ہے۔ اس کے لئے گنجائش ہی کہاں ہے؟

بے دماغِ خجلت ہوں، رشکِ امتحاں تا کے
ایک بے کسی تجھ کو عالم آشنا پایا

تجھ کا مرجع بے کسی نہیں بلکہ محبُوب ہے۔ میرے اوپر ایک بے کسی کا عالم ہے

کیونکہ میں نے تجھے عالم آشنا پایا، یعنی تُو سب سے مِلتا جُلتا ہے، سب کو ایک درجے کا عاشق سمجھتا ہے، سب کا امتحان لیتا ہے۔ میں اس امتحان کا رشک کب تک کروں۔ مجھے تو ندامت ہے کہ تُو اس قدر ہرجائی ہے اور اس ندامت نے مجھے نازک مزاج اور مکدر بنا دیا ہے۔

خاک بازیِ اُمید، کارخانۂ طفلی
یاس کو دو عالم سے لب بہ خندہ وا پایا

خاک بازی: بچوّں کا مٹی میں کھیلنا، نرد و شطرنج جیسا کھیل۔ لب خندہ: تبسّم۔ اُمید کا کھیل، بچپنے کی باتیں ہیں جن میں کوئی پائداری نہیں۔ اس کے برعکس یاس کو دونوں دُنیاؤں کے باشندوں سے تبسّم کے ساتھ بات چیت کرتے دیکھا۔ یہ خندہ دراصل تضحیک کا خندہ ہے۔ یعنی دُنیا میں اُمید ناپائدار ہے اور یاس بالیدہ۔

کیوں نہ وحشتِ غالبؔ باج خواہِ تسکیں ہو؟
کشتۂ تغافل کو خصمِ خوں بہا پایا

باج خواہ: جو شخص زمین دار یا راہدار یا اہلِ بازار سے محصول وصول کر کے خزانۂ شاہی میں داخل کرے۔ باج خواہِ تسکیں: تسکین سے باج وصول کرنے والی یعنی تسکین سے بہرہ اندوز۔ غالبؔ ہی کشتۂ تغافلِ محبوب ہے۔ محبوب کے تغافل سے مرنے والا موت کو تکمیلِ آرزو سمجھتا ہے۔ اسی لئے وہ محبوب سے خوں بہا نہیں مانگتا۔ پھر مرنے کے بعد وحشت کو کیوں نہ سکون مِل جائے؟ یا پھر اس سے مِلتے جُلتے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ غالبؔ نے دیکھا کہ محبوب کے تغافل سے مرنے والا خوں بہا کا دُشمن ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ تغافل سے مرنا کوئی بڑی خوش گوار بات ہوگی۔ پس اس کی وحشت کو بھی سکون ہو گیا کہ اگر ہم کو بھی تغافل کے باعث جان دینی پڑی تو کوئی خسارہ نہ ہوگا۔

---

(۶)

فکرِ نالہ میں گویا، حلقہ ہوں زِ سر تا پا

عضو عضو، جوں زنجیر، یک دِل صدا پایا

یک دِل ہونا: متفق ہونا۔ زنجیر کے تمام حلقے ایک ساتھ مل کر شور کرتے ہیں۔ میرے جسم کے تمام اعضا بھی یک دِل ہو کر آواز کرتے ہیں۔ گویا میں نالہ کرنے کی فکر میں سر سے پاؤں تک حلقۂ زنجیر ہوں

شب نظارہ پرور تھا خواب میں خرام اس کا

صبح، موجۂ گُل کو نقشِ بوریا پایا

رات میں نے خواب میں اس کے خرام کا روح پرور نظارہ دیکھا۔ صبح اٹھ کر خیابان میں پھولوں کی لہر دیکھی۔ مقابلتاً ایسی پھیکی دکھائی دی جیسے بوریے کا نقش ہو ـــــــ آسی اور سندیلوی نے لکھ دیا ہے کہ صبح ہم نے اپنے نقشِ بوریا کو موجۂ گُل پایا۔ حالانکہ شعر میں یہ بات نہیں کہی گئی۔ سندیلوی نے ایک اور بات یہ بھی پیدا کی ہے کہ رات کو خواب میں جو کچھ موجۂ گُل تھا، آنکھ کھلنے پر اپنے نقشِ بوریا کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن صحیح معنی وہی ہیں جو میں نے ابتدا میں درج کیے ہیں۔

جس قدر جگر خوں ہو، کوچہ دادنِ گُل ہے

زخمِ تیغِ قاتل کو طرفہ دِل کُشا پایا

کوچہ دادن: راستہ دینا۔ راستہ کھولنا۔ غالب نے ایک شعر میں کہا ہے سہ

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں

وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دِل کُشا کہیے

دِل کُشا کے لفظی معنی دِل کو کھولنے والا اور محاورے میں دِل کو خوش کرنے والا۔ غالب کے لیے زخم جتنا کشادہ ہو، دِل اتنا ہی خوش ہوتا ہے۔ زیرِ بحث شعر میں تیغِ قاتل نے جگر میں زخم کر دیا ہے۔ غالب کے لیے جگر کا خون ہونا پھول کھلنے کی زمین فراہم کرنا ہے۔ خون کی مشابہت رنگِ گُل سے ہے، اس لیے غالب کو زخمِ

تیغ بہت دِل خوش کُن ہے!

ہے نگیں کی پا داری، نامِ صاحبِ خانہ
ہم سے، تیرے کُوچے نے نقشِ مُدعا پایا

نگیں : انگوٹھی کا نگ، جس پر نام کندہ ہوتا ہے اور جس سے مہر کا کام لیا جاتا ہے۔ پا داری : پائے داری یعنی مضبوطی۔ صاحبِ خانہ : صاحبِ خانہ، نگیں یعنی صاحبِ مہر انگوٹھی کی قدر صاحبِ خاتم کے نام سے ہوتی ہے۔ ہم ہر وقت تیرے کُوچے میں پڑے رہتے ہیں۔ جس سے اس کوچے کے صاحبِ خانہ ہوگئے۔ ہمارے سوا اور کوئی تو کوچہ نشیں تھا نہیں۔ اس طرح تیرے کوچے نے ہمارے قیام سے اپنی مراد حاصل کرلی اور لوگ اس کوچے کو ہمارے نام سے منسوب کرکے پکارنے لگے۔

نے اسدِ جفا سائل، نے ستمِ جنوں مائل
تجھ کو جس قدر ڈھونڈا، اُلفت آزما پایا

نہ اسد (یعنی عاشق) جفا کا متلاشی ہے نہ ستمِ محبوب جنونِ عاشق کی طرف مائل ہے۔ میں نے تجھے جتنا ڈھونڈا اور پرکھا، یہی معلوم ہوا کہ تُو میری اُلفت کی آزمائش کر رہا ہے۔ اس لیے مجھ سے دُور دُور رہتا ہے!

(۵)

کارخانے سے جنوں کے بھی میں عُریاں نکلا
میری قسمت کا نہ اک آدھ گریباں نکلا

چونکہ کارخانہ فیکٹری کو کہتے ہیں، اس سے غالبؔ نے خیال پیدا کیا کہ وہاں بہت سے کپڑے ہوں گے۔ لیکن یہ وہاں سے بھی عُریاں ہی نکلے۔ انھیں کوئی گریباں یعنی پیرہن میسّر نہ آیا۔ شعر میں "بھی" زائد ہے کیونکہ جنوں کے کارخانے سے عُریاں نکلنا عینِ مطابقِ فطرت ہے۔ "بھی" اُس وقت آنا چاہیئے تھا جب کوئی خلافِ توقع صورت ہوتی!

رانگرِ جلوۂ سرشار ہے ہر ذرّۂ خاک
شوقِ دیدار بلا آئینہ ساماں نکلا

ہمیں ہر ذرّۂ خاک میں محبوبِ حقیقی کا مست کرنے والا جلوہ دکھائی دے

رہا ہے۔ ہر ذرّہ اس کے جمال کا آئینہ ہے۔ ہمارے شوقِ دید نے کتنے آئینے پیدا کر لئے۔

کچھ کھٹکتا تھا مِرے سینے میں لیکن آخر
جس کو دل کہتے تھے سو تیر کا پیکاں نکلا

دِل میرے سینے میں کھٹک پیدا کیا کرتا تھا۔ آخر کار معلوم ہوا کہ یہ دِل دراصل محبوب کے تیر کا پیکان ہے جو ٹوٹ کر یہاں بیٹھ گیا ہے۔ پیکان درد کا باعث ہوتا ہے۔ دِل اور پیکان میں میرے لئے کوئی فرق نہیں!

کس قدر خاک ہوا ہے دِلِ مجنوں یارب
نقشِ ہر ذرّہ سویدائے بیاباں نکلا

خاک ہونا: محاورے میں اس کے معنی عاجز ہونے کے ہیں۔ لیکن یہاں غبار بن کر خاک میں مِلنے کے معنی میں آیا ہے۔ مجنوں کا دِل کس قدر خاک میں مِلا ہے کہ جنگل کا ہر ذرہ جنگل کے دِل کا سویدا بن گیا ہے۔ سویدا سیاہ ہوتا ہے۔ مجنوں کا دِل سوختہ بھی سیاہ ہوگا۔ ذرّوں کے سویدائے دِل ہونے سے یہ بھی مترشح ہے کہ یہ ذرّات بیاباں کو بہت عزیز ہوں گے!

شورِ رسوائیِ دِل دیکھ کہ یک نالۂ شوق
لاکھ پردے میں چھُپا، پر وہی عریاں نکلا

نالے کا مقام حلق اور حجرۂ دہن ہے۔ یہ گویا نالے کا پردے میں چھپنا ہے۔ دِلِ عاشق کی رسوائی اس حد تک ہے کہ عشق کا ایک نالہ ہزار چھپایا لیکن ظاہر ہو کر رہا اور کسی لاگ لپیٹ کے بغیر کھُلم کھُلا سب کے سامنے آ گیا۔

شوخیِ رنگِ حنا خونِ وفا سے کب تک؟
آخر اے عہد شکن، تو بھی پشیماں نکلا

تیری حنا کے سُرخ رنگ کی آب دراصل خونِ وفا سے ہے۔ یعنی تُو نے ہم سے وفا نہیں کی۔ لیکن یہ سلسلہ کب تک جاری رہتا! آخرش حنا کا رنگ اُڑ گیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اے عہد شکن تو خونِ وفا کرنے پر پشیمان ہو گیا ہے!

جوہرِ ایجادِ خطِ سبز ہے خود بینیٔ حُسن
جو نہ دیکھا تھا، سو آئینے میں پنہاں نکلا

فولادی آئینے پر رگڑنے سے جو خطوط و نقاط نمایاں ہو جاتے ہیں انہیں آئینے کا جوہر کہتے ہیں۔ برسات میں لوہے پر ہرے زنگ کا میل سا جم جاتا ہے جسے سبز زنگار کہتے ہیں۔ برسات میں آئینے کے سبزی مائل ہونے کی وجہ سے جوہر بھی سبز ہو جائے گا (اور اس طرح آئینے میں) خواہ مخواہ عکسِ خط دِکھائی دینے لگے گا۔ چونکہ ایران میں سیاہ رنگ کو منحوس سمجھا جاتا ہے اس لئے داڑھی کے کالے بالوں کو سبزہ کہا جاتا ہے۔ محبوب کے ابھی خط نہیں نکلا لیکن حُسن کی خود بینی ہر طرح کے دِل کش حربوں سے مُزیّن ہونا چاہتی ہے۔ حُسن کے خط نہیں تو کیا ہوا۔ اس نے آئینے میں جوہرِ سبز سے خط ایجاد کر لیا۔ محبوب کے چہرے پر جو خط نہ دیکھا تھا وہ آئینے میں پوشیدہ نِکلا ——

میں بھی معذورِ جنوں ہوں اسدؔ، اے خانہ خراب
پیشوا لینے مجھے گھر سے، بیاباں نِکلا

اے اسدِ خانہ خراب! میں جنوں میں مُبتلا ہونے کے لئے مجبور ہوں۔ کیونکہ بیاباں خود مجھے میرے گھر سے لینے کے لئے آیا اور میری پیشوائی کی۔ یعنی بیاباں میں میں اپنی خواہش یا اِرادے سے نہیں جاتا۔ کوئی غیبی آواز مجھے بُلا کر لے جاتی ہے!

(۸)

نہ ہوئی ہم سے رقم حیرتِ خطِّ رُخِ یار
صفحۂ آئینہ، جولاں گہہِ طوطی نہ ہُوا

اس شعر میں کئی مناسبتیں ہیں۔ آئینے کو حیران باندھتے ہیں اور ہم یار کے چہرے پر خط دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ خط کو سبز کہتے ہیں، اس لئے آئینے میں اس کا عکس طوطی جیسا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی طوطی کو بولنا سِکھاتے ہیں تو آئینے کے سامنے بِٹھاتے ہیں۔ آئینے کے پیچھے سے ایک آدمی بولتا ہے اور طوطی اپنے عکس کو دیکھ کر یہ سمجھتی ہے کہ طوطیٔ آئینہ بول رہی ہے۔ اس لئے وہ بھی بولنے لگتی ہے

ظاہر ہے کہ بولتے وقت کچھ حرکات بھی کرتی ہوگی۔ اس طرح آئینہ طوطی کی جولاں گاہ بن جاتا ہے۔ جولاں گہہِ طوطی سے مُراد طوطی کے بولنے کا مقام ہوا۔ کہتے ہیں

یار کے حسین سبزۂ خط کو دیکھ کر ہم پر جو حیرت طاری ہوئی ہم اس کا بیان صفحۂ کاغذ پر نہ کرسکے۔ ہمارا صفحہ ایسا آئینہ تھا جس میں کوئی طوطی نہ جنباں ہوئی نہ گویا ہوئی۔ اگر دوسرے مصرع کو یوں پڑھا جائے ع صفحہ، آئینہ جولاں گہہِ طوطی نہ ہوا ——— تب بھی یہی معنی نکلیں گے۔ صفحہ کاغذ ایسا آئینہ نہ بن سکا جس میں طوطی جولاں ہو۔ سطرِ تحریر کو "نقشِ جولانیِ طوطی" قرار دیا ہے۔

وُسعتِ رحمتِ حق دیکھ کہ بخشا جاوے
مجھ سا کافر کہ جو ممنونِ معاصی نہ ہوا

دوسرے مصرع میں بات اُلٹی کہی گئی ہے۔ کسی طرح اسے سیدھا کرنا ہے۔ ممنونِ معاصی کے معنی ظاہراً معاصی سے استفادہ کرنے کے ہوتے ہیں یعنی ارتکابِ گناہ کرنا۔ لیکن یہاں اس مفہوم کی گنجائش نہیں۔ گناہ مجھ پر یہ احسان کرسکتے تھے کہ مجھ کو اپنا شکار نہ بناتے۔ لیکن میں نے ان کا یہ احسان لینا گوارا نہ کیا اور خود کو ان کا تختۂ مشق ہونے دیا۔ خدا کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ مجھ جیسے گناہ گار کافر کو بھی بخش دیا۔

(۹)

شبِ اختر، قدحِ عیش نے محمل باندھا
بارِ یک قافلۂ آبلہ منزل باندھا

شبِ اختر: اندھیری رات۔ کیونکہ اندھیری رات ہی میں تارے زیادہ دِکھائی دیتے ہیں۔ محمل باندھنا: کوچ کی تیاری کرنا۔ بار باندھا: سفر کی تیاری کی۔ قافلۂ آبلہ منزل: وہ قافلہ جس کی منزل آبلے ہوں۔ یعنی جو اِتنی دُور کی منزل پر جائے کہ چلتے چلتے پاؤں میں آبلے پڑجائیں۔ عیش چاندنی رات میں ہوسکتا ہے یا روشنی میں، اندھیری رات میں عیش کا امکان نہیں۔ عیش کے پیالے نے اس رات میں کوچ کرنے کا اِرادہ کیا۔ آبلہ منزل تاروں کی رعایت سے کہا ہے۔ تارے آبلوں سے مماثل ہوتے ہیں۔ گویا قدحِ عیش تاروں کی منزل کی طرف جانے والا قافلہ ہے۔ آبلہ منزل قافلے

کا بار باندھنے سے مُراد ہے۔ خُود آبلہ منزل ہونے کا ارادہ کرنا یعنی اتنی دُور کا سفر کرنا کہ آبلہ پائی سے دوچار ہونا پڑے۔ مطلب یہ ہوا کہ اندھیری رات میں عیش ہم سے دُور، نہایت دُور چلا گیا۔

آسی اور سرخوش دونوں نے پہلے مصرع کے معنی قدحِ عیش کارواں ہونا یعنی گلچھرے اڑا لئے ہیں۔ لیکن دوسرے مصرع کے پیشِ نظر یہ باطل ہو جاتا ہے۔ آسی نے دوسرے مصرع کی نثر یوں کی ——— "باریک قافلۂ آبلہ کو۔ اپنی منزل سمجھا۔" یہ بھی صحیح نہیں۔ سرخوش نے شبِ اختر کے معنی چاندنی رات درج کئے ہیں جو موزوں نہیں!

سبحہ واماندگیِ شوق، و تماشا منظور
جادے پر زیورِ صد آئینہ منزل باندھا

زیور باندھنا: آرائش کرنا۔ آئینہ منزل: وہ آئینہ جس میں منزل دکھائی دے۔ زیورِ صد آئینہ منزل: وہ زیور، جس میں ایسے سَو آئینے لگے ہوں جن میں منزل کا عکس دکھائی دے۔ تسبیح کو جادے سے مُشابہ کیا ہے۔ اور اس کے سَو دانوں کو ایسے سَو آئینوں سے جو دُور سے منزل کا عکس دکھاتے ہیں۔ زاہد تسبیح گردانی کرتا ہے لیکن اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عشق تھک گیا، لیکن محبوب کا دیدار کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے راستے پر اس نے ایسے آئینے نصب کر دئے جن میں دُور رہنے والی منزل کا عکس دکھائی دے رہا ہو۔ تسبیح کے دانوں میں محبوب کا عکس دکھائی دے سکتا ہے لیکن یہ منزل سے دُوری کا نشان ہیں!

سرخوش نے اس شعر کے معنی میں ایسی کم فہمی کا مظاہرہ کیا ہے کہ اس کی تفصیل دینا بھی تضیعِ اوقات ہے!

ضبطِ گریہ، گہرِ آبلہ لایا آخر
پائے صد موج، بہ طوفاں کدۂ دل باندھا

پاؤں باندھنا: اسیر کرنا۔ میں نے دِل کے طوفاں کدے میں آنسوؤں کی سَو لہروں کو اسیر کر دیا۔ اس ضبطِ گریہ کا اثر یہ ہوا کہ تپش کی وجہ سے جسم پر آبلے

اُبھر آئے۔ موجوں سے موتی ملتے ہیں۔ موجِ اشک سے مجھے آبلوں کے موتی ملے۔

حیف اے ننگِ تمنّا، کہ پئے عرضِ حیا
یک عرقِ آئینہ، بر جبہ سائل باندھا

ننگِ تمنّا: انسان کو ننگ نہیں کہا بلکہ تمنّا کرنے کی شرم مراد ہے۔ عرقِ آئینہ: پسینے کا آئینہ۔ آئینہ بر جبہ یا بر پیشانی باندھنا: ایران کی رسم ہے کہ ولادت کے وقت زچّہ کی پیشانی پر آئینہ باندھتے ہیں۔ اس لئے پیشانی پر آئینہ باندھنے کے معنی کسی شے کا ظاہر ہونا۔ حیف، تمنّا کرنے میں کس ننگ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اہلِ غرض نے جب کسی سے کچھ سوال کرنا چاہا تو شرم سے اس کے ماتھے پر پسینہ آگیا اور اس پسینے کے آئینے نے اعلان کر دیا کہ اب یہ شخص کچھ مانگنے والا ہے۔ کاش تمنّا نہ ہوتی اور یہ ننگ پیش نہ آتا

حسن، آشفتگیِ جلوہ ہے عرضِ اعجاز
دستِ موسیٰ بہ سرِ دعویِٰ باطل باندھا

آشفتگیِ جلوہ: جلوۂ الٰہی کا بکھرنا۔ دست بہ سر گرفتن یا دست بہ سر نشستن: حیرت و افسوس کی حالت میں سر پہ ہاتھ رکھنا۔ طور پر خدا کا جلوہ پھیلا، وہ معجزے کا اظہار تھا۔ معجزہ اکثر کسی کے دعوے کو باطل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ حضرتِ موسیٰ کو یہ دعویٰ تھا کہ میں جلوۂ الٰہی کو دیکھنے کی تاب رکھتا ہوں۔ اس ہلکے سے بکھرے ہوئے جلوے نے موسیٰ کا دعویٰ باطل کر دیا اور انہیں حیرت و افسوس میں مبتلا کر دیا۔

تپشِ آئینہ، پردازِ تمنّا لائی
نامۂ شوق، بہ بالِ پرِ بسمل باندھا

تپشِ آئینہ: آئینے جیسی بے قراری۔ آئینے کو مضطرب کہنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ اس پر سیماب کی صیقل ہوتی ہے اور سیماب اضطراب کا خزینہ ہے یا پھر فولادی آئینے میں جوہر تڑپتا دکھائی دیتا ہے۔ پردازِ تمنّا: تمنّا کی آراستگی یا پرورش۔ تمنّا پروری نے مجھے آئینے کی طرح مضطرب کر دیا۔ یہ تمنّا شوقِ محبوب کی دین تھی۔ چنانچہ میں نے محبوب کو ایک نامۂ شوق بھیجا جس میں تڑپ کا مفصّل بیان

تھا۔ نامہ کبوتر کے پروں میں باندھ کر بھیجا جاتا ہے۔ میں نے اپنی تڑپ کی عکاسی کے لئے نامے کو مذبوح کبوتر کے پروں میں باندھا ہے۔ چونکہ طائرِ بسمل تڑپ ہما تڑپ ہے جیسا موضوع ویسا ہی نامہ بر!

دیدہ تا دل ہے یک آئینہ چراغاں، کس نے

خلوتِ ناز پہ پیرایۂ محفل باندھا؟

آئینہ چراغاں: ہر طرف آئینہ بندی ہو اور رات کو چراغ جلائے جائیں تو آئینے میں ان کا عکس بہت بھلا ہوگا۔ اس سجاوٹ کو آئینہ چراغاں کہیں گے جو محفلوں کی آراستگی و پیراستگی کی چیز ہے۔ آنکھ سے لے کر دل تک آئینہ چراغاں جلوۂ محبوب کے طفیل ہے۔ کس نے ناز کے خلوت کدے کو محفلوں کے زیور سے آراستہ کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ محبوب نے۔

ناامیدی نے، بہ تقریبِ مضامینِ خمار

کوچۂ موج کو خمیازۂ ساحل باندھا

خمار فقدانِ نشّہ ہے جس کی ایک علامت انگڑائیوں کا آنا ہے۔ کوچۂ موج: موجوں کے درمیان کی جگہ یعنی خودِ موج۔ ہمیں شراب کے ملنے سے ناامیدی ہے۔ اس لئے خمار کے مضامین ادا کرتے رہنا چاہتے ہیں۔ ہماری تشنہ کامی نے ساحل کو بھی پیاسا قرار دے دیا۔ حالاں کہ وہ ہمیشہ تر دامن رہتا ہے۔ ساحل کی پیاس کے ثبوت میں موجوں کو ہم نے اس کی انگڑائی قرار دیا جو شراب نہ ملنے کی صورت میں نمودار ہوتی ہیں۔ غالب موجوں کو انگڑائی سے تشبیہہ دیا کرتے ہیں!

مطربِ دل نے مرے تارِ نفس سے غالب

ساز پہ رشتہ، پےِ نغمۂ بیدل باندھا

رشتہ: ساز کا تار۔ غالب کو بیدل کا انداز پسند ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل کے مغنّی نے نغمۂ بیدل گانے کی تیاری کی۔ اس کے لئے ساز درست کیا۔ یعنی ساز پہ تار باندھا۔ تار کونسا؟ میرا سانس، جو ساز کے ساتھ نغمۂ بیدل گا رہا تھا۔ بیدل نے ایک شعر میں اس محاورے کو استعمال کیا ہے ؎

رفتہ ام عمرے ست زیں محفل نوائے فرحتم
سادہ لوحاں رشتہ می بندند بر سازم ہنوز

(۱۰)

ناتوانی ہے تماشائی عمرِ رفتہ !
رنگ نے آئینہ آنکھوں کے مقابل باندھا

جوانی میں رنگ سرخ تھا۔ بڑھاپے میں کمزوری کے سبب زرد ہو گیا۔ آنکھوں کے سامنے ہر وقت جسم کا زرد رنگ موجود رہتا ہے جو ایک آئینے کی طرح ہے اس میں نہ صرف موجودہ ضعیفی دکھائی دیتی ہے بلکہ اس کے تعلق سے شبابِ رفتہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ بڑھاپے کی ناتوانی ہاتھ پاؤں کے رنگ کو دیکھ کر گزری جوانی کی یاد کرتی ہے۔

اصطلاحاتِ اسیرانِ تغافل مت پوچھ
جو گرہ آپ نے کھولی، اسے مشکل باندھا

جو لوگ تغافلِ محبوب کے شکار ہیں ان کی اصطلاحوں کا کیا ذکر کیا جائے جو مسئلہ حل کرنے پر وہ قادر نہیں، اسے مشکل قرار دے دیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں یہ سوچنا چاہیئے کہ اگر ان سے حل نہ ہو سکا تو یہ لازمی تو نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی مشکل ہو گا۔ مثلاً ان کے سامنے ایک عقدہ ہے کہ محبوب کی توجہ کیونکر حاصل کی جائے۔ اب چونکہ وہ خود اس سے بے بہرہ ہیں، اس لئے کہیں گے کہ محبوب کی توجہ حاصل کرنا نہایت مشکل ہے۔ حالاں کہ کتنے لوگ ایسے ہوں گے جن کی طرف محبوب توجہ کرتا ہے اور ان کے لئے یہ مسئلہ مشکل نہیں !

یہ شعر حقیقت میں رکھا جائے تو معنی زیادہ برجستہ ہوں گے۔ انسان تغافلِ محبوبِ حقیقی کا شکار ہے۔ وہ دنیا کی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتا، اس لئے اسے مشکل قرار دیتا ہے۔ اگر وہ التفاتِ یار سے محروم نہ ہوتا تو حقیقت ایسی مشکل نہ ہوتی !

یارنے تشنگیِ شوق کے مضموں چاہے
ہم نے دِل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

ہمیں اندازہ ہوا کہ یار شدتِ عشق اور شوق کی پیاس کی باتیں سُننے پر مائل ہے۔ ہم نے بڑے مبالغوں سے بیان کیا۔ ہر چیز کو خواہش کی پیاس میں مُبتلا دِکھادیا مثلاً ساحل پیاسا ہوتا ہے اور دریا تر۔ ہم نے یہ کمال کیا کہ دریا کو بھی ساحل کی طرح پیاسا دِکھادیا یعنی دریا بھی محبوب کی چاہ کی پیاس میں مُبتلا ہے

نوکِ ہر خار سے تھا بسکہ سرِ دزدی زخم
جوں نمد، ہم نے کفِ پا پہ، اسدؔ دِل باندھا

پاؤں میں کانٹے چبھتے ہیں تو کپڑا یا نمد باندھ لیا جاتا ہے تاکہ پاؤں ان سے محفوظ رہ سکے۔ دوسری طرف محبوب دِل چُرانے کی تاک میں رہتا ہے۔ ہم نے یہ حرکت کی کہ دِل کو کفِ پا پر باندھ لیا۔ اس سے دو فائدے مقصود ہیں۔ ایک تو یہ کہ کانٹوں سے کفِ پا کی حفاظت ہوگی دوسرے یہ کہ کانٹوں سے چھِد کر دِل ایسا بے کار ہو جائے گا کہ کوئی دِل کا چور اسے چُرانا نہ چاہے گا۔ اب کفِ پا کے نیچے دِل میں جو کانٹے چبھ رہے ہیں وہ گویا ذوقِ دزدی کے سرے چبھ رہے ہیں کیونکہ ہر خار کی چبھن امکانِ دزدی کو کم کرتی جارہی ہے

(۱۱)

شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیری دِل بے تاب تھا
شوخیِ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا

اس پوری غزل بلکہ دو غزلے میں ایک ہی رنگ کے مضمون ہیں۔ یعنی ہجر میں عاشق کی کیفیت اور محبوب کی بے نیازی و عیش کوشی سے اس کا تقابل۔ افسانہ اور افسوں میں رعایت ہے۔ فسونِ خواب: وہ منتر جسے پڑھنے سے حریف کو نیند آجائے یا بے ہوش ہوجائے۔ افسانہ ہونا سے مُراد باطل ہونا بے حقیقت ہونا۔ رات تجھ سے باتیں کرنے کے لئے دِل بے چین ہو رہا تھا۔ وحشت کا یہ عالم تھا کہ نیند آ کر نہ دیتی تھی۔ کوئی نیند کا منتر بھی پڑھے تو وہ بھی محض افسانے کی طرح جھوٹا

مؤنث کی بے کار بات بن کر رہ جاتا تھا۔ کارگر نہ ہوتا تھا۔ اگر اس کے برعکس افسانہ کو مبتدا اور جنوں کو خبر مان لیا جائے تو معنی بدل جائیں گے۔ رات کو افسانہ سنا کر خواب لایا جاتا ہے۔ دوسری طرف خواب بستن کا افسوں ہوتا ہے۔ یعنی جس منتر سے نیند باندھ دی جائے۔ فسونِ خواب کے معنی نیند اڑا دینے کا افسوں۔ دوسرے مصرع کے معنی ہوئے کہ وحشت کی وجہ سے افسانہ نیند لانے کی بجائے نیند غائب کرنے کا کام کر رہا تھا۔ غزل ۷۶ کے تیسرے شعر میں خوابِ بستن کے جادو کا ذکر ہے۔ یہاں بھی فسونِ خواب سے وہی مراد ہو سکتا ہے۔

گرمیِ برقِ تپش سے زہرہ از بس آب تھا
شعلۂ جوّالہ ، ہر یک حلقۂ گرداب تھا

زہرہ آب ہونا : پِتّا پانی ہونا یعنی نہایت خائف ہونا۔ شعلۂ جوّالہ : لکڑی کے سروں پر کپڑے میں آگ لگا کر گھمایا جائے تو شعلے کا چکّر بندھ جاتا ہے اور اسے شعلۂ جوّالہ کہتے ہیں۔

اصلاً اس شعر کے مصرعِ اولیٰ میں " زہرۂ دل آب تھا " تھا جسے گلِ رعنا میں بدل کر " زہرہ از بس آب تھا " کر دیا گیا۔ بعد میں متداول دیوان کے لئے غالب نے پہلا مصرع یوں بدل دیا ع شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا — وہاں یہ غزل مسلسل ہے۔ رات میری تڑپ میں بجلی کی سی گرمی تھی۔ اس سے طوفان بھی خائف تھا۔ یہ گرمی بھنور کے حلقوں میں اس کثرت سے شامل ہوگئی کہ وہ شعلۂ جوّالہ بن گئے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ شعلۂ جوّالہ میرے اضطراب کی گرمی سے ایسا خائف ہوا کہ اس کا پتّہ پانی ہو گیا۔ چنانچہ وہ شعلۂ گرداں سے آبِ گرداں بن گیا۔ یعنی شعلۂ جوّالہ حلقۂ گرداب میں بدل گیا۔ اس صورت میں مصرع کی قرأت ہوگی — " شعلۂ جوّالہ ہر یک، حلقۂ گرداب تھا۔ "

لے زمیں سے آسماں تک فرش تھیں بے تابیاں
شوخیِ بارش سے ، مہ ، فوّارۂ سیماب تھا

سیماب کے دو خواص ہیں۔ یہ بہت سفید ہوتا ہے اور اس میں تڑپ ہوتی

ہے۔ بارش سے مُراد یہاں پانی کا برسنا نہیں بلکہ محض برسنا ہے۔ چاند سے نورُ کی کرنیں اور قطرات برس رہے تھے جس کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ چاند پارے کا فوّارہ ہے۔ چاندنی میں عشاق کو کچھ زیادہ ہوک اُٹھتی ہے اس لیئے زمین سے آسمان تک بے تابی بھری معلوم ہوتی تھی۔ ثبوت ہے چاندنی جو سیمابی تھی!

واں ہجومِ نغمہ ہائے سازِ عشرت تھا اسدؔ
ناخُنِ غم یاں سرِ تارِ نفس، مِضراب تھا

محبوب کے گھر خوشی کے باجوں سے نغمے پھوٹ رہے تھے۔ میرا ناخُنِ غم میرے سانس کے تار کو مِضراب کی طرح چھیڑ رہا تھا۔ یعنی یہاں غم ہی غم تھا۔ مناسبت کے لیئے اپنے پاس بھی ساز و مِضراب کا اہتمام کر دیا ہے!

(۱۲)

دیکھتے تھے ہم بہ چشمِ خُود وہ طوفانِ بلا
آسمانِ سفلہ جس میں یک کفِ سیلاب تھا

آسمان بہت وسیع ہوتا ہے نیز ساری دُنیا پر بلائیں اُتارنے کا ذمہ وار ہوتا ہے۔ ہماری آنکھ نے رو کر ایسے سمندر بہا دیئے کہ ان کا طوفان آسمان سے زیادہ وسیع اور آسمان سے زیادہ بلاخیز تھا۔ آنکھ کے بلاؤں کے طوفان میں آسمان محض سیلاب کا جھاگ معلوم ہوتا تھا۔ یعنی ہماری آنکھ میں آسمان سے بھی زیادہ بلاؤں کے سیلاب بھرے ہوئے ہیں!

موج سے پیدا ہوئے پیراہنِ دریا میں خار
گریہ، وحشت بے قرارِ جلوۂ مہتاب تھا

خارِ پیراہن: مُخل اور ایذا دینے والا۔ وحشتِ بے قرار: بے قرار وحشت یعنے وحشت کی وجہ سے بے قرار۔ شعر میں رونے کا مبالغہ ہے۔ مہتاب یعنی چاندنی کا جلوہ دیکھ کر گریہ فرطِ وحشت کی وجہ سے بے قرار ہوا۔ بالفاظِ دیگر چاند اور چاندنی کو دیکھ کر ہمیں محبوب کی یاد نے ستایا۔ وحشت سی ہونے لگی اور بے قراری کی وجہ سے آنسوؤں کا دریا بہانے لگے۔ اتنے آنسو نِکلے کہ دریا بن گیا اور اس میں

موجیں چلنے لگیں۔ یہ دریا بھی بے چین تھا جس طرح پیراہن میں کانٹا ہو تو پریشان کرتا ہے۔ اسی طرح دریائے گریہ میں موجیں کانٹا بن کر موجبِ اضطراب تھیں۔

چاندنی میں عشاق اور دیوانوں کو زیادہ وحشت ہوتی ہے۔

جوشِ تکلیفِ تماشا، محشرستانِ نگاہ

فتنۂ خوابیدہ کو آئینہ مشتِ آب تھا

تکلیف کے معنی ہیں کسی کو کسی کام کے کرنے کے لئے کہنا۔ محبوب نے آئینہ دیکھا، آرائش کی تو فتنہ بیدار ہو گیا۔ اس کو جوش تھا کہ عشاق کو اپنی دید کی دعوت دے۔ ایسا ہی ہوا۔ عشاق کی نگاہوں کو تڑپانے کے لئے چہرے نے محشر کا کام کیا۔ اس طرح آئینے نے وہ کام کیا جو ایک چلّو پانی کسی شریر خوابیدہ انسان کو جگانے کے لئے کرے۔

بے خبر مت کہہ ہمیں بے درد خود بینی سے پوچھ

قلزمِ ذوقِ نظر میں آئینہ پایاب تھا

ذوقِ نظر کس کا ہے؟ محبوب کا یا عاشق کا؟ دونوں پہلوؤں سے دو معنی نکلتے ہیں۔ (۱) اے بے درد! تو ہمیں بے خبر اور خود سے غفلت شعار نہ کہہ۔ تو آئینے کے سامنے خود بینی میں اتنا محو تھا کہ تیرا ذوقِ دید ایک سمندر کی طرح بے کنار تھا جس میں آئینہ پایاب ہو کر گزر رہا تھا۔ یعنی تو آئینہ بینی میں مستغرق تھا۔ تجھے ہماری حالت کی کیا خبر؟ اس لئے ہمیں بے خبر کہنے کا جواز نہیں!

(۲) تو ہمیں بے خبر نہ کہہ! تجھے کیا معلوم اپنی خود بینی سے پوچھ۔ تو آئینہ کو دیکھ رہا تھا اور ہم اس شدّت اور محویّت سے تجھے دیکھ رہے تھے کہ ہمارا ذوقِ نظر ایک سمندر کی طرح تھا جس میں آئینہ پایاب پھر رہا تھا!

پہلے معنی بہتر ہیں۔ "خود بینی" سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوقِ نظر محبوب ہی کا ہے

بے دلی ہائے اسدؔ افسردگی آہنگ تر

یادِ ایامے کہ ذوقِ صحبتِ احباب تھا!

افسردگی آہنگ، جس سے افسردگی کا راگ نکلتا ہو۔ اسدؔ کی بے زاری اور بے دلی میں اب اور زیادہ افسردگی بھر گئی ہے۔ اسے یہ دماغ نہیں کہ یاروں کی صحبت میں بیٹھ

سکے۔ اُن دنوں کی یاد آتی ہے جب اسے احباب کے ساتھ بزم آرائی کا شوق تھا۔

(۱۳)

نہ بھُولا اضطرابِ دم شماری انتظار اپنا
کہ آخر شیشۂ ساعت کے کام آیا غبار اپنا

دم شماری: لفظی معنی سانس گننا۔ کنایہ ہے ایّام بسر کرنے سے۔ شیشۂ ساعت: ریت کی گھڑی کا شیشے کا خانہ۔ اس کے دو خلنے ہوتے تھے۔ ایک میں خاک بھری ہوتی تھی جو ایک سوراخ کے اندر سے دوسرے خلنے میں جاتی تھی۔ انتظار اپنا: میری خوئے انتظار۔ ہم نے محبوب کے انتظار میں لمحے گن گن کر زندگی گزاری۔ آخر مر گئے اور غبار ہو گئے۔ اب بھی لمحے گننے کی بے چینی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ چنانچہ ہمارا غبار شیشۂ ساعت میں بھرا گیا اور وہ وقت کے شمار میں کام آیا۔

زِبس آتش نے فصلِ رنگ میں رنگِ دگر پایا
چراغِ گُل سے ڈھونڈھے ہے چمن میں شمع خار اپنا

فصلِ رنگ: فصلِ رنگ و بو یعنی بہار۔ چراغِ گُل: پھُولوں کے سُرخ رنگ کو آتشِ گُل کہتے ہیں۔ اس لئے پھُول کو چراغ سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ شمع کا خار: شمع کے بیچ کا دھاگا۔ بہار کے موسم میں آگ نے دوسرا رنگ پایا یعنی آتشِ گُل بن کر ظاہر ہوئی۔ شمع نے سوچا کر لاؤ اس آگ میں اپنا خار بھی جلا دو۔ خار بالعموم باغ میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے شمع باغ میں جا کر اپنا خار ڈھونڈھ رہی ہے۔ چونکہ بعض پودوں میں پتیوں کی کثرت سے کسی گوشے میں اندھیرا ہو سکتا ہے۔ اس لئے ٹارچ جیسی روشنی کی ضرورت ہے۔ شمع نے چراغِ گُل لے کر خار کی تلاش کی۔ شمع کے خار میں بہر حال آگ لگنی چاہیئے۔ کیونکہ یہی شمع کا وطیرہ ہے۔

اسیرِ بے زباں ہوں، کاشکے، صیادِ بے پروا
بہ دامِ جوہرِ آئینہ، ہو جاوے شکار اپنا

اپنا کا تعلق صیاد سے ہے۔ آسی نے اسے "میرا" کے معنی میں لیا ہے جو ٹھیک

نہیں۔ فولادی آئینے میں جوہر کی دھاریاں جال سے مُشابہ ہوتی ہیں۔ محبوب صیّاد ہے اس نے ہمیں جال میں اسیر کیا ہوا ہے۔ ہم خاموش اور بے زباں ہیں، کچھ فریاد نہیں کر سکتے۔ کاش صیّاد کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو۔ وہ بے پروائی کی وجہ سے دام میں پھنس کر رہ جائے۔ دام کون سا؟ جوہرِ آئینہ کا جو وہ آرائش کے لئے دیکھتا ہے۔

مگر ہو مانعِ دامن کشی، ذوقِ خود آرائی

ہوا ہے نقش بندِ آئینہ، سنگِ مزار اپنا

دامن کشی: کسی چیز سے خود کو باز رکھنا۔ نقش بند: نقش بنانے والا یا وہ نقش جو بنایا گیا ہو۔

محبوب زندگی بھر ہم سے دُور رہا۔ ہمارے مرنے کے بعد بھی یہ توقع نہیں کہ وہ ہماری قبر پر آئے گا۔ ہم سے اس کی دامن کشی کا توڑ یہ ہو سکتا ہے کہ اسے خود آرائی کی سہولت کا لالچ دیا جائے۔ ہمارا سنگِ مزار آئینے کی طرح صاف و شفّاف ہے۔ شاید وہ اس لئے چلا آئے کہ اس آئینے کی مدد سے وہ خود آرائی کے شغل میں لگ سکے گا۔ سنگِ مزار اُس پتھر کو کہتے ہیں جس پر مرنے والے کا نام اور تاریخِ وفات وغیرہ کندہ ہوتی ہے۔

دریغ اے ناتوانی! ورنہ ہم ضبط آشنایاں نے

طلسمِ رنگ میں باندھا تھا عہدِ استوار اپنا

رنگِ رُخ کا معمول پر ہونا صحت و توانائی کی دلیل ہے۔ ہم نے محبوب سے پکّا وعدہ کیا تھا کہ ہم عشق میں ضبط سے کام لیں گے۔ رنگِ رُخ کو معمول پر رکھیں گے یعنی ذہنی بیماری کی کوئی علامت اپنے چہرے پر ظاہر نہ ہونے دیں گے اور اس طرح ضبط سے کام لے کر عشق کا راز دُنیا سے پوشیدہ رکھیں گے۔ لیکن افسوس کہ ہم کمزور ہو گئے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور لوگ پہچان گئے کہ یہ کسی پر عاشق ہے۔ طلسموں میں کوئی بیش بہا تحفہ رکھ کر اس پر طلسم باندھ دیا جاتا تھا۔ ہم نے رازِ عشق کو پوشیدہ رکھنے کا عہد، طلسمِ رنگ میں محفوظ کر دیا تھا

عہد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محبوب خواہ کتنے بھی ستم کرے، ہم خاموشی سے برداشت کریں گے۔ ہم نے یہ عہد توانائی و صحت کے عالم میں کیا تھا اور ضبط سے کام

لے رہے تھے۔ لیکن اب کمزوری بڑھ جانے کے باعث جفائیں برداشت کرنے کے قابل نہیں رہے اور اپنے عہد سے ہٹنے کے لئے مجبور ہیں۔

اگر آسودگی ہے مُدعائے رنجِ بے تابی
نیازِ گردشِ پیمانۂ مے روزگار اپنا

اگر بے تابی کا مقصود آخرکار آسودگی حاصل کرنا ہے تو ہم کیوں بے تابی میں مُبتلا رہے چلے جائیں۔ اپنے وقت کو پیمانۂ مے کی گردش کا نیازمند کیوں نہ کر دیں۔ یعنی بے تابی کو غرقِ مے کیوں نہ کر دیں۔ گردشِ روزگار کو گردشِ جام میں کیوں نہ بدل دیں؟

(۱۴)

رہِ خوابیدہ تھی گردن کشِ یک درسِ آگاہی
زمیں کو سیلیِ اُستاد ہے، نقشِ قدم میرا

شعر کے صاف صاف دو معنی ہیں:۔

(۱) رہِ خوابیدہ: سونا راستہ جس پر کوئی نہ چلتا ہو۔ گردن کش: بغاوت کرنے والا، نافرمان۔ سیلی: طمانچہ جو گردن پر مارا جائے۔ راستے کے لئے آگاہی کا سبق یہ ہے کہ اس پر لوگوں کے قدم پڑیں اور وہ ان سے واقف ہو۔ وہ سونے راستے جن پر کوئی نہ چلتا تھا اور جو آگاہیِ قدوم سے بغاوت کرتے تھے۔ میں ان پر چلا۔ میرا نقشِ قدم ان پر اُستاد کے طمانچے کی طرح پڑا اور وہ انسانی قدم سے آگاہ ہو گئے۔ ممکن ہے رہِ خوابیدہ استعارہ ہو روایتِ سُخن کے لئے۔ نقشِ قدم سے مُراد ان کی روشِ سُخن ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں زمیں شعر کی زمین ہے۔

(۲) رہِ خوابیدہ: کنایہ ہے راہِ دُور دراز سے۔ گردن کش: مُتکبّر۔ لمبے راستے کو یہ غرور تھا کہ وہ بہت لوگوں کی رفتار سے واقف ہے۔ میرے نقشِ قدم نے راستے کی زمین پر اُستاد کے طمانچے کا کام کیا اور سب غرور توڑ دیا۔ میری تیز رَوی یا گرمیِ رفتار نے اسے بتایا کہ جب تک اس چال سے آگاہی نہ ہو، تکبّر بے جا ہے

سُراغ آوارۂ عرضِ دو عالم شورِ محشر ہوں
پر افشاں ہے غبار آں سوئے صحرائے عدم میرا

شورِ محشر: میری وہ بے چینی جو قیامت کے شور کی طرح ہے۔ دو عالم شورِ محشر: بہت زیادہ اضطراب۔ عرضِ دو عالم شورِ محشر: شدّتِ اضطراب کو پیش کرنا۔ پَر افشاں: اُڑنے والا۔ میری ذات نے دونوں دُنیاؤں میں شورِ محشر سا بپا کر رکھا ہے۔ میں اس غلغلے کو ہر جگہ پیش کر رہا ہوں۔ چونکہ یہ بہت بے کراں ہے میں اسے عرض کرنے کی تلاش میں آگے اور آگے چلا جا رہا ہوں۔ اس کی پیش کش کے حصار کا سُراغ مجھے نہیں ملتا۔ اب میرا غبار عدم سے بھی آگے دوسری طرف نکل گیا ہے۔ اور وہاں بھی شورِ محشر بپا کئے ہے۔ چونکہ سُراغ پا گم ہو گیا ہے اس لئے کبھی اِدھر، کبھی اُدھر اپنی طبیعت کی محشر سامانی کو پیش کرتا ہوں۔

نہ ہو وحشت کشِ درسِ سرابِ سطرِ آگاہی
غبارِ راہ ہوں، بے مدّعا ہے پیچ و خم میرا

اے مخاطب! میں غبارِ رہ ہوں۔ میرے پیچ و خم یعنی اضطراب کا کوئی خاص مطلب نہیں۔ میں کوئی علمی تحریر کی سطر نہیں جسے پڑھنے سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر میرا پیچ و خم سطر کی صورت ہے تو یہ محض سراب ہے۔ تُو اس سے سبق حاصل کرنے کی سر دردی میں نہ پڑ۔ یعنی تُو مجھے کوئی پہنچا ہوا انسان نہ سمجھ۔ میں معمولی خاکسار خاک نشیں ہوں!

ہوائے صبح، یک عالم گریباں چاکیِ گُل ہے
دہانِ زخم پیدا کر، اگر کھاتا ہے غم میرا

یک عالم: بہت زیادہ۔ لوگ صبح کو ہوا خوری کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن وہ ہوائے صُبح کی حقیقت نہیں جانتے۔ صُبح کو کتنے پھول گریباں چاک کرتے ہیں۔ گویا صُبح کا ہونا پھولوں کی گریباں چاکی سے عبارت ہے۔ گریباں کسی پریشانی یا اذیت ہی میں چاک کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہوائے صبح درد و اذیت کا مظاہرہ ہے جس سے ہوا خور واقف نہیں

غم خوار کے لغوی معنی ہیں غم کھانے والا۔ شاعر اپنے غم خوار سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا غم کھانا چاہتا ہے تو اپنے جسم میں دہانِ زخم پیدا کر اور اس سے کھا شاعر نے لفظ "کھانا" کو لغوی معنی میں لے کر اس کے لئے دہن کی ضرورت پیدا کر دی دہانِ زخم سے غم کھانے سے مراد یہ ہے کہ اگر تو میرے غم کو سمجھنا چاہتا ہے تو تجھے خود نہایت ملول اور رقیق الطبع ہونا پڑے گا۔

دونوں مصرعوں کا تعلق یوں ہے کہ کسی کی ظاہری حالت سے اس کی باطنی کیفیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ مبُیح کو دیکھ کر کون سمجھ سکتا ہے کہ یہ غم کی نشانی ہے۔ میرے ظاہر کو دیکھ کر بھی میرے ملالِ طبع کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ دلِ گداختہ لے کر آ تو مجھے سمجھ سکے گا اور میرا غم بانٹ سکے گا۔

اسدؔ وحشت پرستِ گوشۂ تنہائیِ دل ہوں
برنگِ موجِ مے، خمیازۂ ساغر ہے رَم میرا

خمیازہ یعنی انگڑائی کو موج سے بھی تشبیہہ دی جاتی ہے۔ ساغر سے بھی۔ چنانچہ "ساغرِ خمیازہ" آتا ہے لیکن غالب نے "خمیازۂ ساغر" باندھا ہے یعنی ساغر کے کھلے منہ اور اطراف کو خمیازہ قرار دیا ہے۔ وحشتِ عشق میں دستور یہ ہے کہ صحرا میں جا کر رَم کیا جاتا ہے۔ غالب کہتے ہیں مجھے وحشت ضرور ہے لیکن میں اس کے زیرِ اثر باہر نہیں بھاگ جاتا۔ بلکہ دل کی تنہائی میں گوشہ نشین ہو جاتا ہوں۔ جس طرح موجِ مے کا رَم محض خمیازۂ ساغر کی شکل میں یا ساغر کے حصار میں نمودار ہوتا ہے اسی طرح میرا رَم محض خلوتِ دل تک محدود ہے۔ دل اور ساغر میں مشابہت ہے۔ مرزا بیدلؔ کا شعر ہے ؎

وداعِ غنچہ، گُل را، نیست جُز تعلیمِ مخموری
گرفت از رفتنِ دل، ساغرِ خمیازہ، آغوشم

مصرعِ ثانی سے دل اور ساغر و خمیازہ کی مماثلت کا اظہار مقصود ہے جس سے ممکن ہے غالب نے اپنا خیال لیا ہو۔ غالب کے مصرعِ ثانی کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح موجِ مے اپنے رَم کے لئے ساغر کو پسند کر لیتی ہے اسی طرح

میں بھی دلِ تمنا کے ساتھ ساغر تک اپنے رم کو محدود رکھتا ہوں۔ یعنی وحشت کو بہلانے کے لئے ساغر کا سہارا لیتا ہوں!

(۱۵)

جہاں مٹ جائے سعیِ دید، خضر آبادِ آسائش
بہ جیبِ ہر نگہ پنہاں ہے حاصل رہ نمائی کا

خضر آباد: خضر جیسے رہنما کے رہنے کی جگہ۔ آدمی کو دُور دُور کے مقامات دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے اور ان کی سیر کے لئے رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ خواہشِ تماشا ترک کر کے ایک جگہ آرام سے بیٹھے رہیں تو خضر کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ گویا سب سے بڑا خضر آباد، سعیِ دید و خواہشِ سیر کو تیاگ دینا ہے۔ ہر نگہ کے گریباں میں رہ نمائی کا نچوڑ پوشیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ نہ سفر کیا جائے نہ مشاہدے کی خواہش کی جائے۔ رہنما اور رہنمائی کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ جس طرح توکل کی تعلیم دی جاتی ہے، غالب سیر و سیاحت، دید و تماشا کو چھوڑ دینے کی تلقین کرتے ہیں

بہ عجز آبادِ وہمِ مدّعا تسلیم شوخی ہے
تغافل کو نہ کر مغرور تمکیں آزمائی کا

دوسرے مصرع میں اصلاً "مصروف" تھا جسے بعد میں بدل کر "مغرور" کر دیا گیا۔
عجز آباد: عاجزی کی جگہ یعنی احساسِ عجز۔ وہمِ مدعا: یہ وہم کہ شاید مدّعا حاصل ہو جائے۔ اس میں امید کا پہلو کم اور نومیدی کا پہلو بہت زیادہ ہوگا۔ یعنی زیادہ تر یہ احتمال ہوگا کہ مدّعا حاصل نہیں ہوگا۔ تمکیں آزمائی: ثابت قدمی کی آزمائش۔ غالب کا ایک اور شعر یاد کیجیے ؎

نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں تغافل ہائے تمکیں آزما کیا

دونوں شعروں کے دوسرے مصرعے ہم معنی ہیں۔ میں تیرے سامنے عاجز ہوں کیونکہ مقصد براری نہیں ہو رہی۔ ایک وہم ہے کہ شاید مدّعا حاصل ہو جائے۔ اگر تو مجھ سے شوخی کرتا رہے تو مجھے یہ تسلیم یعنی قبول ہے کیونکہ اس سے یہ بھرم

اور آس بنی رہتی ہے کہ شاید مُدّعائے وصل ایک دِن حاصل ہو جائے۔ خُدا کے لئے تُو تغافل کر کے ہماری ثابت قدمی کا امتحان نہ لے اور اپنے روّیے پر مغرور نہ ہو۔ تغافل کے ہوتے ہوئے ہمیں تُجھ سے مِلنے کی کوئی اُمید ہی نہیں رہتی۔ مُدّعا حاصل ہونے کا وہم بھی نہیں رہتا!

عجز آباد، خضر آباد کی طرح کی ترکیب ہے۔ جو شخص مُدّعا حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہ کر سکے وہ عجز آباد کا مکین ہوا۔ دوسرے مصرع میں "مصروف" بہتر تھا! غرور صرف اس لئے ہو سکتا ہے کہ تغافل کے سامنے ہماری تمکیں کو شکست ہو کے رہے گی اور اس طرح تغافل مغرور ہو سکے گا!

اسد کا قصّہ طولانی ہے لیکن مختصر یہ ہے
کہ حسرت کش رہا عرضِ ستم ہائے جُدائی کا

اسد کے حالِ دِل کی رُوداد بہت طویل ہے۔ کہاں تک بیان کی جائے؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہجر کے ستم اتنے زیادہ ہیں کہ کتنا بھی بیان کیا جائے ان کا ایک شمّہ بھی پیش نہ ہو سکا اور یہی حسرت رہی کہ کاش حالِ دل واقعی بیان کیا جا سکتا!

(۱۶)

ہوسِ گُستاخیِ آئینہ، تکلیفِ نظر بازی
بہ جیبِ آرزو پنہاں ہے، حاصل دِل رُبائی کا

ہوسِ گُستاخ : وہ شخص جو ہوس کی وجہ سے گُستاخ ہو۔ ہوسِ گُستاخیِ آئینہ : آئینے کا ہوس کی وجہ سے گُستاخی کرنا۔ تکلیفِ نظر بازی : عشّاق کا محبوب کے چہرے کی طرف نظر بازی کرنا، اور محبوب کا اس سے پریشان ہونا۔ جیبِ آرزو : عاشق کی آرزوئے دید کی جیب۔ محبوب کو حسین ہونے اور دِل رُبا ہونے سے کیا مِلتا ہے۔ آئینہ اسے گُستاخی کے ساتھ گھورتا ہے اور عشّاق نظر بازی کر کے تکلیف دیتے ہیں۔ دونوں آرزوئے دید و شوقِ یار کے سبب ایسا کرتے ہیں۔ گویا دِل رُبائی کا حاصل عاشق کی آرزو کی جیب یا گریباں میں پنہاں ہے۔ یعنی شانِ محبوبی

عاشق ہی کی عطا کردہ ہے

نظر بازی، طلسمِ وحشت آبادِ پرستاں ہے
رہا بے گانۂ تاثیر، افسوں آشنائی کا

پریوں کا سایہ پڑنے سے جنون ہو جاتا ہے۔ اس لئے پرستان جنون کی جگہ ہوئی
وہاں کا وحشت سے بھرا ہوا طلسم خالص وحشت اور جنون ہی ہوگا۔ حسینوں کی سمت
نظر بازی پرستان کا وحشت سے بھرا طلسم ہے اور کچھ نہیں۔ کتنا ہی آشنائی کا
منتر پڑھیے، کسی حسین پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نظر بازی کو پرستان کا طلسم اس لئے
کہا کہ پرستان میں سب حسین ہوتے ہیں اور نظر بازی جس گروہ پر کی جائے گی وہ بھی
پرستان کی مخلوق ہوں گی۔ کسی بڑے طلسم میں معمولی منتر کام نہیں دیتا۔ افسونِ
آشنائی اس قسم کا منتر ہے جسے پڑھنے سے معشوق عاشق کے قدموں پر آگرے!

نہ پایا دردمندِ دوریِ یارانِ یک دل نے
سوادِ خطِّ پیشانی سے نسخہ مومیائی کا

یک دِل: موافق و متفق۔ سوادِ خط: وہ سیاہی جو کسی سطر کو لکھنے میں
استعمال ہوئی ہے۔ خطِّ پیشانی: ماتھے کی وہ شکنیں جو تقدیر کا لکھا ہیں۔ مومیائی:
ایک دوا جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر لگائی جائے تو ہڈی جڑ جاتی ہے۔ کچھ لنگوٹیا یار
ہیں۔ ان کا گویا ایک دِل ہے۔ وہ بچھڑ گئے گویا ایک دِل کے دو تین ٹکڑے
ہو گئے۔ ان میں سے کسی غم زدہ نے چاہا کہ فصل وصل میں بدل جائے۔ اس نے
پیشانی کی لکیر سے سیاہی لینی چاہی تا کہ اس سے کاغذ پر مومیائی کا نسخہ لکھ سکے۔
جو بچھڑے ہوئے دِلوں کو جوڑ سکے۔ لیکن خطِّ پیشانی سے یہ نسخہ لکھنے کے لئے سیاہی
نہ ملی۔ مطلب یہ ہے کہ بچھڑے ہوئے دوستوں نے مقدر کی طرف نگاہ کی لیکن قسمت
نے ان کے اجتماع کا سامان نہ کیا۔

اسدؔ یہ عجز و بے سامانیِ فرعون تو اَم ہے
جسے تو بندگی کہتا ہے، دعویٰ ہے خدائی کا

فرعون تو اَم: جو فرعون کے ساتھ جڑواں بھائی کے طور پر پیدا ہوا ہو۔

فرعون کے برابر مغرور ہونا۔ درویش و مُفلس بے نوا بھی ہوتے ہیں اور بظاہر عجز و خاکسار سے بھرے ہوئے بھی۔ لیکن بعض صورتوں میں انہیں اخلاقی حیثیت سے اپنے بے دماغ اور رئیسوں سے برتر ہونے کا شدید احساس ہوتا ہے۔ زہد و حیا پندار بعض مُفلسوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایسے بے سامان لوگ گویا فرعون کے بھائی ہیں۔ وہ ظاہرا تو خدا کے بندے ہیں لیکن ان کے دل کو ٹٹول کر دیکھا جائے تو خود کو خدا کی طرح بلند و برتر و بے لوث سمجھتے ہیں۔

(۱۷)

ہوں چراغانِ ہوس، جوں کاغذِ آتش زدہ
داغ، گرمِ کوششِ ایجادِ داغِ تازہ تھا

آگ لگے ہوئے کاغذ پر جگہ جگہ شرر چمکتے ہیں۔ میں بھی ہوس کے ہاتھوں سرتا پا جل رہا ہوں۔ اگر ہوس یا خواہش پوری نہیں ہوتی تو ایک جلن، ایک تڑپ، ایک داغ چھوڑ جاتی ہے۔ یہ داغ چراغ کی طرح گرم اور روشن ہیں۔ ایک ناآسودہ حسرت کے بعد دوسری ہوس پیدا ہوتی ہے اور وہ حسرت بن کر ایک داغ چھوڑ دیتی ہے۔ اس طرح داغوں کی کثرت سے چراغاں ہوتا جا رہا ہے۔

بے نوائی تر صدائے نغمۂ شہرت، اسد
بوریا، یک نیستاں عالم بلند آوازہ تھا

بے نوائی: ساز و سامان کا نہ ہونا یعنے مُفلسی۔ نوا کے معنی آواز کے بھی ہیں۔ جس سے "بہارِ عجم" کے مطابق بے نوائی کے معنے بے سامانی کے علاوہ بے آوازی بھی ہیں۔ اس شعر میں بے سامانی مُراد ہے۔ بے آوازی محض ایہام کے طور پر ہے۔ یک نیستاں عالم: غالب کی مقدار ظاہر کرنے کی مرغوب ترکیب ہے۔ نَے میں سے آواز نکلتی ہے اور وہ بانس سے بنتی ہے اس لئے نیستاں صدا کا مخزن ہوا۔ بلند آوازی کی افراط دکھانے کو "یک نیستاں عالم" کہا یعنے پورا بانسوں کا جنگل۔ بوریا بانس کی کھپچیوں سے بنتا ہے، اس لئے نَے سے دُور کا رشتہ ہونے کے باعث اسے بھی

بلند آوازی کی علامت قرار دیا۔ ساتھ ہی بوریا افلاس کی بھی نشانی ہے اور خود بوریے کے پاس کوئی اور مظروف نہیں ہوتا۔ اب کہتے ہیں کہ کسی کی شہرت کا جتنا زیادہ شور ہو، وہ دراصل اتنا ہی زیادہ بے سامان ہوتا ہے۔ ساز و برگِ دنیا ہی سے نہیں بلکہ اوصافِ انسانی کے معاملے میں بھی۔ دلیل بوریا ہے جو بہت شور کرتا ہے لیکن بالکل کنگال ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بوریے کو اٹھایا جائے تو کافی کھڑکھڑ ہوتی ہے۔ آواز کو شہرت کی دلیل قرار دیا۔

(۱۸)

ہم نے وحشت کدۂ بزمِ جہاں میں جوں شمع
شعلۂ عشق کو اپنا سروساماں سمجھا

شمع کا ساز و ساماں کیا ہے؟ محض شعلہ! ہم نے بھی دنیا کی وحشت سے بھری محفل میں شعلۂ عشق سے جلتے رہنے کو اپنا سامانِ حیات سمجھا۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس نہ کچھ تھا نہ ہمیں ضرورت تھی۔ گو آخرکار یہ شعلہ ہمیں کو پھونک دے گا جس طرح شمع کا شعلہ شمع کو کھا لیتا ہے!

(۱۹)

ملی نہ وسعتِ جولانِ یک جنوں ہم کو
عدم کو لے گئے دل میں غبار صحرا کا

غبار: یہاں ایہام ہے۔ گرد مراد نہیں بلکہ ملال، حسرت مراد ہے۔ احساسِ محرومی سے بھی دل غبار آلودہ ہو جاتا ہے۔ ہمیں جنوں میں جولاں کرنے کو کافی میدان نہ ملا یعنی یہ دنیا ہمارے جولاں کو کافی نہ تھی۔ مرنے کے بعد عدم میں بھی ہم یہ حسرت لے گئے کہ دنیا میں خاطر خواہ صحرا نہ تھا۔ شاید اس دنیا کے بعد عدم میں اتنا بڑا صحرا مل جائے!

مرا شمول ہر اک دل کے پیچ و تاب میں ہے
میں مدعا ہوں تپشِ نامۂ تمنا کا

اگر اس شعر میں "ترا شمول" اور "تو مدعا ہے" ہوتا تو معنی بہت صاف ہو جاتے، بہ صورتِ موجودہ یہ ہوں گے کہ میں مجسّم عشق ہوں۔ عشق ہر دل کی تڑپ میں شامل ہے اس لئے میں ہر انسان کے دل کی تڑپ کا ایک لازمی جزو ہوں۔ کوئی اپنی تمنّاؤں کی بے چینی کے بیان کو خط کی شکل میں لکھے گا تو اس کا نچوڑ، اصل جوہر میں ہی ہوں گا کیونکہ تمنائے عشق کی بے قراری کا مکمل نمونہ تو میں ہی ہوں۔

اس شعر کو حقیقت میں بھی لے سکتے ہیں۔ اَنَا الحق کی طرح انا المحبوب کا احساس ہو تو ہر دل اور ہر نامۂ شوق میں، میں ہی میں ہوں گا!

فلک کو دیکھ کے کرتا ہے، تجھ کو یاد اسد
اگرچہ گم شدہ ہے کاروبارِ دُنیا کا

گم شدہ: کھویا ہوا یعنے منہمک۔ اگرچہ اسد دُنیا کے کاروبار میں کھویا ہوا ہے اور اس لئے بظاہر تجھے یاد کرنے کی فرصت نہیں لیکن آسمان کے ظلموں سے پریشان ہو کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو تیری یاد آجاتی ہے کہ تو اس سے بھی زیادہ ظالم ہے۔ اسی مضمون کو غالب نے ایک اور شعر میں یوں ترقی دی ہے

غمِ دُنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اُٹھانے کی
فلک کا دیکھنا، تقریب تیرے یاد آنے کی

(۲۰)

کس کا خیال آئینۂ انتظار تھا!
ہر برگِ گُل کے پردے میں دلِ بے قرار تھا!

آئینۂ انتظار: آئینہ دار انتظار۔ پھول کی پنکھڑی آئینے کی طرح صاف و شفاف ہوتی ہے اس لئے اسے ایسا آئینہ کہا جس میں انتظار کا تصور صاف دکھائی دیتا ہے۔ پھول ہوا سے جُنبان بھی رہتا ہے، اس لئے اس کے دل کو بے قرار کہا۔ کہتے ہیں کہ پھول کسی حسین پر عاشق معلوم ہوتا ہے۔ باغ میں اس کی آمد کا منتظر ہے۔ اسے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے انتظار میں کھڑا ہے کیونکہ پھول کی

ہر پنکھڑی کا دل مضطرب ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ ان کا محبوب پھول سے بہت زیادہ دل کش ہے۔ اس لئے پھول بھی اس کے عشق میں تڑپتا ہے!

کس کا جنونِ دید، تمنّا شکار تھا!

آئینہ خانہ، وادیِ جوہر غبار تھا!

تمنّا شکار: تمنّاؤں کو شکار کرنے والا۔ آئینہ خانہ: وہ مکان جس کے اندر آئینے لگے ہوں۔ وادیِ جوہر غبار: وہ وادی جس میں جوہر کا غبار بھرا ہو۔ فولادی آئینے کا جوہر دھبّوں اور نقطوں کی شکل میں ہوتا ہے اس لئے غبار سے مشابہ ہوتا ہے۔ شعر کے دو معنی ہو سکتے ہیں:۔

(۱) کوئی شکاری کسی وادی میں شکار کی تلاش میں جست وخیز کرے گا تو ہر طرف غبار پھیل جائے گا۔ آئینے کی وادی میں غبار کا جوہر بھرا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کسی نے شکار کھیلا ہے۔ شکار کرنے والا ہے محبوب کا جنونِ آئینہ بینی اور شکار کیا گیا ہے عاشق کی تمنّاؤں کو۔

(۲) اردو شاعری کی روایت میں جنون کے عالم میں جنگل میں جا کر خاک اڑائی جاتی ہے۔ آئینے کو محبوب کے دیکھنے کا جنون ہے۔ اور اس جنون نے آئینے کی بقیہ تمام تمنّاؤں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ آئینہ خانے میں غبار بھرا ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کسی کے جنونِ دید نے جولانی کی ہے!

پہلے معنی زیادہ قرینِ قیاس ہیں کیونکہ دوسرے مفہوم میں "تمنّا شکار" کا ٹکڑا حشو ہو جاتا ہے۔

جوں غنچہ و گل، آفتِ فالِ نظر نہ پوچھ

پیکاں سے تیرے جلوۂ زخم آشکار تھا

فالِ نظر: فال لینے کے کئی طریقے ہوتے ہیں مثلاً فالِ گوش۔ جس چیز کا فال لینا ہے اسے دل میں رکھ کر دوسروں کے پاس جائیں اور سب سے پہلے جو بات کان میں پڑے اسی سے اپنے مقصد کے بارے میں فال لیا جائے۔ اسی طرح فالِ نظر ہو سکتا ہے کوئی بات دل میں رکھ کر باہر جائیں اور عام ماحول کے علاوہ اور جو کچھ سب سے پہلے

نظر آئے اُس سے شگون لیا جائے۔
شعر کی نثر ہے "آفتِ فالِ نظر نہ پوچھ۔ تیرے پیکاں سے جوں غنچہ و گل جلوۂ زخم آشکار تھا۔"
ہم صبح فالِ نظر لینے کے لئے نکلے تو سب سے پہلے تیرے تیر کا پیکان نظر آیا۔ پیکان میں ہونے والے زخم کا جلوہ صاف نظر آتا تھا۔ پیکان غنچے کی طرح تھا اور زخم کا عکس گُل کی طرح۔ ظاہر ہے کہ پیکان میرے لگے گا اور زخم بنے گا۔ یہ فالِ نظر تو بڑی آفت نکلا۔
غنچہ و گل کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جیسے میں نے فالِ نظر لیا اور سب سے پہلے تیرا پیکان دکھائی دیا جو زخم کر کے رہے گا۔ اسی طرح غنچہ و گل نے بھی فالِ نظر لیا تھا۔ دونوں کو پیکان دکھائی دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں نے زخم کھایا۔ پیکان میں جلوۂ زخم دیکھنے والے کے تصوّر میں آشکارا ہو جاتا ہے، جیسا کہ اقبال کے شعر میں ہے ؎

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے

دیکھی وفائے فرصتِ رنج و نشاطِ دہر
خمیازہ یک درازیِ عمرِ خمار تھا

خمیازہ: مکافات۔ اس لفظ پر ایہام ہے کیونکہ خمار کے تعلق سے انگڑائی کے معنی پر دھیان جاتا ہے۔ لیکن یہاں بدلہ یا انجام مراد ہے۔ ہم نے دنیا میں رنج و نشاط کی فرصت دیکھی۔ اس فرصت نے بالکل وفا نہ کی۔ یعنی فرصت بہت کم تھی۔ دنیا میں آکر رنج و نشاط کو دیکھنے کی یہ سزا ملی کہ ہمیں حالتِ خمار کی ایک طویل عمر مل گئی۔ خمار نشہ ٹوٹنے کی اعضا شکن کیفیت ہے۔ اس لئے مستحسن نہیں۔ دنیا میں بھی ملے تو خمار کی کیفیت رہے گی۔ غالب کا کمال ہے کہ اس نے رنج و نشاط دونوں کو عمرِ خمار میں جمع کر دیا۔ خمار میں رنج تو ہوتا ہی ہے کیونکہ بدن ٹوٹتا ہے اور

نشے کا زوال ہوتا ہے۔ ساتھ ہی کسی قدر نشاط کا شائبہ بھی ہے کیونکہ خمار سرور مے کا نتیجہ ہے اور اس میں بھی کسی قدر نشہ باقی رہتا ہے۔

صبحِ قیامت ایک دُمِ گرگ تھی اسدؔ!
جس دشت میں وہ شوخِ دو عالم شکار تھا

دُمِ گرگ: فارسی محاورے میں صبحِ کاذب کو کہتے ہیں۔ شوخ کے بعد اضافت رکھیئے کہ نہ رکھیئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صبحِ قیامت میں بڑا شور و غل، بڑی نالہ و فریاد ہوگی۔ لیکن ہمارا دونوں دنیاؤں کو شکار کرنے والا محبوب جس جنگل میں شکار کے لئے گیا۔ وہاں اس نے اتنے جانور شکار کئے۔ ایسی قیامت مچائی کہ اس کے سامنے صبحِ قیامت ماند پڑ گئی محض صبحِ کاذب بن کر رہ گئی جس میں کوئی شور و غل کوئی فتنہ و فساد نہیں ہوتا۔ یعنی ہمارا محبوب جہاں جاتا ہے وہاں علی الصباح بھی قیامت برپا ہو جاتی ہے حالانکہ وہ وقت لوگوں کے خوابِ شیریں کا ہوتا ہے

دُمِ گرگ میں ایہام یہ ہے کہ صبحِ قیامت بھی بھیڑیے کی دُم بن کر محبوب سے شکار ہو گئی۔

(۲۱)

زبس خوں گشتۂ رشکِ وفا تھا وہم بسمل کا
چرایا زخم ہائے دل نے پانی تیغِ قاتل کا

خوں گشتہ: کشتہ ہونا۔ زخم کا پانی چرانا: زخم پر پانی لگ جائے تو زخم پانی جذب کر لیتا ہے جس سے پک کر پیپ پیدا ہو جاتی ہے۔ تیغ کا پانی: آبِ تیغ، فارسی میں آب کے معنی پانی اور دھار دونوں کے ہیں۔ غالبؔ نے اردو میں بھی پانی انہیں دونوں معنی میں لیا ہے۔ بسمل کو محبوب سے وفا کرنے میں اتنا مبالغہ تھا کہ رشکِ وفا کے باعث یہ نہ برداشت کر سکتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص وفا کا ثبوت دینے کے لئے شہید ہو۔ اس لئے زخم نے قاتل کی تیغ کا پانی اپنے اندر جذب کر لیا جس سے ایک طرف یہ ہوا کہ زخم اور سڑ گئے جس سے وفا کی افراط ظاہر ہوئی۔ دوسرے یہ کہ کم از کم ظاہرا تلوار کا پانی یا آب چرا لینے کے بعد تلوار کند ہو گئی اور دوسرے

کو قتل کرنے کے مصرف کی نہ رہی۔ خلاصہ یہ ہے کہ وفا اور رشک کی وجہ سے بسمل نے تلوار کی دھار کو اپنے اندر لے لیا۔

نگاہِ چشمِ حاسد وام لے، اے ذوقِ خود بینی
تماشائی ہوں، وحدت خانۂ آئینۂ دل کا

وام لے: قرض لے۔ وحدت خانہ: جس میں صرف ایک ہی تصویر ہو کثرت کا عکس نہ ہو۔ حاسد کی آنکھ کی دو خصوصیات ہیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ بہت تنگ ہوتی ہے۔ دوسرے اپنے سوا کسی اور کو دیکھنا ہی نہیں چاہتی۔ مجھے خود بینی کا شوق ہے لیکن یہ مذموم قسم کی خود بینی نہیں بلکہ اپنے دل کے وحدت خانے کا تماشہ کرنا ہے۔ اس کے لئے حاسد کی نظر اُدھار لے لی جائے تو ایک طرف یہ یقینی ہو جائے کہ نظر ادھر اُدھر باہر بھٹکنے کی بجائے اپنی ذات کی طرف ہی منعطف رہے گی۔ دوسرے یہ کہ اپنی تنگی کے سبب دل میں صرف ایک ہی چیز کو دیکھ سکے گی، کثرت سے مکدّر نہ ہو گی یا ایک نظر ایک ہی نقطے پر پڑ سکتی ہے۔ اس لئے دل میں وحدت ہی کا جلوہ دیکھنے پر قادر ہے!

شرر فرصت نگہ، سامانِ یک عالم چراغاں ہے
بہ قدرِ رنگ، یاں گردش میں ہے پیمانہ محفل کا

شرر فرصت: اتنی کم مہلت جتنی ایک چنگاری کے چمک کر بجھ جانے میں لگتی ہے۔ انسان کی زندگی شرر کی طرح مختصر ہے اور وہ پوری دنیا کو چراغاں کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ ممکن نہیں۔ رنگِ محفل کی جتنی مقدار ہے اسی حد تک محفل میں پیمانۂ شراب گردش کر رہا ہے۔ یعنی انسان کی آنی و فانی زندگی دنیا میں جس قدر رونق فراہم کر سکتی ہے اس کی مناسبت سے نشاط کا دور دورہ ہے۔ چونکہ یہ رونق بہت کم ہے اس لئے نشاط بھی کم ہے۔

اگر رنگ سے مراد شراب لی جائے تو معنی ہوں گے کہ جتنی شراب ہے اتنی ہی گردشِ پیمانہ ہے۔ پہلے مصرع سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی شرر کی طرح مختصر اور اس کی متاعِ عیش شرر کی طرح تنگ۔ ہے جس سے ساری دنیا میں

چراغاں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر شراب، رنگ یا سامانِ عیش بہت قلیل ہے تو نشاط کا دَور بھی اسی کی نسبت سے مختصر ہوگا۔

سراسر تاختن کو شش جہت یک عرصہ جولاں تھا
ہوا واماندگی سے رہرواں کی، فرقِ منزل کا

شش جہت: دُنیا۔ ایک بار دوڑنے کے لئے ساری کائنات ایک میدان، ایک منزل سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن رہرو تھک کر جگہ جگہ رُک جاتے تھے۔ اس سے منزلوں کا تعین ہو گیا ورنہ ہماری ہمت تو یہ تھی کہ ساری دُنیا کو ایک جست میں طے کریں۔

مجھے راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں غالبؔ
عصائے خضرِ صحرائے سخن ہے خامہ بیدلؔ کا

مسافر رہنما کے عصا کے پیچھے پیچھے چلے جاتے ہیں۔ مجھے شاعری کی منزل میں گمراہی کا ڈر نہیں کیونکہ مرزا بیدلؔ کے قلم سے میری رہبری ہو رہی ہے۔ یعنی ان کے رنگ کی تقلید کر رہا ہوں۔

(۲۲)

شگفتن کمیں گاہِ تقریب جوئی
تصوّر ہوں بے موجب آزردگاں کا

کمیں گاہ: وہ آڑ جہاں کسی صید کو پکڑنے کے انتظار میں بیٹھیں۔ تقریب جوئی: قریب آنے کی کوشش۔ شعر کی توسیع شدہ نثر یہ ہوگی ـــــ میں بے موجب آزردگاں کا تصوّر ہوں۔ شگفتن میری تقریب جوئی کی کمیں گاہ بن گئی ہے ـــــ جو لوگ بہت حسّاس ہوتے ہیں وہ خواہ مخواہ آزردہ رہتے ہیں۔ ان کے تصوّر میں کوئی نہ کوئی فرضی یا اصلی وجہِ آزردگی بسی رہتی ہے۔ میرا یہی حال ہے۔ شگفتگی بہانہ ڈھونڈھ رہی ہے کہ کسی طرح میرے قُرب میں آسکے۔ لیکن میں تو بغیر کسی خاص علت کے آزردہ رہنے والا ہوں۔ میں شگفتگی کو کب پاس آنے کا موقع فراہم کر سکوں گا۔
لکھنا چاہیئے تھا "شگفتن در کمیں گاہِ تقریب جوئی۔" لیکن وزن کی مجبوری کہ شعریت اور [illegible] تو شگفتن کو کمیں گاہ کہنے پر مجبور ہوئے۔

غریبِ ستم دیدہ باز گشتن !!
سخن ہوں، سخن برلب آوردگاں کا

باز گشتن: کہیں جا کر وہاں سے واپس پلٹ آنا۔ سخن برلب آوردگاں: وہ لوگ جو بات ہونٹوں تک لائے اور پھر پی گئے یعنی اسے ادا نہ کیا۔ کہیں جا کر واپس آنا اور بات کا ادا کرتے کرتے ادا نہ کرنا منزلِ مقصود کے پاس جا کر وہاں سے بے نیلِ مرام واپس آجانے کے مترادف ہے۔ میں ایسا ہی اجنبی مسافر ہوں۔

سراپا یک آئینہ دارِ شکستن
ارادہ ہوں یک عالم افسردگاں کا

یک عالم افسردہ: بہت زیادہ افسردہ۔ میں ٹوٹ جانے یعنی بالکل مایوس ہو جانے کا آئینہ دار ہوں۔ جو لوگ سراسر افسردہ ہوتے ہیں، ان کی قوتِ ارادی بڑی کمزور ہو جاتی ہے۔ وہ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو افسردگی و مایوسی کے باعث کچھ دیر بعد اس ارادے کو ترک کر دیتے ہیں۔ میں بھی اسی طرح کی نفسیاتی شکست و ریخت کی تصویر ہوں۔ ایک اور جگہ کہا ہے ؎

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

بہ صورت تکلف، بہ معنی تاسف۔ اسدؔ میں تبسم ہوں پژمردگاں کا

میں پژمردہ اور افسردہ لوگوں کے تبسم کی طرح ہوں جو اگر ظہور پذیر ہوتا ہے تو بہ تکلف۔ باطن میں یہ رنج و تاسف ہی ہوتا ہے۔ میں بھی ظاہرا خوش و خرم ہوں لیکن دراصل بجھا ہوا ہوں

(۲۳)

ضعفِ جنوں کو وقتِ تپش، در بھی دور تھا
اِک، گھر میں، مختصر سا بیاباں ضرور تھا

ضرور: ضروری۔ اضطرابِ جنوں کا تقاضا تھا کہ جنگل میں جا کر بھاگ دوڑ کی جائے۔ لیکن کمزوری کا یہ عالم تھا کہ دروازے تک جانا بھی مشکل معلوم ہوتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ گھر ہی کے اندر ایک چھوٹا سا بیاباں ہوتا جہاں تپش کے وقت جولانی

کر لیتے!

شاعر کو اس سے غرض نہیں کہ اگر ضعف کی وجہ سے دروازے تک چل کر بھی نہیں جا سکتے تو بیابانِ صحنِ خانہ میں کس طرح دوا دوش کر سکتے ہیں۔ شاید یہ ہو کہ صحرا جولانی کے لئے نہیں چاہیئے بلکہ محض ویرانی اور سنسانی کے لیئے تاکہ وحشت کو مانوس ماحول مِل سکے۔

اے وائے غفلتِ نگہِ شوق! ورنہ یاں
ہر پارہ سنگ، لختِ دلِ کوہِ طوُر تھا

کوہِ طوُر کا ہر پتھر مُنوّر رہا ہوگا۔ اس لیئے اس کے دِل کا ٹکڑا تو بہت مُنوّر بہت بیش بہا ہونا چاہیئے۔ نگاہِ عشق کی غفلت ہے ورنہ دُنیا میں ہر پتھر کا ٹکڑا کوہِ طور کے دِل کے ٹکڑے کی طرح نُورِ الوہیت سے منوّر ہے۔ ہمہ اوست

درسِ تپش ہے برق کو اب جس کے نام سے
وہ دِل ہے یہ کہ جس کا تخلّص صبوُر تھا

صبوُر: صبر کرنے والا۔ پہلے میرا دِل ایسا خاموش و ساکن تھا کہ اس نے اپنا تخلّص صابر رکھا ہوا تھا۔ اب عشق کی بدولت اس کا یہ حال ہوا ہے کہ بجلی اس سے تڑپنے کا سبق لیتی ہے۔

شاید کہ مر گیا ترے رُخسار دیکھ کر
پیمانۂ رات، ماہ کا لب ریزِ نوُر تھا

پیمانہ لب ریز ہونا: زندگی کا اختتام ہونا۔ چاند کے پیمانے کو لبریز کرنے کے لئے مصروف جو تلاش کیا وہ نور تھا۔ رات چاند کا پیمانہ لبریز تھا۔ غالباً تیرے گال دیکھ کر اس کی یہ حالت ہوئی ہوگی۔ کیونکہ وہ نوُر سے بھرنے کے باوجود تیرے گال کے مقابلے میں پھیکا تھا۔

جنّت ہے تیری تیغ کے کُشتوں کی مُنتظر
جوہر، سوادِ جلوۂ مژگانِ حوُر تھا

نُسخۂ عرشی میں سواد بغیر اضافت ہے اور اس کے بعد وقفہ ہے۔ بہتر ہے کہ

جوہر کے بعد وقفہ ہو اور سواد کو اضافت دی جائے۔ جیسا کہ پیچھے لکھا گیا ہے جوہر فولاد میں دھاریوں کی شکل کا ہوتا ہے اور اس طرح پلکوں سے مُشابہ کیا جاسکتا ہے معنی ہوئے، تیری تلوار کے مقتولین جنّت میں جائیں گے۔ جنّت ان کی مُنتظر ہے تلوار کا جوہر حوروں کی آنکھوں کی پلکوں سے مشابہ ہے۔ آنکھوں کی پلکیں انتظار میں وا ہوتی ہیں۔

ہر رنگ میں جلا اسدؔ فتنہ انتظار
پروانۂ تجلّیِ شمعِ ظہور تھا

فتنہ انتظار: فتنے کا انتظار کرنے والا۔ شمعِ ظہور سے مُراد نورِ خداوندی ہے۔ اسدؔ نورِ الٰہی کا پروانہ تھا۔ اس لئے کوئی بھی صورتِ حال ہو، وہ جلا ہی کیا۔
سرخوش نے شعر کے یہ لطیف معنی نکالے ہیں کہ فتنہ انتظار سے مُراد فتنۂ قیامت کا انتظار کرنے والا۔ شمعِ ظہور: قیامت کے روز ظاہر ہونے والا جلوۂ خداوندی۔ اسدؔ کو قیامت کا انتظار تھا کیونکہ اس دن شمعِ نورِ الٰہی ظاہر ہونے والی تھی۔ اس کے انتظار میں جلتا رہا۔

(۲۴)

بہارِ رنگِ خونِ گل ہے، ساماں اشک باری کا
جنونِ برق نشتر ہے رگِ ابرِ بہاری کا

رگِ ابر: وہ خط جو بادل میں نُمایاں ہوتا ہے۔ ہندوستان کی بہار مارچ کے مہینے میں نہیں، برسات میں ہوتی ہے۔ یہ شعر ایسے موسم کے لئے کہا گیا ہے جہاں ایک طرف پھول کھلے ہوں اور دوسری طرف بادل برس رہے ہوں اور بجلی چمک رہی ہو۔ بہار میں رنگ کہاں سے آتا ہے؟ پھولوں کے خون سے۔ چونکہ پھول شہید ہوئے ہیں اس لئے فصلِ بہار میں آنسو بہانے چاہئیں۔ بہار میں بجلی کو جنون ہو گیا ہے۔ برق کا خط جو چمکتا ہے وہ دراصل بادل کی رگ میں نشتر چبھوتا ہے تاکہ اس کا مادّہ بہہ نکلے۔ بادل میں سے پانی بھی گر سکتا ہے۔ شاعر کے نزدیک بارش نہیں۔ خونِ گل پر اشک باری ہے۔ شعر میں حسنِ تعلیل ہے

برائے حلِ مشکل، ہوں زِ پا افتادہ حسرت
بندھا ہے عقدۂ خاطر سے، پیماں خاکساری کا

زِ پا افتادہ : گرنا، مسمار ہونا۔ میرے سامنے کوئی مشکل ہے جسے حل کرنے کی ناکام کوشش میں میں عاجز ہو گیا ہوں۔ زمین پہ گر گیا ہوں اور اس طرح خاکسار وخاک نشیں ہو گیا ہوں۔ نہ مشکل حل ہوتی ہے نہ میں عاجزی سے رہائی پاتا ہوں۔ جب تک مشکل حل نہیں ہوتی، دِل میں بھی ایک گرہ باقی رہتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے خاکساری نے میرے دِل کی گرہ کے ساتھ وعدہ کر لیا ہے کہ تو کھلنا نہ میں رخصت ہوں گی۔ دونوں میں سازش معلوم ہوتی ہے۔

بہ وقتِ سر نگونی ہے، تصوّر، اِنتظارستاں
نگہ کو آبلوں سے شغل ہے اختر شماری کا

اِنتظارستاں : اِنتظار کی دُنیا۔ اختر شماری : کسی کے اِنتظار میں جاگنا۔ عاشق یار کے تصوّر میں سر نیچا کر کے بیٹھتا ہے۔ اس کی نظر جسمِ آبلہ دار کے آبلوں پر جا پڑتی ہے جنہیں وہ گننے لگتا ہے۔ یہ آبلے تاروں کی طرح ہیں۔ اس طرح آبلہ شماری، اختر شماری بن جاتی ہے اور تصوّرِ محبوب انتظارِ محبوب کی کیفیت پیدا کر لیتا ہے۔

اسد ساغر کشِ تسلیم ہو، گردش سے گردوں کی
کہ ننگِ فہمِ مستاں ہے گلہ بدروزگاری کا

آسمان گھوم کر طرح طرح کے نیرنگ لاتا ہے۔ شاعر نے گردشِ فلک کو دورِ جام سے مشابہ کیا ہے۔ کہتا ہے کہ تو اس دَور سے تسلیم کا ساغر لے کر پی لے۔ یعنی آسمان جو کچھ بھی دِکھلائے، اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر لے کیونکہ حالِ بد کا شِکوہ رندوں کی سمجھ کے لیے باعثِ ننگ ہے۔ دُنیا کے خیر و شر کی حیثیت ہی کیا جس کا گِلا کیا جائے

(۲۵)

طاؤس در رکاب ہے ہر ذرّہ آہ کا
یارب نفس، غبار ہے کس جلوہ گاہ کا

جلوہ گاہ: وہ مقام جس پر کسی کا جلوہ پڑ رہا ہو۔ طاؤس رنگینی کی علامت ہے۔

میری آہ اتنی رنگین ہے کہ اس کے ہر ذرّے میں طاؤس ہمراہ ہے۔ یعنی ہر ذرّہ طاؤس کی طرح رنگین ہے۔ کسی مقام پر روشنی پڑ رہی ہو تو غبار بھی رنگین و روشن ہو جائے گا۔ آہ کا مقام ہے سانس۔ آہ رنگین ہے تو سانس بھی رنگین ہو گا۔ پوچھتے ہیں کہ سانس کس کی جلوہ گاہ کا رنگین غبار ہے۔

آہ اور سانس کا رنگین ہونا دراصل تصوّر کی رنگینی ہے جو کسی نہایت حسین شخصیت کی دین ہو سکتی ہے۔

عزلت گزینِ بزم ہیں، واماندگانِ دید
مینائے مے ہے، آبلہ پائے نگاہ کا

دید سے مُراد دیدِ محبوب نہیں بلکہ مناظرِ دُنیا کا تماشا ہے۔ جو لوگ بزمِ شراب کی تنہائی میں پناہ لیتے ہیں وہ تماشائے عالم سے تھک گئے ہیں۔ شراب کی بوتل ان کی نگاہ کے پاؤں میں آبلہ بن گئی ہے۔ پائے آبلہ دار سفر نہیں کر سکتا۔ نگاہ کا پاؤں بھی آبلہ دار ہو تو سفر سے معذور رہے گا۔ جو لوگ مینا کے شغل میں لگ جاتے ہیں وہ باہر کے مناظر سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں۔

شعر کے یہ معنی اس صورت میں ہوتے ہیں جب کہ پہلے مصرع میں "عزلت گزیں" کو مُبتدا اور "واماندگانِ دید" کو خبر قرار دیا جائے۔ اگر شعر کی نثر یُوں ہو "واماندگانِ دید عزلت گزینِ بزم ہیں، تو شعر کے معنی کسی قدر بدل کر یُوں ہوں گے:۔

عشاق محبوب کی دید کے انتظار میں عرصے تک سرِ راہ کھڑے رہے۔ آخر کار تھک کر اندر بزم کے تخلیے میں چلے آئے اور شراب سے دِل بہلانے لگے۔ گویا مینائے مے نگاہِ انتظار کے پاؤں کا آبلہ بن گئی۔ پہلے معنی زیادہ برجستہ ہیں کہ جو شراب کی لت میں پڑ گیا اُسے دُنیا کا ہوش نہ رہا۔

ہر گام، آبلے سے ہے دِل در تہِ قدم
کیا بیم اہلِ درد کو سختیِ راہ کا

دیکھیے غالب نے ایک شعر میں کہا ہے ؎

نوکِ ہر خار سے تھا بسکہ سر دردی زخم!
جوں نمد ہم نے کفِ پا پہ اسدؔ دل باندھا

اس کے دوسرے مصرع کی بات زیرِ بحث شعر میں کہی گئی ہے۔

راستہ سخت و پُر درد ہے۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں لیکن آبلوں کی وجہ سے دِل آبلوں ہی میں پڑا ہے۔ اس بات کو لغوی معنی میں لیا جائے تو گویا دِل آبلے کے نیچے بندھا ہوا ہے۔ پھر آبلے سے کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔ دِل آبلے کے لئے نمد کا کام دے رہا ہے۔ اہلِ درد کو راہ کی سختی سے کوئی ڈر نہیں!

جیبِ نیازِ عشق، نشاں دارِ ناز ہے
آئینہ ہوں، شکستنِ طرفِ کلاہ کا

نازِ کِس کا؟ محبوب کا ناز یا ماضی میں عاشق کا ناز۔ شکستنِ طرفِ کلاہ: محاورہ ہے جس کے معنی ہیں فخر و نمائش میں گوشۂ کلاہ کا ٹیڑھا کرنا۔ شعر کے دو معنی ہیں:

(۱) عشق میں اب بغایت نیاز ہے لیکن یہ سابق کے ناز کی خبر دیتا ہے۔ میرے بُشرے سے میرے گذشتہ طمطراق کا صاف صاف پتہ چلتا ہے۔

(۲) عاشق کا نیاز محبوب کے ناز کی نشاں دہی کرتا ہے۔ میری حالت محبوب کی رعنائی اور ناز و غرور کی آئینہ دار ہے۔

آسیؔ اور وجاہت علی سندیلوی نے دوسرے معنی لکھے ہیں۔ میرے نزدیک پہلے معنی قابلِ ترجیح ہیں۔

(۲۶)

خود پرستی سے رہے باہم دِگر نا آشنا
بے کسی میری شریک، آئینہ تیرا آشنا

ہم دونوں اپنی اپنی ذات میں کھوئے رہے، اس لئے ایک دوسرے سے مانوس نہ ہو سکے۔ میرے پاس صرف بے کسی تھی۔ بے کسی کے معنی ہیں دوسرے انسان کا نہ ہونا۔ جب اور کوئی غم خوار نہ ہوگا تو اپنی تمام توجہ اپنی ذات ہی پر مرکوز ہو کر رہ جائے گی۔ تو ہمیشہ آئینہ بینی میں مصروف رہا اور یہ خود پرستی ہی ہے۔ اس طرح ہم دونوں

ایک دوسرے سے دُور رہے۔

آتشِ موئے دماغِ شوق ہے، تیرا تپاک
ورنہ ہم کِس کے ہیں، اے داغِ تمنّا آشنا؟

موئے دماغ: وہ شخص جو مکروہ اور مخلِ صحبت ہو۔ شوق: عشق۔ موئے دماغِ شوق: دُنیا کے مشاغل جو عشق کے شغل سے دُور لے جاتے ہیں۔ آتشِ موئے دماغِ شوق: عشق سے دُور کرنے والے مشاغل و مصروفیات کو ختم کرنے والا۔ چونکہ دُشمن کا دُشمن دوست ہوتا ہے اس لئے ناپسندیدہ بالوں کو جلانے والی آگ پسندیدہ ہوگی۔ داغِ تمنّا: داغِ حسرت جو ظاہر ہے عشق میں ناکامی کے بعد نصیب ہوا۔ عشق میں کامیابی ہو کہ ناکامی، وصل ہو کہ ہجر، کاروبارِ دُنیا سے تو بے نیاز کر ہی دیتا ہے۔ ہم کسی کے آشنا نہیں لیکن اے داغِ حسرت تُو نے راہِ شوق میں مخل ہونے والی تمام آلائشوں کو جلادیا اس لئے ہمیں تیری گرم جوشی پسند آئی ہے۔

بے دماغی شکوہ سنجِ رشکِ ہم دیگر نہیں
یار تیرا جامِ مے، خمیازہ میرا آشنا

بے دماغی: بے زاری، نازک مزاجی، کم التفاتی۔ رشک کی وجہ سے دوسروں کا شکوہ کیا جاتا ہے۔ ہم لوگ (تُو اور میں) بے دماغ ہیں، اس لئے نہ ہمارے بیچ رشک ہے نہ ہم ایک دوسرے کا شکوہ کرتے ہیں۔ تیرے پاس جامِ شراب ہے میرے پاس انگڑائی جو شراب نصیب نہ ہونے کی نشانی ہے۔ ظاہر ہے کہ یار کے پاس سب کچھ ہے، میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ پھر بھی بے دماغی کے سبب ہم دونوں کے بیچ بے نیازی ہے۔

جوہرِ آئینہ جز رمزِ سرِ مژگاں نہیں
آشنائی، ہم دگر، سمجھے ہے ایما آشنا

فولادی آئینے کا جوہر لکیروں اور دھبّوں کی شکل میں ہوتا ہے اس لئے محبوب کی پلکوں اور پلکوں کے سِروں سے مشابہ ہوتا ہے۔ محبوب کی پلکیں کچھ اشارے کرتی ہیں۔ انہیں سمجھنا دشوار ہے لیکن جوہرِ آئینہ ان کا رمز شناس ہے۔ دوست کے اشارے دوست ہی سمجھ سکتا ہے۔ محبوب کی آنکھیں آئینے کے سامنے اکثر آتی ہیں۔ اور اپنے

پلکوں اور جوہر میں دوستی ہے۔

جوہر کو رمز شناس کی بجائے رمز ہی کہہ دینا شاعر کا عجز ہے۔

ربطِ یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزائے بہار
سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گُل ناآشنا

بہار جن عناصر سے مُرکب ہے ان میں دراصل کوئی مضبوط رابطہ نہیں۔ وحشت کے اجزا کی طرح پریشان ہیں۔ سبزہ سب سے بیگانہ ہے۔ صبا سب سے دُور دُور آوارہ گھومتی ہے اور پھول سب سے ناآشنا ہو کر ایک ٹہنی پر جما رہتا ہے۔ وہ نہ اپنی جگہ سے چل کر کسی دوسرے سے ملنے جاتا ہے نہ کوئی دوسرا اس سے ملنے آتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ کم آمیز بلکہ ناآشنا ہے!

(۲۷)

جوشِ بہار، کلفتِ نظّارہ ہے، اسدؔ
ہے ابر، پنبہ روزنِ دیوارِ باغ کا

ہمیشہ بہار کو راحتِ نظّارہ کہا جاتا ہے۔ غالبؔ نے سب سے الگ چل کر بہار کو کلفتِ نظّارہ کہا۔ دوسرے مصرع میں اَبر اور پنبہ میں کسے مبتدا قرار دیا جائے اور کسے خبر، اس سے مختلف معنی نکلتے ہیں۔

(۱) اسدؔ بہار کا زیادہ جوش نظّارے کی پریشانی کا مُوجب ہے۔ جوشِ بہار کا ایک منظر ہے۔ بادل کا گھِر آنا، لیکن بادل بارش میں کوئی گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہے گا۔ گویا بادل دیوارِ باغ کے سُوراخ کی روئی کی طرح ہو گیا۔ جب تک روئی نہ تھی، سُوراخ میں سے باغ کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ روئی نے نظارے کا راستہ بند کر دیا۔ بادل بھی اس روئی کی طرح نظّارۂ چمن کے راستے میں مزاحم ہے۔ ثابت ہوا کہ بہار کا غیر معمولی جوش کلفتِ نظّارہ ہے۔ دوسرے مصرع کی نثر ہوئی ابر روزنِ دیوارِ باغ کا پنبہ ہے۔

(۲) بہار کا جوش نظّارے کے لئے مُوجبِ تکلیف ہے۔ کہاں تک تماشہ کرتے پھریں آنکھیں تھک جاتی ہیں۔ اسی لئے روزنِ دیوارِ باغ میں روئی لگا دی جاتی ہے۔ تو

اس سے بڑی راحت ملتی ہے۔ روزن میں جھانکنے کے لئے بے آرام طریقے سے اُچک کر دیکھنا پڑتا ہوگا۔ سوراخ بند ہوگیا، بے فکری ہوگئی۔ گویا روزن کی روئی ایسی خوش گوار ثابت ہوئی ہے جیسے ہمارے گرم مُلک میں ابر کا آنا۔ دوسرے مصرع کی نثر ہوئی۔ روزنِ دیوارِ باغ کا پنبہ ابر ہے۔

روئی اور ابر کی مماثلت ظاہر ہے۔

(۲۸)

گر وہ مستِ نازِ تمکیں دے صلائے عرضِ حال
خارِ گل، بہرِ دہانِ گل، زباں ہوجائے گا

مستِ نازِ تمکیں: قدر و منزلت اور شان و شوکت پر ناز کرنے والا۔ صلا: پُکار۔ اگر وہ ذی مرتبہ محبوب عشاق کو حالِ دل عرض کرنے کا فرمان کرے تو پھول بھی، جو اس کے عاشقوں میں ہے اور بے زباں ہے، کانٹے کو اپنی زبان بنا کر اپنی خستہ حالی کا بیان کرے گا۔ معلوم ہوا کہ پھول اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

گر شہادت آرزو ہے، نشّے میں گستاخ ہو
بال شیشے کا رگِ سنگِ فساں ہو جائے گا

رگِ سنگ: بعض پتھروں کے اوپر دھاریاں دکھائی دیتی ہیں۔ انہیں کو رگِ سنگ کہا جائے گا۔ سنگِ فساں: دھار رکھنے کا پتھر۔۔۔۔ اگر یہ چاہتے ہو کہ محبوب تمہیں قتل کر دے تو اس کے ساتھ شراب پیتے وقت گستاخی کرو۔ یعنے ہاتھ میں شیشہ لے لے کر دست درازی کرو۔ وہ تمہیں دھکیل دے گا جس سے قوی امکان ہے کہ کسی چیز سے ٹکرا کر شیشے میں بال پڑ جائے گا اور وہ تمہاری گستاخی پر غضب ناک ہو کر تلوار نکال کر تمہیں شہید کر دے گا۔ اس طرح شیشے کا بال تمہارے لئے اس پتھر کی رگ بن گئی جس پر تیغِ قاتل کو تیز کیا جاتا ہے۔

بالکل اس مشہور شعر کا جواب ہے ؎

گلُس کو باغ میں جانے نہ دینا کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا۔

(۲۹)

گرمیِ دولت ہوئی آتش زنِ نامِ نکو
خانۂ خاتم میں، یاقوتِ نگیں، اخگر ہوا

پہلے زمانے میں انگوٹھی کے نگ پر نام کندہ ہوتا تھا جس سے مُہر کا کام لیا جاتا تھا۔ گویا انگوٹھی کا نگ نام کی شہرت کا باعث ہوتا تھا۔ خانۂ خاتم: انگوٹھی کا وہ حلقہ جس میں نگ جڑا ہوتا ہے۔ دولت کی گرمی نے نیک نام کو آگ کی طرح جلا دیا۔ مثال یہ ہے کہ انگوٹھی میں یاقوت جیسے قیمتی پتھر کا نگ لگوایا تو اس نے شعلے کی کیفیت دِکھائی۔ چونکہ یاقوت کا نگیں صرف دولت مندوں کی خاتم ہی میں ہوتا ہے اور آگ سے مُشابہ ہوتا ہے اس لئے پہلے مصرع کا دعوےٰ ثابت ہو گیا۔

شعر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ نگ پر نام اسی وقت کھودا جا سکتا ہے جب وہ کسی دھات کا بنا ہو۔ اگر یاقوت کا نگ ہوگا تو اس پر نہ نام کھودا جا سکتا ہے نہ اس سے مُہر کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اس طرح نامِ نیک کی شہرت و اشاعت کا سدِ باب ہو گیا۔ اب ثابت ہو گیا کہ ثروت کی نشانی نام کے لئے شعلہ بن جاتی ہے!

نشّے میں گُم کردہ رہ آیا وہ مستِ فتنہ خُو
آج رنگِ رفتہ، دورِ گردشِ ساغر ہوا

رنگِ رفتہ: وہ رنگ جو اُڑ چکا تھا، فق ہو چکا تھا۔ وہ شریر محبوب آج نشّے میں راستہ بھول کر میرے گھر آ گیا۔ سابق میں میرے چہرے کا جو رنگ اُڑا ہوا تھا اب میرے لئے وہ بدل کر دورِ ساغر ہو گیا۔ یعنی میں نے محبوب کے ساتھ دادِ عیش دی۔

درد سے در پردہ دی، مژگاں سیاہاں نے شکست
ریزہ ریزہ استخواں کا، پوست میں نِشتر ہوا

مژگاں سیاہاں: وہ حسین جو سُرمے سے پلکیں سیاہ رکھتے ہیں۔ شکست کے معنی ٹوٹنے کے بھی ہیں۔ ہارنے کے بھی۔ یہاں دونوں مراد ہیں۔ حسینوں کی کالی

پلکوں نے میرے بدن میں درد پیدا کیا اور اس طرح خاموشی سے مجھے ہرا دیا۔ میری ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دیا اور وہ ریزے نشتر بن کر میری جلد میں کھٹکنے لگے۔ جسم کے اندر درد کی کھٹک در پردہ شکست ہے

زہد، گردیدن ہے گردِ خانہ ہائے منعماں

دانۂ تسبیح سے، میں مُہرہ در ششدر ہوا

مہرہ در ششدر ہونا: چوسر کی بازی میں مہرے کا ششدر میں پھنس جانا، جب کہ وہ بآسانی نکالا نہیں جا سکتا۔ شاعر کہتا ہے کہ زہد امیروں کے گھروں کے چکر کاٹنے کے مترادف ہے۔ ثبوت: میں نے تسبیح کا دانہ ہاتھ میں لیا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی کا مُہرہ ششدر میں پھنس جائے۔ آس پاس میں دوسروں کے حصے کے جو خانے ہیں وہ خانہ ہائے منعماں کی طرح ہیں اور ہم ان کے حواری اور مصاحب۔ چونکہ دانۂ تسبیح کی مماثلت بازی کے مُہرہ سے ہے، اس لئے شاعر نے اپنی بات کا ثبوت بہم پہنچانا چاہا ہے!

یہ حقیقت ہے کہ دُنیا میں رہ کر محض تسبیح گردانی سے رزق نہیں ملتا دوسرے اہلِ ثروت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ سادھو اور فقیر لوگ امیروں اور سیٹھوں کے گھروں کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ دانۂ تسبیح سے انسان مُہرہ در ششدر ہو کر بے اثر رہ جاتا ہے۔ اس لئے ہر طرح کے کام کی روائی کے لئے دوسروں کی مدد لینی پڑتی ہے!

اے بہ ضبطِ حال خو نا کردگاں، جوشِ جنوں

نشۂ مے ہے، اگر یک پردہ نازک تر ہوا

بہ ضبطِ حال خو نا کردگاں: وہ لوگ جنہوں نے ضبطِ حال کی عادت نہیں ڈالی یعنی جن کی طبیعت میں صبر و ضبط کم ہے، انہیں مخاطب کر کے شاعر کہتا ہے کہ اگر جوشِ جنوں کسی قدر نازک و لطیف رہے تو شراب کے نشے کی خاصیت رکھتا ہے۔ جوشِ جنوں سے مُراد جوشِ جنونِ عشق ہے۔ ضبط نہ کرنے والوں کو صلاح دی ہے کہ صریح جنوں کی بجائے ضبط شدہ جنوں میں ایک سرور ہے

اس چمن میں ریشہ واری جس نے سر کھینچا اسدؔ
تر زبانِ شعرِ لطفِ ساقیِ کوثر ہوا

سرکشیدن : سر بالا بردن۔ تر زبان : فصاحت سے کلام کرنے والا۔ باغِ دہر میں گھاس کے ریشے کی طرح جو شخص ظاہر ہوا وہ "ساقیِ کوثر" کی مہربانی کے شکر میں تر زبان ہوتا ہے۔ ان کا لطف یہ ہے کہ وہ بہشت میں بادۂ کوثر پلائیں گے

(۳۰)

دود میرا سنبلستاں سے کرے ہے ہمسری
بسکہ ذوقِ آتشِ گل سے سراپا جل گیا

سنبلستان : وہ جگہ جہاں کثرت سے سنبل لگے ہوں۔ سنبل سیاہی مائل خوشبودار بیل ہوتی ہے، جو بالوں سے مشابہ ہوتی ہے۔ اس کو دھوئیں کی موج سے بھی مشابہ کرسکتے ہیں۔ آتشِ گل : پھولوں کا سرخ رنگ ــــــ میں پھولوں کے آگ جیسے رنگ کے ذوق میں سر سے پاؤں تک جل گیا۔ اس لئے میرا دھواں سنبل زار کی طرح ہے۔ ظاہر ہے کہ گل سے مراد حسین لوگ اور آتشِ گل سے مراد حسینوں کے چہرے کی تابانی ہے۔

شمع رویاں کی سرانگشتِ حنائی دیکھ کر
غنچۂ گل، پرفشاں پروانہ آسا، جل گیا

سرانگشت : انگلی کا سرا۔ پرفشاں : پر جھاڑتا ہوا۔ جل گیا کے دو معنی ہیں، ایک آگ میں جلنا، دوسرے حسد میں جلنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ لیکن دوسرے معنی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ شمع اور پروانہ میں رعایت ہے۔ مہندی لگی انگلی کے سرے کو غنچہ سے مشابہ کیا ہے۔ غنچے نے شمع جیسے روشن چہرے والوں کی حنائی انگلی کا سرا دیکھا تو خود سے بدرجہا زیادہ حسین معلوم ہوا۔ پس وہ اس پر فریفتہ ہو کر پروانے کی طرح جل گیا۔ جس طرح پروانہ اپنے پر جھاڑتا ہے اسی طرح غنچے نے اپنی پتیاں جھاڑیں۔

خانمانِ عاشقاں، دوکانِ آتش باز ہے
شعلہ رُو جب ہو گئے گرمِ تماشا، جل گیا

خانماں: اسبابِ خانہ داری۔ شعلہ رُو: حسین۔ آتش بازی کی دُکان میں چنگاری چھُوا دی جائے تو سب کچھ بھک سے ہو جائے گا۔ عاشقوں کے مال و اسباب کا بھی یہی حال ہے۔ حسینوں نے اس کی طرف نظر کی اور سب کچھ جل گیا خود کیا جلے گا! حسینوں کے چکّر میں پڑ کر عاشق خود ہی خانماں برباد ہو جائے گا۔

تا کُجا افسوسِ گرمی ہائے صحبت؟ اے خیال
دِل زسوزِ آتشِ داغِ تمنّا جل گیا

اے تصوّر ماضی کی صحبتوں کی گرم جوشی کو یاد کر کے کب تک افسوس کرتا رہے گا۔ نا آسودہ آرزوؤں کے داغ کی آگ نے دِل کو جلا دیا ہے۔

ہے اسدؔ بیگانۂ افسردگی، اے بے کسی
دِل زِ اندازِ تپاکِ اہلِ دُنیا جل گیا

اے بے کسی، اسدؔ اب افسردگی سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس نے اہلِ دُنیا کے تپاک اور گرم جوشی کو دیکھا اور اس کے تصنّع اور کھوکھلے پن کو دیکھ کر اس کا دِل جل گیا۔ اب وہ افسردگی کے احساس سے پرے پہنچ گیا ہے!

بعد میں غالبؔ نے اس شعر میں ترمیم کر کے متداول دیوان میں یوں داخل کیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو، غالبؔ کہ دِل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دُنیا، جل گیا!

(۳۱)

جاں دادگاں کا حوصلہ فرصت گداز ہے
یاں عرصۂ تپیدنِ بسمل نہیں رہا

جان دینے والوں کا حوصلہ اتنے زوروں پر ہے کہ ایک آن میں جان دے دینا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ قتل ہونے کے بعد چند منٹ تڑپا جائے اور اس کے بعد جان رُخصت ہو۔ ان کے حوصلے نے فرصتِ تپیدن کو ختم کر دیا ہے۔ اِدھر

قتل ہوا اُدھر جان رُخصت ہے۔

ہوں قطرہ زن بہ مرحلۂ یاس روز و شب
جز تارِ اشک، جادۂ منزل نہیں رہا

قطرہ زن: بھاگ کر چلنے والا۔ میں دِن رات نا اُمیدی کی منزل میں تیز تیز چلا جاتا ہوں۔ کیونکہ میرے لئے آنسوؤں کے تار کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں بچا۔ یہ راستہ یاس کی منزل کا ہے۔ کامرانی کی منزل کا راستہ میرے لئے بند ہے۔ تارِ اشک کی مُشابہت پتلے راستے سے ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آنسوؤں کا راستہ یاس کا راستہ ہے۔

اے آہ، میری خاطرِ وابستہ کے سوا
دُنیا میں کوئی عقدۂ مُشکل نہیں رہا

خاطرِ وابستہ: بندھا ہوا یعنی غم زدہ دِل۔ اے میری آہ! میرے دِل کے سوا دُنیا میں اور کوئی مُشکل گرہ نہیں رہی۔ میرے دِل کی شگفتگی کی کوئی صورت نہیں ہو سکی۔

ہر چند میں ہوں طوطیِ شیریں سُخن، ولے
آئینہ، آہ! میرے مقابل نہیں رہا

طوطے کو بولنا سِکھانے کی یہ ترکیب ہے کہ اس کے آگے آئینہ رکھ کر پیچھے ایک انسان بیٹھ جاتا ہے۔ انسان بولتا ہے تو طوطا اپنے عکس کو ناطق سمجھتا ہے اور وہ بھی اس کی تقلید میں بولنے لگتا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ اگرچہ میں اپنی شاعری کی وجہ سے اچھی باتیں کرنے والا طوطی ہوں لیکن افسوس اب میرے سامنے آئینہ نہیں رہا۔ یعنی کوئی ایسا قدر دان باقی نہیں جو میرا سُخن سُنے۔

(۳۲)

خلوتِ آبلۂ پا میں ہے، جولاں میرا
خوں ہے، دِل تنگیِ وحشت سے بیاباں میرا

دِل تنگی: ملول ہونا۔ وحشت کے زور میں بیاباں میں جولانی کی جاتی ہے۔

جس سے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے ہیں۔ آبلہ پائی کے بعد دوڑ نا ممکن نہیں رہتا۔
شاعر نے اُسے یوں کہا ہے کہ میں پاؤں کے آبلے کی خلوت میں جولاں رہتا ہوں۔
یعنی جولانی کرتا ہی نہیں۔ میری وحشت کی اس افسردگی کی وجہ سے بیاباں کا دِل
خُون ہو گیا ہے۔ بیابان کو ملال ہے کہ میری وُسعت بیکار پڑی ہے، عاشق اس کی
طرف توجّہ ہی نہیں کرتا۔ دِل تنگی میں جگہ کی تنگی کی طرف بھی اِشارہ ہے۔

دوسرے مصرع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ خُونِ آبلۂ پا ہی اب میرے لئے
بیابانِ جولاں بن کر رہ گیا ہے۔

ذوقِ سرشار سے بے پردہ ہے، طوفاں میرا
موجِ خمیازہ ہے، ہر زخم نُمایاں میرا

موجِ خمیازہ: موج کو خمیازہ یعنی انگڑائی سے اور انگڑائی کو موج سے
تشبیہہ دی جاتی ہے۔ یہاں خمیازہ مشبّہ ہے جسے موج سے مُشابہ کیا ہے۔ آسی
اور سُہا لیوی دونوں نے موجِ خمیازہ سے موج مُراد لی ہے لیکن مشبہ بہ کی بجائے
مشبّہ مُراد لینا چاہیئے۔ یعنی خمیازہ۔ انگڑائی پردے کی ضدّ ہے۔ کیونکہ اس میں
ہاتھ سینے وغیرہ کی نمود ہوتی ہے۔ کھُلے زخم کو انگڑائی سے مُشابہ کیا ہے۔ شعر
کے معنی یہ ہوئے:-

میرے دِل میں جو جذبات کا طوفان ہے وہ میں کسی سے پوشیدہ نہیں
رکھتا کیونکہ میں عشق کے ذوق میں سرشار و خراب ہو رہا ہوں۔ عشق میں میرے
جسم پر جو زخم ہوئے ہیں وہ انگڑائی کی طرح بے پردہ ہیں۔ اس طرح میرے
دِل کا طوفان اور سینے کا زخم سب دُنیا کے سامنے عریاں ہیں

عیشِ بازی کدۂ حسرتِ جاوید رسا
خُونِ آدینہ سے رنگیں ہے دبستاں میرا

حسرتِ جاوید رسا: وہ حسرت جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ آدینہ: جمعہ۔ اسلامی
حکومت میں ہفتے کی چھٹی جمعے کے دِن ہوتی تھی۔ اس لئے جمعہ بچوں کے لئے کھیل کود
اور آرام کا دِن ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ مجھے صرف حسرتِ جاوید کی بازی گاہ کا عیش

نصیب ہے۔ مُراد یہ کہ میں ابدی حسرتوں کا مزا لوٹ رہا ہوں۔ میرا مکتب جمعہ کے خون سے رنگین ہے۔ جمعے کے روز گھر پہ رہ کر کھیلنا ملتا ہے۔ بقیہ دنوں میں مکتب میں دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے۔ گویا مکتب میں جمعے کی فراغت کا خون ہوتا ہے۔ میری یہ حالت ہے کہ میرے نصیب میں فراغتِ جمعہ ہے ہی نہیں۔ خونِ آدینہ سے مُراد ہے "خونِ فراغت۔" حسرت جاوید کو طنزاً عیش اور بازی کدہ کہا ہے۔

حسرتِ نشۂ وحشت نہ بہ سعیِ دل ہے
عرضِ خمیازۂ مجنوں ہے گریباں میرا

دراصل پہلے مصرع میں "حسرت" کا لفظ محض حشو ہے اور معنی کی تخریب کا باعث ہے۔ خمیازہ یعنی انگڑائی نشّے کے زوال یا کمی کی نشانی ہے۔ خمیازۂ مجنوں مجنوں کا انگڑائی لے کر یہ ظاہر کرنا کہ نشۂ وحشت خاطر خواہ نہیں۔ کہتے ہیں کہ مجھے وحشت کا نشہ میری کوشش اور خواہش کے مطابق نہیں۔ میں نے وحشت میں اپنا گریباں جو چاک کیا ہے وہ دراصل مجنوں کی انگڑائی ہے جو زبانِ حال سے نشۂ وحشت کی کمی کی شاکی تھی۔ میں بھی چاکِ گریباں سے یہ ظاہر کرتا ہوں کہ کاش وحشت میں اور اضافہ ہو سکے۔

خمیازۂ مجنوں کی جگہ خمیازۂ جنوں ہوتا تو معنی بہت صاف ہو جاتے۔ اگر گریباں کھلا ہو یا چاک، اس کی مشابہت انگڑائی سے ہو جائے گی کیونکہ انگڑائی میں دونوں ہاتھوں کا اُوپر کو اُٹھا کر ملا لینا گریباں کے چاک سے مماثل ہوتا ہے!

حسرتِ نشہ سے مُراد یہ ہے کہ کچھ ہماری بھی چوک ہے۔ ہمیں نشۂ وحشت کے ناکافی ہونے کا احساس ہے، مزید کے خواہاں ہیں، لیکن یہ حسرت اس قدر نہیں جتنی کہ دل چاہتا ہے یعنی نشۂ وحشت میں اضافے کی خواہش کافی نہیں۔ یہ خواہش بے نہایت ہونی چاہیے جیسا کہ مجنوں کو اتنی زیادہ وحشت کے باوجود تھی۔

عالمِ بے سروسامانیِ فرصت مت پوچھ
لنگرِ وحشتِ مجنوں ہے بیاباں میرا

عالم بے سروسامانیِ فرصت کا تجزیہ ہم "عالم (بے سروسامانیِ فرصت)" نہ کرکے

"(عالمِ بے سروسامانیِ) فرصت" کریں گے۔ کوئی خاص فرق نہیں۔ مُراد ہے فرصت کے وقت کا بے سروسامانی کا عالم۔ مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ جب مجھے فرصت ہوتی ہے تو مجھ پر کس بے سروسامانی کا عالم ہوتا ہے۔ میرا بیابان مجنوں کی وحشت کا لنگر خانہ ہے۔ لنگر خانے میں فقرا کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وحشتِ مجنوں کے لنگر خانے میں بے سروسامانی کے سِوا اور کیا ہوگا۔

لنگر کے معنی لنگوٹ فارسی نہیں، محض اُردو ہے۔ اگر لنگوٹ مُراد لیا جاسکتا تو معنی برجستہ ہو جاتے۔ جسم پر صرف لنگوٹ ہونا بے سروسامانی کی انتہا ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ مجنوں سے وحشی کے جسم پر تو لنگر بھی نہ ہوگا۔ ع قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نِکلا — اس کے معنی یہ ہوئے کہ میرا بیابان لنگرِ مجنوں کی طرح کالعدم ہے۔ پھر خالی اوقات کی بے سروسامانی کا اندازہ کیجیے۔

لیکن فارسی ترکیب کے ساتھ لنگر کے معنی لنگوٹ لینا مُناسب نہیں۔ لنگر خانہ مراد لے کر معنی برآمد کرنے ہوں گے۔ مجنوں کے لنگر خانے میں بھی بے سروسامانی کے سِوا کیا ہوگا؟

بے دماغِ تپشِ رشک ہوں، اے جلوۂ حُسن
تشنۂ خونِ دل و دیدہ ہے پیمانہ میرا

پیماں یہاں پیمانے کے معنی میں آیا ہے۔ میرا دِل جلوۂ حُسن کا تصوّر کرتا ہے میری آنکھ جلوۂ حُسن کو دیکھتی ہے۔ میں ان دونوں یعنی اپنے دِل و دیدہ سے رشک کر کے بے قرار ہوں اور اس بے قراری نے مجھے بیزار اور چڑچڑا کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے دِل و دیدہ کی جان لے لوں۔ میرا پیالہ ان دونوں کے خُون کا پیاسا ہے۔ وہی مضمون ہے جو ذیل کے مشہور شعر میں باندھا ہے ؎

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

فہمِ زنجیریِ بے ربطیِ دِل ہے، یارب
کِس زباں میں ہے لقب "خوابِ پریشاں" میرا

زنجیری: قیدی ـــ عقل میرے دِل کے بے ربط تصوّرات کی وجہ سے اسیرِ زنجیر ہو گئی ہے۔ یعنی میں ایسی بے ربط باتیں سوچتا ہوں کہ خود میری عقل انہیں نہیں سمجھ پاتی۔ وہ ماؤف و مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ لوگوں نے مجھے "خوابِ پریشاں" لقب دیا ہے لیکن یہ لقب کِس زبان میں دیا ہے؟ خوابِ پریشاں کا بیان تو کسی قدر سمجھ میں آجاتا ہے۔ میری باتیں بالکل سمجھ میں نہیں آتیں ـــ میں کسی پُراسرار زبان کا خوابِ پریشاں معلوم ہوتا ہوں۔

کِس زباں کا تعلّق لقب سے نہیں، خوابِ پریشاں سے ہے۔ یہ نہیں کہ لوگوں نے لقب کِس زبان میں بول کر دیا ہے بلکہ یہ کہ "میرا لقب خوابِ پریشاں کِس زبان میں ہے۔" یعنی میں کِس زبان میں دیکھا ہوا خوابِ پریشاں ہوں۔

بہ ہوس، دردِ سرِ اہلِ سلامت تا چند
مُشکلِ عشق ہوں، مطلب نہیں آساں میرا

اہلِ سلامت: سلیم الطبع، میانہ رَو، اعتدال شیوہ لوگ ـــ سلیم الطبع لوگ میرے شیوۂ عشق کو دیکھ کر اسے ہوس سمجھتے ہیں اور اس سے پریشان ہوتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ میں تو عشق کی گُتھی ہوں، مجھے آسانی سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ مجھے ہوس پیشہ سمجھ کر دردِ سر میں مبتلا ہونا ناروا ہے۔

بوئے یُوسف مجھے گلزار سے آتی تھی، اسدؔ
دَے نے برباد کیا پیرہنِستان میرا

دَے: جاڑوں کا یعنی خزاں کا مہینہ۔ پیرہنستان: حضرتِ یعقوب نے حضرتِ یوسف کا پیرہن سونگھا تھا اور اس سے ان کی آنکھوں کی بینائی عود کر آئی تھی۔ پیرہنستان وہ مقام ہوا جہاں پیرہنِ یعقوب رکھا ہو۔ کہتے ہیں کہ باغ میں مجھے اپنے محبوب کی خوشبو آتی تھی۔ خزاں نے میرے محبوب کی یاد دلانے والے مقام یا اس کے جلوے کے عکس کو برباد کر دیا۔

(۳۳)

بت پرستی ہے بہارِ نقش بندی ہائے دہر
ہر صریرِ خامہ میں، یک نالۂ ناقوس تھا

نقش بندی: نقش گری۔ نالۂ ناقوس، سنکھ کی آواز جو بُت پرستی کا لازمہ ہے۔ مناظرِ دُنیا کی اچھّی اچھّی تصویریں کھینچنا بُت پرستی ہے کیونکہ یہ غیر اللہ کے حسُن کی طرف مائل کرتی ہے۔ اس طرح نقّاش کے قلم کی ہر آواز سنکھ کی آواز بن جاتی ہے جسے ہندو لوگ مندر میں بجاتے ہیں۔

محض شاعرانہ خیال ہے۔ صریرِ خامہ کی ایک تشبیہہ پیش کرنی تھی۔

طبع کی واشد نے رنگِ یک گلستاں گُل کیا
یہ دلِ وابستہ، گویا، بیضۂ طاؤس تھا

طبع کی واشد: طبیعت کی شگفتگی۔ گُل کیا: ظاہر کیا۔ دلِ وابستہ: غم زدہ دِل۔ بیضۂ طاؤس: غالب کے لئے طاؤس رنگینی و رونق کی علامت ہے اس لئے بیضۂ طاؤس مُستقبل میں حاصل ہونے والے رنگ و رونق کی نشانی ہے۔

طبیعت کا بندھا ہونا غم زدگی کے معنی میں آتا ہے اور کھُلنا شادمانی کے معنی ہیں۔ جب دِل کھُلا تو ایسی زندہ دِلی اور رنگ و رونق کا مُوجب بنا جیسے باغ میں بہار آگئی ہو۔ معلوم ہوا کہ جب تک دِل بندھا ہوا تھا، طاؤس کے انڈے کی طرح تھا۔ جس میں سے بعد میں طاؤس نکل آیا اور ہر طرف رنگینی ہی رنگینی نمایاں ہوگئی۔ طبع کی واشد سے اشارہ ہے سُخن آرائی کی طرف۔ شاعری نے باغ کا عالم کردیا۔

کل اسد کو ہم نے دیکھا گوشۂ غم خانہ میں
دست بر سر، سر بہ زانوئے دلِ مایوس تھا

دلِ مایوس کا زانو یعنی اپنا زانو۔ کل ہم نے اسد کو اس کے غم کدے میں اس حالت میں دیکھا کہ سر زانو پہ رکھے تھا۔ ہاتھوں کو سر پہ رکھے ہوئے تھا اور مایوس دِل تھا۔

(۳۴)

خود آرا وحشتِ چشمِ پری ہے شب وہ بد خُو تھا
کہ موم، آئینہ، تمثال کو تعویذِ بازُو تھا

پری حسین مخلوق ہوتی ہے لیکن پری کا سایہ جس پر پڑ جائے، اسے جنون ہو جاتاہے، اس کے معنی چشمِ پری میں بھی چشمِ آہو کی طرح وحشت ہوتی ہوگی۔ وہ بدمزاج محبُوب آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنی آرائش کر رہا تھا اور پری کی مانند بنا جا رہا تھا۔ منجملہ دوسری آرائشوں کے اس کی بدمزاجی نے یہ بھی شعبدہ دِکھایا کہ اس کی آنکھوں میں وحشتِ چشمِ پری پیدا کر دی اور سچ یہ ہے کہ آنکھوں میں یہ وحشت بڑی دِل فریب معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی ان آنکھوں کی دید سے آئینے کو اندیشہ ہوا کہ کہیں جنون نہ ہو جائے! لیکن آئینے کے عقب میں جو موم لگا ہوا تھا، اس نے اُس تعویذِ بازُو کا کام کیا جو جن و پری و آسیب کے سایے سے محفوظ رکھنے کے لئے باندھا جائے۔ اس موم نے آئینے کو تقویت دی ان آنکھوں کا سامنا کرنے کی ـــــ آج کل شیشے کی پُشت پر سُرخ مسالہ لگا کر آئینہ بناتے ہیں۔ سابق میں موم لگایا جاتا تھا تاکہ نظر آر پار نہ گزرے۔

بہ شیرینیِ خواب آلُودہ مژگاں نشترِ زنبور
خود آرائی سے آئینہ، طِلسمِ مومِ جادُو تھا

پہلے زمانے میں آئینے کی پُشت پر موم لگایا جاتا تھا تاکہ نظر شیشے سے آر پار نہ گزُرے۔ سفلی جادُو یا کالے جادُو کا ایک عمل یہ ہوتا تھا کہ دُشمن کی موم کی پتلی بناتے تھے اور اس میں سوئیاں چبھوتے تھے تو دُشمن کے جسم میں سوئیاں چبھنے لگتی تھیں۔ یہ موم جادُو تھا

محبُوب کو میٹھی میٹھی نیند آرہی ہے۔ پلکیں نیند سے بوجھل ہیں۔ اس پر بھی وہ آئینے کے سامنے بیٹھ کر خُود آرائی کر رہا ہے۔ میٹھی پلکیں شہد کی مکھّی کے ڈنک کی طرح آئینے میں گڑ رہی ہیں۔ آئینے کے پاس موم ہے ہی، اس میں نشتر چبھے تو موم جادُو کی کیفیت ہو گئی اور آئینہ موم جادُو کا طلسم بن گیا۔ پہلے مصرعے میں

فعل مقدر ہے۔ اس کی نثر ہوگی — "بر شیرینیِ خوابِ آلودہ مژگاں نشترِ زنبور (فراہم ہوگیا) —"

نہیں ہے بازگشتِ سیل غیر از جانبِ دریا
ہمیشہ دیدۂ گریاں کو، آبِ رفتہ در جو تھا

آبِ رفتہ در جو: تلف شدہ مال کا مل جانا، دولتِ رفتہ کا واپس آجانا۔
سیلاب دریا سے آتا ہے۔ پانی باہر نکل کر پھیل جاتا ہے اور سیلاب اُترنے پر پانی واپس دریا میں لوٹ آتا ہے۔ ہماری آنکھ نے رو رو کر سیلاب بپا کر دیا۔ لیکن اس کے بعد وہ پانی واپس آنکھ میں آگیا۔ اسی طرح سلسلہ جاری رہا، آنکھ سے سیلاب آنا اور پھر اس سیلاب کا آنکھ میں لوٹ آنا۔

غالب کو یہ دکھانا تھا کہ ان کی آنکھوں سے سیلاب آجاتا ہے۔ اس کی پروا نہیں کی کہ سیلاب آنکھوں میں کیونکر واپس آجائے گا۔

رہا نظارہ وقتِ بے نقابی آب پر لرزاں
سرشک آگیں مژہ سے دست از جاں شستہ بر رو تھا

دست از جاں شستہ: جان سے ہاتھ دھوئے ہوئے۔ دست بر رُو گرفتن: شرم و حیا یا غیرت سے منہ چھپانا۔ غالب نے دو محاوروں کا امتزاج کر دیا ہے۔
دست از جاں شستہ بر رُو۔ جان سے دھوئے ہوئے ہاتھوں سے منہ چھپا رہا تھا۔ محبوب بے نقاب ہوگیا۔ لیکن میرا نظارہ اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہ ایسے لرز رہا تھا جیسے پانی کی سطح پر ڈگمگائے۔ آنسو بھری پلکوں سے نظارہ نے جان سے ہاتھ دھوئے تھے۔ پلکیں ہاتھ کی مانند ہیں اور آنسو سے آلودہ ہونا لفظی معنی میں ہاتھ دھونا ہوا۔ نیز پلکوں سے نظارے نے اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ یہ خواہ رُعب کی وجہ سے رہا ہو، خواہ بے نقاب چہرے کی خیرہ کُن ضَو کی وجہ سے۔ نظارے نے جان سے ہاتھ اس لئے دھوئے تھے کہ بے نقاب چہرے کے سامنے جل کر راکھ ہو جانے کا قوی امکان تھا۔ آب پر لرزاں ہونا محض ضرورت سے زیادہ نازک خیالی ہے۔ پانی پر کوئی تختہ بہہ رہا ہو اور اس پر

کوئی کشتی شکستہ چلا جارہا ہو تو وہ لرزاں ہوگا۔ پلکوں پر آنسوؤں کی ڈھلکتی ہوئی بوندوں سے نظارہ آب پر لرزاں ہو گیا۔

غمِ مجنوں، عزاداران لیلیٰ کا پرستش گر
خمِ رنگِ سیہ، پیمانۂ ہر چشم آہو تھا

مجنوں کی رُوداد میں ذکر آتا ہے کہ مجنوں ہرنوں کی آنکھیں چُوما کرتا تھا... کیونکہ وہ لیلیٰ کی آنکھوں کی یاد دلاتی تھیں۔ شاعر نے حُسنِ تعلیل کے طور پر اس کی کوئی اور تاویل کی ہے۔ ہرنوں کی آنکھ کا پیمانہ کالے رنگ کا خُم ہے۔ کالا رنگ سوگواری کی نشانی ہے۔ ثابت ہوا کہ ہرن لیلیٰ کے سوگ میں سیاہ پوش ہیں۔ مجنوں کے دِل کا غم لیلےٰ کے سوگواروں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس لئے ہرنوں کی آنکھ کی بھی قدر کی۔

رکھا غفلت نے دُور اُفتادۂ ذوقِ فنا، ورنہ
اشارت فہم کو، ہر ناخنِ بریّدہ، ابرو تھا

محبُوب کی ابرو کچھ اشارہ کرتی ہے۔ اس حسین ابرو کو دیکھ کر جان دینے کو جی چاہتا ہے۔ گویا ابرو فنا کی ہمت دعوت دے رہی ہے۔ سمجھ دار آدمی کے لئے کہیں بھی کسی کا بھی ترشا ہوا ناخن ہو تو وہ ابروئے محبُوب ہے جو فنا ہونے کا تقاضا کر رہا ہے۔ اگر عاشق نے فنا ہونے میں کوتاہی کی تو یہ اس کی غفلت ہے۔

اسدؔ خاکِ درِ مےخانہ اب سر پر اُڑاتا ہوں
گئے وہ دِن کہ پانی جامِ مے سے زانو زانو تھا

اسدؔ اب مےخانہ میں شراب کا پتہ نہیں۔ وہاں کی خاک سر پر اُڑاتا ہوں۔ اُن دِنوں کی یاد آتی ہے جب جامِ مے سے اتنا سُرخ پانی بہاتے تھے کہ گھٹنوں گھٹنوں ہوجاتا تھا۔

(۳۵)

دویدن کے کمیں، جُوں ریشۂ زیرِ زمیں پایا
بہ گردِ سرمہ، اندازِ نگاہِ شرمگیں پایا

ریشہ دویدن ریشے کا اُگنا ہے۔ زمین کے نیچے ریشہ جلدی سے باہر کی طرف کو دوڑنا

چاہتا ہے۔ لیکن زمین کی وجہ سے چال آہستہ ہو جاتی ہے۔ سُرمہ آلوُد آنکھ کی نگاہ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ سُرمے کی وجہ سے نِگاہ کا سفر دھیما ہو جاتا ہے۔ گویا نگاہِ شرم گیں ریشے سے مُشابہ ہے اور سُرمہ اس کے اطراف کی خاک ہے۔ نازنینوں کا یہ دستور ہے کہ آرائش کے بعد شرماتی ہیں اور عشّاق کی طرف نِگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھ پاتیں۔

اُگی اِک پنبۂ روزن سے تھی، چشمِ سفید آخر
حیا کو، انتظارِ جلوہ ریزی کے کمیں پایا

چشمِ سفید: چشمِ نابینا۔ انتظارِ جلوہ ریزی: وہ شخص جو جلوہ ریزی کا انتظار کر رہا ہے۔ محبوب کے کمرے کی دیوار یا کواڑ میں ایک سُوراخ ہے۔ عاشق انتظار میں اس پر آنکھ لگائے کھڑا رہتا ہے کہ محبوب سامنے سے جلوہ ریزی کرتا گزرے تو ایک جھلک دیکھ لے۔ گویا روزن سے ایک چشمِ بینا اُگی رہتی تھی۔ اب شرمیلے محبوب نے روزن میں روئی ٹھونس دی۔ کیونکہ اس کی حیا مُنتظرِ دید کی گھات میں لگی تھی۔ روئی لگنے کے بعد روزن کی آنکھ سفید یا بے نُور ہو گئی۔

بہ حسرت گاہِ نازِ کُشتۂ جاں بخشیِ خوباں
خضر کو چشمۂ آبِ بقا سے تر جبیں پایا

تر جبیں: جبیں (پیشانی) پہ عرق آنا شرمندگی کی علامت ہے۔ اس لیے تر جبیں معنی نادم۔ حسینوں نے کسی بِسمل کو از سرِ نو زندگی بخشی۔ وہ ان کے احسان سے کُشتہ ہو گیا۔ یہاں کُشتہ ہونا مرنے کے معنی میں نہیں بلکہ بہت زیادہ ممنون ہونے کے معنی میں ہے۔ حسینوں سے جاں بخشی پائے ہوئے لوگوں میں بڑا ناز پایا جاتا ہے۔ خضر انھیں دیکھ کر حسرت میں مُبتلا ہے کیونکہ اس نے آبِ حیات پیا ہے۔ اس کے لئے یہ سعادت ممکن نہیں کہ وہ مقتول ہو کر ان کے ہاتھ سے جانِ تازہ پائے۔ دوسروں کا نازستان خضر کے لئے حسرت گاہ ہے۔ وہ آبِ حیات کی وجہ سے بڑا شرمندہ ہے۔ چشمۂ آب اور تر میں رعایت ہے۔

پریشانی سے مغزِ سر ہوا ہے پنبۂ بالش
خیالِ شوخیِ خوباں کو راحت آفریں پایا

ہم نے حسینوں کی شوخی کا خیال کیا۔ اس نے پریشان کر کے مغزِ سر کو تکیئے کی روئی کی طرح دھنک دیا۔ دھنکی ہوئی روئی کا ہر ریشہ مُنتشر و پریشان ہوتا ہے۔ جب ہمارا مغزِ سر تکیئے کی روئی بن گیا تو ہمارے سر نے اس پر آرام کیا اور اس طرح شوخیِ خُوباں کے خیال نے ہمیں راحت پہنچائی۔

نفس حیرت پرستِ طرزِ ناگیرائیِ مژگاں
مگر یک دست و داماںِ نگاہِ واپسیں پایا

نفس ؛ سانس یا دَم جو زندگی کی علامت ہے۔ ناگیرائی : گرفت نہ کرنا۔ دست و داماں : توسّل ــــ محبُوب کی پلکوں سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ عاشق کے دِل و جان کو گرفت میں لے لیں گی۔ پلکوں نے ایسا نہیں کیا جس پر میرے نفس کو حیرت ہے ــ میرے اُوپر پڑ کر جب شرمائی ہوئی نگاہ پلٹنے لگی تو نفس نے اس نگاہ کا وسیلہ پایا اور اس کے دامن کو ہاتھ میں لے کر مژگاں تک پہنچ گیا اور خود کو مژگاں کے حوالے کیا۔ یعنی اگر محبُوب کی شرمائی ہوئی آنکھیں جان لینے میں کوتاہی کرتی ہیں تو ہم خود اپنی جان کو ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔

اسؔد کو بیچ تابِ طبعِ برق آہنگ مسکن سے
حصارِ شعلۂ جوّالہ میں عزلت گزیں پایا

نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ کے مطابق نسخۂ شیرانی میں "مسکن سے" کی بجائے "مسکن ہے" کر دیا گیا ہے لیکن دوسرے مصرع کا مطالبہ ہے کہ پہلے مصرع میں "ہے" پر "سے" کو ترجیح دی جائے۔ اس لئے میں نے "سے" برقرار رکھا ہے۔

طبعِ برق آہنگ مسکن : بجلی میں مسکن بنانے کا اِرادہ رکھنے والی طبیعت یعنی بہت مضطرب اور بے چین طبیعت۔ حصارِ شعلۂ جوّالہ : ایک لکڑی کے دونوں سرے پر تیل میں بھیگا کپڑا لپیٹ کر اس میں آگ لگا دیں اور پھر تیزی سے گھمائیں تو شعلے کا ایک حلقہ بن جائے گا۔ وہ حصارِ شعلۂ جوّالہ ہے۔ شعر کا مطلب ہوا۔ اسدؔ کو نہایت بے قرار طبیعت کی وجہ سے شعلے کے دائرے میں خلوت نشیں پایا۔ یعنی اس کی طبیعت میں بجلی کی سی بے چینی اور شعلے کا سا سوز ہے۔

(۳۶)

نزاکت ہے فسونِ دعویِ طاقت شکستن ہا
شرارِ سنگ، اندازِ چراغ از جسم خستن ہا

سرخوش نے لکھا ہے کہ "خستن ہا" غلط معلوم ہوتا ہے "جستن ہا" ہونا چاہیئے۔ سچ یہ ہے کہ سہوِ قرأت صرف اتنا ہی نہیں۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غالب نے "چراغ از چشم جستن ہا" لکھا ہوگا۔ جسم خستن ہا کا کوئی مقام نہیں۔ اب شعر کو یوں صحیح کر لیجیے

نزاکت ہے فسونِ دعویِ طاقت شکستن ہا
شرارِ سنگ، اندازِ چراغ از چشم جستن ہا

فسونِ دعویِ طاقت شکستن ہا: دعوائے طاقت کے جادو کا ٹوٹنا۔ شکستن کا تعلق فسوں سے ہے، دعوی سے نہیں۔ چراغ از چشم جستن: کسی کے سخت چوٹ لگنے سے آنکھوں کے آگے ایک روشنی کا کوند جانا۔ نزاکت کسے کہتے ہیں؟ طاقت کے دعوے کے ختم ہو جانے کو۔ یعنی نزاکت محض ناتوانی کا نام ہے۔ پتھر کے لئے نزاکت ہے اس میں سے شرار کی روشنی نکلنا لیکن دراصل یہ جسمانی کمزوری کی دلیل ہے۔ کسی پر چوٹ پڑے تو آنکھوں کے آگے روشنی سی آ کر غائب ہو جاتی ہے۔ سنگ سے شرر کا نکلنا مضروب یعنی مغلوب و ناتواں ہونے کی علامت ہے۔ غالب نے گنجینۂ معنی کے پہلے شعر میں سنگ میں شرر کو نزاکت پر محمول کیا ہے۔ ملاحظہ ہو

سنگ، یہ کارگہِ ربطِ نزاکت ہے کہ ہے
خندۂ بے خودیِ کبک، بہ دندانِ شرار

●

سیہ مستیِ چشمِ شوخ سے ہیں، جوہرِ مژگاں
شرار آسا، زِ سنگِ سرمہ یک سر بار جستن ہا

جوہرِ مژگاں: فولادی آئینے کا جوہر دھاریوں کی شکل کا ہوتا ہے اور پلکوں سے مشابہ ہوتا ہے۔ پلکوں کا جوہر یعنی خود جوہر۔ سنگِ سرمہ: ایک پتھر جس سے

سُرمہ بناتے ہیں۔ یک سر: یکایک۔ محبوب کی چشمِ شوخ کی مستی کی وجہ سے پلکیں اُس چنگاری کی طرح ہیں جو سنگِ سُرمہ سے یکایک نکل آئے۔ چونکہ پلکیں سُرمہ سائی کی وجہ سے سیاہ ہوتی ہیں اس لیئے انہیں سنگِ سُرمہ کا شرر قرار دیا۔ پلکوں کی سیاہی کا ایک اور جواز "سیہ مستی" میں لفظِ سیہ سے نکالا۔

ہوانے ابر سے کی موسمِ گُل میں نمد بافی
کہ تھا آئینۂ خور بے نقابِ رنگ بستن ہا

نمد بافی: نمد بُننا۔ رنگ بستن: رنگ چڑھانا۔ سُورج کے آئینے پر رنگ کا نقاب نہ چڑھا تھا یعنی سُورج ایک بے رنگ شیشے کی طرح تھا۔ ہوانے بہار کے موسم میں بادل تان کر سُورج کے آئینے کے لیئے ایک نمد تیار کر دیا۔ چونکہ یہ نمد پھولوں کے اُوپر ہے اس لیئے پھولوں کے عکس سے رنگین ہونا چاہیئے۔ دوسرے مصرع کے معنی یہ نہیں ہو سکتے کہ "سُورج کا آئینہ نقابِ رنگ کے بغیر تھا۔" اس صورت میں بستن حشو ہو جاتا ہے۔ آئینے پر بالعموم نقاب ڈالنے کا رِواج بھی نہیں اور مُنہ دیکھنے کے آئینے پر رنگ بھی نہیں چڑھایا جاتا۔ اس لیئے آئینے سے مُراد شیشہ ہے اور نقابِ رنگ بستن شیشے کے اُوپر رنگ پھیر دینا۔ رنگین بادل سُورج کے سفید شیشے کو رنگین بنا دے گا۔

دِل از اضطراب آسُودہ، طاعت گاہِ داغ آیا
برنگِ شعلہ ہے مُہرِ نماز از پا نشستن ہا

طاعت گاہ: عبادت گاہ۔ اس سے پہلے "در" کا تقاضا تھا۔ "در طاعت گاہ۔" داغ کی عبادت گاہ میں آ نکلنے یعنے داغ دار ہونا۔ ممکن ہے کہ مسجد کو طنزاً داغ والی عبادت گاہ کہا ہو کیونکہ سجدے سے داغِ پیشانی مِل جاتا ہے۔ مُہرِ نماز: خاکِ کربلا کی ٹکیہ جس پر شیعہ حضرات نماز کے وقت سجدہ کرتے ہیں۔ از پا نشستن محاورہ ہے جس کے معنی کھڑے ہوئے سے تھک کر بیٹھ جانے کے ہیں۔ نماز میں قیام کی حالت سے سجدے میں آنے کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے مصرع کا تقاضا تھا کہ "از" دو بار ہوتا۔ کیونکہ پورا محاورہ "از پا نشستن" ہے، محض "پا نشستن" نہیں۔ شاعر نے

کہا یہ ہے کہ میرے از پا نشستن سے مُہرِ نماز برنگِ شعلہ ہوگئی ہے۔ لیکن مصرعِ متن میں مسے "کے مفہوم کا کوئی لفظ نہیں۔ شعر کے معنی یہ ہیں :۔

دِل کو پہلے بہت اضطراب تھا، اب آرام آگیا ہے۔ اضطراب کی نشانی داغ باقی رہ گیا ہے جو ظاہر ہے کہ جلتا ہوگا۔ میں نے بار بار مُہرِ نماز پر سجدہ کیا تو داغِ پیشانی کی سوزش سے مُہرِ نماز شعلے کی طرح ہوگئی۔

اسدؔ ہر اشک ہے یک حلقہ بر زنجیر افزودن
ببندِ گریہ ہے نقش بر آب، اُمیدِ رستن ہا

نقش بر آب : ناپائدار چیز یا بے فائدہ کوشش۔ اسدؔ ہر آنسو زنجیر میں ایک اور کڑی بڑھا دینے کے مترادف ہے۔ زندگی میں جو پابندیاں اور قیدیں ہیں ان پر احساسِ مایوسی قید کو اور تیز تر کر دیتا ہے۔ اس زنجیر سے رہائی کی اُمید گریہ کی قید میں ہے اس لئے نقش بر آب کی طرح لاطائل اور فضول ہے۔ چونکہ آنسو میں پانی ہوتا ہے اس لئے اسے نقش بر آب کہا۔

اگر "ببندِ گریہ" کی بجائے "زبندِ گریہ" ہوتا تو مصرع کے معنی ہو جاتے کہ بندِ گریہ سے رستن یعنی رہائی کی اُمید نقش بر آب ہے۔ اب دوسرے مصرع کا مفہوم یوں ہے۔ "اُمیدِ رستن بندِ گریہ میں پڑکر نقش بر آب ہوگئی ہے۔

(۳۷)

بسانِ جوہرِ آئینہ از ویرانیِ دِل ہا
غبارِ کوچہ ہائے موج ہے، خاشاکِ ساحل ہا

شعر کے مختلف اجزا کی بندش کو حل کر کے یوں پیش کیا جائے گا ۔۔۔ "ویرانیِ دِل ہا سے خاشاکِ ساحل ہا کوچہ ہائے موج میں جوہرِ آئینہ کی طرح غبار کا کام کرتا ہے۔"

جوہر فولادی آئینے میں دھاریوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ اگر آئینے میں جوہر کے خطوط دِکھائی دیں تو یہ اس کی صفائی میں حارج ہوتا ہے۔ جوہر کی مماثلت خس و خاشاک سے ہے۔ کسی کوچے میں گرد و غبار ہونا عیب ہے۔ اب شعر کے مطلب کی طرف آئیے۔ اِنسان ساحلِ دریا پر سیر کو اس لئے جاتا ہے کہ موجوں کی روانی دیکھ کر

اس کا دل شگفتہ ہو۔ لیکن اگر اس کا دل ویران اور اُداس ہوگا تو اسے موج و ساحل میں کوئی دل کشی نہ دکھائے گی بلکہ وہ اس منظر کی خامیوں پر جز بز ہوگا۔ مثلاً ساحل پر تنکے پڑے ہیں، صفائی نہیں ہے۔ وہ کہے گا کہ "یہاں سے چلو۔ یہاں کتنی گندگی ہے۔" کوچہ ہائے موج لہروں کے درمیان کی نالیوں سے بنتے ہیں۔ ساحل کے خاشاک اس کے لئے کوچہ موج کا غبار بن جائیں گے۔ یعنی پانی کی موجیں جاذبِ نظر نہ رہیں گے، بالکل اسی طرح جیسے آئینے میں جوہر آئینہ دُھندلا پن پیدا کر دیتا ہے

نِگہ کی ہم نے پیدا، رشتہ، ربطِ علائق سے

ہوئے ہیں پردہ ہائے چشمِ عبرت، جلوہ حائل ہا

نِگہ پیدا کرنا: بصیرت پیدا کرنا۔ ربطِ علائق: دُنیا کے رشتوں اور ہوسوں میں پھنسنا۔ پردہ ہائے چشم: آنکھ کے اندر کے سات پردے۔ جلوہ حائل ہا: وہ چیزیں جو جلوہ دیکھنے میں حائل ہوتی ہیں۔ شعر میں دو جگہ ایہام ہے۔ رشتہ کے معنی تعلق اور دھاگا۔ "ربطِ علائق" کے قرینے سے "تعلق" کے معنی ہیں۔ لیکن ربط کے معنی خود تعلق کے ہیں۔ تعلق کا تعلق کوئی بات نہ ہوئی۔ تعلق کا دھاگا صحیح ہے۔ دھاگے کی مشابہت نگہ سے ہوتی ہے۔ "پردہ ہائے چشم" میں بھی ایہام ہے۔ جلوہ حائل سے گمان ہوتا ہے کہ "پردہ ہائے چشم" سے مُراد وہ حجاب ہیں جو آنکھ کے آگے پڑے ہوں اور دیکھنے میں حائل ہوں، لیکن یہ مُراد نہیں۔ یہاں مُراد ہے آنکھ کے اندر کے پردے جو دیکھنے میں ممِد ہوتے ہیں۔ شعر کے معنی یہ ہیں:۔

عالمِ مادّہ میں انسان طرح طرح کے علائق میں پھنستا ہے۔ یہ حقیقت شناسی سے باز رکھتے ہیں۔ لیکن ہم نے انہیں کو شناخت کر کے حقیقت نگر نگہ پیدا کی۔ یہ دنیوی رشتے یہ دنیوی ساز و سامان جو جلوۂ حقیقت کی دید میں حائل ہوتے تھے ہمارے لئے آنکھ کا پردہ بن گئے اور انہیں نے ہمیں حقیقت کے ادراک میں مدد دی۔

نہیں ہے باوجودِ ضعف سیرِ بے خودی آساں

رہِ خوابیدہ میں افگندنی ہے، طرحِ منزل ہا

سیرِ بے خودی: از خود رفتہ ہونا، مدہوش ہونا۔ رہِ خوابیدہ: سونا راستہ جس پر

کوئی نہ چلتا ہو۔ کنایہ ہے راہِ دُور دراز سے۔ طرح افگندنی: بُنیاد ڈالنے کے لائق۔
عاشقوں اور عارفوں کی نظر میں بے خودی مستحسن ہے۔ ہمیں کمزوری کا عالم ہے اس کے باوجود ہمیں عالمِ بے خودی کی سیر آسان نہیں۔ بے خودی کے لئے ضعف کافی نہیں، مکمل بے ہوشی چاہیئے۔ ضعف نیم بے ہوشی ہے۔ ہمیں بے خودی کی بُنیاد سونے اور لمبے راستے میں رکھنی چاہیئے۔ چونکہ اس کی منزلیں طے کرتے کرتے بے ہوشی طاری ہو ہی جائے گی۔ راستے کو خوابیدہ کہہ کر بے خودی کی عِلّت پیدا کی ہے۔

فریبے بہرِ تسکینِ ہوس درکار ہے، ورنہ
بہ وہمِ زر، گرہ میں باندھتے ہیں برقِ حاصل ہا

نسخۂ عرشی میں پہلا لفظ "غریبی" ہے لیکن خود نوشت دیوان میں فریبے ہے اور یہی صحیح ہے۔
برقِ حاصل: وہ بجلی جو خرمن کو جلا دے۔ زر اور برق میں سنہراپن وجہِ شبہہ ہے۔ انسان کو اپنی ہوسِ اسبابِ امارت کو آسُودہ کرنے کے لئے کسی فریب کی ضرورت ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ زر اکٹھا کر لینے سے خواہشات کی تسکین ہو جائے گی۔ حالانکہ زر تو آخر کار زندگی کے حاصل ہی کو جلا دے گا۔ اس طرح گرہ میں زر نہیں باندھا بلکہ جان لیوا برق باندھ لی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان جسے تکمیلِ خواہشات کا سامان سمجھتا ہے وہ محض فریب ہے۔

تماشا کردنی ہے، انتظار آبادِ حیرانی
نہیں غیر از نگہ، جوں نرگستاں فرشِ محفل ہا

نرگستاں: وہ باغ جس میں ہر طرف نرگس کے پھُول کھِلے ہوں۔ نرگس کی مشابہت آنکھ سے ہے۔ انتظار آبادِ حیرانی دُنیا کو سمجھ لیجئے۔ انتظار ہے جلوۂ محبُوب کا۔ حیرانی کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ تعینات کی نیرنگیاں دیکھ کر یا محبُوب کے نظر نہ آنے پر۔ دُنیا جائے انتظار ہے۔ یہاں لوگوں کی حالت دیکھنے کے قابل ہے۔ جس طرح نرگستاں میں ہر طرف محض آنکھیں، محض نگاہیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح دُنیا میں جو فرشِ محفل ہے یعنی جو ساز و سامان دکھائی دیتا ہے وہ نگاہِ منتظر کے سوا کچھ

نہیں۔ ہر طرف نگاہیں دوڑ رہی ہیں، ڈھونڈھ رہی ہیں، انتظار کر رہی ہیں، حیران ہیں ——

اسدؔ تارِ نفس ہے ناگزیرِ عقدہ پیرائی
بہ نوکِ ناخنِ شمشیر کیجئے حلِ مشکل ہا

عقدہ پیرائی: گرہ کو آراستہ کرنا یعنی باندھنا۔ اسدؔ زندگی کے عقدے سانس کے دھاگے کے بغیر نہیں بندھتے۔ سانس کا تار ان کا جزوِ لاینفک ہے یعنی جب تک زندگی ہے تب تک مشکلات کی گرہیں بنتی رہیں گی۔ معمولی گرہیں ناخن سے کھول لی جاتی ہیں لیکن زندگی کی گرہ تلوار کے ناخن ہی سے کھل سکتی ہے۔ تلوار ناخن کی طرح گول ہوتی ہے۔ تلوار سے کوئی گرہ کھل تو نہیں سکتی، کٹ سکتی ہے۔ زندگی کی گرہ سانس کے دھاگے سے بنی ہے۔ اسے ناخنِ شمشیر سے کاٹنے کے معنی ہیں زندگی سے ہاتھ دھو لینا جس کے بعد ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

(۳۸)

بہ شغلِ انتظارِ مہوشاں در خلوتِ شب ہا
سرِ تارِ نظر ہے رشتۂ تسبیحِ کوکب ہا

انتظار میں تارے گننا محاورہ ہے۔ رات کی تنہائی میں حسینوں کا انتظار کیجئے۔ بستر پر خالی پڑے پڑے تاروں کو دیکھتے رہئے۔ ان کے مقام اور گردش کا مطالعہ کیا کیجئے۔ تارے تسبیح کے دانوں سے مشابہ ہیں لیکن انہیں منسلک کرنے والا دھاگا کہاں سے آئے؟ ہم جو مسلسل انہیں دیکھ رہے ہیں تو ہماری نگاہ کا اوپر والا سرا تاروں کی تسبیح کے لئے رشتہ بن گیا ہے۔ اس طرح تاروں کو دیکھنا گویا تسبیح گردانی ہو گیا۔ ساری رات اسی شغل میں اختر شماری کیجئے حسین آتے نہیں انتظار دکھاتے ہیں۔

کرے گر فکرِ تعمیرِ خرابی ہائے دل، گردوں
نہ نکلے خشت مثلِ استخواں، بیروں زقالب ہا

قالب کے معنی سانچے کے بھی ہیں اور جسم کے بھی اور یہاں دونوں مراد ہیں۔ اینٹ

کے تعلق سے سانچا اور ہڈی کی مناسبت سے جسم۔ دِل کو کسی برباد شدہ عمارت سے تشبیہہ دی ہے جس کی باز تعمیر کے لئے اینٹیں درکار ہوں گی۔ اگر ظالم آسمان مہربان ہوکر دِل کی بربادی دُور کرنے اور تعمیرِ نو کا اِرادہ بھی کرے تو اینٹیں مہیا نہ ہوں گی۔ ہماری تعمیرِ دل کے استعمال میں آنے سے اینٹ اِنکار کردے گی وہ قالب سے باہر ہی نہ آئے گی جس طرح ہڈی جسم سے باہر نہیں آتی۔ یعنی کوئی ہماری زندگی سے تلخیوں کو دُور بھی کرنا چاہے تو ممکن نہیں۔ ماحول ہمارے خلاف ہے۔

عیادت ہائے طعن آلودِ یاراں زہرِ قاتل ہے
رفوئے زخم کرتی ہے بہ نوکِ نیشِ عقرب ہا

عیادت: بیمار کی مزاج پُرسی۔ جو لوگ دِل میں عناد رکھتے ہیں وہ بیمار کی عیادت کو جاتے ہیں تو طعنے بھی کرتے ہیں مثلاً کسی کو زکام ہو اور اسے کہا جائے کہ آج کل کے لڑکے فیشن کے مارے سر تو ڈھکنا جانتے ہی نہیں، ہوا لگ کر سردی ہو گئی ہوگی۔" یا کسی عاشق کی عیادت کے لئے جائیں تو کہیں۔ "ہم نے نہ کہا تھا کہ لڑکیوں کے چکر میں نہ پڑنا۔ انھیں تمہاری پروا نہیں، تم احمق بن کر اس حال کو پہنچے ہو۔" اس قسم کی عیادت زہرِ قاتل کی طرح جان لیوا ہے۔ ایسے غم خوار گویا زخم کو سیتے تو ہیں لیکن بچھو کے ڈنک سے جس میں درد بھی ہے زہر بھی۔ باز آیا میں ایسی عیادت سے۔

کرے ہے حُسنِ خوباں پردے میں مشاطگی اپنی
کہ ہے تہ بندیِ خط، سبزۂ خط در تہ لب ہا

مشاطگی: آرائش۔ تہ بندی: رنگ ریز کوئی رنگ چڑھانے سے پہلے کسی اور رنگ کی تہہ دیتے ہیں تاکہ اصلی رنگ کم خرچ ہو اور اچھا چڑھے۔ شاعر کے نزدیک ہونٹوں کے نیچے جو نیا نیا خط آیا ہے وہ دراصل رنگ کی پہلی تہہ ہے جس کے بعد اصلی رنگ آئے گا یعنی نیا خط ایک ریہرسل ہے جس کے بعد پورا بھرپور خط آئے گا۔ یہ نیا نیا ہلکا سبزہ ایک پردہ ہے جس کے نیچے محبوب اپنی اصلی آرائش کا سامان کر رہا ہے۔ ایسا شبہ ہوتا ہے کہ غالب نے تہ بندی کو کسی اور معنی میں استعمال کیا ہے۔

مولانا سرخوش لکھتے ہیں ـــــ " تہ بندی سے مُراد کوئی چیز مثلاً وسمہ وغیرہ لگاکر کپڑے کی تہہ باندھ دینا کہ جب رنگ آجاتا ہے تو اسے کھول دیا جاتا ہے۔" تہہ بندی کے یہ معنی ہوتے تو پردے کا جواز نکل آتا لیکن تہہ بندی کے یہ معنی کسی لُغت میں نہیں ملتے۔ نیز تو خطِ محبوب وسمہ یا حنا کیوں لگانے لگا؟

فنا کو عشق ہے، بے مقصداں! حیرت پرستاراں!
نہیں رفتارِ عمرِ تیز رَو پابندِ مطلب ہا

عشق ہے: آفریں ہے۔ زندگی ظاہراً بے مقصد ہے۔ دُنیا میں انسان حیران ہو کر زندگی گزُار رہا ہے۔ اے بے مقصد زندگی گزُارنے والو اور اے حیرت میں کھوئے ہوؤ تمہاری عمرِ تیز رَو کسی مطلب و مقصد کی پابند نہیں۔ فنا کو تمہاری ذات سے عشق ہے اس لئے عمر تیزی سے اس کی طرف بڑھتی جا رہی ہے۔

بہت ممکن ہے کہ "عشق ہے" "آفریں ہے" کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ فنا کو آفریں ہے کہ ایسی بے مقصد حیات کو ختم کر دیا۔

اسدؔ کو بُت پرستی سے غرض دردآشنائی ہے
نہاں ہیں نالۂ ناقوس میں درپردہ "یارب ہا"

آدمی درد میں خدا کو یاد کرتا ہے اور یارب، یارب پُکارتا ہے۔ اسدؔ کو درد سے محبت ہے اس لئے بُت پرستی کرتا ہے کیونکہ بُت پرستی کا لازمہ ہے سنکھ بجانا اور سنکھ کا نالہ 'یارب، یارب' کہتا معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح شعر میں یہ پہلو بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ جسے تم کفر سمجھتے ہو، وہ خدا شناسی ہے۔

(۳۹)

برہمنِ شرم ہے، باوصفِ شہرت، اہتمام اس کا
نگیں میں، جوں شرارِ سنگ، ناپیدا ہے نام اس کا

یہ شعر حقیقت میں ہے۔ "اس" سے مُراد محبوبِ حقیقی ہے۔ اگرچہ اس کا نام بہت مشہور ہے اس کے باوجود اس کے تمام کام کاج شرم و حیا میں ملفوف ہیں۔ جس طرح انگوٹھی کے نگ میں شرر پوشیدہ ہوتا ہے اسی طرح مظاہرِ قدرت میں محبوب کا نام اور ذات پوشیدہ

ہے۔ سامنے آنے سے یہ احتراز اس کی شرم و حیا کا ثبوت ہے!

سرو کارِ تواضع، تا خمِ گیسو رسانیدن

بسانِ شانہ زینت ریز ہے دستِ سلام اس کا

سروکار: تعلق۔ کوئی مہمان آتا ہے تو محبوب اس کی تواضع کرنے کو جھک کر سلام کرتا ہے۔ تواضع کی غرض سے وہ سر کو بہت جھکا لیتا ہے جس کی وجہ سے گیسوئے خم دار آگے کی جانب کو لٹک جاتے ہیں اور دستِ سلام کے برابر آجاتے ہیں۔ ہاتھ بالوں کی زینت یوں بڑھاتا ہے جیسے کنگھی۔ شیوۂ تواضع کو صرف اس فریضے سے سروکار ہے کہ دستِ سلام کو خمِ گیسو کے برابر لے آئے۔ "رسانیدن" میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تواضع دیکھنے والے کو خمِ گیسو تک پہنچا دیتی ہے یعنی جب محبوب کا ہاتھ خمِ گیسو کے برابر پہنچتا ہے تو خواہ مخواہ ان کی شکن کی طرف توجہ منعطف ہو گی۔

مِسی آلودہ ہے مُہرِ نوازش نامہ، ظاہر کیا؟

کہ داغِ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اس کا!

پہلے مصرع میں نسخۂ بھوپال میں آخری دو الفاظ تھے "پیدا ہے۔" انہیں مسخ کرکے گلِ رعنا میں "ظاہر کیا" بنا دیا جو معنوی اعتبار سے تصفیہ پیدا کرتا ہے لیکن ہم اس کو قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ محبوب نے لفافہ بند کرکے جو مہر لگائی ہے اس پر مِسی کا نشان ہے۔ اس نشان کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں (۱) اگر یہ لاکھ کی مہر ہے تو مہر کو لاکھ پر لگانے سے پہلے پانی سے گیلا کر لیتے ہیں تاکہ مہر لاکھ میں چپک کر نہ رہ جائے ممکن ہے کہ محبوب نے لب و زباں سے لعابِ دہن لگایا ہو اور مہر پر مِسی کا رنگ آ گیا ہو۔ (۲) اس نے روشنائی کی مہر لگائی ہو۔ یہ ممکن ہے کہ روشنائی کی گدّی پوری طرح تر نہ ہو اس لیے احتیاطاً اس نے پہلے مہر کو لعابِ دہن سے تر کیا ہو اور اس کے بعد روشنائی کی گدّی پر لگایا ہو۔ غرضیکہ مہر کسی طرح سے لگائی گئی ہو لب و زباں کے استعمال کی گنجائش ہے جس کی وجہ سے مہر پر مِسی کا رنگ یا داغ آسکتا ہے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ یہی کہ لفافے کے اندر جو کچھ پیغام قلم بند ہے وہ یقیناً آرزوئے بوسہ پیدا کرے گا۔ چونکہ بوسہ ملے گا نہیں اس لیے محض داغِ آرزوئے بوسہ

حصّے میں آئے گا

"ظاہر کیا "مخفف ہے" اس سے ظاہر کیا ہے ؟" کا۔

لڑا دے گروہِ بزمِ مے کشی میں قہر و شفقت کو

بھرے پیمانہ صد زندگانی، ایک جام اس کا

پیمانہ بھرنا: مرنا۔ اگر وہ محفلِ شراب میں قہر اور مہربانی کا معرکہ دکھائے تو اس کا ایک جام سو عشاق کی زندگی کا پیمانہ بھر سکتا ہے۔ لفظی معنی میں پیمانہ شراب سے بھرنا شفقت ہے۔ محاورے کے اعتبار سے زندگی کا پیمانہ بھرنا قہر ہے۔ گویا ایک کارروائی میں دونوں عمل پائے جاتے ہیں۔ اور یہ واقعی ممکن ہے۔ وہ محفل میں اگر محض ایک عاشق کو ایک جام دے تو اس پر شفقت ہوگا اور بقیہ محرومین پر قہر، جو قلق کی وجہ سے جاں بحق تسلیم ہو جائیں گے

بہ اُمیدِ نگاہِ خاص ہوں محمل کشِ حسرت

مبادا ہو عناں گیرِ تغافل لطفِ عام اس کا

محمل کش ہونا: کسی عمل میں مشغول ہونا، کسی کام کو آگے بڑھانا۔ عناں گیر: چلنے سے باز رکھنا۔ اُردو کے شاعر اور عاشق کا مزاج ساری دُنیا سے الگ اور اُلٹا ہوتا ہے۔ وہ حسرت کو پسند کرتا ہے اس لئے محبوب کے تغافل کو اس کے لطف پر ترجیح دیتا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنی عام مروّت کی عادت کے تحت مجھ سے تغافل کرنے سے باز رہے۔ یہ بُرا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ پر نگاہِ خاص کرکے مجھے اپنی مہربانی سے معاف رکھے اور تغافل برتے تاکہ میرے لئے حسرت کا اہتمام ہو سکے۔ لطفِ عام سے محروم رہنے میں ایک خصوصیت ہے۔

اس شعر کے معنی سرخوش، آسی اور وجاہت علی سندیلوی تینوں نے درج کئے ہیں۔ اور افسوس کہ تینوں میں سے کوئی اسے نہ سمجھ سکا۔ تینوں نے لکھ دیا ہے کہ شاعر کو یہ حسرت ہے کہ محبوب اس کے ساتھ تغافل نہ کرے۔ عناں گیر کے معنی باز رکھنے والا کی بجائے مُمد سمجھے۔

اسدؔ سودائے سرسبزی سے ہے تسلیم رنگیں تر
کہ کشتِ خشک اس کا، ابرِ بے پروا خرام اس کا

ظاہراً کھیتی کو سرسبز و شاداب کہا جائے تو بڑا دل خوش کن اور رنگیں ہوگا۔ لیکن شاعر کا خیال ہے کہ اس خبط سے مرضیٔ خدا کو تسلیم کرنا زیادہ رنگین ہے۔ اگر بادل کھیت کے اوپر سے بے پروائی سے گزر جاتا ہے اور بارش نہیں کرتا جس سے کھیتی خشک رہ جاتی ہے تو ہمیں کیا؟ سوکھی کھیتی بھی اللہ کی ہے، ابرِ بے پروا بھی اسی کا۔ پھر کیوں جدّوجہد کی جائے، کیوں نہ اس کی مرضی کے آگے سر جھکا کر رہ جائیں

اس شعر کے مفہوم میں بھی آسیؔ سے سہو ہوا ہے۔ وہ دوسرے مصرعے کے "اس کا" کو "سودائے سرسبزی" اور "تسلیم" کی طرف راجع کرتے ہیں حالاں کہ یہ صاف ہے کہ دونوں جگہ "اس کا" سے مُراد خالق ہے۔

(۴۰)

یادِ روزے کہ نفس سلسلۂ یا رب تھا
نالۂ دل، بہ کمرِ دامنِ قطعِ شب تھا

محاورہ ہے دامن بر کمر ہونا یعنی سفر یا کسی اور کام کے لئے مُستعد ہونا۔ غالبؔ نے محاورے کی ترتیب اُلٹ کر "بہ کمرِ دامن" کر دیا۔ یارب یارب! کی آواز لگانا نالہ و فریاد سے عبارت ہے۔ مجھے اُن دِنوں کی یاد آتی ہے جب سانس نالہ و فریاد کا سلسلہ تھا۔ جب دِل کا نالہ رات کاٹنے کے لئے کمربستہ رہتا تھا یعنی رات نالہ کرکے گزاری جاتی تھی۔

دامنِ شب کنایہ ہے آخرِ شب سے۔ شب کے پاس کمر اور دامن کے الفاظ رکھنا نیم شبی یا آخرِ شب کے وقت کی طرف بھی توجّہ دِلاتا ہے۔

بہ تحیّر کدۂ فرصتِ آرائشِ وصل
دلِ شب، آئنہ دارِ تپشِ کوکب تھا

(۱) محبوب کو وصل کے لئے تیار ہونا ہے۔ اس سے پہلے فرصتِ آرائش ہوتی ہے۔ فرصت کے معنی یہاں صرف زماں کے ہیں۔ وصل سے قبل محبوب نے دیر تک آرائش کی۔

اس کی آرائش کو دیکھ کر ہر شخص متحیّر رہ گیا۔ گویا محبوب کے گرد کی فضا تحیّر کدہ بن گئی اس کی آرائش پر شب بھی عاشق ہو گئی۔ شب کا دل اس طرح تڑپنے لگا جیسے تارے تڑپتے ہیں۔ تاروں کی تڑپ کے دو ثبوت ہیں (۱) بعض اوقات ان کا جھلملانا (۲) ان میں آگ کا ہونا جو سوزش اور تپش کا منبع ہے۔

(۲) ضروری نہیں کہ آرائشِ وصل سے مراد محبوب کی آرائش برائے وصل ہی ہو۔ حجرۂ عروسی کی آرائش یا محض اہتمامِ وصل کو بھی آرائشِ وصل کہہ سکتے ہیں۔ چوں کہ وصل سے قبل عاشق کا دل بہت بے قرار رہتا ہے اس لئے اُسے رات اور رات کا دل بھی بے قرار دکھائی دیتا ہے۔ وصل کی بزم آرائی چونکہ سب کو متحیّر کر دیتی تھی اس لئے اسے تحیّر کدہ کہہ سکتے ہیں۔

بر تمنّا کدۂ حسرتِ ذوقِ دیدار؛
دیدہ گو خوں ہو، تماشائے چمن مطلب تھا

آنکھ کو باغ کا دیدار کرنے کا ذوق اور حسرت تھی۔ اس حسرت کی شدّت تمنّا کا گھر بن گئی۔ آنکھ کو باغ کے نظارے سے مطلب تھا، خواہ مسلسل دیکھتے رہنے یا انتظار میں تکتے رہنے سے آنکھ خون آلود ہو جائے۔ یہ کم و بیش یقینی ہے کہ باغ سے مراد چہرۂ دوست ہے۔ چہرے کا دیدار تماشائے چمن سے کم نہیں

جوہرِ فکر، پر افشانیِ نیرنگِ خیال
حسن آئینہ و آئینۂ چمن مشرب تھا

پر افشانی: پر جھاڑنا یعنے ترکِ علائق کرنا۔ اس شعر کو معرفت میں لے سکتے ہیں۔ دُنیا میں انسان کا خیال طرح طرح کے نیرنگ دکھاتا ہے۔ اگر خیالِ نیرنگی کا شیوہ ترک کر کے حقیقتِ اشیا کی طرف مرکوز ہو جائے تو یہ فکر کا عطر یا جوہر یا نچوڑ کہلائے گا۔ چونکہ وسوسے اور توہمات دُور ہو جائیں گے اس لئے حُسن حقیقی آئینے کی طرح صاف ہو کر دکھائی دینے لگے گا۔ دُنیا کے نیرنگ میں کوئی رنگینی یا دل کشی نہیں۔ تزکیۂ خیال کے بعد جو آئینہ حسن دکھائی دے گا وہ چمن کی طرح رنگین ہوگا۔ یعنی موجودات کی نیرنگیوں سے رہائی حاصل کر لو تو حسن کا صاف اور رنگین جلوہ دکھائی دے سکتا ہے

پردۂ دردِ دل، آئینۂ صد رنگِ نشاط
بخیۂ زخمِ جگر، خندۂ زیرِ لب تھا

میرے نزدیک مصرعوں کے دوسرے جزو مبتدا ہیں۔ اور پہلے جزو خبر یعنی ان کی نثر یوں ہوگی۔ صد رنگ نشاط والا آئینہ ہمارے دردِ دل کے لئے پردے کا کام دیتا ہے۔ ہمارا خندۂ زیرِ لب بخیۂ زخمِ جگر بن جاتا ہے۔ صد رنگ نشاط: گوناگوں خوشیاں۔ نشاط و طرب میں آئینہ بندی کی جاتی ہے۔ یہ ہمارے دردِ دل پر پردہ ڈالنے کا کام کرتی ہے۔ لوگوں کو کیا معلوم کہ اس ظاہر اشادمانی کے پیچھے ہمارا دل مغموم ہے۔ ہم زیرِ لب مسکراتے ہیں یا اس سے بڑھ کر دبی دبی سی ہنسی ہنستے ہیں۔ اور یہ ہمارے زخمِ جگر کے شگاف کو مندمل کرکے دکھاتا ہے۔ گویا ہمارا زخمِ جگر سی دیا گیا ہو۔ یعنی ہمارے ہشاش بشاش ظاہر کے پیچھے دردِ دل چھپا ہوا ہے۔

سرخوش اور آسی نے مصرعوں کے پہلے جزو کو مبتدا اور دوسرے کو خبر مانا ہے اور شعر کے یہ معنی نکالے ہیں کہ دردِ دل ہمیں سو طرح کی خوشیاں فراہم کرتا ہے۔ زخمِ جگر کے بخیہ سے ہمیں اتنی راحت ملتی ہے کہ ہم زیرِ لب مسکرانے لگتے ہیں۔ میری رائے میں یہ تشریح صحیح نہیں۔ اس میں پردہ کا لفظ اپنی معنویت کھو بیٹھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دردِ دل کے مقابل دوسرے مصرع میں محض "زخمِ جگر" ہونا چاہیئے تھا۔ بخیۂ "زخمِ جگر" سے بیماری کی حالت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ بیماری کی شفایابی کی۔

بخیۂ زخم اور خندۂ زیرِ لب میں مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ زیرِ لب ہنسی میں کہیں کہیں سفید دانت جھلکتے ہیں جو بخیہ کے ٹانکوں سے مشابہ ہوتے ہیں۔

نالہ ہا حاصلِ اندیشہ کہ جوں کشتِ سپند
دلِ ناسوختہ، آتش کدۂ صد تب تھا

تب: تپش اور سوزش۔ سپند کے دانے کو رفعِ نظرِ بد کے لئے آگ پر ڈالتے ہیں تو وہ چیخ کر آواز کرتا ہے جو اس کا نالہ ہے۔ کسی کھیت میں سپند کی کھیتی لگی ہے تو گو وہ اس وقت ناسوختہ ہے لیکن اس کا انجام تو وہی تڑپنا اور چیخ کر نالہ کرنا ہے۔ اس لئے سپند کی کھیتی کے بطن میں تپش کا آتش کدہ پوشیدہ ہے۔ یہی حالت ہمارے

دِل کی ہے۔ وہ ابھی عشق میں جلا نہیں۔ لیکن ابتدا ہو چکی ہے۔ سفرِ عشق میں طرح طرح
کے اندیشے دِل میں راہ پا رہے ہیں۔ ان اندیشوں کا انجام وہی نالہ و زاری ہے۔ ابھی
دِل ناسوختہ ہے تو کیا ہوا۔ آخرش سپند کی طرح جلے گا اور نالے کرے گا۔

عشق میں ہم نے ہی ابرام سے پرہیز کیا
ورنہ جو چاہیئے، اسبابِ تمنّا سب تھا

اِبرام: کبیدگی، ضِد۔ ہم نے بردا شتہ خاطر ہونے کی وجہ سے تمنّاؤں کے پُورا
کرنے سے پرہیز کیا ورنہ ان کی تکمیل کا سب ساز و سامان موجود تھا۔

آخرِ کار گرفتارِ سرِ زُلف ہُوا
دل دیوانہ کہ وارستۂ ہر مذہب تھا

میرا دِل دیوانہ مذاہب کی قید سے آزاد تھا لیکن یہ آزادی تا بکَے؟ آخر کار کسی
حسین کی زلف میں گرفتار ہو گیا۔

شوق سامان فضولی ہے، دگرنہ غالبؔ!
ہم میں سرمایۂ ایجادِ تمنّا کب تھا

فضولی: فضول اور لا یعنی کام کرنے والا۔ سامان فضولی: فضول سامان اکٹھّا
کرنے والا شوق طرح طرح کے بے مصرف سامانوں کے حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے
گوناگوں خواہشیں کرتا ہے ورنہ ہم میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ طرح طرح کی خواہشات کریں
شوق یعنے عشق نے ہمارے دِل میں تمنّائیں پیدا کر دیں۔

(۴۱)

رات دل گرمِ خیالِ جلوۂ جانانہ تھا
رنگِ روئے شمع، برقِ خرمنِ پروانہ تھا

یہ پہلو دار شعر ہے اور اس کے دو معنی ہیں ——

(۱) رات میں محبوب کے جلوے کا تصوّر کر رہا تھا۔ خیالِ جلوہ کو رنگِ روئے شمع کہا
اور خود کو پروانہ۔ اس کا رنگِ رُخ یعنی خیالِ جلوہ میرے خرمن پر برق کا کام کر رہا تھا۔
یعنی مجھے جلائے دیتا تھا۔

(۲) میں نے محبوب کے جلوے کا خیال کیا۔ اس کی وجہ سے شمع کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ پروانے نے جب دیکھا کہ اس کے محبوب کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا ہے۔ یعنی وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے تو اس کے خرمن پر برق گر پڑی۔

سرخوش اور آسی نے لکھا ہے کہ "میرے خیال کی گرمی سے رُوئے شمع کے رنگ میں بھی وہ تیزی اور روشنی آگئی کہ اس نے پروانے کے لئے برق کا کام کیا۔" میری رائے ہے کہ رنگ کی ترقی نے نہیں بلکہ زوال نے خرمنِ پروانہ کے لئے برق کا کام کیا۔ پروانہ شمع پر یُوں بھی جلتا ہی ہے۔ نازک خیالی یہ ہے کہ دُور ہی سے شمع کے رنگِ پریدہ نے اسے جلا دیا۔

شب کہ تھی کیفیتِ محفل بہ یادِ رُوئے یار
ہر نظر میں داغِ مے، خالِ لبِ پیمانہ تھا

خالِ لب حسین ہوتا ہے۔ وجاہت علی سندیلوی نے قیاس کیا ہے کہ "خالِ لبِ پیمانہ سے مُراد خالِ لبِ معشوق بھی ہو سکتا ہے۔" مجھے اس سے اتفاق ہے۔ پیالے کے کناروں کا خال کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں۔ لبِ پیمانہ سے مُراد وہ لب جو پیمانہ ہے یعنی وہ ہونٹ جو پیمانے کی طرح ہیں۔ داغِ مے: شراب کا وہ داغ جو لباس یا فرش پر لگ گیا ہو۔ کپڑے پر دھبہ حسین چیز نہیں ہوتا لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ رات محفل میں یار کے چہرے کا تذکرہ کیا جارہا تھا۔ اس کی یاد میں محفل میں کیفیت پیدا ہو گئی تھی چنانچہ ہر شخص کو شراب کا داغ یار کے ہونٹوں کے خال کی طرح حسین معلوم ہوتا تھا۔ جس طرح ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا دکھائی دیتا ہے اسی طرح رُوئے یار کی یاد میں گم شُدہ لوگوں کو ہر بُری بھلی چیز روئے یار کے خدّ و خال کی تمثال معلوم ہوتی تھی۔

شب کہ باندھا خواب میں آنے کا، قاتل نے جناح
وہ فسونِ وعدہ میرے واسطے افسانہ تھا

جناح: پرندے کے پنکھ۔ آنے کا جناح: آنے کا ارادہ جیسے جناحِ سفر تہیۂ سفر وغیرہ ہیں۔ افسانہ ہونا: کسی چیز کا بے حقیقت اور غیر واقعی ہونا۔

رات محبوب نے میرے خواب میں آنے کا ارادہ کیا۔ شاید مجھے کہلا دیا تھا یا جذبِ دل

کے ذریعہ مجھے پیغام دے دیا تھا۔ بہر حال وعدہ کر لیا تھا کہ آج رات کم از کم خواب میں ضرور درشن دوں گا۔ میرے لئے یہ وعدہ محض افسانہ بن کر رہ گیا۔ افسوں یا منتر میں بڑی طاقت ہوتی ہے لیکن افسانہ ہیچ ہوتا ہے۔ محبوب خواب میں نہیں آیا۔

سونے سے پہلے کسی کو کہانی سنائی جائے تو اس کے دو متضاد اثر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات نیند اُڑ جاتی ہے اور دوسری صورت میں خواب آور گولیوں کی طرح غنودگی آجاتی ہے۔ جیسے بادشاہوں کو داستاں گولیوں کی قصہ خوانی سے ہوتا تھا۔ یہاں افسانہ کے ان معنوں کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے۔

رات محبوب نے میرے خواب میں آنے کا ارادہ کیا۔ اس کا وعدہ ایسا منتر تھا کہ اس نے افسانہ بن کر مجھ پر نیند طاری کر دی تاکہ میں خواب دیکھ سکوں اور وہاں اس سے ملاقات ہو سکے۔

دود کو آج اس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی

وہ دلِ سوزاں کہ کل تک شمعِ ماتم خانہ تھا

چونکہ دل جل رہا ہے اس لئے اسے شمع سے تشبیہ دی۔ ماتم خانے میں بھی شمع جلائی جاتی ہے میرا دل کل تک ماتم خانے کی شمع تھا یعنی رونق تھا۔ آج یہ دل مر گیا اور اب شمعِ ماتم خانہ کا دھواں میرے دل کے ماتم میں سیہ پوش ہے۔ دھوئیں کی سیاہی کو حسنِ تعلیل کے طور پر ماتم کی نشانی کہا ہے۔

ساتھ جنبش کے بہ یک برخاستن طے ہو گیا

تو کہے صحرا غبارِ دامنِ دیوانہ تھا

جتنا بڑا مجنوں ہوگا اتنی ہی سرگرمی سے صحرا میں بھاگ دوڑ کرے گا اور اسے اتنا ہی بڑا صحرا درکار ہوگا۔ کہتے ہیں دیوانہ بیٹھے سے ذرا اُٹھا اور اس کی اتنی سی جنبش میں پورا صحرا طے ہو گیا۔ جیسے کہ یہ اسی کے دامن کا غبار تھا اُٹھا اور ایک جنبش سے اسے دامن سے گرا دیا۔ یعنی اس دیوانے کو وسیع تر صحرا چاہیئے

دیکھ اس کے ساعدِ سیمین و دستِ پُر نگار

شاخِ گل جلتی تھی مثلِ شمعِ گل پروانہ تھا

ساعدِ سیمین: چاندی کی سی یعنی گوری کلائی۔ دستِ پُر نگار: مہندی لگا ہوا ہاتھ۔ نگار مہندی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ گوری کلائی کی مشابہت شاخِ گل سے ہے اور محبوب کی رنگین ہتھیلی کی پھول سے۔ دوسری طرف شاخِ گل کی مشابہت شمع سے ہے اور پھول کی پروانے سے۔ پھول اور پروانے میں پھول کی پنکھڑیاں اور پروانے کے پر مشابہ ہیں۔ شاخِ گل کے جلنے کی وجہ میری رائے

میں حسد نہیں بلکہ فریفتگی ہے۔ گل تو بہر حال عشق کی وجہ سے پروانہ دار ہو رہا ہے۔ شاخ گل بھی غالباً اسی جذبے کے تحت جل رہی ہے اور جلنے کی وجہ سے شمع جیسی ہو گئی ہے۔ معنی ہوئے کہ اس کی گوری کلائیاں اور رنگین ہتھلیاں دیکھ کر شاخِ گل عشق میں پھنک رہی تھی اور پھول پروانے کی طرح نثار ہونا چاہتا تھا۔ یعنی اس کی کلائی اور ہاتھ شاخِ گل اور گل سے زیادہ دلربا ہیں۔ شعر میں رعایتِ لفظی کی بھرمار ہے۔ جلتی اور گل کے لفظ میں ایہام ہے۔ شمع اور پروانہ کے درمیان آکر گل کے معنی شمع کا گل معلوم ہوتے ہیں حالانکہ در اصل پھول مراد ہے۔

شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا

غالبؔ ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

غبارِ دل : دل کی آزردگی، ملال ہمیں دوستوں سے شکایتیں ہیں لیکن ہم نے اُنہیں ظاہر نہیں کیا۔ دوستوں کی طرف سے دل میں ایک ہلکا سا ملال پیدا ہوا اور بس اسی احساس میں ہم نے شکوے کو دفن کر دیا۔ غبار سے بھرا ہوا دل ویرانے سے مشابہ ہے اور دوستوں سے شکوہ ایک خزانہ ہے۔ خزانہ ویرانے میں دفن کرنے کی روایت ہے۔ ہمارے خزانے کو ایسا ہی ویرانہ مناسب تھا۔

(۴۲)

بسکہ جوشِ گریہ سے زیر و زبر ویرانہ تھا

چاکِ موجِ سیل، تا پیراہنِ دیوانہ تھا

چاکِ موجِ سیل : سیلاب کی موجوں کا چاک۔ لہروں کے بیچ بیچ میں چاک کی کیفیت ہوتی ہے۔ دیوانے کا پیرہن بھی چاک شدہ ہوگا اس لئے چاکِ موج نے چاکِ پیراہن کا میل خوب رہا ہوگا۔ شعر میں رونے کا مبالغہ ہے۔ دیوانے کے رونے کی شدت سے جنگل میں قیامت سی آگئی۔ آنسوؤں سے پیدا شدہ سیلاب کا پانی دیوانے کے پیراہن تک آگیا یعنی کم از کم گھٹنوں گھٹنوں پانی ہوگیا۔

داغِ مہرِ ضبطِ بے جا، مستیِ سعیِ سپند

دودِ مجمر، لالہ ساں، دردِ تہِ پیمانہ تھا

پہلے مصرع کی نثر ہوگی، مستیِ سعیِ سپند مہرِ ضبطِ بے جا کی وجہ سے داغ ہے۔ یعنی ملول ہے سپند کے دانے کو عاشق قرار دیا ہے۔ عاشق جذبۂ عشق میں مست رہتا ہے۔ کیونکہ اسے وصلِ محبوب کی امید رہتی ہے لیکن آخر شش نا امید ہو کر جذبات کا گلا گھونٹ کر ہاتھ

پاؤں توڑ کر خاموش بیٹھ جانا پڑتا ہے جیسے اس کے مُنہ پر مُہر لگا دی گئی ہو۔ ضبطِ بے جا کی یہ مُہر اس کی مستیِ عمل کو مضمحل کر کے رکھ دیتی ہے۔ جو سپند کے بھی کیا کیا حوصلے تھے لیکن ان سب کو دفن کر کے اسے ضبط کی آگ میں جلنا پڑا۔ انگیٹھی میں پڑ کر وہ ختم ہو گیا۔ انگیٹھی سے جو دھواں نکلا وہ پیمانۂ شراب کی تہہ کی تلچھٹ کی طرح تھا۔ شراب کے پیمانے سے پہلے تو مستی دینے والی لذیذ شراب ملتی ہے لیکن آخر میں بدذائقہ درد چکھنی پڑتی ہے۔ سپند اور عاشق کی زندگی عمل کی مستی سے بھرپور ہے لیکن انجام ہے ضبط اور انگیٹھی میں سوخت ہونے پر۔ اس کی ایک اور تشبیہ لالہ سے دی جا سکتی ہے اس پھول کے پیالے میں اوپر تو سُرخ رنگ ہوتا ہے جو شراب سے مشابہ ہے۔ تلی میں جا کر کالا داغ ہوتا ہے جیسے درد۔ سمجھیے استعارے دور کئے جائیں تو شعر کے معنی صرف یہ ہیں کہ عاشق کے حوصلے ضبطِ بے جا کی وجہ سے ماند پڑ جاتے ہیں اور وہ بے چارہ ملول و آزردہ ہو کر دل ہی دل میں سُلگ کر ختم ہو جاتا ہے۔ شعر میں سپند علامت ہے عاشق کی۔

وصل میں بختِ سیہ نے سنبلستاں گل کیا
رنگِ شب تہہ بندیِ دودِ چراغ خانہ تھا

گل کیا : ظاہر کیا۔ تہہ بندی : کسی کپڑے یا لکڑی یا دیوار کو رنگنے سے پہلے رنگ ریز کوئی رنگ دیتے ہیں تاکہ بعد میں اصل رنگ کم خرچ ہو اور زیادہ چوکھا آئے۔ اس استر کو تہہ بندی کہتے ہیں۔ سنبل سیاہ رنگ کی گھاس ہوتی ہے۔ چراغ کا دھواں سنبل سے مشابہ ہوتا ہے۔ سنبلستاں اس باغ کو کہیں گے جہاں ہر طرف سنبل ہی سنبل لگا ہو۔ شاعر کی نظر میں سنبلستان نحوست کدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شبِ وصل خوشی کا محل ہونی چاہیئے لیکن میری بدبختی نے اسے ظلمت کدہ بنا دیا۔ رات کا سیہ رنگ چراغ کے دھوئیں کا استر ثابت ہوا۔ دوسروں کے لئے وصل کے دن رات کی سیاہی کا آنا بڑا خوش گوار ہوتا ہے وہ شام سے انتظار کرتے ہیں کہ کب دن کی روشنی زائل ہو اور اندھیرا آئے۔ میرے لئے رنگِ شب دھوئیں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ دوسروں کے لئے چراغ کمرے میں روشنی کا موجب ہوتا ہے میرے لئے دھوئیں کا منبع بن کر رہ گیا۔ اس دھوئیں میں ظلمتِ شب سے اور شدت پیدا ہوئی۔ دھوئیں کی کثرت سے سنبلستاں کا سا عالم ہو گیا۔ غرض یہ ہے کہ ہماری سیہ بختی کے طفیل شبِ وصل شبِ ظلمت بن گئی۔

شب تری تاثیرِ سحرِ شعلۂ آواز سے
تارِ شمع آہنگِ مضراب پر پروانہ تھا

تارِ شمع : شمع کا دھاگا۔ آہنگ : ارادہ، مقامِ موسیقی۔ یہاں قرینے کی وجہ سے راگ کے معنی

قریب الفہم ہیں لیکن دراصل بعید معنی' ارادہ' مراد لئے گئے ہیں۔ پروانے کے پر کو مضراب سے تشبیہ دی جس کی منزلِ مقصود شمع کا تار ہے۔ تارِ شمع جل رہا ہے۔ رات تو نے جو گایا تو تیرے شعلۂ آواز کی تاثیر سے پرِ پروانہ کی مضراب نے تارِ شمع کو جھنجھنانے کا ارادہ کیا۔ بظاہر یہ عمل آواز کے ساتھ ساز کی سنگت کی کوشش ہے لیکن دراصل شعلۂ شمع پر گر کر جان دینا ہے یعنی تیرے نغمے میں اتنا اثر تھا کہ پروانے نے شدتِ جذبہ میں جان دے دی۔

موسمِ گل میں مئے گل گوں حلال مے کشاں
عقدِ وصلِ دخترِ رز' انگور کا ہر دانہ تھا

دخترِ رز: انگور کی بیٹی یعنی شراب۔ عقد: لفظی معنی گرہ مجازی معنی شادی۔ چونکہ شادی میں زوجین کے دامنوں میں گرہ لگائی جاتی ہے اس لئے شادی کو عقد کہنا بالکل صحیح ہے۔ انگور کا دانہ بھی ایک گرہ ہے۔ شاعر اسے عقدِ نکاح یا عقدِ وصل مان لیتا ہے۔ بہار کے موسم میں پھولوں کے رنگ کی شراب میکشوں کو حلال ہے کیونکہ دانۂ انگور دخترِ رز سے شادی کا عقد معلوم ہوتا ہے اور عقد کے بعد وصل حلال ہو جاتا ہے۔

انتظارِ جلوۂ کاکل میں ہر شمشادِ باغ
صورتِ مژگانِ عاشق صرفِ عرضِ شانہ تھا

شمشاد کی لکڑی سے کنگھی بنائی جاتی ہے اس لئے شانۂ شمشاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مژگانِ عاشق بھی کنگھی سے مشابہ ہوتی ہیں۔ عاشق کی پلکیں محبوب کی زلفوں کا جلوہ دیکھنے کے انتظار میں کھلی رہتی ہیں۔ باغ میں ہر شمشاد کو بھی یہی انتظار ہے کہ کاش اس کا شانہ بنا لیا جائے اور پھر وہ جلوۂ کاکل دیکھے بلکہ ان کی آرائش کرے۔ اس طرح شمشاد اور عاشق کی پلکوں میں زلفِ محبوب کا انتظار قدرِ مشترک ہوا۔

حیرت اپنی نالۂ بے درد سے غفلت بنی
راہِ خوابیدہ کو غوغائے جرس افسانہ تھا

راہِ خوابیدہ: سویا ہوا راستہ جس پر کوئی آمد و رفت نہ کرے۔ بادشاہوں کو رات کے وقت داستان گو افسانہ سناتے تھے جس سے نیند آتی تھی۔ اس شعر میں بھی افسانے کو خواب آور گولیوں کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ شعر کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (۱) نالۂ بے درد سے مراد وہ نالہ جو بے درد ہو۔ میں کسی وجہ سے حیرت کے عالم میں تھا۔ جرس کا شور ہوا جو کوچ کی نشانی ہے لیکن میں حیرت میں ایسا کھویا رہا کہ سفر کی بات ہی بھول گیا۔ میری حیرت غفلت میں بدل گئی میرے لئے

راستہ سویا ہوا تھا۔ جرس کی آواز نے اس پر افسانے کا کام کیا یعنی اس نے مزید سلائے رکھا۔ چونکہ میں نے سفر نہیں کیا اس لئے راستہ سویا ہی رہا۔ اس طرح جرس نے ایک طرف راستے پر اور دوسری طرف مجھ پر غفلت طاری کی۔ اصل میں غافل میں خود ہوں۔ نہ راستہ غافل ہے نہ جرس غفلت لانے والا ہے۔ میرا نالہ بڑا ظالم اور بے درد ہے۔ اس نالہ و فغاں کے سبب میری حیرتِ عشق غفلت میں تبدیل ہوگئی یعنی مجھ پر از خود رفتگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ گویا سوئے ہوئے راستے کے لئے آوازِ جرس نے مزید خواب آوری کا کام کیا۔ حیرت کو راستے سے اور نالہ کو آوازِ جرس سے مشابہ کیا ہے

کو بہ وقتِ قتل حقِ آشنائی اے نگاہ؟

خنجرِ زہر آب دادہ سبزۂ بیگانہ تھا

سبزۂ بے گانہ اس سبزے کو کہتے ہیں جو خود رو شکل میں بے موقع دوسروں سے بڑھ جاتا ہے اور جسے قطع کر دینا چاہیئے۔ زہر کا رنگ روایتاً سبز کہا جاتا ہے۔ زہر کے پانی میں بجھا ہوا خنجر سبز ہونا چاہیئے گویا سبزۂ بے گانہ سے مشابہ ہوا نگاہ دوست سے سوال کرتے ہیں کہ مجھے خنجرِ زہر آب سبز سے قتل کیا گیا جو سبزۂ بیگانہ کی طرح تھا۔ ہمارا تمہارا حقِ دوستی کیا ہوا جو ہمیں بیگانوں کی طرح قتل کیا گیا۔

جوش بے کیفیتی ہے اضطراب آرا اسد

ورنہ بسمل کا تڑپنا لغزشِ مستانہ تھا

بسمل کا تڑپنا رقصِ مستانہ کی طرح ہوتا ہے لیکن چونکہ بسمل کے دل میں بے کیفیتی تھی اور اس کی تڑپ اسی کا مظاہرہ تھی اس لئے اس میں مستانہ روشی نہیں اضطراب ہے۔

(۴۳)

کرے گر حیرتِ نظارہ طوفاں نکتہ گوئی کا

حبابِ چشمِ آئینہ ہووے بیضۂ طوطی کا

آئینے کو حیران باندھا جاتا ہے۔ اس کی شفافی کی وجہ سے اسے چشم سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے لیکن اس میں حباب کا ثبوت نہیں۔ آئینۂ حبابی اس آئینے کو کہتے ہیں جو مدور ہو۔ اس طرح حبابِ چشمِ آئینہ پورے آئینہ کو کہیں گے یا پھر آئینے میں کوئی داغ دھبا ہو تو اسے کہہ سکتے ہیں بیضۂ طوطی سے طوطی پیدا ہوتا ہے جو بہت شیریں سخن ہوتا ہے اس لئے بیضۂ طوطی علامت ہے مستقبل میں خوش نوائی کی۔

آئینے نے محبوب کا نظارہ کیا اور اس کے حسن پر حیرت میں کھو گیا۔ اگر وہ مشاہدۂ حسن کی

کیفیت بیان کرنے لگے تو وہ اتنی بے نہایت ہیں کہ نکتہ گوئی کا طوفان برپا ہوجائے گا۔ آئینے میں کہیں کوئی داغ ہے تو وہ بیضۂ طوطی بن جائے گا۔ یعنی محبوب کی تعریف میں رطب اللسان ہوگا۔ حباب اور بیضے میں مماثلت ہے شعر میں کئی رعایتیں ہیں طوفاں، حباب، چشم۔ دوسری طرف حیرت، آئینہ اور طوطی۔

بر روئے قیس، دستِ شرم ہے مژگانِ آہوے
گر روزِ عروسی گم ہوا تھا شانہ لیلیٰ کا

معلوم نہیں شادی کے دن لیلیٰ کی کنگھی گم ہونا روایت کا حصہ ہے یا غالب کا تخیل۔ اس تلمیح کا پتہ نہیں ملتا۔ شانہ سے آرائش کی جاتی ہے۔ لیلیٰ کی شادی قیس کے علاوہ کسی اور سے ہوئی تھی اس لئے لیلیٰ شانہ کیوں نہ گم کر دیتی۔ بہر حال شادی کے دن محبوب کا آراستہ نہ ہونا اس کے ہر بہی خواہ کے لئے باعثِ شرم ہے۔ اب یہ بھی روایت ہے کہ مجنوں کو ہرنوں کی آنکھیں پسند تھیں اور ان سے اپنا چہرہ ملا کرتا تھا۔ مژگاں اور پنجے کی مشابہت ہے۔ کہتے ہیں کہ شاید شادی کے دن لیلیٰ کا شانہ گم ہوگیا تھا کہ مجنوں شرم کے مارے اپنا منہ چھپا رہا ہے۔ ہرنوں کی پلکیں دراصل ہاتھ کے مانند ہیں۔

فسانِ تیغِ نازک، قاتلاں، سنگِ جراحت ہے
دلِ گرم تپش، قاصد ہے پیغامِ تسلی کا

فسان: وہ پتھر جس پر رگڑ کر دھار رکھتے ہیں۔ سنگِ جراحت: اس پتھر کو پیس کر اس کا سفوف زخم پر چھڑکا جائے تو خون بہنا بند ہوجاتا ہے۔ اے قاتلو تم اپنی نازک تلوار کو جس پتھر پر تیز کر رہے ہو وہ میرے ہونے والے زخم کے لئے سنگِ جراحت کا کام کر رہا ہے یعنی چونکہ اس سے تلوار اور تیز ہوگی اور میرا زخم یہ چاہتا ہے کہ وہ کشادہ تر ہو اور مندمل نہ ہو اس لئے تیزیٔ تلوار ہی میرے لئے واحد مرہم ہے۔ قتل کی توقع میں دل زوروں میں تڑپ رہا ہے اور یہ حرکت گویا قاصد کا سفر ہے جو تسلی کا پیغام لا رہا ہے۔ یعنی ان کے لئے قتل ہونا مرہمِ زخم ہے اور قتل کی امید پیغامِ تسلی۔

نہیں گرداب جز سرگشتگی ہائے طلب ہرگز
حباب بحر کے ہے آبلوں میں خار ماہی کا

سرگشتگی: حیرانی و پریشانی۔ خارِ ماہی: مچھلی کی ہڈی۔ چونکہ سمندر میں گرداب گھومتا رہتا ہے اس لئے وہ تو لغوی حیثیت سے بھی سرگشتہ ٹھہرا۔ یہ پریشانی یقیناً کسی شے طلب کی پریشانی ہے۔ کوئی شخص کسی چیز کی طلب کیلئے بہت زیادہ دوا دوش کرے تو پاؤں میں آبلے پڑجائیں گے۔

اور آبلوں میں کانٹے چبھیں گے۔ گرداب کے بلبلے آبلوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کے بیچ میں بھنور کے گھومنے سے آبلوں میں خار بھی آ موجود ہوا۔ اب ایک طرف سرگشتگی اور دوسری طرف آبلے اور کانٹوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ گرداب بھی کسی نہ کسی شے کی طلب میں گھوم پھر رہا ہے۔

نیازِ جلوہ ریزی، طاقتِ بالیں شکستن ہا
تکلف کو خیال آیا ہو گر بیمار پرسی کا

بالیں شکستن: تھوڑی سی تعظیم کیلئے سر کو بالیں سے قدرے ہٹانا۔ اگر محبوب نے ازراہِ تکلف بیمار کی مزاج پرسی کے لئے آنے کا ارادہ کیا ہوگا تو بیمار کے پاس جو تھوڑی بہت طاقت بھی ہے وہ محبوب کی جلوہ ریزی کی نذر کر کے سر کو تکئے سے اٹھائے گا۔ بیمار کی حالت دیکھتے ہوئے اتنی تعظیم بھی بہت ہے۔

نہ بخشی فرصتِ یک شبنمستاں جلوۂ خور نے
تصور نے کیا ساماں ہزار آئینہ بندی کا

شبنمستاں: ہر طرف شبنم کے قطروں کا پڑا ہونا۔ یہاں لفظ آرائی محذوف ہے۔ شاعر کہنا چاہتا ہے فرصتِ یک شبنمستاں آرائی۔ اگلے زمانوں میں کسی شہر میں کوئی بادشاہ یا بڑا آدمی آتا تھا تو شہر کی آئینہ بندی کی جاتی تھی۔ ہم نے سوچا کہ سورج کا جلوہ ظاہر ہو تو اس کا استقبال شبنمستاں آرائی سے کیا جائے۔ ہم تصور میں سوچتے رہے کہ بزم کی اس طرح آئینہ بندی کریں گے۔ آخر میں فیصلہ کیا کہ ہر طرف قطراتِ شبنم کے آئینے نصب کر دئے جائیں تو یہ سب سے خوبصورت آئینہ بندی ہوگی جس میں خورشید کا جلوہ دوبالا ہو جائے گا۔ جلوۂ خورشید ظاہر ہوا اور ایک دم میں ہمارا خیالی (اور اصلی) شبنمستاں غائب ہو گیا۔ ایک شبنمستاں آرائی کی مہلت نہ ملی۔ ایک اور جگہ کہا ہے۔

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہوتے تک

شعرا یہ مضمون اکثر باندھتے ہیں کہ ہم محبوب سے یہ کہنے کا ارادہ کر رہے تھے لیکن جب اس سے ملاقات ہوئی تو کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ شاعر نے اس مضمون کو ترقی دی ہے کہ ہم سوچ رہے تھے کہ محبوب کی آمد پر بزم کی فلاں فلاں آرائش کریں گے لیکن اس کی آمد نے اتنا مبہوت کیا کہ کچھ بھی نہ کر سکے۔

اسدؔ تاثیرِ صافی ہائے حیرت جلوہ پرور ہو
گر آبِ چشمِ آئینہ از گردے عکسِ زنگی کا

صافی : صاف کرنے والا ، صاف کرنے یا چھاننے کا کپڑا۔ حیرت آئینے کی بھی خصوصیت ہے اور سلوک کی ایک منزل بھی ہے۔ زنگی لغوی معنی حبشی ہے جو کالا ہوتا ہے کنایہ شیطان سے ہے آئینہ سے مُراد دل ہے۔ اسے اگر دل کی صفائی شیطانی وسوسوں کے عکس کو دھو دے تو حیرت کی صاف کرنے والی قوت ثابت ہو جائے گی۔ یعنی انسان اگر اپنے دل سے فاسد خیالات کی گندگی دور کر دے تو جلوۂ خداوندی دکھائی دینے لگے جسے دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہو جائے گا اور جس سے اس کا مکمل تزکیۂ نفس ہو جائے گا۔

(۴۴)

یک گام بے خودی سے لوٹیں بہارِ صحرا

آغوشِ نقشِ پا میں کیجے فشارِ صحرا

فشار : بھینچنا ، نچوڑنا۔ آغوش میں فشار کرنا : کسی حسینہ کو آغوش میں لے کر دبانا بھینچنا اور اس طرح اس کی بہار لوٹنا۔ جنوں کا تقاضا ہے کہ جولانی کے لئے صحرا بڑے سے بڑا ہو۔ جنوں کی عظمت اس میں ہے کہ بڑے سے بڑا صحرا اس کے لئے چھوٹا پڑ جائے وہ اسے ایک دو جست میں طے کر دے۔ چاہتے ہیں کہ ہم خود فراموشی کے ایک قدم میں پورے صحرا کی بہار تسخیر کر لیں۔ ایک نقشِ پا کے اندر پورے صحرا کو سما کر بھینچ دیں یعنی پورے صحرا کی وسعت ایک قدم یا نقشِ قدم کے برابر ہو کر رہ جائے۔ بے خودی کے عالم میں سب کچھ ممکن ہے۔

وحشت اگر رسا ہے ، بے حاصلی ادا ہے

پیمانہ ہوا ہے ، مشتِ غبارِ صحرا

رسا : پہنچی ہوئی یعنی پختہ۔ بے حاصلی ادا : یہ ایک مرکب ہے جس کے معنی ہوئے بے حاصلی کا انداز لئے ہوئے۔ وحشت اگر پختہ و بالیدہ ہے تو ہر قسم کے حاصل یعنی ساز و سامان اور مقصود کے خلاف ہوتی ہے۔ صحرا میں جا کر بھی وحشت یہ چاہتی ہے کہ کچھ حاصل نہ کرے۔ اس کے سامنے صحرا محض ایک مشتِ غبار ہوگا اور یہ مشتِ غبار پیمانۂ ہوا میں بھر دی جائے گی جس طرح بعض سفوف شیشی میں بھر کر محفوظ کئے جاتے ہیں اسی طرح مشتِ غبارِ صحرا کے لئے ایک بوتل تجویز کی گئی۔ یہ بوتل ہوا کی ہے۔ ہوا کے ظرف میں غبار بھر دیا جائے گا۔ غبار کا پیمانۂ ہوا بنا دینا اسی وقت ممکن ہے جب غبار ہوا کے پیمانے میں بھر دیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر وحشت زوردار

ہے تو پورے صحرا کو ہوا میں اُڑا کر رکھ دے گی۔

اے آبلے کرم کر، یاں رنجۂ یک قدم کر

اے نورِ چشمِ وحشت، اے یادگارِ صحرا

عاشق کو آبلہ پائی پسند ہوتی ہے۔ آبلے سے کہتا ہے کہ اے وحشت کی آنکھ کے نور! اے صحرا میں جولانی کی یادگار کچھ دیر تشریف رکھ، باقی رہ تیرا کرم ہو گا۔ نورِ چشم: بیٹا۔

دل در رکابِ صحرا، خانہ خرابِ صحرا

موجِ سرابِ صحرا، عرضِ خمارِ صحرا

در رکاب ہونا: کسی سوار کے ساتھ پیادہ پا ہمراہ چلنا۔ دل صحرا کے ہمراہ ہے۔ یہ صحرا کے لئے خانہ خراب ہے یعنی صحرا کے اشتیاق میں گھر بار برباد کئے ہوئے ہے۔ صحرا ایک سراب ہے اور دل اس کی لہر ہے۔ یہ صحرا کے خمار کا اظہار ہے۔ دوسرے مصرع کے فقرے محض بھرتی کے ہیں۔ ان کو کچھ بھی معنی پہنائے جا سکتے ہیں۔ سراب صحرا ہی میں ہوتا ہے۔ صحرا کو اس لئے سراب کہہ سکتے ہیں کہ وہاں جا کر کچھ حاصل تو ہوتا نہیں جنوں وہاں لے جاتا ہے لیکن وہاں بھی ناکامی ہے۔ دل اس سراب کی موج ہے یعنی صحرا میں جا کر فریب میں مبتلا ہوتا ہے۔ خمار نشے کا زوال ہے اس لئے ناپسندیدہ ہے۔ دل کو صحرا کا خمار ہی ہاتھ آتا ہے۔ اگر بہارِ صحرا کا سرور ہے تو ویرانی اس کا خمار ہو گی اور دل اس خمار کا آئینہ دار ہے

ہر ذرہ یک دلِ پاک، آئینہ خانہ ہے خاک

تمثالِ شوقِ بے باک، صد جا دو چارِ صحرا

اگر آئینۂ دل میں محبوب کی تصویر ہو تو دل پاک کہلائے گا۔ اہلِ نظر کو خاک کا ہر ذرہ ایک پاکیزہ دل کی طرح ہے۔ چونکہ ان ذروں کے دل میں کسی کی تصویر سجی ہے اس لئے خاک آئینہ خانہ ہو گئی ہے۔ ذروں کے آئینوں میں شوقِ بے باک کی تصویریں ہیں۔ صحرا کو اپنے دامن میں یہ تصویریں جا بجا دوچار ہوتی ہیں یعنی صحرا میں جگہ جگہ شوقِ عشق کی تصویریں ہیں۔ ذروں کو شوق کی تصویر اس لئے کہا ہے کہ عاشقِ صادق شدتِ شوق میں صحرا میں خاک چھانتا ہے۔ ذراتِ خاک اس کے شوق کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ اس سے قطع نظر عارفوں کے لئے خاک کا ہر ذرہ بلکہ موجودات کا ہر ذرہ حسن و عشق کا مظہر ہوتا ہے۔

دیوانگی اسد کی حسرت کشِ طرب ہے

در سر ہوائے گلشن، در دل غبارِ صحرا

حسرت کی دیوانگی طرب کی حسرت رکھتی ہے۔ اس کے سر میں گلشن کی ہوا بھری ہے اور دل میں

صحرا کا غبار۔ ہوا کا تعلق گلشن سے اور غبار کا صحرا سے ہے لیکن ان دونوں لفظوں کے دوسرے معنی بھی ہیں۔ ہوا بمعنی خواہش۔ غبار بمعنی ملال یا احساسِ محرومی اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ اس کے سر میں باغ کی خواہش ہے اور دل میں صحرا کی طرف سے ملالی ہے۔ صحرا کی طرف سے رنجش یا تو اس لئے ہو سکتی ہے کہ صحرا نے اسے آسودگی عطا نہیں کی یا پھر اس لئے ہو سکتی ہے کہ اسے صحرا میں جانا نہ مِلا۔ اس صورت میں صحرا اور گلشن ایک زمرے میں آجائیں گے۔ اگر وہ ان دونوں مقامات کی سیر کر سکتا تو یہ باعثِ طرب ہوتا۔ وہاں تک رسائی نہ ہونا باعثِ حسرت ہے۔ ہوا اور غبار کے الفاظ بڑے برجستہ ہیں۔ محاورے کے مطابق سر میں ہوا سماتی ہے اور دل میں غبار۔

(۴۵)

وحشی بن صیاد نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا

رشتۂ چاکِ جیبِ دریدہ صرفِ قماشِ دام کیا

قماش: سامان ارلیشمی کپڑا۔ ہم رم خوردہ وحشی تھے۔ صیاد کے ہاتھ نہ آتے تھے اس نے ہمیں رام کرنے کی یہ ترکیب نکالی کہ خود ہماری طرح وحشی بن گیا۔ اپنا گریبان چاک کر لیا۔ ہم نے جب یہ دیکھا کہ یہ ہمارا ہم مشرب ہے تو ہم اس کے ہو گئے۔ گویا اس نے اپنے چاکِ گریباں کے تار تار دھاگوں سے جال کا کپڑا بُنا۔

عکسِ رخِ افروختہ تھا تصویر بہ پشتِ آئینہ

شوخ نے وقتِ حسن طرازی تمکیں سے آرام کیا

رُخِ افروختہ: رخِ روشن۔ حسن طرازی: آرائش۔ تمکیں: قرار پکڑنا، شوکت و دبدبہ۔ تصویر بہ پشتِ آئینہ میں آئینہ سے مراد شیشہ ہے۔ تصویر کے آگے شیشے کو فریم کر دیا جائے تو یہ تصویر بہ پشتِ آئینہ ہوئی۔ محبوب آئینے کے سامنے آرائشِ حسن کر رہا ہے۔ اس شغل کے درمیان وہ ٹھہر گیا اور شان کے ساتھ آرام کرنے لگا۔ چہرہ روشن تھا۔ آئینے میں اس کا عکس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شیشے کے فریم میں تصویر جڑی ہو۔ چونکہ اس وقت محبوب استقلال کی حالت میں ہے اس لئے عکس تصویر کی طرح قائم تھا۔

ساقی نے از بہرِ گریباں چاکیِ موجِ بادۂ ناب

تارِ نگاہِ سوزنِ مینا رشتۂ خطِ جام کیا

غالب موجوں کو گریباں چاک باندھتے ہیں کیونکہ وہ چِرتی اور پھٹتی رہتی ہیں۔ سوئی کے ناکے کو آنکھ کہا جاتا ہے۔ اس میں جو دھاگا پروتے ہیں اسے تارِ نگاہ کہہ سکتے ہیں۔ بوتل چونکہ لمبی ہوتی

ہوتی ہے۔ اسے سوئی سے تشبیہ دی ہے۔ جام جم کے اندر کچھ خطوط بنے ہوئے تھے اب ہر جام میں خط فرض کر لیے گئے ہیں۔ خط جام کو رشتے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ ساقی نے شراب کی موج کو گریباں چاک دیکھا تو اسے سینے کے لیے سوئی دھاگے کا انتظام کیا۔ سوئی شراب کی بوتل تھی۔ دھاگا خطِ جام تھا۔ فرض کیجیے شراب کا حوض بھرا ہے جس میں موجیں رواں ہیں۔ اس میں ڈبو ڈبو کر پیالے سے شراب نکالی اور مینا بھرنا شروع کیا۔ اس طرح خطِ جام کا دھاگا مینا کی سوئی کے ناکے میں پرو دیا گیا۔ حوض میں جام ڈال ڈال کر شراب نکالی جائے گی تو موجیں بھی ختم ہو جائیں گی اور ان کا چاکِ گریباں بھی غائب ہو جائے گا۔

مُہر بجائے نامہ لگائی بر لبِ پیکِ نامہ رساں
قاتلِ تمکیں سنج نے یوں خاموشی کا پیغام کیا

تمکیں سنج: دبدبہ والا۔ قاصد میرا پیغام لے کر محبوب کے پاس گیا۔ چاہیے تھا کہ وہ جواب میں نامہ لکھ کر اس پر مہر لگا کر دیتا۔ اس نے چٹھی تو نہ لکھی قاصد کے ہونٹوں پر لاکھ کی مہر لگا دی۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ آئندہ نہ کچھ لکھ کر بھیجنا نہ مجھ سے کچھ زبانی کہنا۔ بڑا خوش مذاق محبوب تھا۔

شامِ فراقِ یار میں جوشِ خیرہ سری سے ہم نے اسد
ماہ کو در تسبیح کواکب جائے نشینِ امام کیا

خیرہ سری: آشفتگی و پریشانی۔ امام: تسبیح میں بقیہ دانوں کے اوپر کا لمبا دانہ۔ شامِ فراق میں جنوں کے باعث ہم نے تاروں کی تسبیح میں چاند کو امام بنا دیا۔ تاروں کی تسبیح کا ذکر اس لیے کیا کہ فراق میں تارے گنے جاتے ہیں۔ تسبیح کے دانے بھی گنے جاتے ہیں اس لئے اختر شماری کی تشبیہ سبحہ گردانی سے کی جاتی ہے۔ تسبیح کے تمام لوازم جمع کرنے کے لیے ہم نے چاند کو امامِ تسبیح قرار دیا اور اس طرح اختر شماری اور تسبیح گردانی کے عمل میں مصروف ہو گئے۔

کیا کس شوخ نے ناز از سرِ تمکیں نشستن کا
کہ شاخِ گل کا خم انداز ہے بالیں شکستن کا

از سرِ تمکین نشستن: شوکت و دبدبے کے ساتھ بیٹھنا۔ بالیں شکستن: قدرے تعظیم کے لیے تھوڑا سا سر اٹھانا۔ کس شوخ حسین نے دبدبے کے ساتھ بیٹھنے کا ناز کیا ہے کہ شاخِ گل یوں جھکی ہے جیسے کسی کی تعظیم بجا لا رہی ہو یعنی محبوب کے بیٹھنے کی شان شاخِ گل کی لچک سے زیادہ دلکش ہے۔

نہاں ہے مردمک میں، شوقِ رخسارِ فروزاں سے
سپندِ شعلہ نادیدہ صفت، انداز جستن کا

سپند شعلہ نادیدہ: وہ سپند کا دانہ جو ابھی آگ پر نہیں ڈالا گیا۔ انداز جستن کا: کودنے کا انداز۔ سپند کا دانہ جب تک آگ پر نہیں پڑتا وہ اس تلاش میں رہتا ہے کہ کہیں آگ دکھائی پڑے اور میں کود پڑوں۔ محبوب کے روشن رخسار آگ کی طرح ہیں۔ میری آنکھ کی کالی پتلی سپند کی طرح ہے۔ ان پتلیوں میں بھی سپند کی طرح کود پڑنے کا انداز نہاں ہے۔ یہ میلان دہکتے ہوئے گالوں کے شوق نے پیدا کیا ہے۔ جوں ہی آنکھوں کو وہ گال نظر آئیں گے آنکھیں ان پر ٹوٹ پڑیں گی۔

گدازِ دل کو کرتی ہے، کشودِ چشم اشب پیما
نمک ہے شمع میں، جوں مومِ جادو، خواب بستن کا

کشودِ چشم: آنکھ کا کھلا رہنا۔ شب پیما: رات کو جاگ کر کاٹنے والا۔ مومِ جادو: کالے جادو میں حریف کا موم کا پتلا بنایا جاتا ہے اور اس پر جو عمل کیا جاتا ہے اس کا اثر حریف پر ہوتا ہے۔ خواب بستن: افسوں کے ذریعے کسی کی نیند باندھ دینا یعنی نیند غائب کر دینا۔ کسی کو مسلسل بے خواب رکھنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی موم کی پتلی بنائی جائے اور اس پر افسوں پڑھ کر اس کی نیند باندھ دی جائے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ آنکھ میں نمک چھڑک دیا جائے۔ اسے درد کے مارے نیند نہ آسکے گی۔ ہمارے کمرے میں رات بھر شمع جلتی رہتی ہے اور ہماری نیند اڑی رہتی ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ شمع کا موم، مومِ جادو ہے جس پر کسی نے ہماری نیند غائب کرنے کا افسوں پھونکا ہوا ہے۔ شاید ایسا نہ ہو۔ اس صورت میں شمع میں نمک ملا ہوا ہے جو ہماری آنکھ میں بیٹھ کر نیند لے چکا ہے۔ یہ رات بھر آنکھوں کا کھلا رہنا ہمارے دل کی رقت اور تپش کو بھی رات بھر بیدار رکھتا ہے۔ شمع ہمارے بے خواب رہنے کا موجب ہے اور ہماری بیداری ہماری تپش کے رات بھر قایم رہنے کی علت ہے۔

نفس در سینہ ہائے ہم دگر رہتا ہے پیوستہ
نہیں ہے رشتۂ الفت کو اندیشہ گسستن کا

گسستن: ٹوٹنا۔ دو شخصوں کے بیچ الفت ہو تو رشتۂ الفت کے ٹوٹنے کا کیا ڈر۔ دونوں کے سینے میں سانس تو ہمیشہ رہتا ہی ہے۔ رشتۂ الفت بھی تارِ نفس کی طرح ہے اس لیے یہ بھی ہمیشہ قایم رہے گا۔

ہوا نے ابر سے کی، موسمِ گل میں نمد بافی
کہ تھا آئینۂ خور پر تصور زنگ بستن کا

قدرے اختلاف کے ساتھ یہ شعر غزل نمبر ۳۶ میں بھی شامل ہے۔ زنگ بستن : زنگ لگنا برسات میں لوہے پر زنگ لگ جاتا ہے۔ پہلے زمانے میں فولاد کا آئینہ ہوتا تھا۔ سورج بھی آئینے کی مانند ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس میں بھی زنگ لگنے کا خدشہ ہے۔ بہار کے موسم میں ابر و باراں بھی ساتھ تھا۔ ہوا کو یہ اندیشہ ہوا کہ سورج کے آئینے پر زنگ نہ لگ جائے۔ نمی سے محفوظ رکھنے کے لئے اس پر نمدہ ڈالنا تجویز ہوا۔ ہوا نے بادل کا نمدہ بُن کر سورج پر ڈال دیا تاکہ وہ سلامت رہے۔ دوسرے مصرع کے یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ بہارِ گل کے مقابلے میں سورج کا آئینہ اتنا میلا اور دھندلا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر زنگ خوردہ ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ ایسے ناقص آئینے کو کھلا رکھنے سے کیا فائدہ۔ ہوا نے ابر کا نمدہ بُن دیا اور اس سے سورج کو ڈھانپ دیا۔

تکلف عاقبت میں ہے، دلا بندِ قبا واکر
نفس، بعد از وصالِ دوست، تاوانِ گسستن کا

غالباً دوسرے مصرع میں تعقید ہے۔ غالب کہنا چاہتے ہیں، بعد از وصالِ دوست تاواں ہے نفس گسستن کا، یعنی وصل کے بعد سانس ٹوٹنے اور تھکن کا جرمانہ دینا پڑے گا۔ ضرورتِ شعری کے جبر سے نفس اور گسستن کو دور دور کر گئے۔ بندِ قبا کس کا ہے محبوب کا یا اپنا؟ دونوں طرح دو معنی ہو جائیں گے (۱) اے دل آخر کار تو تکلیف ہونی ہی ہے وصل کے بعد سانس پھول جائے گا اس لئے اب تو ذرا کرلے محبوب کا بندِ قبا کھول اور انجام کا خیال فراموش کر دے۔ (۲) اے دل آخر کار تکلیف ہونی ہے۔ وصل کے بعد سانس پھولے گا جسم بے جان ہو جائے گا اس لئے اس وقت تو اپنا بندِ قبا کھول کر آرام کرلے۔

ہر اشکِ چشم سے یک حلقۂ زنجیر بڑھتا ہے
بہ بندِ گریہ ہے نقش بر آب اندیشہ رستن کا

نقش بر آب : بے ثبات و بے فائدہ کام۔ رستن : رہائی۔ یہ شعر بھی بہ تبدیلِ ردیف غزل ۲۶ کا مقطع ہے اور اس کے وہی معنی ہیں۔ ہر آنسو سے زنجیر کا ایک حلقہ بڑھ جاتا ہے یعنی قیدِ غم شدید تر ہوتی جاتی ہے۔ رہائی کا خیال گریہ کی قید میں ہے اور جو کچھ قیدِ گریہ میں ہو وہ نقش بر آب کی طرح بے سود اور موہوم ہوا۔ گریہ آب ہے اس لئے اس سے متعلق شے نقش بر آب ہوئی۔

اشک اور حلقۂ زنجیر میں گولائی وجہِ شبہ ہے

عبادت سے "اسد" میں بیشتر بیمار ہوتا ہوں
سبب ہے ناخنِ دخلِ عزیزاں سینہ خستن کا

ناخن دخل: اعتراض۔ بسینہ خستن: سینہ زخمی کرنا یعنی رنج و تعب پہنچانا۔ اے اسد میں دوستوں کی مزاج پرسی سے اور زیادہ بیمار ہو جاتا ہوں وہ آ کر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں جس سے میرا سینہ مجروح ہو جاتا ہے۔

(۴۷)

شب کہ دل زخمیِ عرضِ دو جہاں تیر آیا
نالہ، برخود غلطِ شوخیِ تاثیر آیا

دو جہاں تیر: بہت سے تیر۔ برخود غلط: غلط فہمی سے خود کو بہت بڑا یا کامل سمجھنا۔ رات میرا دل بہت سے تیروں سے زخمی ہوا۔ میں نے نالے کئے نالوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ ان کی بڑی تیز تاثیر ہوگی اور ظالم نرم پڑ جائے گا لیکن یہ یقین بے بنیاد ثابت ہوا۔

وسعتِ جیبِ جنونِ تپشِ دل مت پوچھ
محملِ دشت بہ دوشِ رمِ نخچیر آیا

کسی صیاد نے کسی جانور یا انسان کو شکار کرنا چاہا۔ اس کے تیر لگایا۔ صید نے تڑپ کر ادھر سے اُدھر ایک دوڑ لگائی تو پورا جنگل طے کر لیا جیسے اس کی رمیدگی جنگل کے محمل کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے پھرتی تھی تو تڑپتے دل والوں کے گریبانِ جنوں کی وسعت مت پوچھ جو ایک جست میں پورا صحرا تمام کر سکتے ہیں ان کا جنوں کتنا بے نہایت ہوگا۔

ہے گرفتاریِ نیرنگِ تماشا ہستی
پرِ طاؤس سے دل پائے بہ زنجیر آیا

نیرنگِ تماشا: دنیا کے مناظر کی وہ رنگا رنگی جس کو ثبات نہیں جو بدلتی رہتی ہے۔ پرِ طاؤس غالب کے یہاں رنگینی کی علامت ہے۔ زندگی کیا ہے۔ طرح طرح کے مناظر کے دیکھنے میں گرفتار ہو جانا۔ ایک طاؤس کے پر ہی کو لیجئے۔ دل اس کی خوش رنگی کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھتا ہی رہ گیا اور اس طرح پرِ طاؤس نے دل کے پاؤں میں زنجیر پہنا دی اور وہ نیرنگِ تماشا میں گرفتار ہو گیا۔

دید حیرت کشِ خورشید چراغانِ خیال
عرضِ شبنم سے بہ ہیچ و خم آئینہ تعمیر آیا

(۱) شعر میں شاعر نے ایک منظرِ قدرت کا حسن پیش کیا ہے۔ چمن میں شبنم بکھری ہوئی ہے اسی کا حُسن دیکھ کر میری دید حیران ہے۔ سورج نے نمودار ہو کر شبنم کے قطروں کو چراغاں کر دیا اور شبنم کے

چراغاں ہونے سے ہمارا خیال بھی چراغاں ہو گیا گویا سورج نے خیال کو چراغاں کر دیا۔ اس طرح روشن قطراتِ شبنم سے چمن میں آئینے لگ گئے۔ مندرجہ بالا مفہوم میں "خرشیدِ چراغانِ خیال" کے فقرے کی ساخت "خرشید نے چراغانِ خیال کیا" فرض کی گئی۔ اگر اسے اُلٹ کر "چراغانِ خیال خرشید ہے۔" مراد لی جائے تو معنی ہوں گے۔ باغ میں شبنم کے آئینے لگے ہیں۔ انہیں دیکھ کر دید حیران ہے اور خیال جگمگ ہو کر بالکل خورشید بن گیا ہے۔

(۲) خرشید سے مراد محبوب لی جائے۔ محبوب کو دیکھ کر میری دید حیران ہے۔ اس خورشید نے میرے خیال کو جگمگا دیا ہے۔ جس طرح قطراتِ شبنم سے چمن میں آئینے نصب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محبوب کے جلوے نے میرے تصور میں چراغاں کر دیا ہے۔

عشق ترسابچہ و نازِ شہادت مت پوچھ
کہ کلہ گوشہ بہ پروازِ پرِ تیر آیا

ترسابچہ: عیسائی لڑکا۔ کلہ گوشہ بر آسمان: عظمت، مرتبت و سرفرازی کو کہتے ہیں۔ تیر کو اوپر کو چھوڑا جائے تو پرِ تیر بہت بلندی تک پہنچے گا۔ کلہ گوشہ کا اس بلندی تک پہنچنا بھی بہت بڑی سرفرازی ہے کہتے ہیں کہ ہمیں ترسابچے سے کتنا عشق ہے مت پوچھ۔ اس کے عشق میں شہادت کی اُمید پر کتنا ناز ہے مت پوچھ۔ اس سے ہمارا مرتبہ اتنا اونچا ہو گا کہ ہمارا کلہ گوشہ پروازِ پرِ تیر کی بلندی تک پہنچ جائے گا۔

اے خوشا ذوقِ تمنائے شہادت کہ اسد
بے تکلف بہ سجودِ خمِ شمشیر آیا

سجدہ محراب کے آگے کیا جاتا ہے۔ خمِ شمشیر محراب سے مشابہ ہے۔ اسد کے ذوقِ شہادت کا کیا کہنا۔ وہ بے تکلفی سے خمِ شمشیر کے آگے سر رکھنے کو چلا آیا۔

(۴۸)

سیرِ آں سوئے تماشا ہے طلب گاروں کا
خضر مشتاق ہے اس دشت کے آواروں کا

دشتِ عشق میں جو جنوں شیوہ آوارہ گرد جولانی کرتے پھرتے ہیں وہ ایسے طلب گار ہیں جن کے لیے دُنیا کے اس طرف یعنی ماورا کی سیر کرنا ایک معمولی تماشا ہے۔ انہیں آوارہ نہ سمجھو یہ تو دین کی حقیقت کے دانائے راز ہیں۔ آوارہ لوگوں کو کسی رہنما کی ضرورت ہوتی ہے لیکن آوارگانِ دشتِ عشق اس مرتبے کے ہیں کہ سب سے بڑا رہنما خضر خود انہیں کا مشتاق ہے۔ شاید ان کی معیت میں

وہ بھی ماوراکی سیر کرنا چاہتا ہے۔

آسی نے پہلے مصرع کی قرات یوں کی ہے۔ سیر آں سوئے تماشا ہے طلب گاروں کا۔ یعنی عشاق تماشائے عالم کے دوسری طرف کی سیر کر رہے ہیں۔ یہ معنی بہتر ہیں کیونکہ پہلے معنی میں تماشا کے کوئی خاص معنی نہیں لیکن دوسری تشریح میں سیر مذکر ہو جاتی ہے جو صحیح نہیں اس لئے اوّل الذکر قرات اور تشریح کو ترجیح دی جائے گی۔

سر خط بند ہوا ، نامہ گنہ گاروں کا

خونِ ہدہد سے لکھا نقش گرفتاروں کا

سر خط بند: دستاویز قید۔ ہدہد: سلیمان کا قاصد تھا۔ خون سے خط لکھنا: محبت، قتل، قتل کا حکم لکھنا۔ گنہ گاروں اور گرفتاروں سے مراد عشاق ہیں۔ انہوں نے ہدہد کے ذریعے صیاد کے پاس کوئی پیغام بھیجا۔ صیاد نے ہدہد کو قتل کرکے اس کے خون سے فرمان لکھا۔ ظاہر ہے کہ خون سے لکھی تحریر گرفتاروں کے قتل کا حکم ہی ہوگی۔

فرد آئینہ میں بخشیں شکنِ خندۂ گل

دلِ آزردہ پسند آئنہ رخساروں کا

فرد: دفتری کاغذ۔ شعر میں چند مشکلات ہیں۔ آئینے سے مراد آئینہ لغوی معنی میں ہے یا رخساروں سے استعارہ ہے۔ خندۂ گل بخشنے کی بجائے شکنِ خندہ کیوں کہا اور کیا فرد میں شکن بھی بخشی جاسکتی ہے۔ جس طرح والیانِ ملک یا امرؤں کسی حاجت مند کو کچھ بخشش کرتے ہیں اسی طرح آئینہ رخسار حسین میرے دلِ آزردہ کو ایسی چیز دینا چاہتے ہیں جو اس کی آزردگی دور کرے وہ چیز ہے خندۂ گل یعنی پھول جیسی ہنسی۔ چونکہ ان کے پاس یہ ہنسی بہت مقدار میں ہے اس لئے انہیں ایسے حاجت مند چاہئیں جنہیں اس جنس کی ضرورت ہو۔ میرا دل آزردہ اسی جنس کا بھوکا ہے اسی لئے میرا دل آئینہ رخسار حسینوں کو پسند ہے۔ وہ جب خندۂ گل کرتے ہیں تو ان کے آئینہ جیسے گالوں میں شکن پڑتی ہے۔ کوئی بڑا عطیہ فرد میں لکھ کر کیا جاتا ہے۔ آئینہ رخسار حسین آئینۂ رخسار کی فرد میں لکھ کر مجھے شکنِ خندہ کا دان کر رہے ہیں۔ دلِ آزردہ کے سامنے خندہ کیا جائے گا تو وہ اسے بھی شاداں و فرحاں بنا دیگا۔

دادخواہِ تپش و مہرِ خموشی بر لب

کاغذِ سرمہ ہے جامہ ترے بیماروں کا؟

کاغذ کا جامہ ہونا دادخواہی کی نشانی ہے۔ کاغذِ سرمہ: وہ کاغذ جس میں سرمہ لپیٹیں۔ چونکہ اسے

پڑیا بنانے میں بار بار پیچ دیا جائے اسی لئے اسے داد خواہ پیش ہونا چاہیئے۔ لیکن سرمہ وہاں ہونا خاموش کے معنی میں ہے۔ اس لئے اگر کوئی داد خواہ کاغذِ سرمہ کا کپڑا پہن کر آئے گا تو سرمہ کے اثر سے خواہ مخواہ اس کے ہونٹوں پر مہر لگ جائے گی۔ اب شعر صاف ہے کہ اے دوست تیرے بیمار کاغذی جامہ پہن کر فریاد لائے ہیں کر تو انھیں بہت تڑپا رہا ہے لیکن ان کا جامہ کاغذِ سرمہ کا ہے اس لئے وہ مُنہ سے کچھ نہیں بول سکتے۔ کتنے مجبور ہیں۔

وحشتِ نالہ بہ واماندگیِ وحشت ہے

جرسِ قافلہ یاں دل ہے گراں باروں کا

گراں بار: جو شخص مال و اسباب و اولاد کافی رکھتا ہو۔ لیکن غالبؔ نے اس لفظ کو محاورے سے ہٹ کر لفظی معنی میں استعمال کیا ہے بھاری بوجھ والا۔ ہمارے نالے میں جو وحشت کا عنصر دکھائی دیتا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وحشت اور جنون کو تھکن ہو گئی ہے۔ ہمیں یہ صورتِ حال پسند نہیں وحشت کی کمی دیکھ کر ہم نالہ کر رہے ہیں۔ چونکہ ہمارے پاس زیادہ بوجھ ہے اس لئے ہم وحشت کی جولانی کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ چونکہ ہمارا قافلہ رواں نہیں ہوگا اس لئے جرسِ قافلہ بھی نہیں، ہاں دل جو نالہ کر رہا ہے صرف وہی جرس ہمارے پاس رہ گیا ہے۔ اسی کو جرسِ قافلہ سمجھ لیجئے۔

پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے

رنگ اُڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

ہوادار: بہی خواہ۔ وہ باغ کی طرف آرہا ہے۔ باغ کے بہی خواہوں کا رنگ فق ہے کہ دیکھیئے باغ میں آکر وہ کیا کیا ستم نہ کرے۔

جلوہ مایوس نہیں دلِ نگرانی غافل

چشمِ اُمید ہے روزن تری دیواروں کا

نسخۂ عرشی میں "دل نگرانی" کو ایک مرکب مان کر نہیں۔ اور "نگرانی" کے بعد وقفے کا نشان بنایا گیا ہے۔ میرے نزدیک، اوپر کی قرأت صحیح ہے۔ شعر کے معنی ہیں کہ اے نگرانی سے غافل محبوب میرا دل تیرے جلوے کی دید سے مایوس نہیں۔ تو ہم سے کتنا ہی چھپنے کی کوشش کر لیکن تیری دیواروں کا روزن ہمارے لئے چشمِ اُمید ہے یعنی وہ آنکھ جسے جلوہ دیکھنے کی اُمید ہے۔

مندرجہ بالا تشریح میں، دوسرے مصرع میں روزن مبتدا اور چشمِ امید خبر ہے۔ اگر ان کی ترتیب اُلٹ کر مصرع کی تشریح کی جائے۔ چشمِ اُمید تری دیواروں کا روزن ہے، تو شعر کے معنی

اور لطیف ہو جائیں گے کہ ہماری چشم امید تجھے کبھی نہ کبھی دیکھ کر رہے گی۔ اس لئے یہ گویا تیری دیوار کا روزن ہے

اسدؔ اے ہرزہ درا، نالہ بہ غوغا تا چند
حوصلہ تنگ نہ کر بے سبب آزاروں کا

ہرزہ درا: بیہودہ بکنے والا۔ اے بے ہودہ باتیں کرنے والے اسد اس طرح شور کے ساتھ کب تک نالہ کرتے رہے گا۔ جو حسین بے سبب تجھے آزار دیتے ہیں تیرے نالوں سے ان کا حوصلۂ آزار تنگ ہو جائے گا اور یہ اچھی بات نہیں۔

(۴۹)

عیادت سے زبس ٹوٹا ہے دل، یارانِ غمگیں کا
نظر آتا ہے موئے شیشہ، رشتہ شمعِ بالیں کا

یارانِ غمگیں عیادت کرنے والوں کے لئے نہیں آیا بلکہ بیماروں کے لئے۔ یارانِ غمگین کی جگہ بیمارانِ غمگین سمجھئے۔ غمگین بیماروں کے پاس کوئی ظاہر داری کے لئے عیادت کو آتا ہے تو اس سے ان کا دل اور ٹوٹتا ہے۔ دل کے ٹوٹنے کی شان شیشے میں بال پڑنے سے ہے۔ بیمار کے سرھانے شمع جلائی جاتی ہے۔ شمع کا دھاگہ شیشے کے بال کی طرح معلوم ہوتا ہے جو بیماروں کے شکستہ دل کا عکاس ہے یعنی مریضوں کی بددلی کی وجہ سے کمرے کی فضا اتنی غم گین ہو گئی ہے کہ شمع روشنی کی بجائے اضمحلال اور مایوسی کی فضا پیدا کرتی معلوم ہوتی ہے۔

صدا ہے کوہ میں حشر آفریں، اے غفلت اندیشاں
پئے سنجیدنِ یاراں، ہو حامل خوابِ سنگیں کا

سنجیدن بلفظی معنی وزن کرنا ہیں۔ مجازی معنی سنجیدہ کرنا بھی ہو سکتے ہیں۔ حامل: اٹھانے والا یہاں خواب لے جانے والا مراد ہے۔ صدا کے اصل معنی پہاڑ یا کنوئیں کی آواز بازگشت کے ہیں گو بعد میں محض آواز کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ دوسرے مصرعے میں ہو مضارع ہے جس کا فاعل کوہ ہے۔ کاش کوہ سنجیدنِ یاراں کے لئے خوابِ سنگین کا حامل ہو۔ پہاڑ کی صدائے بازگشت بہت حشر آفریں ہوگی۔ اے غفلت کی باتیں سوچنے والو پہاڑ میں ایسی آواز ہے جس سے قیامت آجائے۔ کاش یہ آوازِ بلند یاروں کی غفلت دور کر کے انہیں سنجیدہ کرے اور ان کے نہایت گہرے خوابِ غفلت کو لیکر انھیں اس خواب سے رہائی دلائے۔ آواز سے نیند کھل جاتی ہے جن کی غفلت خوابِ سنگین ہے ان کیلئے حشر آفریں آواز ہی کی ضرورت ہے۔ کوہ کی گونج ایسی ہی تیز ہوتی ہے۔ سنگین میں کوہ کی رعایت سے

ایہام ہے۔ خوابِ سنگین وہ خواب ہوگا جس میں آدمی پتھر کی طرح مردہ ہو کر سو رہا ہو۔ اگر پہاڑ اس قسم کے خواب کو اپنے ذمے لے لے تو وہ برجستہ ہوگا۔

چونکہ پہاڑوں پر خدا کی قدرت و جبروت کا نمونہ زیادہ شدت سے دکھائی دیتا ہے اس لئے پہاڑ غفلت دور کرنے کے لئے موزوں مقام ہے۔

بجائے غنچہ و گل ہے ہجوم خار و خس یاں تک
کہ حرفِ بخیۂ دامن ہوا ہے خندہ گل چیں کا

باغ میں پھولوں کی بجائے کانٹوں اور خس و خاشاک کا ہجوم ہے۔ پہلے زمانے میں گل چیں پھول لینے کے لے آتا تھا تو اس کا دامن پھولوں سے بھر جاتا تھا۔ جسے دیکھ کر وہ خوشی سے خندہ کرتا تھا۔ اب باغ میں آیا ہے تو کانٹوں سے اس کا دامن پھٹ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے گل چیں بیٹھ کر دامن کو سی رہا ہے۔ بخیہ اور خندہ میں مشابہت ہے۔ بخیہ میں سفید ٹانکے دکھائی دیتے ہیں خندہ میں سفید دانت اس لئے شاعر نے یہ خیال پیدا کیا ہے کہ گل چیں کا سابق خندہ چاکِ دامن کو سینے کے کام میں آ گیا یعنی بخیے کے علاوہ اور کوئی خندہ اس کے پاس نہیں۔

نصیبِ آستیں ہے حاصلِ روئے عرق آگیں
ٗچنے ہے کہکشاں خرمن سے مہ کے خوشہ پرویں کا

یار کے چہرے کو چاند سے تشبیہ دی ہے۔ پسینے کی بوندوں کو پرویں یعنی ثریا کے جمگھٹ سے اور آستیں کو کہکشاں سے تشبیہ دی ہے۔ محبوب نے آستیں سے چہرے کا پسینہ پونچھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کہکشاں نے چاند کے ہالے کے ڈھیر سے پرویں کا گچھا چن لیا۔ خرمن ماہ چاند کے ہالے کو کہتے ہیں "پرویں جبیں" محبوب کے ناموں میں سے ہے۔ ایک دلچسپ محاورہ ہے "خرمن خوشۂ پرویں شدہ" یعنی کسی حسین کے خطِ رخ پر پسینے کی بوندیں آ جائیں تو ایسا کہتے ہیں۔

بہ وقتِ کعبہ جوئی ہا جرس کرتا ہے ناقوسی
کہ صحرا فصلِ گل میں رشک ہے بت خانۂ چیں کا

کعبہ جوئی: کعبے کی طرف کو چلنا۔ ناقوسی: ناقوس کا کام کرنا لیکن یہ خاطر نشیں رہے کہ ناقوسی موسیقی کی نواؤں میں سے ایک کا نام ہے اور بار بد کے کتیس راگوں میں سے ۲۶ ویں راگ کا نام ہے اور یہ ناقوس کی آواز سے اخذ کیا گیا ہے۔ بت خانہ چیں: مانی ایک نقاش اور پیغمبر تھا۔ اس کی کتاب کو ارتنگ یا ارژنگ کہتے ہیں۔ لغت کے مطابق ارتنگ نگار خانۂ مانی کو بھی کہتے ہیں اور چین کے ایک بت خانے کا بھی نام ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ بت خانۂ چیں نقش و نگار سے آراستہ ہوگا۔ جرس بج رہا ہے تاکہ قافلہ کعبے کی طرف کو رواں ہو لیکن راستے میں جنگل فصلِ گل کی وجہ سے بت خانۂ چیں سے بھی زیادہ دل کش بنا ہوا ہے۔ بت خانے میں جانا کفر کی طرف مائل ہونا ہے اس لیے جرس کعبے کی طرف نہیں لے جا رہا بلکہ سنکھ بجانے کے مترادف ہے کیونکہ بت خانے کی طرف لے جا رہا ہے۔

طپیدن دل کو سوزِ عشق میں خوابِ فراموش ہے
رکھا اسپند نے مجمر میں پہلو گرم تمکیں کا

خوابِ فراموش: وہ خواب جو بیداری پر ذہن سے محو ہو چکا ہو۔ پہلو گرم رکھنا: ہم کنار ہونا۔ تمکیں: استقلال و ثابت قدمی۔ طپیدن یعنی تڑپنا بے قراری اور بے چینی کی کیفیت ہے۔ جب زیادہ اور مسلسل جلن ہو تو اس میں تڑپنے کی بجائے کڑھن کی سی کیفیت ہو جائے گی۔ آدمی ایک حالت میں پڑا ہوا سوز کو برداشت کرتا رہے گا۔ آخر الذکر حالت میں استقلال کا رنگ ہے۔ اسی فرق کو نمایاں کرکے شاعر کہتا ہے کہ عشق کی آگ میں پڑنے پر دل تڑپنا بھول گیا۔ ایسا بھولا جیسے کوئی خواب دیکھ کر جاگے اور اسے یاد نہ رہے۔ دل کے جلنے اور راکھ ہونے کی مثال یہ ہے کہ اسپند کا دانہ انگیٹھی میں پڑ کر استقلال کے ساتھ جلا کیا۔ تڑپا اچھلا نہیں۔ یہی سوزِ عشق میں ہماری کیفیت ہوئی۔ پہلی منزل تڑپنا تھی دوسری جل کر راکھ ہونا۔ پہلی منزل کو خواب سمجھیے، دوسری کو وہ بیداری جس میں پہلی منزل یعنی خواب کی بات فراموش ہو چکی ہو۔

اسدؔ اربابِ فطرت قدر دانِ لفظ و معنی ہیں
سخن کا بندہ ہوں، لیکن نہیں مشتاق تحسیں کا

اربابِ فطرت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی فطرت شاعرانہ ہے۔ شاعر نے خود کو بھی اُنہیں کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ اے اسد اربابِ فطرت لفظ و معنی کی قدر کرتے ہیں۔ میں بھی لفظ و معنی کا شیدا ہوں۔ میں شاعری کا بندہ ہوں تحسین و آفریں کا مشتاق نہیں۔ کوئی میری قدر کرے یا نہ کرے میری فطرت شاعری ہے اس لئے میں شاعری کرتا رہوں گا۔

(۵۰)

وردِ اسمِ حق سے، دیدارِ صنم حاصل ہوا
رشتۂ تسبیح، تارِ جادۂ منزل ہوا

محبوب کا دیدار کرنا تھا۔ کسی نے رائے دی کہ خدا کی جناب میں حاضری دو مقصد بر آری ہو گی۔ ہم نے تسبیح پر خدا کے نام کا وظیفہ شروع کر دیا۔ محبوب کو معلوم ہوا کہ فلاں مولوی صاحب بڑے خدا پرست اور پارسا ہیں وہ سعادت حاصل کرنے کی خاطر ہمارے پاس آیا اور ہمیں اس کا دیدار حاصل ہو گیا۔

اس طرح تسبیح کا دھاگا ہمارے لئے منزل کی طرف لے جانے والا راستہ بن گیا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وظیفۂ اسمِ حق کے اثر سے خدا خوش ہوگیا ہو اور اس نے محبوب کو ان کے پاس بھیج دیا ہو یا یہ ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے مکر سے تسبیح گردانی کی اور محبوب ان کے دامِ تزویر میں پھنس گیا۔

محتسب سے تنگ ہے ازبسکہ کارِ مے کشاں

رز میں جو انگور نکلا عقدۂ مشکل ہوا

کار تنگ ہونا : کار تنگ گرفتن و آوردن کا ترجمہ ہے۔ معنی ہیں کام کا دشوار اور سخت ہونا محتسب کی وجہ سے میکش پیتے ہیں۔ اُنھوں نے شراب پی اور محتسب ان کے پیچھے پڑ گیا گویا بیل میں انگور کا دانہ کیا نکلا ایک مشکل سے کھلنے والی گرہ پیدا ہوگئی۔

قیس نے ازبسکہ کی سیرِ گریبانِ نفس

یک دو چیں دامانِ صحرا پردۂ محمل ہوا

اس شعر میں گریباں غلط معلوم ہوتا ہے بیاباں ہونا چاہیئے۔ صحرا، محمل، سیر کے ساتھ بیاباں کا محل ہے گریباں کا نہیں۔ یک دو چیں دامانِ صحرا : یک جہاں، دو جہاں کی طرح کا مقداری فقرہ ہے یک دو چیں داماں سے مقدار کی قلت ظاہر ہوتی ہے۔ صحرا کا ذرا سا حصّہ۔ شعر حقیقت میں ہے قیس سالک ہے صحرا عالمِ مظاہر ہے۔ لیلیٰ محبوبِ حقیقی ہے۔ بیابانِ نفس زندگی ہے۔ سالک نے اپنے بیابانِ حیات کی بہت سیر کی لیکن لیلیٰ محمل نشیں تک نہ پہنچ سکا۔ مجنوں لیلیٰ کو صحرائے وجود یا بیابانِ خودی میں ڈھونڈتا رہا لیکن یہی اس کا پردہ تھا۔

وقتِ شب اس شمع رو کے شعلۂ آواز پر

گوشِ نسریں عارضاں پروانۂ محفل ہوا

نسریں عارضاں : سیوتی کے پھول جیسے گال رکھنے والے حسین۔ رات اس شمع جیسے چہرے والے نے گایا تو اس کی آواز کے سوز اور گرمی پر تمام حسینوں کے کان پروانہ بن کر نثار ہونے لگے یعنی وہ محبوب نہ صرف دیکھنے میں حسین ہے بلکہ اس کی آواز بھی دلوں کو گرفتار کرنے والی ہے۔ تمام حسین اس پر قربان ہیں۔

عیب کا دریافت کرنا ہے ہنرمندی اسد

نقص پر اپنے ہوا جو مطلع کامل ہوا

اپنے عیب کا احساس ہونا اور اسے دریافت کرنا بڑا ہنر ہے۔ عام لوگوں کو اپنے عیب دکھائی

ہی نہیں دیتے۔ جس کو اپنے نقص کی اطلاع ہو گئی وہ اسے دور کر کے کامل ہو جائے گا گویا عیب کا ادراک کر لینا ہی سب سے بڑا کمال ہے۔

(۵۱)

ہے تنگ زوا ماندہ شدن، حوصلۂ پا
جو اشک گرا خاک میں ہے آبلۂ پا

ہمارا جسم تھک گیا ہے لیکن پاؤں کا حوصلہ ہے کہ عرصے تک دشت میں جولانی کی جائے۔ اس تھکن سے حوصلۂ پا پریشان ہے۔ تھکن کے باعث آنکھ سے جو آنسو نکل کر خاکِ راہ میں گرتا ہے وہ پاؤں کے لئے آبلے کی طرح مزاحمِ سفر ہے۔

سر منزلِ ہستی سے ہے صحرائے طلب دور
جو خط ہے کفِ پا سو ہے سلسلۂ پا

سر منزل: منزل۔ ہتھیلیوں کی طرح پاؤں کے تلووں پر بھی لکیریں ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ وجود کی علامت ہیں اس لئے غالب نے حسنِ تعلیل کے طور پر انہیں پاؤں کی زنجیر قرار دیا ہے۔ ہستی کی منزل یعنی اس دنیا سے ہماری خواہشوں کا صحرا یعنی ہمارا مقامِ مطلوب دور ہے۔ گویا پاؤں کے نشان جو زندگی کی علامت ہیں زنجیرِ پا ہیں جو صحرائے مطلوب تک جانے سے روکتے ہیں

دیدار طلب ہے دل واماندہ کہ آخر
نوکِ سرِ مژگاں سے رقم ہو گلۂ پا

پاؤں تھک گئے ہیں اگر چل کر جائیں تو محبوب کا دیدار ہو سکتا ہے۔ دل دیدار کا خواہاں ہے لیکن پاؤں کی وجہ سے عاجز ہے۔ اگر محبوب کا دیدار ہو سکے تو ہم پاؤں کی تھکن اور کوتاہی کا گلہ لکھ کر اس کے حضور پیش کریں۔ یہ گلہ قلم کی بجائے نوکِ سرِ مژگاں سے لکھا جائے گا۔ یعنی میں محبوب کے سامنے شرمندگی کی وجہ سے سرِ مژگاں جھکا لوں گا کہ اب تک حاضر نہ ہو سکا اور اس طرح پاؤں کی شکایت کا اظہار ہو سکے گا۔

آیا نہ بیابانِ طلب گامِ زباں تک
تبخالۂ لب ہو نہ سکا آبلۂ پا

بیابانِ طلب: وہ بیابان جہاں جانے سے خواہش پوری ہو جاتی ہیں۔ گامِ زباں: زباں کا قدم یعنی سخن یا فریاد کرنا۔ تبخالۂ لب: ہونٹوں کا چھالا جو نالوں کا نتیجہ ہے۔ آبلۂ پا نشانی ہے بیابانِ طلب تک سفر کی۔ ہم نے بہت کچھ فریاد کی لیکن بیابانِ طلب نزدیک نہ کھینچ آیا۔ فریاد سے ہونٹوں پر چھالے پڑ گئے لیکن یہ چھالے پاؤں کے آبلے نہ بن سکے یعنی فریاد نے جد و جہد یا عمل کا

رنگ اختیار نہ کیا۔ زبان کا چلنا پاؤں کے چلنے کا کام نہ کرسکا اور منزلِ مقصود دور ہی رہی۔ مراد یہ ہے کہ محض باتوں سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

خود نوشت دیوان میں اس شعر کا متن یوں ہے

آیا نہ بیانِ طلبِ کام، زباں تک
تبخالۂ لب ہو نہ سکا آبلۂ پا!

اس صورت میں شعر کے معنی یہ ہوں گے۔

ہم نے اپنی مقصد برآری کے لئے دوا دوش کی جس سے پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ لیکن ہم محبوب کے سامنے اس طلبِ مقصد کی جد وجہد کا بیان نہ کرسکے۔ گویا ہمارا آبلۂ پا آبلۂ لب نہ بن سکا۔ آبلۂ لب اس وقت بنتا جب ہم شرح وبسط سے اپنی کوششوں کا بیان کرتے اور اتنا تفصیلی بیان کرتے کہ ہونٹوں پر چھالے پڑ جاتے۔

فریاد سے پیدا ہے، اسد، گرمیِ وحشت
تب خالۂ لب ہے جرسِ آبلۂ پا

اسد، ہماری فریاد سے ہماری وحشت کی گرمی ظاہر ہے۔ جتنی زیادہ فریاد کی جائے گی اتنا ہی زیادہ جنوں ظاہر ہوگا۔ کثرتِ فریاد سے ہونٹوں پر تبخالہ پڑ جائے گا۔ یہ آبلۂ پا کے جرس سے مشابہ ہے۔ آبلۂ پا وحشت میں بہت زیادہ جولانی کرنے سے پڑتا ہے۔ جرس قافلے کو روانہ کرنے کی نشانی ہے۔ آبلۂ پا دیر تک صحرا میں بھاگ دوڑ کا نتیجہ ہوگا۔ جرس اس سفر کی علت ہے۔ آبلے کی مشابہت جرس سے ہے۔ اس طرح ہونٹوں کے چھالے کو پاؤں کی دوا دوش کا نمائندہ قرار دیا ہے۔

خود نوشت دیوان میں قافیے کا لفظ آبلہ کی جگہ قافلہ ہے یعنی "جرسِ قافلۂ پا" ہے اس سے شعر کا مفہوم اور بھی سادہ ہو جاتا ہے۔

میں نے گرمیِ وحشت سے جتنی بھی جولانی کی اتنی ہی شدت سے فریاد بھی کرتا گیا جس کے نتیجے میں ہونٹ پر چھالے پڑ گئے۔ گویا یہ تبخالۂ لب میرے قافلۂ پا کی رفتار کے جرس کا قائم مقام ہے تبخالہ کی مشابہت جرس سے ہے۔

(۵۲)

بسکہ عاجز نارسائی سے کبوتر ہوگیا
صفحۂ نامہ غلافِ بالشِ پر ہوگیا

بالشِ پر: پروں سے بھرا ہوا تکیہ۔ کبوتر کے پروں پر نامہ باندھ کر محبوب کی طرف بھیجا۔ محبوب کی

بارگاہ تک پہنچنا آسان نہیں۔ کبوتر اڑتے اڑتے عاجز ہوگیا اور آخرکار گر گیا۔ زمین پر وہ ایک مشت پر معلوم ہوتا تھا اور پروں پر بندھا ہوا نامہ پروں کے تکیے کا غلاف۔

صورتِ دیبا، تپش سے میری غرقِ خوں ہے آج
خارِ پیراہن، رگِ بستر کو نشتر ہوگیا

خارِ پیراہن کنایہ ہے محلِ صحبتِ انسان سے یہاں دل کی تڑپ، کو خارِ پیراہن قرار دیا ہے۔ دیبا ایک پھول دار ریشمی کپڑا ہے۔ سُرخ زمین کے دیبا کا تصور کیجئے۔ میری بے قراری نے میرے پیرہن میں کانٹا سا کھٹکا یا ہوا ہے۔ میری تڑپ سے میرے زخمی بدن کا خون بستر پر لگا اور بستر رنگین ہوکر دیبا کی طرح پھول دار ہوگیا۔ گویا میرا خارِ پیرہن بستر کی رگ کا نشتر بن گیا اور یہ خون بستر کی رگ سے نکلا۔ مندرجہ بالا مفہوم کیلئے ہم نے شعر کی نثر یوں کی ہے۔

"آج میری تپش سے (بستر) صورتِ دیبا (دیبا کی طرح) غرقِ خوں ہے۔ خارِ پیراہن رگِ بستر کو نشتر ہوگیا"۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں مصرعوں کو علیحٰدہ علیحدہ جملے فرض کر لیا جائے۔ تب پہلے مصرع کے معنی ہوں گے کہ بستر پر دیبا کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ دیبا میں جو نقش بنے ہوئے تھے وہ صورت دیبا ہوئے۔ میرے لوٹنے پوٹنے سے وہ غرقِ خوں ہو گئے۔ گویا میرا خارِ پیراہن بستر کی رگ میں نشتر زن ہوکر خون بر آمد کر لایا۔

نسخۂ حمیدیہ میں بستر کی جگہ نستر چھپا ہے جو بمعنی نسترن ہے۔ آسی نے اس سے کچھ معنی پیدا کیے ہیں۔ اُنہوں نے پہلے مصرع میں صورت کے معنی نقوشِ دیبا لئے ہیں۔ میرے نزدیک صورت کے معنی مانند لینا زیادہ برجستہ ہے کیونکہ بستر پر پھول دار ریشم کی چادر کا رواج نہیں ہوتا۔

بسکہ آئینے نے پایا گرمیِ رُخ سے گداز
دامنِ تمثال، مثلِ برگِ گل تر ہوگیا

گداز: پگھلنا۔ محبوب کے سرخ رُخساروں کو آتشیں کہا جاتا ہے۔ محبوب آئینے کے سامنے کھڑا ہوا۔ آئینے میں اس کی تمثال اُبھر آئی۔ تمثال کی گرمیِ رُخ سے آئینہ کسی قدر پگھل گیا اور اس میں قطرات آ گئے۔ اس سے آئینے میں دکھائی دینے والی تمثال کا دامن بھیگ گیا اور وہ تروتازہ پھول کی مانند ہوگئی۔ گلِ تر سے مراد شبنم سے تر پھول نہیں بلکہ تازہ پھول ہے جس میں نمی کا عنصر کافی ہوتا ہے۔ مُرجھانے پر پھول کی نمی برائے نام رہ جاتی ہے۔

یہ شعر محض خیالی ہے۔ رُخ میں گرمی اور گدازِ دل میں رطوبت صرف لفظ کی حد تک ہی ہے

شعلہ رخسارا، تحیّر سے تری رفتار کے
خارِ شمع آئینۂ آتش میں جوھر ہوگیا

شعر کی دو قراتیں ہوسکتی ہیں پہلے موجودہ قرأت پر غور کیجئے ۔ خارِ شمع : شمع کا دھاگا یا بتی
دوسرے مصرع کی نثر یوں کیجئے، جوہرِ آتش میں خارِ شمع آئینہ ہوگیا۔

اے شعلہ رخسار محبوب، تیری رفتار کو دیکھ کر آئینے میں عجیب تماشہ ہوا۔ شعلۂ رخسار کے عکس سے آئینے میں آگ جل گئی۔ اُدھر آئینے میں جوہر کی دھاری دکھائی دے رہی تھی۔ آگ میں یہ دھاری ایسی معلوم ہوئی جیسے آگ شمع ہے اور خطِ جوہر شمع کا دھاگا۔

دوسرے مصرع میں خارِ شمع کو مبتدا اور جوہر کو خبر مانا جائے تو دوسرے مصرع کے معنی یہ ہوں گے کہ تیرے عکس سے آئینے میں شمع جل گئی اور اس کا روشن دھاگا آگ کے بیچ خطِ جوہر معلوم ہونے لگا۔ مصرع کی پہلی ترتیب بہتر ہے کیونکہ آگ میں جوہر کا مضمون غیر فطری ہے۔

آسی نے دوسرے مصرع کی قرأت دوسری طرح کی ہے۔

شعلہ رخسارا، تحیّر سے تری رفتار کے
خارِ شمع آئینۂ آتش میں جوہر ہوگیا

اب معنی یہ ہوں گے۔ اے شعلہ رخسار شمع نے تیری رفتار کو دیکھا اور وہ حیرت سے آئینہ ہوگئی۔ اس کا رُخ آئینۂ آتش معلوم ہوتا تھا جس میں اس کا دھاگا جوہر تھا۔ اس تشریح سے تحیّر کے معنی کھل کر آتے ہیں لیکن آئینۂ آتش عجیب سی بات ہے۔ اس لئے میں سب سے پہلی قرأت اور تشریح کو ترجیح دوں گا۔ حالانکہ اس میں یہ کمزوری رہتی ہے کہ تحیّر کی وجہ سے جوہر خارِ شمع کیوں ہوا۔ تحیّر کی بجائے عکس یا تمثال کے معنی کا کوئی لفظ زیادہ مناسب ہوتا۔

بسکہ وقتِ گریہ نکلا تیرہ کاری کا غبار
دامنِ آلودۂ عصیاں، گراں تر ہوگیا

تیرہ کاری : کالے کام کرنا یعنی گناہ کرنا۔ میں احساسِ گناہ سے رویا۔ گناہوں نے دل میں گرد و غبار بھرا ہوا تھا۔ رونے سے وہ غبار نکل کر آنسوؤں کے ساتھ دامن میں گرا۔ تردامن گناہ گار کو کہتے ہیں گویا گناہ کوئی رطوبت ہے۔ میرا دامن عرقِ گناہ سے تھتڑا ہوا تھا۔ غبارِ تیرہ کاری جو اس پر پڑا تو دامن اور بھاری ہوگیا۔ غبار کے معنی حسرت و محرومی کے احساس کے بھی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ندامتِ گناہ سے رونے میں مزید گناہوں کی حسرت جو تھی وہ جاتی رہی۔

حیرتِ اندازِ رہبر ہے عناں گیر اے اسد
نقش پائے خضر یاں سدِّ سکندر ہو گیا

عناں گیر: باز رکھنے والی - سدِّ سکندر: سکندر ذوالقرنین کی بنوائی ہوئی کانسے کی دیوار جو یاجوج ماجوج کا فتنہ روکنے کے لئے بنوائی گئی تھی۔ خضر کا تعلق سکندر اعظم سے ہے یہاں دونوں میں خلط کردیا گیا ہے۔ اندازِ رہبر دیکھ کر میں حیران ہوں اور یہ حیرت مجھے اس کے تتبع سے روک رہی ہے۔ پیرو رہبر کے نقش پا کے ساتھ ساتھ سفر کرتا جاتا ہے لیکن مجھے خضر کا نقش پا مانع سفر ہے گویا نقش پا میرے لئے مزاحم دیوار بن گیا۔ خضر نے سکندر کو گمراہ کیا ہی تھا اس لئے خضر پر کون بھروسہ کرے۔

وجاہت علی سندیلوی نے حیرتِ اندازِ رہبر کے معنی لئے ہیں رہبر کا اندازِ حیرت یعنی اس کا شکوک و شبہات میں گرفتار ہونا۔ اگر وہ خود ہی مذبذب ہے تو کون اس کی پیروی کرے۔

اس تشریح میں خرابی یہ ہے کہ حیرتِ انداز کو الٹ کر اندازِ حیرت کر دیا ہے۔ دوسرے اس طرح رہبر کا تذبذب ظاہر ہوتا ہے نیت کی خرابی نہیں۔ پہلی تشریح میں رہبر کی بدنیتی کی طرف اشارہ ہے اور یہ غالب کا مرغوب مضمون ہے۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

اس لئے میری رائے میں حیرت رہنما کی نہیں پیرو کی ہے۔

(۵۳)

گرفتاری میں، فرمانِ خطِ تقدیر ہے پیدا
کہ طوقِ قمری از ہر حلقۂ زنجیر ہے پیدا

طوقِ قمری: قمری کے گلے کا سیہ حلقہ۔ جب کوئی قید ہوتا ہے تو گویا خطِ تقدیر کا فرمان بھی اس کی گرفتاری کی تائید کر دیتا ہے۔ قمری کو زنجیر سے باندھا جائے تو زنجیر کا ہر حلقہ طوقِ قمری بن جائے گا۔ طوقِ قمری وہ قید ہے جو فرمانِ تقدیر سے ظہور میں آئی ہے۔ حلقۂ زنجیر کی مشابہت طوقِ قمری سے ہے۔

زمیں کو صفحۂ گلشن بنایا خوں چکانی نے
چمن بالیدنی ہا از رمِ نخچیر ہے پیدا

نخچیر کے تیر کا زخم لگا ہے اس میں سے خون ٹپک رہا ہے۔ وہ بھاگا تو زمین پر جا بجا خون گر کر پھول بوٹے بن گئے۔ اس طرح زمین باغ کی طرح ہو گئی اور صید کا بھاگنا چمن اگانے کے مترادف ہو گیا۔

مگر وہ شوخ ہے طوفاں طرازِ شوقِ خوں ریزی

کہ در بحرِ کماں بالیدہ موجِ تیر ہے پیدا

بحرِ کماں بالیدہ : وہ سمندر جو کمان میں پیدا اور بڑھا ہے۔ موجِ تیر : تیر جو موج کی طرح ہے۔ اس شوخ کو خوں ریزی کا طوفان اُٹھانے کا شوق ہے۔ اس کی کمان کا سمندر اور تیر کی موج مل کر طوفان اُٹھائے ہوئے ہیں۔ کماں چونکہ ایک خانے کی طرح اور تیر خط کی طرح ہے اس لئے اُنہیں سمندر اور موج سے تشبیہہ دینا مناسب ہے اس تشریح میں دوسرے مصرع کے اوقاف یوں ہیں۔ کہ در بحرِ کماں بالیدہ، موجِ تیر ہے پیدا۔ آسی نے دوسرے مصرع کو یوں پڑھا ہے "کہ در بحرِ کماں، بالیدہ موجِ تیر ہے پیدا" یعنی کمان کے سمندر میں تیر کی نشو ونما یافتہ موج ظاہر ہوتی ہے۔ دونوں طرح صحیح ہے۔ معنی وہی رہتے ہیں۔ بحرِ کماں بالیدہ جیسی ترکیب غالب کے مزاج کی بہتر نمائندگی کرتی ہے۔

نہیں ہے کف لبِ نازک پہ فرطِ تشنگی مے سے

لطافت ہائے جوشِ حسن کا سرشیر ہے پیدا

سرشیر : ملائی۔ محبوب نے بہت شراب پی۔ جس کے اثر سے اس کے منہ میں جھاگ آگئے۔ شاعر حسنِ تاویل کرتا ہے کہ ہونٹوں پر جھاگ نہیں بلکہ حسن کے جوش کی لطافت کی ملائی ہے۔

عروجِ نا اُمیدی، چشمِ زخمِ چرخ کیا جانے

بہارِ بے خزاں از آہِ بے تاثیر ہے پیدا

چشمِ زخم : نظر بد۔ آسماں کو کیا معلوم کہ ہماری نا اُمیدی کتنی بلند ہے۔ ہماری آہ میں تاثیر نہیں جس کی وجہ سے ہم مستقلاً نا اُمید رہتے ہیں۔ اس طرح ہم بڑے کمال کی نا اُمیدی کے مالک ہیں ہر بہار کے بعد خزاں آتی ہے لیکن ہماری نا اُمیدی پر اس عروج اور اس بہار کا عالم ہے جس میں خزاں آکر کوئی تبدیلی نہیں کرتی۔ اگر آسماں کی منحوس آنکھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری نا اُمیدی میں ایک عروج ایک بہار کا عالم ہے تو وہ شاید اس میں بھی خلل ڈال دے۔

عزاں بے بہار کو بہارِ بے خزاں ثابت کرنا شاعر ہی کا کام ہے۔ غالب نے ایک اور شعر میں محرومیِ جاوید کو پسند کیا ہے۔ ع غمِ محرومیِ جاوید نہیں

اسدؔ جس شوق سے ذرے تپش فرساہوں روزن میں

جراحت ہائے دل سے جوہرِ شمشیر ہے پیدا

اچھے فولاد میں جوہر بعض ادقات ذروں اور دھبوں کی شکل نمایاں ہوتا ہے۔ ریتی کے لوہے

کو توڑا جائے تو اس میں ذرات کا انداز ہوگا۔ جوہر ہے۔ دیوار یا دروازے میں کوئی روزن ہو اور اس میں سے دھوپ آرہی ہو تو ہوا میں ذرے تڑپتے ناچتے دکھائی دیتے ہیں۔ گہرے زخم میں بھی روزن ہوتا ہے اور یہ روزن محبوب کی تلوار کا بنایا ہوا ہے۔ جس طرح دھوپ والے سوراخ میں ذرے تڑپتے ہیں اسی طرح زخم میں میں محبوب کی تلوار کا جوہر رقصاں ہے۔ جوہر فولاد ذرات غبار کی طرح ہوتا ہے چونکہ محبوب کی تلوار نے زخم کیا تھا اس لئے اس کا جوہر زخم میں لبس گیا۔

(۵۴)

بہ مہرِ نامہ جو بوسہ گُلِ پیام رہا

ہمارا کام ہوا اور تمہارا نام ہوا

گُلِ پیام: گل کے ایک معنی نتیجہ اور فائدہ کے ہیں اور دوسرے معنی بہتر و خوب۔ عرفی کا شعر ہے

گلِ دنیا دِن ہا گلِ وعدہ ہاست عدہ نہ

برہمیں خوش است عرفی کہ تو نامہ می فرستی

اس شعر میں گل کے معنی ہیں نتیجہ۔ غالب کے شعر میں گلِ پیام۔ کے معنی پیام کا نتیجہ بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس سے بہتر ہے خوب و بہتر یعنی پیام کا بہترین حصہ۔ محبوب نے نامہ کو اپنے نام کی مہر لگا کر بھیجا ہے۔ عاشق نے مہر کا بوسہ لیا اور یہ پیغام کا بہترین حصہ ثابت ہوا۔ تمہاری مہر کا بوسہ لینے سے ہمارا کام ہو گیا یعنی مقصد بر آری ہوئی اور تمہارا نام ہو گیا کہ تم نے عاشق کے ساتھ لطف برتا۔ جب بوسۂ مہر ہی پیام کا بہترین جز و ہے تو ظاہر ہے کہ پیغام مایوس کن ہی ہوگا۔

ہوا نہ مجھ سے بجز دردِ حاصلِ صیاد

بسانِ اشک، گرفتارِ چشمِ دام رہا

صیاد نے۔ مجھے اس لئے گرفتار کیا تھا کہ مجھ سے کچھ نفع کمائے گا لیکن مجھ سے اسے صرف درد و سوز ملا۔ میں حلقۂ دام میں آنسو کی طرح بھنسا رہا یعنی ہمیشہ آہ و زاری میں مشغول رہا جس کے اثر سے صیاد بھی غمگین ہو گیا۔ حلقۂ دام کو آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں اگر اس میں پھنسی چڑیا ہمیشہ آہ و زاری کرتی رہی تو اس جانِ زار کو چشمِ دام کا آنسو کہہ سکتے ہیں۔

دل و جگر تفِ فرقت سے جل کے خاک ہوئے

ولے ہنوز خیالِ وصالِ خام رہا

خیالِ خام: ایسی خواہش کرنا جس کے پورا ہونے کی اُمید نہ ہو۔ خیالِ وصالِ خام" میں خام کا تعلق

وصال سے نہیں خیال سے ہے۔"خیالِ خامِ وصال"۔ گرمیِ فراق سے دل و جگر جل کر خاک ہو گئے یعنی مسلسل فراق کا عالم ہے۔ اس کے باوجود ہمیں وصل کا خیالِ خام ہے۔

شکستِ رنگ کی لائی سحر شبِ سنبل

پہ زلفِ یار کا افسانہ ناتمام رہا

سنبل سیاہی مائل اور زلف سے مشابہ ہوتا ہے۔ شکستِ رنگ: رنگ کا اُڑنا، پھیکا پڑنا۔ سنبل اور زلف دونوں کو سیاہی کی وجہ سے شب سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ دونوں میں سفیدی معیوب ہے سنبل کے سامنے زلفِ یار کے اوصاف کی داستان شروع کی گئی۔ سنبل خود کو حریفِ زلف سمجھتا تھا کچھ دیر زلف کی توصیف سُنی تو اس کا رنگ اُڑ گیا۔ گویا اس کی رات ٹوٹ کر صبح بن گئی۔ ابھی ہم مدحِ زلف کا افسانہ پورا بھی نہ کرنے پائے تھے کہ سنبل کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ رنگ کے اُڑنے کو سحر سے تشبیہ دی ہے جو یہاں نامرغوب علامت ہے۔ مُراد یہ ہے کہ سنبل کی زیبائی زلف سے بہت کم ہے۔

دہانِ تنگ مجھے کس کا یاد آیا تھا

کہ شب خیال میں بوسوں کا اژدہام رہا

یہ نفسیاتی شعر ہے۔ رات مجھے کس حسین کے تنگ منہ کی یاد آئی تھی کہ میں رات بھر تصور میں اس کے بوسے لیا کیا۔ خیال کی جگہ خواب ہوتا تو مضمون کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔ گستاخی نہ ہو تو یہ مصرع یوں ہوتا۔ ع "کہ رات خواب میں بوسوں کا اژدہام رہا۔"

نہ پوچھ حال شب و روزِ ہجر کا غالبؔ

خیالِ زلف و رُخِ دوست صبح و شام رہا

شب اور شام کی مناسبت زُلف سے اور روز اور صبح کی نسبت رُخ سے ہے۔ غالبؔ ہجر کے رات دن کا حال نہ پوچھ۔ صبح شام اس کے زلف و رُخ کا خیال رہا۔

(۵۵)

سحر گہہ باغ میں وہ حیرتِ گلزار ہو پیدا

اُڑے رنگِ گل اور آئینۂ دیوار ہو پیدا

آئینۂ دیوار: وہ آئینہ جو دیوار پر نصب ہو۔ پہلے مصرع میں "گر" کی ضرورت تھی۔ ممکن ہے گہہ دراصل گر رہا ہو۔ حیرتِ گلزار سے مراد وہ شخص جو گلزار کو حیرت میں ڈال دے۔ اگر صبح کے وقت باغ میں وہ حیرتِ گلزار آئے تو پھول کا رنگ اُڑ جائے گا اور دیوار اس کی دید کی اتنی مشتاق ہو گی کہ آئینہ

بن جائے گی تاکہ اس میں محبوب کا عکس پڑ سکے۔ آئینہ بننا حیرت کی وجہ سے بھی ممکن ہے چونکہ آئینہ سب سے حیران چیز ہے اور باغ محبوب کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب جائے گا۔

بتاں زہر آب اس شدّت سے دو پیکانِ ناوک کو
کہ خطِ سبز تا پشتِ لبِ سوفار ہو پیدا

پیکاں تیر کا اگلا حصّہ اور سوفار پچھلا حصّہ ہوتا ہے۔ زہر کا رنگ روایتاً سبز ہوتا ہے۔ پیکاں کو زہر میں بجھاتے ہیں جس سے وہ سبز ہو جاتا ہے۔ خطِ سبز اور پشتِ لب میں ایہام ہے۔ ان کے قریب کے معنی ہونٹ اور داڑھی کا سبزہ ہیں لیکن دراصل دور کے معنی سوفار کا دہانہ اور ہری لکیر مراد ہے۔ کہتے ہیں اے بتو پیکان کو اس شدّت سے زہر کے پانی میں ڈبوؤ کہ سوفار کے آخر تک سبز رنگ کی دھاری نمودار ہو جائے۔

لگے گر سنگ سر پر یار کے دستِ نگاریں سے
بجائے زخم گُل بر گوشۂ دستار ہو پیدا

دستِ نگاریں: نقش و نگار والا ہاتھ، جس پر مہندی لگائی ہو۔ گل بر سر دستار زدن یا بستن: پگڑی میں پھول لگانے کو کہتے ہیں۔ گوشۂ دستار پر پھول لگانا فخر و زیبائش کی نشانی ہے۔ اگر محبوب کے رنگین ہاتھ سے میرے سر پر پتھر لگے تو زخم نہیں ہوگا بلکہ پگڑی میں پھول لگ جائے گا یعنی بڑا اعزاز بڑی زیبائش ہوگی۔

کروں گر عرضِ سنگینیِ کہسار اپنی بے تابی
رگِ ہر سنگ سے نبضِ دلِ بیمار ہو پیدا

پہاڑ کی سختی کے سامنے اگر میں اپنی بے تابی عرض کروں تو پتھر جیسی جامد چیز بھی تڑپنے لگے گی۔ ہر پتھر کی رگ دلِ بیمار کی نبض کی طرح ہو جائے گی۔ نبض اور دل دونوں میں دھڑکن ہے اس لئے دل میں نبض پیدا کر دی۔ بیمار کے دل میں بے تابی ہوتی ہے۔ اس کا حال سن کر پتھر بھی بے چین ہو جائیگا۔

بہ سنگِ شیشہ توڑوں ساقیا پیمانہ پیماں
اگر ابرِ سیہ مست از سوئے کہسار ہو پیدا

پیمانۂ پیماں: وعدہ کا پیمانہ۔ میں نے عہد کیا تھا کہ آئندہ شراب نہ پیوں گا لیکن اگر پہاڑ کی طرف سے سیہ مست بادل آئے تو میں توبہ کا پیمانہ شیشۂ شراب کے پتھر سے توڑ دوں گا۔ توبہ کو پیمانے سے تشبیہ دی ہے اور شیشہ (بوتل) کو پتھر سے سیہ مست کا لفظ ابر کے ساتھ برجستہ ہے۔

اسدؔ مایوس مت ہو گرچہ رونے میں اثر کم ہے
کہ غالب ہے کہ بعد از زاریِ بسیار ہو پیدا

غالب ہے: غالباً۔ اسد اگرچہ ابھی رونے میں اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ مگر مایوس مت ہو۔ قوی امکان ہے کہ بہت سا رونے کے بعد اثر ہوگا۔

(ب)

(۵۶)

بسکہ ہے مے خانہ ویراں جوں بیابانِ خراب
عکسِ چشمِ آہوئے رم خوردہ ہے داغِ شراب

شعر سے دو معنی نکلتے ہیں۔ (۱) جو ہرن بھاگا جا رہا ہو اس کی آنکھ کا عکس بھی گریز پا ہوگا وہ عکس کیا کہیں پڑے گا اور کیا کسی کو دکھائی دے گا۔ وہ تیزی سے گزر کر معدوم ہو رہا ہوگا۔ مے خانہ ویران جنگل کی طرح ہے۔ اس میں شراب اور شراب خوروں کا پتہ نہیں۔ اگر فرش پر کسی داغِ شراب ہے تو وہ تیزی سے غائب ہو رہا ہے (یا شاید معدوم ہے)

(۲) مے خانہ ویران بیابان کی طرح ہے۔ ویرانے میں ہرن پھرتے ہیں۔ مے خانے میں چند داغ شراب جو فرش پر دکھائی دیتے ہیں وہ کسی بھاگتے ہوئے ہرن کی آنکھ کے عکس سے مشابہ ہیں اس طرح صحرا کا ایک لازمہ ثابت ہو گیا جس سے ویرانی میں مزید اضافہ ہوا۔

تیرگیِ ظاہری، ہے طبعِ آگہ کا نشاں
غافلاں! عکسِ سوادِ صفحہ، ہے گردِ کتاب

تیرگیِ ظاہری: ظاہر کی جہالت یا گندگی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ گدڑی میں لعل چھپے ہوتے ہیں کوئی خدا رسیدہ یا عالم شخص معمولی لباس میں خود کو بے علم و نظر ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی طبیعت خبردار و ہوشیار ہوتی ہے جیسے کتاب پر گرد صفحے کی سیاہی کی خبر دیتی ہے وہ معمولی گرد نہیں ہوتی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے نیچے علم کے گوہر ہیں۔

یک نگاہِ صاف، صد آئینۂ تاثیر ہے
ہے رگِ یاقوت، عکسِ خطِ جامِ آفتاب

صد آئینۂ تاثیر: تاثیر کے سو آئینہ دالیعنی تاثیر کا ثبوت۔ رگِ یاقوت: لعل پر دکھائی دینے والی دھاریاں۔ خطِ جام: اصلاً جامِ جم میں خطوط تھے اب ہر جام کیلئے آتا ہے۔ یہ مسلم ہے کہ ہیرے اور لعل سورج کی تپش سے تشکیل پاتے ہیں۔ ایک پاک صاف نگاہ میں بہت تاثیر ہوتی ہے ثبوت ٔجامِ آفتاب کے خط کے عکس سے رگِ یاقوت پیدا ہوئی یعنی سورج کی کرن سے لعل پیدا ہوئے خطِ جامِ آفتاب سے مراد سورج کی کرن ہے جو نگاہِ صاف کی نمائندہ ہے۔

ہے عرق افشاں "مشی سے" ادہمِ مشکینِ یار
وقتِ شب اختر گنے ہے چشمِ بیدارِ رکاب

مشی: چلنا۔ ادہمِ مشکین: کالا گھوڑا۔ اختر گننا: اختر شماری بمعنی رات کو بیدار رہنا۔ رات میں تارے نہیں نکلے بلکہ دوست کا کالا گھوڑا چلنے کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہے۔ چونکہ محبوبِ حقیقی کا گھوڑا رات بھر چلتا ہے اس لئے چشمِ رکاب رات بھر کھلی رہتی ہے۔ رکاب کا حلقہ آنکھ سے مشابہ ہے اور یہ چشمِ بیدار ہوئی جو اختر شماری کر رہی ہے۔ رات گذرنے کو خدا کے گھوڑے کے سفر سے مشابہ کیا ہے۔

ہے شفق، سوزِ جگر کی آگ کی بالیدگی
ہر یک اختر ہے فلک پر، قطرۂ اشکِ کباب

اشکِ کباب: وہ قطرے جو کباب کو آگ پر رکھنے سے نمودار ہوں۔ شعر میں اپنے سوزِ جگر کا مبالغہ کیا ہے۔ شفق نہیں میرے جگر کی آگ بلند ہو کر آسمان تک پہنچی ہے۔ اس آگ سے آسمان کباب کی طرح بھن گیا۔ اس میں سے رطوبت کے قطرے جو ظاہر ہوئے وہ تارے ہیں۔
مرکب تشبیہ کو خوب نبا ہا ہے۔

بسکہ شرمِ عارضِ رنگین سے حیرت جلوہ ہے
ہے شکستِ رنگِ گل، آئینہ پردازِ نقاب

محبوب کے رنگین عارض کو دیکھ کر پھول کو شرم آئی اور وہ اس کے حسن پر حیران رہ گیا۔ پھول کا رنگ اڑ گیا اور اس نے شکستِ رنگ کو نقاب میں چھپانا چاہا لیکن یہ نقاب آئینے کا رنگ اختیار کر گیا اور اس نے رنگ کے اڑنے کا بھید سب پر ظاہر کر دیا۔

شب کہ تھا نظارگی روئے بتاں کا اے اسدؔ
گرگیا بامِ فلک سے صبح طشتِ ماہتاب

نظارگی: نظارہ کرنے والا۔ بام سے طشت گرنا: بھید ظاہر ہونا۔ نظارہ کون کر رہا ہے؟ فلک یا ماہتاب؟ دونوں سے دو معنی نکلتے ہیں۔ پہلے آسمان کو لیجئے۔ رات میں آسمان نے اپنے سر پر یعنی بام پر چاند کا طشت رکھا ہوا تھا اور بتوں کے چہرے کا نظارہ کر رہا تھا۔ صبح کے وقت بھول سے اس کے سر سے چاند کا طشت گر گیا۔ اشارہ اس بات پر ہے کہ چاند حسینوں کے چہرے سے کم حسین تھا۔ دوسرے یہ کہ آسمان کا راز ظاہر ہوگیا کہ وہ چاند کا مالک ہونے کے باوجود دوسرے حسینوں کا نظارہ کرتا ہے یعنی اس کی نظر میں وہ چاند سے زیادہ حسین ہیں۔

اگر نظارگی چاند ہے تو یہ معنی ہوئے کہ وہ رات بھر حسینوں کو دیکھتا رہا یعنی اس نے خود اعتراف کیا کہ بت اس سے زیادہ حسین ہیں۔ صبح یہ بھید سب پر کھل گیا۔

(۱۵۷)

ہے بہاراں میں خزاں حاصلِ خیالِ عندلیب
رنگِ گل آتش کدہ ہے زیرِ بالِ عندلیب

زیر بال: پرندوں کا پروں میں سر چھپا کر سو جانا۔ یہاں غالباً محاورے کے طور پر نہیں آیا لفظی معنی میں آیا ہے گو زیر بال ہو کر پرندے گہری میں سوچ میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں اور شعر کے پہلے مصرع میں خیال کا ذکر ہے ہی۔ بہرحال معنی یہ ہیں کہ بلبل کا تخیل بہار میں بھی خزاں کی سی کیفیت میں رہتا ہے۔ بلبل پھول پر بیٹھی ہے اس کے پروں کے نیچے پھول کا رنگ ایک آتش کدہ ہے جو بلبل اور بہار سب کو پھونک دے گا۔ یعنی بلبل کا انجامِ بہار دکھائی دیتا رہتا ہے کہ خزاں سر پر کھڑی ہے۔

عشق کو ہر رنگ شانِ حسن ہے مدِ نظر
مصرعِ سروِ چمن ہے حسبِ حالِ عندلیب

عام طور سے بلبل کو گل کا عاشق اور سرو کو قمری کا محبوب قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں سرو کو عندلیب سے متعلق کر دیا ہے۔ سرو اپنی راستی اور سرسبزی کی وجہ سے مصرع سے مشابہ ہوتا ہے۔ حسن کسی بھی رنگ میں ظاہر ہو عشق اس کو اپنی نظروں میں رکھے گا۔ بلبل پھول کی عاشق ہے لیکن حسین سرو دکھائی دیا تو اس کی بھی قدر کرے گی۔ اس طرح سرو بلبل کے دل کی حالت ظاہر کرنے والا مصرع ہے۔ اس مصرع میں کون سا مضمون ہے۔ یہی کہ عشق کو ہر رنگ میں حسن کا جلوہ پسند ہوتا ہے۔

--- --- --- --- ---

حیرتِ حسنِ چمن پیرا ہے تیرے رنگِ گل
بسملِ ذوقِ پریدن ہے بہ بالِ عندلیب

بہ بالِ دیگر پریدن ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں کسی کی حمایت سے خود کو بعض خوبیوں سے متصف ظاہر کرنا جو خود میں نہیں حمایتی میں ہیں۔ غالب نے یہی لفظی معنی میں لیا ہے محبوب کا حسن چمن کو سجانے والا ہے۔ اس کو دیکھ کر پھول حیران ہے اور اس کا رنگ اُڑنے کا مشتاق ہے لیکن اُڑے کیسے سہارے کی ضرورت ہے۔ وہ بلبل کے پروں سے اُڑ جانا چاہتا ہے۔ یعنی بلبل جو پھول کے حُسن کی قدر دان ہے ہمارے محبوب کے حسن کو دیکھ کر خود پھول کے رنگ کے غائب ہونے میں مددگی

عمر میری ہو گئی صرفِ بہارِ حسنِ یار
گردشِ رنگِ چمن ہے ماہ و سالِ عندلیب

آسی نے اس شعر میں اپنی اور بُلبل کی حالت کا موازنہ کیا ہے کہ میں عمر بھر حسنِ یار کی بہار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہوں۔ بلبل کو بہار و خزاں کے تواتر سے سابقہ پڑتا ہے لیکن غالبؔ شاعر نے یہ نہیں کہنا چاہا۔ اُنہوں نے خود ہی کو عندلیب کہا ہے۔ ماہ و سال سے مُراد پورا وقت۔ عندلیب کا وقت اور عمر کیا ہے باغ کے رنگ کو اور اس کی گردش کو دیکھتے رہنا۔ بہار آئے کہ خزاں بُلبل کی توجہ کا واحد مرکز رنگِ چمن ہے۔ میری عمر بھی حسنِ یار کی بہار کی طرف مرکوز رہنے میں صرف ہو گئی۔ مجھے اور کسی کام سے کام ہی نہیں۔ محبوب کا حسن ہی عاشق کی زندگی ہے۔

منع مت کر حسن کی ہم کو پرستش سے کہ ہے
بادۂ نظارۂ گلشن، حلالِ عندلیب

ہمیں حُسن کی پرستش سے مت روک کیونکہ بلبل کو باغ کے نظارے کی شرابِ حلال ہے۔ میں بھی بُلبل کا ہم مذاق ہوں۔ میرا باغ حُسن کا چہرہ ہے میں اس کا نظارہ کروں گا۔

ہے گر موقوف بر وقتِ دگر کارِ اسدؔ
اے شبِ پروانہ و روزِ وصالِ عندلیب

ہر کام اپنے وقت پر تکمیل کو پہنچتا ہے۔ پروانے کا شمع سے وصل رات کو ہوتا ہے اور بُلبل کا پھول سے وصل دن میں۔ اسد کا کام بھی کسی اور وقت پر موقوف ہے۔

چونکہ رات پروانے کی ہے اور دن بُلبل کا تو وقتِ دگر کون سا بچا۔ ظاہرا کوئی وقت بھی نہیں پروانے اور عندلیب کے سامنے محض اپنی ساکھ رکھنے کو بہانہ کر دیا ہے کہ ہمارے مقررہ وقت پر ہمیں کامیابی ہوگی۔

(ت)
(۵۸)

جاتا ہوں جدھر سب کی اُٹھے ہے اُدھر انگشت
یک دست جہاں مجھ سے پھرا ہے مگر انگشت

انگشت نما ہونا: رسوا ہونا: یک دست: یکساں۔ میں جدھر جاتا ہوں سب میری طرف اُنگلی اُٹھاتے ہیں۔ ساری دُنیا میرے بالکل خلاف ہوگئی ہے۔ صرف اُنگلیاں میری طرف توجہ کررہی ہیں اور سب نے مُنہ پھیر لیا ہے۔ یک دست اور انگشت میں رعایت ہے۔

میں اُلفتِ مسترگاں میں جو انگشت نما ہوں
لگتی ہے مجھے تیر کے مانند ہر انگشت

انگشت نما کے معنی وہ شخص جس کی طرف اُنگلیاں اشارہ کریں یعنی بدنام شخص۔ میں کسی حسین کی پلکوں کی الفت کی وجہ سے بدنام ہوگیا ہوں حالانکہ اس الفت میں کیا بُرائی ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے لوگوں کی انگشتِ اعتراض تیر کی طرح لگتی ہے۔ پلکیں بھی تیر کی طرح ہوتی ہیں۔ شاید اسی لئے مجھے اُنگلیوں کے تیر کھانے پڑ رہے ہیں۔

ہر غنچۂ گل صورتِ یک قطرۂ خوں ہے
دیکھا ہے کسو کا جو حنا بستہ سرانگشت

سرانگشت: اُنگلی کا سرا۔ شعر کے صاف صاف دو معنی ہیں۔

(۱) عاشق عشق میں خون ہو جاتا ہے۔ ہر غنچہ بھی خون کے قطرے کی طرح ہے ہو نہ ہو یہ بھی کسی سے عشق کرنے لگا ہے۔ کس سے؟ اس نے ہمارے محبوب کی حنا لگی ہوئی اُنگلی کا سِرا دیکھ لیا ہے جس کے عشق میں خود کو خون کئے ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سرانگشتِ حنائی پھول کے سُرخ غنچے سے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) میں نے ایک حسین کا حنا لگا ہوا اُنگلی کا سِرا دیکھ لیا ہے وہ اس طرح میری نظروں پر چڑھ گیا ہے کہ اس کے آگے پھول کی سُرخ کلی محض ایک خون کی بوند معلوم ہوتی ہے۔ یعنی اس میں کوئی دلکشی ہی نہیں۔ پہلے مفہوم میں دیکھا ہے کا فاعل "میں نے" ہے۔ دوسرے میں "غنچۂ گل" فاعل ہے ــــــــ ؛

گرمی ہے زباں کی سببِ سوختنِ جاں
ہر شمع شہادت کو ہے یاں سر بسر انگشت

زباں کی گرمی: تیز دلآزار کلام۔ غالب نے ایک شعر میں کہا ہے۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

شمع کی نوک کو زبانۂ شمع کہتے ہیں۔ شہادت کے دو معنی ہیں گواہی اور شہید ہونا۔ یہاں اول الذکر مراد ہیں اور آخر الذکر کی طرف بھی ایک قرینے سے ذہنی اشارہ ہے۔ انگشتِ شہادت کو اُٹھا کر کسی شخص کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے یا کسی بات پر گواہی دی جاتی ہے۔ بات چیت کی گرمی جان کے جلنے کا باعث ہوتی ہے۔ شمع کی زبان تو ظاہرا بھی گرم ہوتی ہے چنانچہ اس کی جان جل جاتی ہے۔ شمع اس قول کی صحت پر اُنگلی اُٹھا کر گواہی (شہادت) دے رہی ہے۔ شمع چونکہ اُنگلی سے مشابہ ہوتی ہے اس لئے اسے انگشتِ شہادت قرار دیا۔ چونکہ وہ اپنی گرمیِ زباں کے سبب جل کر ڈھیر ہو جاتی ہے اس لئے اس کی گواہی مدلل ہوئی۔

خوں دل میں جو میرے نہیں باقی، تو پھر اس کی
جوں ماہیِ بے آب تڑپتی ہے ہر انگشت

محبوب میرے دل کے خون میں اُنگلیاں بھگو کر ان کو رنگِ حنا دیتا تھا۔ اب میرے دل میں خون باقی نہیں رہا اس لئے محبوب کی ہر اُنگلی ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے۔ خون کی مماثلت آب سے اور اُنگلی کی ماہی سے ہے۔

شوخی تری کہہ دیتی ہے احوال ہمارا
رازِ دلِ صد پارہ کی ہے پردہ در انگشت

پردہ در: راز کو فاش کرنے والا۔ ہمارے دل میں ایک راز چھپا ہے اور وہ یہ ہے کہ تیرے عشق میں ہمارے دل کے سو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ ہم اس حالت کو دنیا سے چھپانا چاہتے ہیں لیکن تیری شوخی کو ضبط کہاں۔ تیری اُنگلی ہمارے دل کو چھیڑتی اور کریدتی ہے اور اس کی کیفیت سے آشنا ہونے کے بعد ڈھنڈورا پیٹ دیتی ہے۔ دراصل اس انگشت ہی نے تو دل کو صد پارہ کیا ہے۔

کس رتبے میں باریکی و نرمی ہے کہ جوں گل
آتی نہیں پنجے میں بس اس کے نظر انگشت

پھول کو پنجۂ دست سے تشبیہہ دیتے ہیں لیکن اس میں اُنگلیاں نہیں ہوتیں۔ اُنگلی کی خوبی ہے۔ باریکی اور نرمی۔ محبوب کی اُنگلی میں یہ خوبیاں اتنی شدت سے ہیں کہ باریکی کی وجہ سے خصوصاً پنجے میں اُنگلی نظر ہی نہیں آتی جیسا کہ پھول کے پنجے میں ہوتا ہے۔

شاعر نے یہ نہ سوچا کہ بغیر اُنگلیوں کا پنجہ کوڑھی کے پنجے سے مشابہ ہو جائے گا۔ شعرا کمر اور دہن کی تنگی میں مبالغہ کرکے اُنھیں غائب ہی کر دیتے ہیں۔ غالب نے اُنگلیوں کو غائب کر دیا۔

(۵۹)

چشم بندِ خلق غیر از نقشِ خود بینی نہیں
آئینہ ہے قالبِ خشتِ درِ دیوارِ دوست

تمثیلی رنگ، کے اشعار میں پہلے مصرع میں کوئی دعویٰ کیا جاتا ہے دوسرے مصرع میں تشبیہہ کے ذریعے دلیل لائی جاتی ہے۔ یہی کیفیت اس شعر میں ہے۔ پہلے مصرع میں دعویٰ ہے کہ اہلِ دنیا اگر آنکھ بند کرکے گیان دھیان میں لگنے کا بہروپ کریں تو یہ دراصل خود بینی کے سوا اور کچھ نہیں۔ خارجی دُنیا کے مناظر سے قطع کرکے کمرے میں بند ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام توجہ اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ جائے گی اور یہ خود بینی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ محبوب اپنے گھر کے اندر بند ہو جاتا ہے۔ اس کے در و دیوار کی اینٹیں آئینے کے سانچے میں ڈھل کر بنی ہیں یعنی خود آئینہ ہیں۔ اس لئے محبوب کو در و دیوار میں اپنی ہی شکل دکھائی دیتی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ جب گھر میں اور کوئی نہ ہوگا تو وہ اپنے ہی بارے میں سوچے گا۔ یہ خود بینی ہوئی۔

مندرجہ بالا تشریح میں چشم بند کو مبتدا اور غیر از نقشِ خود بینی، کو خبر فرض کیا گیا تھا۔ اسی طرح دوسرے مصرع میں قالبِ خشت کو مبتدا اور آئینہ کو خبر مانا تھا۔ آسی نے اس کے برعکس کرکے ذیل کے معنی لئے ہیں۔ خود بینی میں مبتلا رہنا لوگوں کی آنکھیں بند کر دیتا ہے یعنی انھیں غفلت میں ڈال کر محبوب کا جلوہ دیکھنے سے باز رکھتا ہے۔ خود بینی کا وسیلہ ہے آئینہ۔ اس طرح آئینہ محبوب کے اور خلق کے بیچ دیوار بن کر مزاحم ہوتا ہے۔

میں اس تشریح کی اس لئے تائید نہیں کروں گا کہ "در و دیوارِ دوست" میں حجاب کا انداز نہیں۔ صرف دیوار ایک دفعہ کو پردہ مزاحم ہو سکتی تھی لیکن در و دیوار کے یہ معنی مناسب نہیں۔

برقِ خرمنِ زارِ گوہر ہے، نگاہِ تیز یاں
اشک ہو جاتے ہیں خشک از گرمیِ رفتارِ دوست

آنسوؤں کو گوہر سے تشبیہ دی ہے۔ نگاہِ تیز: غضب ناک نگاہ: گرمیِ رفتار کے معنی تیز رُوی کے ہیں لیکن یہاں نگاہِ تیز کا مترادف بنا دیا ہے یعنی بجلی کی سی شوخی، بے چینی، بے صبری جس کے ساتھ عاشق نہیں دے سکتا اور جس کے رعب سے آنسو وغیرہ بہانا بھول جاتا ہے۔ گویا اس کے غصّے کی نگاہ ایسی بجلی ہے جو آنسوؤں کے موتیوں کے ڈھیر پر گرکر اُنہیں جلا دیتی ہے۔

ہے سوا نیزے پہ اس کے قامتِ نوخیز سے　　آفتابِ روزِ محشر ہے، گُلِ دستارِ دوست

مشہور ہے کہ قیامت کے دن سورج سوا نیزے کی بلندی پر اُتر آئے گا۔ محبوب نوجوان ہے ابھی اس کا قد نیا نیا نکلا ہے لیکن یہ بھی سوا نیزے کے برابر بلند ہوگا۔ محبوب نے زیبائش کے لئے اپنی پگڑی میں پھول لگا رکھا ہے جو آفتابِ محشر کی طرح ہے۔ اس حسین قامت اور پھول کی وجہ سے بالکل قیامت کا عالم ہو گیا ہے یعنی دیکھنے والے اسی طرح تڑپ رہے ہیں جیسے روزِ قیامت تڑپیں گے۔

اے عدوئے مصلحت، چندے بضبط افسردہ رہ
کردنی ہے جمع، تابِ شوخیِ دیدارِ دوست

شعر میں اپنے دل کو خطاب کیا ہے۔ اگر قافیے کی پابندی نہ ہوتی تو "دیدارِ شوخیِ دوست" کا مقام تھا۔ شوخیِ دیدار کے معنی یہ ہیں کہ دوست کو دیکھنے کا عمل بڑا شوخ و شریر و فتنہ زا ہے۔ دل محبوب کو دیکھتا ہے تو مشکل سے دیکھنے کی تاب لا پاتا ہے۔ تڑپنے جلنے چیخنے چلانے لگتا ہے۔ کہتے ہیں اس طرح کام نہیں چلے گا۔ بہتر پالیسی یہ ہے کہ کچھ دن ضبط کر کے بجھے بجھے پڑے رہیے جب کچھ سکت اور قوتِ برداشت ہو جائے تو محبوب کا دیدار کیا جائے۔

لغزشِ مستانہ و جوشِ تماشا ہے، اسدؔ
آتشِ مے سے، بہارِ گرمیِ بازارِ دوست

دونوں مصرع علیحدہ علیحدہ جملے ہیں۔ محبوب نے شراب پی اور لغزشِ مستانہ کے ساتھ چلا جس کی وجہ سے عشاق جوش و اشتیاق کے ساتھ اسے دیکھنے لگے۔ اس طرح محبوب کا بازار بڑا گرم ہوا یعنی اس کی بہت مانگ ہوئی یا وہ لوگوں میں بڑا مقبول ہوا۔ یہ گرمیِ بازار آتشِ مے کے سبب سے ہے۔ چونکہ بازار گرم ہونا محاورہ ہے۔ اس لئے غالبؔ نے لفظ "گرم" کو آتشِ مے سے متعلق کر دیا۔

(۶۰)

دو عالم کی ہستی پہ خطِ فنا کھینچ
دل و دستِ اربابِ ہمت سلامت

خط کھینچنا: لکھے کو کاٹ دینا۔ دل و دست: محاورہ ہے۔ "دست و دل" بمعنی ہمت و قوت۔ یہی معنی "دل و دست" کے ہوئے۔ دل مقام ہے ہمت کا اور دست مخزن ہے قوت کا شعر صاف ہے۔ نہ اس عالم کی ہستی ہے نہ اس عالم کی۔ دونوں کو معدوم جان کر دنیا و عقبیٰ سے بے نیاز ہو جانا اہلِ ہمت کا کام ہے۔ ان کی ہمت سلامت رہے۔

نہیں گر بر کامِ دلِ خستہ گردوں
جگر خواہیِ جوششِ حسرت سلامت

جگر تاب و ہمت کی علامت ہے اس لئے جگر خواہی کے معنی قوتِ برداشت کی خواہش اگر آسمان ہمارے زخمی دل کے مقاصد اور خواہشات کے مطابق گردش نہیں کرتا تو ہم حسرت کے برداشت کرنے کی قوت کی خواہش رکھتے ہیں ہماری یہ خواہش سلامت رہے۔

نہ اوروں کی سنتا، نہ کہتا ہوں اپنی
سرِ خستہ و شورِ وحشت سلامت

میری وحشت کا شور ہے۔ اسی وحشت کی وجہ سے میرا سر خستہ ہو گیا ہے۔ یہ دونوں یعنی زخمی سر اور وحشت کا شور سلامت رہے۔ اس کے علاوہ نہ میں کسی کی بات پر دھیان دیتا ہوں نہ کسی سے اپنے بارے میں کچھ کہتا ہوں۔

وفورِ وفا ہے، ہجوم بلا ہے
سلامت ملامت، سلامت سلامت

میں محبوب سے بہت وفا کر رہا ہوں۔ عشق کی وجہ سے میرے اوپر بلاؤں کا ہجوم ہے۔ عشق میں سلامت کے ساتھ رہنا ملامت اور شرم کا مقام ہے۔ اس لئے خلق میرے اوپر جو ملامت کر رہی ہے وہ سلامت رہے کیونکہ عشق میں ع خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد

اسی طرح سلامت، مترادف ہے ملامت کے۔ اور ملامت کی ہم سلامتی چاہتے ہیں۔ دوسرے مصرع کے دو فقروں کے معنی میں جو فرق ہے اسی کے لطف پر شعر کی خوبی کا انحصار ہے۔

نہ فکر سلامت، نہ بیم ملامت
زخود رفتگی ہائے حیرت سلامت

زخود رفتگی: از خود رفتن کے معنی ہیں۔ مست و سرشار ہو کر اپنی خودی کا احساس دور ہو جانا حسنِ محبوب کو دیکھ کر حیرت کا عالم طاری ہوا اور اس کی وجہ سے میں از خود رفتہ ہو گیا۔ اب نہ مجھے سلامت

کے ساتھ رہنے کی فکر ہے نہ لوگوں کے طنز اور ملامت کا ڈر ہے۔ یہ از خود رفتگی سلامت

ع رہے غالبِ خستہ، مغلوب گردوں
یہ کیا بے نیازی ہے حضرت سلامت؟

حضرت سلامت، غالب کے لئے آیا ہے یا محبوب کے لئے؟ دونوں طرح مختلف معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) "رہے" مضارع ہے۔ "حضرت سلامت" "جہاں پناہ" کی طرح کا فقرہ ہے جو محبوب سے خطاب ہے یا پھر بادشاہِ وقت کو کہہ سکتے ہیں۔ آپ کے ہوتے غالبِ خستہ آسمان کے ظلم سے مغلوب رہے۔ حضرت یہ آپ کی کیا بے نیازی ہے۔ اس پر کرم کیجئے تاکہ آسمان کی لائی ہوئی سختیوں سے رہا ہو جائے۔

(۲) مجروح دل والے غالب صاحب! آپ آسمان کے ظلم سے دب کر رہے۔ حضرت یہ آپ کی کیا بے نیازی، بے عملی اور توکل ہے۔ اُٹھ کر جد و جہد کیجئے اور آسمان کے غلبے سے رہائی پایئے۔

دوسرے مفہوم میں "رہے" ماضی مطلق ہے۔ پہلے معنی بہتر ہیں۔

(ث)

(۶۱)

دودِ شمعِ کشتہ گُل، بزم سامانی عبث
یک شبہ آشفتہ نازِ سنبلستانی عبث

گل کو چراغ سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ یہاں شمعِ گل باندھا ہے۔ شمع بجھنے کے بعد کچھ دیر تک دھواں نکلتا رہتا ہے۔ شعر میں اسی سے خطاب ہے۔ رات کو محفل میں سجاوٹ کیلئے پھول رکھے ہوں گے صبح کو وہ مرجھائے پڑے ہیں۔ اُنہیں پھول کی شمعِ کشتہ کا دھواں قرار دیا ہے دوسرے مصرع میں "یک شبہ" محاورے کے طور پر نہیں آیا۔ محاورے میں "یک شبہ" اس کو کہتے ہیں جس کی زندگی پر ایک رات گزر چکی ہو یا پھر نازک ریشم کا وہ کپڑا ہوتا ہے جس سے دولہا دلہن کا دوپٹہ اور اوڑھنی بناتے ہیں اور یہ صرف شبِ عروسی میں کام آتے ہیں۔ یہاں تو "یک شبہ" کے معنی محض "ایک رات سے متعلق" ہیں۔ "آشفتہ کا تعلق" ناز" سے بھی کیا جا سکتا ہے یک شبہ سے بھی۔ سنبلستان سنبل کے باغ کو کہتے ہیں۔ دھوئیں کی مشابہت سنبل سے ہوتی ہے۔ سنبلستانی کے معنی گلشن آرائی یا بزم آرائی سمجھئے۔ اب شعر کے معنی یہ ہوئے۔

اے پھول کی بجھی ہوئی شمع کے دھوئیں! اب تو تو ہماری بات سے اتفاق کرے گا کہ بزم آرائی بے کار ہے کیونکہ انجام تو دیکھ رہا ہے۔ ایک رات کے لئے گلشن آرائی کا ناز بے کار ہے۔

آشفتہ کو اگر یک شبہ تک کے ساتھ رکھیں تو معنی ہوں گے۔ وہ نازِ گلشن آرائی جس پر صرف ایک رات گزری ہے اور اب پریشان ومنتشر ہے بے سود ہے کہ نہیں۔ اگر آشفتہ کو "ناز" کے ساتھ رکھیں تو معنی ہوں گے۔ محض ایک رات زندہ رہنے والا گلشن آرائی کا حیران و پریشان ناز بے کار ہے۔

مندرجہ بالا تشریحات میں شمعِ کشتۂ گل کی تشریح یوں کی گئی ہے "(شمعِ کشتہ) گل" اگر اسے یوں لیں۔ "شمع (کشتۂ گل)" اور گل کے معنی شمع کا گل یا راکھ لیا جائے تو اس مرکب کے معنی ہوں گے "وہ شمع جسے گل نے بجھا دیا ہے" اور اب خطاب ہوگا گل آتے رہنے کی وجہ سے بجھ جاتے والی شمع کے دھنوئیں سے شاید یہ تشریح دور از کار سمجھی جائے لیکن میں اسے ترجیح دوں گا اسلئے کہ شمع کشتہ میں دھنواں ہوسکتا ہے نیز آشفتہ اور سنبلستانی کا تعلق دھنوئیں سے واضح ہے پھول کی بجھی ہوئی شمع یعنی پژمردہ پھول میں دھنواں کہاں سے لایا جائے۔ اس لئے شعر کے موزوں تر معنی یہ ہوں گے کہ اے شمعِ مردہ کے دھنوئیں بزم آرائی بے کار ہے اور ایک رات کے لئے سنبلستان کی سی کیفیت پیدا کرنا اور اس پر ناز کرنا بے کار ہے۔

اس شعر کے معنی سرخوش نے لکھے ہیں اور پھول سے خطاب مانا ہے۔ آسی اور سندیلوی اس شعر سے گزر گئے ہیں۔

ہے ہوس محمل بہ دوشِ شوخیِ ساقیِ مست
نشۂ مے کے تصور میں نگہبانی عبث

محمل بہ دوش: عازم سفر ہونا۔ مست ساقی کی شوخی کی وجہ سے ہماری شراب نوشی کی ہوس رخصت ہوا چاہتی ہے۔ چنچل ساقی کا کوئی ارادہ نہیں کہ وہ ہمیں شراب سے مشکور کرے۔ ہم نشے کا تصور کرکے ساقی کی حرکات کی جو نگرانی کر رہے ہیں وہ بے کار و بے سود ہے۔ اس سے کوئی امید نہیں۔

باز ماندن ہائے مژگاں ہے یک آغوشِ وداع
عید در حیرت سوادِ چشمِ قربانی عبث

باز ماندن: کھلے رہنا۔ آغوشِ وداع: کسی کو وداع کرتے وقت بغل گیر ہوتے وقت ہاتھوں کا کھولنا۔ حیرت سواد: جس کے آس پاس حیرت ہی حیرت ہو۔ مذبوح کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں حیرت میں بھی آدمی کی آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں اس لئے مذبوح جانور کی کھلی آنکھوں کو حیرت کدہ قرار دیا۔ پہلے مصرع میں کہتے ہیں کہ عید قرباں میں قربان ہونے والے جانور کی کھلی ہوئی پلکیں دنیا کو وداع کرنے والی آغوش ہیں۔ ذبیحہ اہلِ دنیا کے برتاؤ پر حیران ہے۔ ان آنکھوں کی حیرت

کے ہوتے ہوئے عید کی خوشی کیوں منائی جاتی۔ وداع تو رنج کا موقع ہے۔ ایسے ماحول میں عید منانا عبث ہے۔

خبر غبارِ کردہ سیر، آہنگی پرواز کو؟
بلبلِ تصویر و دعوائے پَر افشانی عبث

غبارِ کردہ سیر: وہ غبار جس نے سیر کی ہو یعنی اُڑ رہا ہو۔ آہنگی: قصد کرنے والا۔ اڑتی ہوئی گرد کے علاوہ پرواز کا ارادہ اور کون کر سکتا ہے۔ تصویر میں بلبل بنی ہو اور وہ پرواز کا دعویٰ کرے تو عبث ہے یعنی جس میں کسی کام کی صلاحیت نہ ہو اس کا دعویٰ کرنا بے سود ہے۔ غبارِ کردہ سیر اچھی ترکیب نہیں۔

سرنوشتِ خلق ہے طغرائے عجزِ اختیار
آرزو ہا خار خارِ چینِ پیشانی عبث

عجزِ اختیار: اختیار کا عاجز ہونا یعنی بظاہر اختیار ہے لیکن در حقیقت فقدانِ اختیار ہے۔
خار خار: وغدغہ ہونا۔ چینِ پیشانی سے مراد اپنا ہی خطِ پیشانی ہے جو سرنوشت ہوتا ہے۔ انسان کا مقسوم ہی یہ ہے کہ اس کا اختیار ہر کام میں عاجز ہے۔ پس خواہش و ہوس کا یہ دغدغہ رہے کہ معلوم نہیں خطِ پیشانی میں کیا لکھا ہے تو یہ عبث کام ہے۔ چینِ پیشانی میں معذوری و مجبوری کے سوا کچھ نہیں۔ طغرائے عجزِ اختیار: ایسی تحریر جس میں کسی کے اختیارات کے محدود بلکہ معدوم ہونے کا ذکر ہو اور سرنوشتِ قسمت کو ایسی ہی تحریر قرار دیا ہے۔

جب کہ نقشِ مدعا ہووے نہ جز موجِ سراب
وادیٔ حسرت میں پھر آشفتہ جولانی عبث

نقشِ مدعا: وہ نقشِ افسوں یا تحریر جس سے مدعا بر آئے۔ ہمارا نقشِ مدعا محض سراب کی موج ہے۔ سراب دھوکا ہوتا ہے تو اس کی موج بھی دھوکا اور موہوم ہوئی۔ جب یہ حالت ہے کہ مدعا برآری کا کوئی وسیلہ نہیں تو حسرت کی وادی میں بے مقصد بھاگ دوڑ کرنا بے کار ہے۔ اگر کامیابی کی اُمید معتبر ہو تو کاہے کو جان ہلکان کی جائے۔

دستِ برہم سودہ ہے مژگانِ خوابیدہ اسدؔ
اے دل از کف دادۂ غفلت پشیمانی عبث

دستِ برہم سودہ: دستِ افسوس۔ دل از کف دادہ: عاشقِ صادق۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر آپس میں رگڑا جائے تو یہ افسوس ظاہر کرتا ہے۔ یہ ملے ہوئے پنجے سوئی ہوئی پلکوں کی طرح ہیں جو انتہائے غفلت کی نشانی ہے۔ اے وہ شخص جو ہمیشہ غفلت کا عاشق رہا اب کاہے کو ہاتھ رگڑ کر

پشیمانی کا اظہار کر رہا ہے۔ تو نے بے عملی اختیار کی اس کا خمیازہ بھگت۔

(۶۲)

نازِ لطفِ عشق، باوصفِ توانائی عبث
رنگ ہے سنگِ محک، دعوائے مینائی عبث

مینائی: مینا یا شیشے کی طرف نرم و نازک و حساس ہونا۔ جس شخص تندرست و توانا ہو وہ عشق کے لطف اٹھانے کا دعویٰ کرے تو غلط ہے۔ رنگِ رخ کسوٹی کے پتھر کی طرح ہے۔ کسوٹی سونے کے کھرے کھوٹے کا پتہ دیتی ہے۔ چہرے کا رنگ دل کی حالت کا۔ سرخ و سفید رنگ اور صحت مند بشرہ عشق کے عدم کی خبر دیتا ہے۔ رنگ کی زردی عشق کی۔ کوئی اچھا کڑا ہونے کے باوجود دعویٰ کرے کہ عشق نے اسے مینا کی طرح نازک بنا دیا ہے ٹھیس لگی اور ریزہ ریزہ ہو گیا تو یہ دعویٰ بے کار ہے۔

ناخن دخلِ عزیزاں، یک قلم ہے نقب زن
پاسبانیِ طلسمِ گنجِ تنہائی عبث

ناخن دخل: اعتراض سے کنایہ ہے۔ یک قلم: تمام، سب کے سب۔ میں محفل سے دور گوشہ نشینی میں رہتا ہوں لیکن عزیز اور دوست میرے معاملات میں دخل دے کر میں میخ نکالتے رہتے ہیں میں جو تنہائی کے بیش بہا دفینے کی حفاظت کرتا ہوں وہ بے کار ہے کیونکہ دوستوں کے اعتراضات میرے دفینے میں نقب لگاتے ہیں یعنی میری تنہائی میں مخل ہوتے ہیں۔

محمل پیمانۂ فرصت ہے بردوشِ حباب
دعویِ دریاکشی و نشہ پیمائی عبث

دریاکشی: دیر میں مست ہونا یعنی بہت ساری شراب پینے کے بعد نشے میں آنا۔ محمل سفر کی علامت ہے۔ پیالے کی مماثلت بھی محمل سے ہوتی ہے کیونکہ دونوں اوپر سے کھلے ہوتے ہیں۔ حباب آنی فانی ہونے کی علامت ہے۔ زندگی کی فرصت کا محمل حباب کے کندھوں پر ہے یعنی زندگی کی فرصت بس گیا۔ پیدا ہوئے اور ختم ہو گئے۔ ایسے میں یہ دعویٰ کیا جائے کہ ہم تو دریا کا دریا شراب پی جاتے ہیں اس کے بعد نشہ آتا ہے تو یہ دعویٰ بے کار ہے۔ عیش کی فرصت ہی کہاں ہے

جانِ عاشق، حاملِ صد غلبۂ تاثیر ہے
دل کو اے بیداد خو، تعلیم خارائی عبث

عاشق کی جان بہت سی تاثیر کا سامان رکھتی ہے۔ اے ظالم محبوب تو اپنے دل کو سنگِ خارا

کی طرح سخت بنانے کی کوشش جو کر رہا ہے یہ عبث ہے۔ عاشق کا حالِ زار تیرے دل پر اثر کر کے رہے گا۔

یک نگاہِ گرم ہے جوں شمع سرتا پا گداز
بہرِ از خود رفتگاں زحمتِ خود آرائی عبث

نگاہِ گرم: غیظ آلودہ نگاہ۔ عاشقوں کو تو ایک قہر آلود نگاہ سے دیکھے تو وہ شمع کی طرح سر سے پاؤں تک پگھل جائیں گے۔ وہ عشق میں خود فراموش ہیں ان کو متاثر کرنے کیلئے تو خود آرائی کی تکلیف کاہے کو اٹھاتا ہے جب کہ ان کے لئے محض ایک نگاہ کافی ہے۔

قیس بھاگا شہر سے شرمندہ ہو کر سوئے دشت
بن گیا تقلید سے میری یہ سودائی عبث

قیس خود کو بہت بڑا عاشق سمجھتا تھا لیکن شہر میں رہتا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ ایک اور زبردست عاشق غالب ہے جو جنگل میں خاک اڑاتا ہے۔ قیس کو یہ سن کر شرمندگی ہوئی کہ وہ شہر ہی میں رہ رہا ہے۔ وہ بھی جنگل میں بھاگا اور وہاں جنوں کے عالم میں جولانی شروع کی۔ میری تقلید میں خواہ مخواہ آوارہ و سودائی ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ہادی ہیں قیس ہمارا پیرو ہے۔

اے اسدؔ بے جا ہے نازِ سجدۂ عرضِ نیاز
عالمِ تسلیم میں یہ دعوی آرائی عبث

اے اسدؔ یہ ناز بے جا ہے کہ ہم نیاز و عجز کی وجہ سے ہمیشہ سر بہ سجود رہتے ہیں۔ محبوب کے آگے تسلیم و وفا کی دنیا میں یہ تعلی آمیز دعوے بے کار ہیں۔ یہ عاشق کا فریضہ ہے اس پر ناز کیا کرنا۔ شعر کو حقیقت میں لیجئے۔ لوگوں کے سامنے یہ تذکرہ کہ ہم تو خدا کی مرضی سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتے اس کے سب احکام مانتے ہیں پانچوں وقت سجدہ کرتے ہیں۔ یہ سب نامناسب ہے۔ عبادت کا ڈھنڈھورا پیٹنا عاجزی کی وجہ سے نہیں ناز و نمود کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر تم خدا کی مرضی کو قبول کرتے ہو تو اس پر ناز کیا کرنا۔

(ج)

(۶۳)

مغروِ دلی تپش ہوئی افراطِ انتظار
چشمِ کشادہ حلقۂ بیرونِ در ہے آج

معزولیِ تپش : بے قراری کا ختم ہو جانا۔ حلقۂ بیرونِ در : دروازے کے باہر کی کنڈی میں رات بھر محبوب کا انتظار کرتا رہا۔ جب بہت انتظار کے بعد وہ نہ آیا تو یقینی ہو گیا کہ اب وہ نہ آئے گا۔ مایوسی کی وجہ سے میں آنکھ کھولے دروازے کے باہر کھڑا رہا۔ اس طرح میری کھلی آنکھ دروازے کی باہری زنجیر بن کر رہ گئی۔ آنکھ کے حلقے کی مشابہت کنڈی کے حلقے سے ہے۔

شعر کے ایک اور معنی بھی ہیں۔ انتظار میں کھلی رہنے والی آنکھ نے یہ یقینی کر دیا کہ اب کوئی نہیں آئے گا۔ جس طرح دروازے کو بند کر کے کنڈی لگا دی جائے تو اس کے معنی ہیں کہ اب کوئی غیر اندر داخل نہ ہو گا۔ کھلی آنکھ بھی دروازے پر کنڈی لگا دینے کے مترادف ہے۔ بے قراری کو گھر سے نکال دیا گیا ہے۔ اب اس پر دروازہ بند کر لیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا تشریح آسی کی ہے۔ اس میں تھوڑی سی قباحت یہ ہے کہ کسی کو گھر سے نکال کر اندر کی کنڈی لگائی جاتی ہے۔ باہر کی کنڈی لگانے کے معنی خود بھی باہر نکل جانا ہے۔ اس لئے چشمِ کشودہ انتظار کی علامت ہے۔ بے قراری پر در بند کرنے کی نہیں۔

حیرت فروشِ صد نگرانی ہے اضطرار[۱]
ہر رشتہ چاکِ جیب کا تارِ نظر ہے آج

نگرانی : فرہنگِ آنندراج میں نگراں کے معانی میں سب سے پہلے منتظر دیا ہے۔ نگرانی کے معنی ہوئے انتظار میں چشم براہ ہونا۔ بے چینی کے عالم میں ہم محبوب کے راستے کی طرف نگراں ہیں۔ اس انتظار میں حیرت کا عالم ہے غالباً اس لئے کہ محبوب نہیں آیا۔ بے چینی میں ہم نے گریباں چاک کر دیا ہے بلکہ تار تار کر دیا ہے۔ دیدار کی شدید خواہش کی وجہ سے گریباں کا تار نگاہ کا تار بن گیا ہے۔ غالب کے اشعار میں حیرت کا بہت ذکر آتا ہے۔ دیدار کے وقت حیرت کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ نگرانی کے معنی انتظار (دید سے پہلے کی منزل) میں نظر وا رکھنا نہیں بلکہ خاص دیدار کے۔ ریج نظر بازی کے ہیں۔ اس طرح شعر کے معنی یہ ہوں گے۔ "اضطراب میں محبوب کا تصور کر رہے ہیں گویا اسے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دید کی حیرت کا وفور ہے۔ چاکِ گریباں کا ہر تار تارِ نظر بن گیا ہے اور محبوب کی دید میں معاون ہو رہا ہے۔" اس تشریح سے حیرت کے معنی نکھر آئے ہیں لیکن اضطرار کے معنی دھندلا گئے ہیں۔ دیدار سے سکون ملنا چاہیئے اضطرار نہیں۔ پہلی تشریح بہتر ہے لیکن انتظار میں حیرت کا جواز نہیں۔ لیکن غالب کو تو حیرت کے استعمال کا مراق تھا۔ موقع ہو کہ نہ ہو وہ حیران اور حیرت فروش ہیں۔

ہوں داغِ نیم رنگیِ شامِ وصال یار
نورِ چراغِ بزم سے جوشِ سحر ہے آج

شبِ وصال کے وارفتہ کو نورِ سحر سب سے زیادہ ڈراونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اندھیرا ہی اندھیرا رہے۔ روشنی کی کوئی رمق بھی اُجاگر نہ ہو۔ میں نے وصل کے حجرے میں چراغ جلایا ہوا ہے۔ اس کے نور سے بزم میں کچھ کچھ صبح کی کیفیت ہو گئی ہے۔ مجھے صبح کی کوئی بھی علامت ناگوار ہوتی ہے۔ شبِ وصال کا مزا تبھی ہے کہ اس میں صبح اور متعلقاتِ صبح کی کوئی آمیزش نہ ہو۔ نورِ چراغ سے رات نیم رنگ ہو گئی ہے اور مجھے اس بات کا ملال ہے۔

کرتی ہے عاجزیِ سفرِ سوختن تمام
پیراہنِ خسک میں غبارِ شرر ہے آج!

خسک: خس کا بیج: یہاں محض تنکے کے معنی میں ہے۔ تنکا بہت عاجز اور خاکسار ہوتا ہے آج اس کی عاجزی جلنے کا سفر تمام کرتی ہے یعنی جلنے کی منزلِ منتہا پر پہنچ گئی ہے جس طرح سفر کے بعد کپڑوں میں غبار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تنکے کے کپڑوں میں شرر کا غبار ہے یعنی تنکے نے عاجزی کی منزل اس طرح مکمل کی کہ آگ کا نوالہ بن کر راکھ ہو گیا۔

آسی نے پہلے مصرع کو اپنی سرگذشت قرار دیا ہے اور دوسرے مصرع کو اس کی تشبیہ میری رائے میں پہلے مصرع میں بھی خسک ہی کا ذکر ہے۔

تا صبح ہے بہ منزلِ مقصد رسیدنی
دودِ چراغ خانہ غبارِ سفر ہے آج

شاعر منزلِ مقصود کہنا چاہتا تھا لیکن وزن کی مجبوری سے منزلِ مقصد باندھ گیا۔ کوئی کچّے راستے پر تیزی سے سفر کرتا ہے تو گرد اُٹھتی جاتی ہے۔ چراغ کا اُٹھتا ہوا دھواں بھی غبارِ راہ کے اُڑنے سے مشابہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ چراغ بھی کسی سفر میں گامزن ہے۔ اسے صبح تک منزلِ مقصود پر پہنچنا ہے رات بھر جلتا رہے گا۔ منزلِ مقصود کیا ہے؟ سفرِ حیات کے بعد موت جو چراغ کے بجھنے کی شکل میں نمودار ہوگی۔

آسی نے پہلے مصرع کو انسان کے سفرِ حیات سے متعلق کیا ہے اور سندیلوی نے بیمار کے رات کاٹنے سے میری عرض ہے کہ پہلے دونوں مصرعوں کو چراغ کے بارے میں لے لیجئے اس کے بعد دونوں مصرعوں کی انسانی زندگی پر تطبیق کر دیجئے۔ اس طرح پورا شعر تمثیلی ہو جاتا ہے۔

دورافتادۂ چمن فکر ہے اسدؔ
مرغِ خیال بلبلِ بے بال و پر ہے آج

اگر بلبل کے بال و پر نوچ لئے جائیں تو وہ اُڑ نہیں سکتی باغ تک نہیں پہنچ سکتی دور ہی پڑی رہے گی۔ اسدؔ کے تخیل کا بھی یہی حال ہے۔ وہ معذور ہے سر دست فکر کے باغ تک نہیں جا سکتا شعر نہیں کہہ سکتا۔

(۶۴)

جنبشِ ہر برگ سے ہے گل کے لب کو اختلاج
جب شبنم سے صبا ہر صبح کرتی ہے علاج

لب کا اختلاج: ہونٹوں کا پھڑکنا ہوا سے پھول کی ہر پنکھڑی جو ہلتی ہے وہ دراصل پھول کے ہونٹوں کو لرزے کی بیماری ہے۔ بیماری میں صبح کے وقت گولیاں کھلائی جاتی ہیں۔ پھول کی بیماری کیلئے صبا ہر تڑکے اسے قطراتِ شبنم کی گولی کھلاتی ہے تاکہ اس کا علاج ہو جائے۔

شاخِ گل جنبش میں ہے گہوارہ آسا ہر نفس
طفلِ شوخِ غنچۂ گل لیکہ ہے وحشی مزاج

زیادہ شریر بچے کو گہوارے میں ڈال کر مسلسل ہلاتے رہنا پڑتا ہے تاکہ وہ رو کر گھر سر پر نہ اُٹھالے۔ پھول کی کلی بھی بہت وحشی مزاج بچے کی طرح ہے اس لئے پھول کی ٹہنی مسلسل پالنے کی طرح ہلتی رہتی ہے۔

سیرِ ملکِ حسن کو مے خانہ ہا نذرِ خمار
چشمِ مستِ یار سے ہے گردنِ مینا پہ باج

کوئی ملکِ حسن کی سیر کرے یعنی محبوب کا چہرہ اور چشم دیکھے تو اس کا خمار دور کرنے کے لئے مے خانے کے مے خانے موجود ہیں۔ یار کی مست آنکھ سے مینائے شراب کی گردن پر خراج واجب ہے کیونکہ چشم میں مینا سے زیادہ مستی ہے، مینا چشم کی محکوم ہے۔ شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ یار کی آنکھ مے خانے کا کام کرتی ہے۔

گریہ ہائے بے دلاں، گنجِ شرر در آستیں
قہرمانِ عشق میں حسرت سے لیتے ہیں خراج

قہرمان کے معنی جاہ و جلال اور قہر کی حکومت کے بھی ہیں۔ جلے دلوں کا گریہ نہیں ہے یہ بلے

دلوں کی آستیں میں گنجِ شرر کی فراہمی ہے۔ حفاظت کی خاطر آستیں میں زر چھپا کر سفر کیا جا سکتا ہے۔ آنسو جلتے ہوتے ہیں۔ آستین سے انہیں پونچھا جائے تو گویا آستین میں گنجِ شرر ہو گیا۔ عشق کی حکومت بڑی قہر کی ہے اس میں منجملہ اور لوگوں کے "حسرت" سے بھی خراج وصول کیا جاتا ہے حسرتِ مجسم ہے عاشق اس کے پاس گنجِ شررِ اشک ہے۔ عشق اس خزانے کو وصول کرتا ہے گویا حسرت سے محصول لیا

اس تشریح میں خراج وصول کرنے والا عشق ہے اور خراج دینے والا آستین میں پوشیدہ گنجِ شرر۔ سرخوش اور آسی کے نزدیک خراج وصول کرنے والی آستین ہے اور خراج دینے والی آنکھ۔ اس طرح اول الذکر نے ایک خزانہ جمع کر لیا ہے۔

ہے سوادِ چشمِ قربانی میں یک عالم مقیم
حسرتِ فرصت جہاں دیتی ہے حیرت کو رواج

سواد: سیاہی اور نواح۔ یہاں دونوں معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ جو جانور قربان کیا جاتا ہے اسے حسرتِ فرصت ہوتی ہے کیونکہ اس کا زمانۂ حیات ختم ہو رہا ہے اس کی آنکھ میں حیرت بھی شدت کے ساتھ ہوتی ہے۔ حیرت کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے، زندگی کا اتنا مختصر ہونا' بے سبب قتل ہونا۔ مذبوح کو ساری دُنیا اصلی رنگ میں دکھائی دے جاتی ہے۔ اب شعر کے معنی صاف ہو جاتے ہیں جان دینے والے جانور کو فرصتِ حیات کی قلت سے حسرت ہے اور دُنیا والوں کے ظلم پر حیرت ہے۔ اس کی آنکھ کی سیاہی میں ساری دُنیا سمائی ہوئی ہے یعنی وہ ساری دُنیا کی بے انصافیوں کی عکاسی کر رہی ہے۔

اے اسد ہے مستعدِ شانۂ گیسو شدن
پنجۂ مژگاں بہ خود بالیدنی رکھتا ہے آج

مژگاں اور شانے کی مشابہت ظاہر ہے۔ مژگاں اور شانہ دونوں کی مشابہت پنجۂ دست سے بھی ہے۔ پنجۂ مژگاں کس کا ہے؟ عاشق کا یا محبوب کا۔ دونوں تشریحوں سے دو معنی نکلتے ہیں۔ (۱) اے اسد میں محبوب کے گیسوؤں کو دیکھنے کیلئے آنکھیں لگائے ہوں۔ میری پلکیں گیسوؤں کو دیکھنے ہی کو نہیں چھونے کو بے تاب ہیں آگے کو بڑھی جا رہی ہیں۔ شاید یہ گیسوؤں میں شانے کا کام کرنا چاہتی ہیں۔ (۲) محبوب کی پلکیں دراز سے دراز تر ہوتی جاتی ہیں۔ کیا یہ بڑھ کر زلفوں تک پہنچیں گی تاکہ ان میں شانہ کر سکیں۔ پلکوں کیلئے درازی وصف ہے۔

چ

(۶۵)

نہ کہہ کہ طاقتِ رسوائیِ وصال نہیں
اگر یہی عرقِ فتنہ ہے، مکرر کھینچ

عرقِ فتنہ: سنجد کے پھولوں کا عرق۔ اُردو میں عطرِ فتنہ مشہور ہے۔ محبوب کو عطر عزیز ہوتے ہیں اس لئے عطرِ فتنہ اور عرقِ فتنہ بھی پسند ہونے چاہئیں۔ محبوب فتنہ اُٹھانا چاہتا ہے اس لئے کم ازکم نام کی وجہ سے اسے عرقِ فتنہ مرغوب ہونا چاہیئے۔ اب محبوب سے کہتے ہیں کہ یہ نہ کہہ کہ میں تجھ سے وصل کر کے رسوا ہونے کی تاب نہیں رکھتا۔ اگر اس فعل سے فتنہ بپا ہوتا ہے تو تمہیں تو عرقِ فتنہ پسند ہے۔ اسے دوبارہ کشید کرو یعنی وصل ایک بار پھر ہو جائے۔

جنونِ آئنہ، مشتاقِ یک تماشا ہے
ہمارے صفحے پہ بالِ پری سے مسطر کھینچ

مسطر: سطریں کھینچنے کا آلہ۔ مسطر کھینچنا: سطریں بنانا۔ پہلے مصرع کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ آئینہ کے سر میں جنون ہو رہا ہے کہ وہ تمہارا ایک جلوہ دیکھے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ تمہیں جو ہر وقت آئینہ دیکھنے کا جنون ہے وہ ایک تماشا، ایک ہنگامہ کھڑا کرنے کا مشتاق ہے۔ پہلے معنی کو ترجیح ہے۔ دونوں صورتوں میں محبوب آئینے کے سامنے جائیگا تو اپنی آرائش کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم کو جنون ہوگا۔ پری کا سایہ کسی پر پڑ جاتا ہے تو اسے جنون ہو جاتا ہے۔ اس لئے صفحے پر پری کے پنکھ سے سطریں کھینچنے کے معنی ہیں کہ ہمارے صفحہ تقدیر پر جنون کا فرمان لکھ دے۔ سطر کھینچنا تحریر کی تیاری ہے۔ شعر کے معنی مختصر آیہ ہوئے کہ آئینہ کو تجھے دیکھنے کا جنون ہے اگر ایسا ہوتا ہے تو ہمیں تو پاگل ہوا سمجھ۔

خمارِ منتِ ساقی اگر یہی ہے، اسدؔ
دلِ گداختہ کے مے کدے میں ساغر کھینچ

خمار: زوالِ نشہ۔ دلِ گداختہ: پگھلا ہوا یعنی رنجیدہ دل۔ ساقی کی منت کو خمار سے تشبیہ دی ہے کیونکہ وہ شراب تو دیتا نہیں اور شراب کی عدم موجودگی میں خمار ہی ملتا ہے۔ اگر ساقی کی خوشامد کا اتنا خمار اُٹھانا پڑتا ہے تو اس دردِ سر سے بہتر ہے کہ غمگین دل کے مے کدے میں غم کا ساغر پی۔

یعنی رنجور و محروم رہنا بہتر ہے چونکہ لفظ گداختہ میں پگھلنے اور سیال ہونے کا شائبہ ہے اس لئے اسے مشروب قرار دیا۔

(۶۶)

بے دل، نہ ناز وحشتِ جیبِ دریدہ کھینچ
جوں بوئے غنچہ یک نفس آرمیدہ کھینچ

جیبِ دریدہ: چاک گریباں جو وحشت کی علامت ہے پھول کا دامن چاک ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں غنچہ کا دامن چاک نہیں ہوتا۔ دوسرے مصرع میں بے دل کو بوئے غنچہ کی طرح رہنے کی تلقین نہیں کی بلکہ بے دل کے سانس کو بوئے غنچہ کی تقلید کو کہا ہے اے عاشق تو وحشت میں چاک گریبانی نہ کر۔ جس طرح غنچہ کا گریباں صحیح سالم ہے اور وہ آرام کا سانس لے رہا ہے جو اس کی خوشبو ہے اسی طرح تو بھی اگر چاک گریباں نہ کرے تو چین کا سانس لے سکتا ہے۔

یک مشتِ خوں ہے پرتو خورسے تمام دشت
دردِ طلب بہ آبلۂ نادمیدہ کھینچ

دردِ طلب: محبوب کی طلب کے راستے کی تکالیف۔ وحشت زدہ عاشق محبوب کی طلب میں دشت میں جولانی کرتا ہے پاؤں میں آبلے پڑتے ہیں درد ہوتا ہے زمین پر خون بکھرتا ہے یہ دردِ طلب ہے۔ اب اس کے بغیر ہی جنگل سرخ ہے اور یہ سورج کی دھوپ سے ہوا جیسے زمین خون میں رنگ گئی ہو۔ شاعر عاشق سے کہتا ہے کہ جنگل میں خون تو بکھر ہی گیا اب آبلے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہی۔ تو اس آبلے کا تصور کر جو ظاہر نہیں ہوا اور اس کی یاد کی مدد سے دردِ طلب میں مبتلا ہو۔ عاشق کا فرض ہے دشت کو خون سے رنگ دینا یہ کام کسی طرح ہو ہی گیا اس لئے اب آبلۂ نا آفریدہ کا سہارا لو۔

پیچیدگی ہے حاملِ طومارِ انتظار
پائے نظر بہ دامنِ شوقِ دویدہ کھینچ

شوقِ دویدہ: دوڑا ہوا شوق یعنی وہ شوق جو محبوب کی طرف کو دوڑتا چلا جا رہا ہے۔
پا بہ دامن کشیدن: چلنا پھرنا ترک کرنا، لیکن نظر کے پاؤں کو بھاگتے ہوئے شوق کے دامن میں سمیٹ لینے کے معنی ہیں کہ شوق کے ساتھ ساتھ نظر بھی دوڑ جائے گی۔ معنی یوں ہوئے محبوب کسی دور کے مقام پر ہے۔ عاشق یہاں بیٹھا پیچ و تاب میں مبتلا ہے۔ محبوب پر کوئی اثر نہیں۔ عاشق کو لمبا انتظار کرنا پڑے گا۔ شاید اس کے بعد محبوب آئے تو ہجر میں تڑپ کی دین محض ایک

طویل سلسلۂ انتظار ہو سکتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ اپنے شوق کے ساتھ ساتھ نظر کو بھی روانہ کر دے اور محبوب کو دیکھ لے۔

اگر حاصل کی جگہ حاصل ہو تو معنی اور بھی صاف ہو جائیں۔ بہ صورت موجودہ پیچیدگی کو اولیت ہے جس کا نتیجہ طومارِ انتظار ہے۔ اگر "حاصل" ہو تو طومارِ انتظار پہلی منزل ہوگی جس کا نتیجہ پیچیدگی ہوگا اور یہ موزوں تر ہے۔

برقِ بہار سے ہوں میں پا در حنا ہنوز
اے خارِ دشت دامنِ شوقِ رمیدہ کھینچ

پا در حنا ہونا: مجروح ہونا۔ دامن کھینچنا: باز رکھنا، مزاحم ہونا۔ بہار میں میرے پاؤں پر بجلی گری جس سے مجروح ہو کر میں نے پاؤں پر حنا باندھ رکھی ہے۔ یعنی بہار کے جنون سے میں نے صحرا میں اتنی جست و خیز کی کہ پاؤں زخمی کر لئے۔ اب بھی مجھے رم اور جولانی کا شوق ہے۔ اے جنگل کے کانٹے تو میرے شوق کا دامن کھینچ کر اسے رم سے باز رکھ یعنی میرے پاؤں میں چبھ جا تاکہ رم ممکن نہ رہے۔

بے خود بہ لطفِ چشمک عبرت ہے چشمِ صید
یک داغِ حسرتِ نفسِ ناکشیدہ کھینچ

چشمک: حسینوں کا گوشۂ چشم سے اشارہ کرنا۔ پہلے مصرع کے معنی یہ ہیں۔ صید کو ذبح کیا جاتا ہے اس کی آنکھ کھوئی کھوئی معلوم ہوتی ہے۔ دراصل یہ چشمِ عبرت کے اشارے پر مست ہے عبرت اس بات پر ہے کہ اہلِ دنیا ظالم ہیں اس کی زندگی ختم ہو رہی ہے۔

دوسرے مصرع میں یہ ابہام رہتا ہے کہ نفس کھینچنے کا فاعل کون ہے۔ صید یا صیاد؟ دوسرے مصرع کا مخاطب تو بہر حال صیاد یا قاتل ہے۔ اگر نفس کھینچنا اسی سے متعلق کیا جائے تو نفسِ ناکشیدہ کے معنی ہوں گے وہ آہ جو نہیں کی گئی۔ اے صیاد تو صید کے حالِ زار پر آہ کرنا چاہتا تھا لیکن اب دیکھتا ہے کہ اس کی آنکھ میں غم کا نشان نہیں وہ تو مست ہے۔ اب تیرے لئے وہ کا کوئی مقام نہیں رہا اس لئے تو اس آہ کی حسرت کا داغ اٹھا۔ اگر نفس کا فاعل صید ہے تو یہاں اس سانس کی طرف اشارہ ہے جو قتل کے باعث صید نہ لے سکے گا۔ اسے حسرت ہے کہ زندگی میں اتنی اور مہلت مل جائے کہ وہ ایک سانس اور لے سکے۔ قاتل تو نے اسے قتل کر دیا اس لئے اس کی اس حسرت کا داغ تیرے دامن پر ہے۔ صید کو عبرت بھی اسی وجہ سے ہے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے

پہلے معنی زیادہ قرینِ قیاس ہیں۔ ضروری نہیں کہ صید قتل ہو رہا ہو۔ صیاد اسے پکڑے لیے جا رہا ہے۔ صید کی آنکھ مست ہے اس لیے صیاد کو آہ کی حسرت کا داغ برداشت کرنا ہوگا۔

بزمِ نظر میں بیضۂ طاؤس خلوتاں
فرشِ طرب بہ گلشنِ نا آفریدہ کھینچ

بزمِ نظر: بزم آرائے نظر، رونقِ نظر۔ بیضۂ طاؤس خلوتاں: وہ لوگ جو بیضۂ طاؤس کی خلوت میں رہتے ہیں۔ غالب کیلئے طاؤس رنگ و رونق کی علامت ہے۔ بیضۂ طاؤس مستقبل میں آنے والی رونق کا تصور ہے۔ بیضۂ طاؤس خلوتاں وہ لوگ ہیں جو مستقبل میں رنگینی و رونق کے سپنے دیکھتے ہیں مثلاً شعرا، مفکرین، آدرش وادی۔ فرش کھینچنا: فرش بچھانا۔ وہ لوگ جو مستقبل کی رنگ و رونق کے تصور میں گم ہیں وہ ہماری نظر کیلئے قابلِ دید ہیں۔ جنتِ نظر ہیں۔ تو بھی خوشی کی بزم سجانے کیلئے فرش بچھا لیکن موجودہ باغوں میں نہیں بلکہ اس باغ میں جو ابھی پیدا نہیں ہوا بلکہ آئندہ پیدا ہوگا۔ بزمِ نظر کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خوش آئند مستقبل کے سپنے دیکھنے والے نظرِ خیال سے بزم آرائی کرتے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ جو آدرش وادی فنکار مستقبل کے بارے میں رنگین تصور رکھتے ہیں۔ وہ لبسا غنیمت ہیں تو بھی ان کے عقیدے کی تقلید کر۔ غالب نے ایک اور جگہ یہی کہا ہے۔

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

●

دریا بساطِ دعوتِ سیلاب ہے اسد
ساغر بہ بارگاہِ دماغِ رسیدہ کھینچ

دماغِ رسیدہ: سرخوش دماغ۔ آسی نے اس محاورے کو نہ سمجھ کر اس کے معنی سمجھنے والا دماغ لیے ہیں۔ پہلے مصرع کی دو قرأتیں ممکن ہیں۔ پہلے میں دریا کے بعد وقفے کا نشان ہوگا۔ دوسری میں دریا بساط کو ایک مرکب مانا جائے گا۔

(۱) دریا، بساطِ دعوتِ سیلاب ۔ ۔ ۔ بساطِ دعوت: دسترخوان۔ اے اسد دریا کا ظرف اتنا ہے کہ وہ سیلاب کی دعوت دے سکتا ہے یا سیلاب کا دسترخوان بن سکتا ہے۔ تیرا دماغِ مست بھی اتنا ہی بڑا حوصلہ رکھتا ہے۔ اس لیے تو مست دماغ کی بارگاہ میں ساغر پہ ساغر پیے جا۔

(۲) دریا بساط کو ایک ترکیب مان لیجئے۔ اب "ہے" کا مبتدا دماغ رسیدہ ہوگا۔ تیرا مست دماغ سیلاب کی دعوت کیلئے دریا جیسا دستر خوان رکھتا ہے۔ یعنی تیرا دماغ اتنا وسیع حوصلہ رکھتا ہے کہ سیلاب تک کی دعوت کر سکتا ہے۔ اس لئے تو اس دماغ کی بارگاہ میں ساغر پر ساغر پیے جا۔

میری رائے میں پہلی قرأت اور پہلی تشریح موزوں تر ہے۔

(۶۷)

قطعِ سفرِ ہستی و آرامِ فنا، ہیچ
رفتار نہیں بیشتر از لغزشِ پا، ہیچ

اس پوری غزل میں شاعر دنیا و مافیہا کی ہر چیز سے بے زار ہے۔ حیات و عدم دونوں کو ہیچ سمجھتا ہے۔ سفرِ زندگی کا طے کرنا بھی ہیچ ہے اور اس سفر کے بعد موت کا آرام بھی ہیچ ہے۔ رفتار محض بے ارادہ پاؤں کی لغزش سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہے اور یہ بالکل ہیچ ہے۔ یعنی زندگی کا سفر یا زندگی کے افعال پر نہ انسان کو کوئی دخل ہے نہ وہ قابلِ فخر ہیں۔

میں نے "پا" کے بعد وقفے کا نشان رکھا ہے۔ سرخوش نے اس مصرع کے معنی لئے ہیں کہ "رفتار لغزشِ پا سے زیادہ ہیچ نہیں ہے" اس طرح رفتار کی تعریف ہوتی ہے جو اس غزل کی فضا کے منافی ہے۔

حیرت ہمہ اسرار، پہ مجبورِ خموشی
ہستی نہیں جز بستنِ پیمانِ وفا، ہیچ

سلوک کا ایک مقام حیرت بھی ہے۔ ہستی کے ہیچ انسان حیرت کے عالم میں ہے لیکن حیرت کس بات پر ہے یہ واضح نہیں بالکل راز بنی ہوئی ہے۔ سالک یا شاہد جانتا ہے کہ اسے کس بات پر حیرت ہے لیکن وہ مجبور ہے خاموش رہنے کے لئے انسان نے خدا سے پیمانِ وفا باندھا ہوا ہے وہ رازِ ہستی کو افشا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس پیمان کا جزو ہے۔

تمثال گداز آئینہ ہے عبرتِ بینش
نظارہ تحیر، چمنستانِ بقا، ہیچ

ہستی ایک آئینہ ہے جس میں آدمی کا عکس دکھائی دے رہا ہے لیکن یہ آئینہ تصویر کو رفتہ رفتہ پگھلا کر ختم کر رہا ہے۔ ایسے آئینہ میں دیکھنے اور اس کے وصف سے آگاہ ہونے پر نگاہ کو عبرت ہوتی ہے۔ دنیا کا نظارہ محض تحیر عطا کرتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر دوسری دنیا یعنی عالمِ بقا کے باغ پر نظر ڈالیں تو وہ بھی ہیچ ہے یعنی دنیا عبرت کا مقام ہے اس کا نظارہ کرنے

سے حیرت ہوتی ہے۔ دوسری دُنیا ہیچ ہے یعنی سب کچھ نامرغوب و بے سود ہے۔ دوسرے مصرع میں نظارۂ تحیّر ایک مرکب ہو سکتا ہے اور اس صورت میں چمنستانِ بقا کی صفت ہوگا۔ وہ چمنستانِ بقا جو نظر کو حیرت میں ڈال دیتا ہے، ہیچ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ "نظارہ تحیر" کو ایک جملہ مانا جائے جس کے بیچ میں "ہے" کا لفظ محذوف ہے۔

گلزار دمیدن، شررستان رمیدن

فرصت تپش و حوصلۂ نشو و نما ہیچ

نسخۂ عرشی میں گلزار اور شررستان پر اضافت دی ہے۔ میری رائے میں اضافت نہ ہو تو بہتر ہے۔ ایک چیز ہے گلزار کا پھولنا جو معلوم ہوتا ہے کہ بہت دنوں تک قایم رہے گا۔ دوسری چیز ہے کسی چیز سے بہت سے شرر نکلنا جو ادھر نکلے ادھر پرواز کر گئے، یعنی نہایت فانی ہیں۔ باغ کے پھول بھی شرر کی طرح سرخ ہوتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ باغ میں پھولوں کا پھولنا محض چنگاریوں کی طرح ہے جو مائلِ رم ہیں۔ زندگی کی فرصت محض تپش و اضطراب ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ دُنیا میں نشو و نما کا حوصلہ ہیچ ہے کیونکہ یہاں کا قیام بہت مختصر ہے۔ اگر فرصتِ تپش ہوتا تو بہتر ہوتا اور پھر اس کا تعلق شررستاں سے ہو جاتا لیکن شعر کے وزن میں فرصتِ تپش نہیں آتا۔

آہنگِ عدم نالہ بہ کہسار گرو ہے

ہستی میں نہیں شوخیٔ ایجادِ صدا ہیچ

نالہ بہ کہسار گرو : وہ آواز جو کوہ کے پاس گرو رکھ دی گئی ہو۔ یہ پہاڑ کی صدائے بازگشت ہے۔ عدم کے راگ کو محض ایک نالے کی آوازِ بازگشت کہا ہے جو کوئی وقیع چیز نہیں۔ ہستی میں بھی تازگی آواز نہیں یعنی یہاں بھی ہر چیز باسی ہے۔ ایسی ہستی ہیچ ہے۔ اس جگہ ہیچ کے معنی کوئی بھی لئے جا سکتے ہیں۔

کس بات پہ مغرور ہے اے عجزِ تمنا

سامانِ دعا وحشت و تاثیرِ دعا ہیچ

عجزِ تمنا : تمناؤں کے معاملے میں عاجز ہونا یعنی ترکِ تمنا۔ ہم نے تمناؤں کو اس لئے ترک کیا کہ اُنھیں پورا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ عجزِ تمنا چاہتا ہے کہ دُنیا کے سامنے قناعت و توکل کا بہروپ رکھ کر اکڑتا پھرے۔ شاعر کہتا ہے کہ اسے فقدانِ تمنا غرور کا کونسا مقام ہے۔ اگر تمنا کرکے اس کی برآری کیلئے دعا مانگی ہوتی تو دعا کا اہتمام کرنا محض وحشت ہے اور دعا میں تاثیر کا پتا نہیں۔ گویا تمنا کی بھی ہوتی تو

موجودہ حالت ہی رہتی۔ اس لئے عجزِ تمنا دراصل مجبوری کا اعتراف ہے۔

سندیلوی نے عجزِ تمنا کے معنی عبادت لئے ہیں کہ عبادت میں عجز بھی ہوتا ہے تمنا بھی اور دوسرے مصرع میں دعا کا بھی ذکر ہے۔ لیکن عبادت گزاروں کا غرور دعا مانگنے سے متعلق نہیں ہوتا خود کو زیادہ پاک صاف بے گناہ اور مقدس ظاہر کرنے پر ہوتا ہے۔ غزل کی عام بے زاری کی فضا دیکھتے ہوئے یہاں تمناؤں کا فقدان مراد ہے۔ عجز کا لفظ لاکر شاعر نے واضح کر دیا ہے کہ یہ مرضی سے ترکِ تمنا نہیں بلکہ عاجز ہونے کی وجہ سے ہے۔

آہنگِ اسد میں نہیں جز نغمۂ بیدل
"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

اسد کے راگ میں بیدل کی لَے کے سوا اور کوئی اپنی بات نہیں یعنی اسد کی شاعری میں بیدل کا رنگ ہے۔ دنیا میں ہماری شہرت ہے لیکن ہم ہیچ ہیں کیونکہ ہمارا کمال دوسرے سے مستعار ہے۔ مصرعِ ثانی بیدل کا ہے۔

(ح)

(۶۸)

دعویٰ عشقِ بتاں سے بہ گلستاں گل و صبح
ہیں رقیبانہ بہم دست و گریباں گل و صبح

دست و گریباں: ایک دوسرے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر جھگڑنا۔ پھول اور صبح دونوں خوب صورت ہوتے ہیں لیکن دونوں بتوں پر مرتے ہیں۔ ان کے عشق کا دعویٰ کرنے کے لئے باغ میں آئے ہیں اور وہاں رقیبوں کی طرح ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں۔ واضح ہو کہ پھول کا گریباں بھی چاک باندھا جاتا ہے اور صبح کا بھی۔ شعر میں ایک "گل و صبح" حشو ہے۔

ساق گل رنگ سے اور آئنۂ زانو سے
جامہ زیبوں کے سدا ہیں تہِ داماں گل و صبح

پنڈلی کا رنگ پھول جیسا ہے اور زانو آئینے کی طرح شفاف ہے اس لئے اس کی تشبیہ صبح سے ہے۔ ان کی وجہ سے جامہ زیب حسینوں کے دامن کے نیچے گل اور صبح دونوں موجود رہتے ہیں۔

وصلِ آئینہ رخاں، ہم نفسِ یک دیگر
ہیں دعاہائے سحرگاہ سے خواہاں گل و صبح

ہم نفس یک دیگر: ساتھ ساتھ، برابر بیٹھ کر۔ پھول اور صبح دونوں پاس پاس بیٹھ کر صبح کے وقت کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ کاہے کی؟ آئینے جیسا شفاف چہرہ رکھنے والے حسینوں کے وصل کی۔ یہ غیر معمولی بات ہے کہ ایک ہی مقصد کے خواہاں یا ایک ہی شخص کے وصل کے طالب پاس پاس بیٹھ کر دعا مانگیں۔ آئینہ رُخ اور گل و صبح میں رعایت ہے۔

آئینہ خانہ ہے صحنِ چمنستاں یک سر
لیکہ ہیں بے خود و وارفتہ و حیراں گل و صبح

آئینے کی صفت حیرانی ہے۔ باغ میں گل اور صبح دونوں بے خود اور حیران ہیں اس لئے باغ کا صحن سراسر آئینہ خانہ بن گیا ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ باغ میں ایسے سفید و شفاف پھول کھلے ہیں کہ صحنِ چمن آئینہ خانہ بن گیا ہے۔ اس حسین منظر کو دیکھ کر خود پھول اور صبح دونوں وارفتہ و حیران ہیں۔

زندگانی نہیں بیش از نفسِ چند اسدؔ
غفلت آرامیِ یاراں پہ ہیں خنداں گل و صبح

زندگی چند سانسوں سے زیادہ نہیں۔ جو لوگ غفلت میں آرام کر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ابھی بہت زندگی باقی ہے ان کی حالت پر پھول اور صبح دونوں ہنس رہے ہیں۔ کیونکہ یہ زندگی کی حقیقت جانتے ہیں۔ دونوں کی زندگی محض ایک پہر کی ہوتی ہے۔ پھول کے کھلنے کو بھی ہنسی سے تعبیر کرتے ہیں اور صبح کے ہونے کو بھی خندہ کہا جاتا ہے۔

(۶۹)

بہ کامِ دل کریں، کس طرح گمرہاں فریاد
ہوئی ہے، لغزشِ پا لکنتِ زباں، فریاد

جو لوگ گمراہ ہیں وہ مقصدِ دل بر لانے والی فریاد کس طرح کریں۔ ان کی گمراہی یعنی پاؤں کا غلط سمت کو بہک جانا ان کی زباں میں تالے ڈال رہا ہے یعنی وہ اس قسم کا نالہ نہیں کر سکتے جو کامیابی کی طرف بڑھنے والے کرتے ہیں۔ آخر میں فریاد 'اے وائے' افسوس کے معنی میں ہے

کمالِ بندگیِ گل ہے رہنِ آزادی
زدستِ مشتِ پر و خارِ آشیاں فریاد

یہ ذہن نشین رہے کہ پہلے مصرع میں یہ نہیں کہا کہ آزادی رہنِ بندگیِ گل ہے۔ اس کے

برعکس بندگیِ گل کے کمال کو رہن آزادی یعنی آزادی پر منحصر قرار دیا ہے۔ اگر بلبل آزاد ہوگی تو پھول کے پاس حسب خواہش جائے گی اور اس کی بندگی کا حق بجا لائے گی۔ بندگی کا یہ لازمی وصف یعنی آزادی کس وقت سلب ہوتی ہے؟ یا تو جب وہ اُڑ رہی ہو یا پھر آشیاں میں بیٹھی ہو۔ انھیں دو حالتوں میں صیاد اسے پکڑتا ہے۔ پہلی صورت کے لئے مشت پر ذمے دار ہیں جو اسے اُڑا کر لے جاتے ہیں۔ دوسری صورت کیلئے آشیاں کے تنکے۔ بلبل ان دونوں کے ہاتھوں فریاد کرتی ہے۔ اب پرواز کے پیچ یا آشیاں کے اندر رہنے کے سوا تیسرا مقام ہی کیا ہوسکتا ہے۔ خارِ آشیاں سے مراد آشیاں کے تنکے ہیں۔

نوازشِ نفسِ آشنا کہاں؟ ورنہ
برنگِ نے ہے نہاں در ہر استخواں فریاد

جس طرح بانسری میں نالہ ہوتا ہے اسی طرح میری ہڈی میں فریاد چھپی ہے لیکن کوئی دوست کہاں جو مہربانی کرکے اسے پھونک دے اور اس میں سے آواز نکلے۔ یعنی کوئی غم خوار نہیں ملتا کس کے سامنے حالِ دل شرح کروں۔

تغافل آئینہ دارِ خموشیِ دل ہے
ہوئی ہے محو بہ تقریبِ امتحاں فریاد

محبوب کا تغافل ہماری خموشیِ دل کا آئینہ دار ہے یعنی اس کے تغافل میں ہمارے خاموش رہنے کی وجہ چھپی ہوئی ہے۔ وہ ہم سے تغافل برت رہا ہے ہم نے بھی فریاد ختم کردی ہے اور اس کا امتحان لے رہے ہیں کہ دیکھیں کب تک ہم سے تغافل برتتا رہے گا اگر ہم نالے کرتے تو وہ ان کی وجہ سے توجہ کرنے پر مجبور ہوتا۔ ہمیں تو اس کے خلوصِ دل کو ٹٹولنا ہے اس لئے خاموش ہوکر اس کو پرکھ رہے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اس کا امتحان نہیں لے رہے بلکہ وہ ہمارا امتحان لے رہا ہے۔ اس صورت میں شعر کے معنی ہوں گے تغافلِ محبوب وجہ خموشیِ عاشق ہے۔ وہ امتحان لے رہا ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ کریں دیکھیں کب تک ضبط و خامشی سے کام لیتا ہے۔ عاشق نے اس امتحان میں کامیاب ہونے کیلئے فریاد کو ختم کردیا ہے۔

ہلاکِ بے خبری، نغمۂ وجود و عدم
جہان و اہلِ جہاں سے جہاں جہاں فریاد

جہاں جہاں فریاد: بہت زیادہ فریاد۔ غالب نے ایک اور شعر میں دُنیا کی حقیقت کو تینے

سے تشبیہ دی ہے۔

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

وجود اور عدم کی حقیقتیں نغمہ ہیں کہ افشا ہیں لیکن اہلِ جہاں اپنی بے خبری اور ناواقفیت کے سبب ان کو نہیں سن سکتے۔ دنیا اور دنیا والوں سے لاکھ لاکھ فریاد

جوابِ سنگ دلی ہائے دشمناں ہمت
زدستِ شیشہ دلی ہائے دوستاں فریاد

سنگ دلی: بے رحمی۔ شیشہ دلی: بغایت درجے کی نازک مزاجی اور ذکاوت الحس۔ دوستوں کی جفاؤں کو ہمت کے ساتھ برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن تنگ مزاج دوست جو ذکی الحسی اور نازک مزاجی دکھا کر آزردہ ہوتے ہیں ان کا کیا کیا جائے۔ میں ان سے پریشاں ہوں۔

ہزار آفت و یک جانِ بے نوائے اسدؔ
خدا کے واسطے اے شاہِ بے کساں فریاد

بظاہر شاہِ بے کساں خدا ہی کو کہا ہے لیکن یہ عین ممکن ہے کہ غالب کے دل میں اس لقب سے حضرت علی مراد ہوں۔ اے شاہِ بے کساں فریاد کہ اسدؔ کی ایک مفلس ذات کے لئے ہزار آفتیں ہیں۔

(۷۰)

تھی نگہ میری نہاں خانۂ دل کی نقاب
بے خطر جیتے ہیں اربابِ ریا میرے بعد

نقاب: نقب لگانے والی۔ اہلِ ریا کہتے کچھ ہیں۔ دل میں کچھ ہوتا ہے۔ میری نگہ ان کے دل کے تہ خانے میں در آسکتی تھی یعنی میں ان کے دلوں کے بھید جان لیتا تھا۔ میرے بعد وہ بے خوف ہو گئے ہیں۔

تھا میں گلدستۂ احباب کی بندش کی گیاہ
متفرق ہوئے میرے رفقا میرے بعد

گلدستے کو گھاس کے تنکے سے یکجا باندھا جاتا ہے۔ دوستوں کے اجتماع میں میرا بھی وہی مقام تھا۔ میرے جانے کے بعد سب بکھر گئے۔

-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-

(۱۷۱)

بسکہ وہ پاکوبیاں در پردۂ وحشت ہیں یاد
ہے غلافِ دفچۂ خرشید ہر یک گرد باد

پاکوبی : رقص کرنا۔ دفچہ : دفلی۔ ہمیں یاد ہے کہ وحشت کی وجہ سے کیا کیا اچھل کود اور رقص کیا کرتے تھے۔ گرمیوں میں جب دھوپ کھلی ہو اور ریت کے بگولے اڑ رہے ہوں۔ اس میں بھلا آدمی باہر جانا پسند نہ کرے گا لیکن وحشت کی وجہ سے ہمیں یہ اتنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے سورج ڈفلی ہو اور بگولہ اس کا غلاف جو اتار کر الگ رکھ دیا گیا ہو۔ ڈفلی کے ساتھ رقص کا میل ہے۔ جب ایسا ہو تو اہلِ وحشت وحشیانہ رقص کیوں نہ کریں گے۔

طرفہ موزونی ہے صرفِ جنگ جوئی ہائے یار
ہے سرِ مصراعِ صافِ تیغ، خنجر مستزاد

جنگ جو یار کی تیاری میں عجب شاعرانہ موزونی ہے۔ اس کی تیغ کی صفائی مصرع کے سرے کی طرح ہے اور اس کا خنجر مستزاد کی طرح ہے۔ مستزاد ایک صنفِ شعر ہے جس میں ہر شعر یا مصرع کے بعد ایک ٹکڑا اور اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ مصرع تلوار ہوا تو خنجر اس سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے مستزاد ہوا۔ مستزاد کے ایک معنی مزید کے بھی ہیں اور یہاں یہ معنی بھی نکلتے ہیں۔ تیغ مصرع ہے اور اس پر خنجر مزید ہے۔ دوسرے مصرع میں "صاف" کا لفظ حشو ہے۔ اگر مصراع میں اضافت لگا دی جائے تو "صاف" بامعنی ہو جائے گا۔ "تیغ کے صاف مصرع کے سرے پر خنجر مستزاد کی طرح لگا ہوا ہے۔" اس قرأت میں قباحت یہ ہے کہ خنجر کو تلوار کے سرے پر نہیں لگایا جاتا۔ اس لئے صاف کا تعلق مصراع کے ساتھ نہیں بلکہ تیغ کے ساتھ ہی رکھنا ہوگا۔

ہاتھ آیا زخمِ تیغِ یار سا پہلو نشین
کیوں نہ ہووے آج کے دن بے کسی کی روح شاد

غزل کے عاشق کو ہر ایذا پسند ہوتی ہے۔ بے کسی کی شکل میں ایک ذہنی ایذا پہلے سے موجود تھی۔ اب ایک جسمانی ایذا زخمِ تیغِ یار کی شکل میں میسر آ گئی۔ ہماری بے کسی کا جی کیوں نہ خوش ہو کہ اسے ایسا رفیق ملا۔ پہلو نشیں مصاحب کو کہتے ہیں۔ یہاں زخم تو صحیح معنی میں پہلو میں بیٹھتا ہے۔

کھینچے ہے آہوئے ختن کو خطِ صحرائے طلب
مشک ہے سنبلستانِ زلف میں، گردِ سواد

آہوئے ختن سے مُشک پیدا ہوتی ہے۔ گردِ سواد: کسی شہر کے نواح کی گرد۔ محبوب کی زُلفیں سنبل کے باغ کی طرح ہیں۔ ان کی سیاہی مُشکِ مجسّم ہے۔ یہ مُشک، عاشق کی خواہش کے صحرا کے اطراف کا غبار ہے۔ جس جنگل میں گرد کی جگہ مُشک ہو اس میں راہ بری کے لئے ختن کے ہرن سے بہتر رہنما کون مل سکتا ہے۔ اس لئے ہم طلبِ محبوب کے دشت میں اسی کو خواجہ خضر سمجھیں گے۔ زُلفوں میں مُشک کا انداز سیاہی اور خوشبو کی وجہ سے ہے۔ سواد کے معنی نواح کے علاوہ سیاہی کے بھی ہیں۔ اس طرح آہو، مُشک، سنبلستان، زُلف اور سواد میں ایک تلازمہ ہو گیا۔

ہم نے سوزِ زخمِ جگر پر بھی زباں پیدا نہ کی
گُل ہوا ہے ایک زخمِ سینہ پر خواہانِ داد

ہمارے جگر میں سینکڑوں زخم ہیں، لیکن ہم نے زبان کھول کر فریاد نہ کی۔ سرخ رنگ کا کھلا ہوا پھول، جو سینے کے زخم کی طرح کشادہ ہے، محض ایک زخم کی وجہ سے فریاد کر رہا ہے۔ چونکہ وہ زخم کی مسلسل نمائش کر رہا ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ وہ داد خواہ ہے

بسکہ ہیں در پردہ مصروفِ سیہ کاری تمام
آستر ہے خرقۂ زہّاد کا، صوفِ مداد

سیہ کاری:۔ گناہ کرنا۔ شاعر نے اس کے لفظی معنی کالے کام سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ زاہد پردے میں چھپ کر فسق و فجور میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے کالے کاموں کی وجہ سے ان کی گدڑی کا استر دوات کے صوف کی طرح ہے۔ یعنی گو بظاہر وہ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن دراصل گناہ گار ہیں۔ چونکہ استر اندر کی طرف ہوتا ہے اس لئے در پردہ کا لفظ لطف دے گیا ہے۔ پہلے زمانے میں دوات میں کپڑا بھی ڈالتے تھے جسے صوف کہتے تھے۔

تیغ در کف، کف بہ لب آتا ہے قاتل اس طرف
مژدہ باد، اے آرزوئے مرگِ غالبؔ، مژدہ باد

قاتل ہاتھ میں تلوار اور ہونٹوں پر جوش سے جھاگ لئے اِدھر آتا ہے۔ اے غالبؔ کی خواہشِ مرگ تجھے مژدہ ہو۔

(۷۲)

تو پست فطرت اور خیالِ بسا بلند
اے طفلِ خود معاملہ، قد سے عصا بلند

خود معاملہ: جو اپنے سارے کام بغیر کسی دوسرے کی مدد کے پورا کرنا چاہے۔ کسی بھی پست فطرت انسان سے خطاب ہوسکتا ہے۔ تو چھوٹی طبیعت کا آدمی ہے اور اتنی بڑھ چڑھ کر باتیں سوچتا ہے۔ تیری مثال اس خود سر، بر خود غلط بچے کی سی ہے جو اپنے قد سے بڑا عصا لے کر چلے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کو سنبھال نہ پائے گا۔

ویرانیے، جز آمد و رفتِ نفس نہیں
ہے کوچہ ہائے نے میں، غبارِ صدا، بلند

ویرانیے: کوئی ویرانی۔ آمد و رفتِ نفس: سانس کا چلنا، کنایہ ہے زندگی سے۔ دنیا میں سانس کا جاری رہنا ہی سب سے بڑی ویرانی ہے۔ یعنی زندہ ہونا خود ویرانی و تباہی کا باعث ہے۔ بانسری کے کوچے میں نے نواز کا سانس آتا جاتا ہے جس سے آواز کا غبار بلند ہوتا ہے۔ غبار علامت ہے ویرانی کی۔ گویا سانس خواہ انسان کی ناک میں ہو، خواہ بانسری کے کوچے میں، ہر جگہ ویرانی کا باعث ہے۔ چونکہ صدا بھی غبار کی طرح اٹھتی اور پھیلتی ہے، اس لئے اسے غبار سے تشبیہ دی گئی۔

رکھتا ہے انتظارِ تماشائے حسنِ دوست
مژگانِ باز ماندہ سے، دستِ دعا بلند

محبوب کے حسن کو دیکھنے کے انتظار میں رات کو آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ کھلی ہوئی پلکیں دستِ دعا کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ دعا اس بات کی مانگی جا رہی ہے کہ یار آجائے۔ شعر کی نثر ہوگی۔ انتظارِ تماشائے حسنِ دوست، مژگانِ باز ماندہ سے ہمارے دستِ دعا بلند رکھتا ہے۔

موقوف کیجئے یہ تکلف نگاریاں
ہوتا ہے ورنہ، شعلۂ رنگِ حنا بلند

یہ تکلف کی آرائش بند کیجیے ورنہ عاشقوں کا بُرا حال ہوگا۔ آپ کا رنگِ حنا شعلہ بلند کرے گا جو ہمیں جلا ڈالے گا۔ یعنی آپ کی آرائش ہمارے لئے وبالِ جان ہے۔ نگاریاں سے مُرادِ حنا کے نقش و نگار ہیں۔

قربانِ اوج ریزیِ چشمِ حیا پرست
یک آسماں ہے، مرتبۂ پُشتِ پا، بلند

محبوب کی آنکھیں حیا کے سبب نیچے کو جُھکی رہتی ہیں اور اس کے پاؤں پر پڑتی رہتی ہیں۔ یہ آنکھیں جس پر پڑ جائیں اس کا مرتبہ کتنا بلند کر دیتی ہیں، یہ اس سے ظاہر ہے کہ نگاہوں کی وجہ سے محبوب کا کفِ پا مرتبے میں ایک آسمان بھر بلند ہو گیا ہے

ہے دل بری، کمیں گرِ ایجادِ یک نگاہ
کارِ بہانہ جوئیِ چشمِ حیا بلند

شعر کے سادہ سے معنی تو یہ ہیں کہ محبوب کی دل بری ایک نگاہ ایجاد کرنا چاہتی ہے لیکن شرمیلی آنکھ نظریں نیچی رکھتی ہے۔ یعنی طویل اور سامنے کی نگاہ کو وجود میں نہیں آنے دیتی۔ حیا دار آنکھ کا بہانہ کرکے نگاہ اُوپر نہ اُٹھانا سلامت رہے۔

آسی نے یہ معنی دئے ہیں لیکن شعر کے یہ اچھے معنی نہیں۔ ایک طرف تو لمبی نگاہ کو دلبری کہا اور دوسری طرف حیا دار جُھکی ہوئی نگاہوں کی خیر منائی۔ یہ تضاد ہے۔ شعر کے اصل معنی زیادہ لطیف ہیں۔

محبوب کی آنکھ حیا کے سبب جُھکی رہتی ہے لیکن وہ کبھی کبھی اُوپر ہو کر کھنکیوں سے دیکھنا بھی چاہتی ہے اور یہ ادا بڑی دل رُبا معلوم ہوتی ہے۔ گویا دلبری ایک نگاہ کے ایجاد کی تاک میں رہتی ہے کہ کوئی بہانہ کرکے اُوپر کو دیکھا جائے کاش اس بہانہ جوئی کا کام خوب چلے اور حیا زدہ آنکھوں کو بار بار نگاہیں اُوپر اُٹھانے کا موقعہ ملتا رہے۔

بالیدگی، نیازِ قدِ جاں فزا، اسد
در ہر نفس بہ قدرِ نفس ہے قبا بلند

محبوب کا طویل قد دیکھنے سے ہماری جان بڑھتی ہے۔ نشوونما اور بالیدگی اس کے قد کی نیازمند ہے یعنی ہمیشہ اس کے قد کو بڑھانے کی فکر میں رہتی ہے چنانچہ ہر سانس یعنی ہر لمحے میں اس کا قد تھوڑا سا بڑھ جاتا ہے جس سے اس کی قبا اونچی ہو جاتی ہے۔ قبا کتنی اونچی ہوتی ہے؟ بہ قدر نفس یعنی ایک تارِ نفس کی موٹائی کے برابر۔ یہ مقدار دراصل محبوب کے قد کے بڑھنے کی ہے۔

(۷۳)

حسرتِ دستگہ و پائے تحمّل تا چند
رگِ گردن، خطِ پیمانۂ بے مُل تا چند

دستگہ: مقدرت۔ تحمّل: اپنے اوپر رنج و مشقت روا رکھنا۔ رگِ گردن: غرور و نخوت: کب تک ہمیں مقدرت اور ساز و سامان کی حسرت رہے گی۔ کب تک ہم تحمّل (مصائب کو برداشت کرنا) کے پاؤں سے چلنے پر مجبور ہوں گے۔ بغیر شراب کا پیمانہ کنایہ ہے افلاس سے۔ افلاس پر ہم کب تک غرور کرتے رہیں۔

ہے گلیمِ سیہ بختِ پریشاں، کاکل
موئینہ بافتنِ ریشۂ سنبل تا چند

موئینہ بافتن: پشمینہ بننا۔ کالا کمبل غریبی کی نشانی ہے اور پشمینہ امیری کی۔ سنبل کا ریشہ بھی زلفوں کی طرح سیاہ ہوتا ہے۔ کالے بالوں سے کمبل بھی بُنا جاتا ہے اور پشمینہ بھی۔ یار کی زلف ہماری بدنصیبی اور سیہ بختی کا کمبل ہے۔ ہم اسے سنبل کے ریشوں سے بنا ہوا پشمینہ کب تک سمجھتے رہیں یعنی زلفِ محبوب ہماری پریشانی کا باعث ہے ہم اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ کامرانی کی کوئی اُمید نہیں۔

آسی نے ایک اور معنی دیے ہیں۔ سنبل کی کاکل بدبختی کا کالا کمبل ہے۔ سنبل کب تک اسے پشمینہ بنا کر دکھاتا رہے گا۔ گویا یہ شعر ریشۂ سنبل کے بارے میں ہے۔

کوکبِ بخت: بجز روزنِ پُر دود نہیں
مینکِ چشمِ جنوں، حلقۂ کاکل تا چند

ہماری قسمت کا تارا ایسا ہے جیسے کالے دھوئیں سے بھرا ہوا کوئی سوراخ ہو یعنی قسمت تاریک ہے۔ سوراخ میں دھواں ایک خم دار لکیر کی طرح ہوتا ہے یعنی زلف سے کسی قدر مشابہت

ہے۔ ہم جنوں میں محبوب کے حلقۂ زلف کو دیکھتے ہیں اور یہاں تک دیکھتے ہیں کہ انہیں چشم جنوں کی عینک بنالیا ہے۔ ایسا کب تک کرتے رہیں؟ یہ غمِ زلف ہمیں چھوڑنے کو تو ملنے والا نہیں۔ قسمت میں تو محض دھوئیں کی موج ہے پھر حسینوں کی زلفوں کو گھورتے رہنے سے فائدہ

چشم بے خونِ دل و دل تہی از جوشِ نگاہ
بہ زباں عرضِ فسونِ ہوسِ گل تا چند

جیسے کوئی شخص شباب کی منزل سے گزر چکا ہو دل اور نگاہ بے جوش ہو چکے ہوں اس کے باوجود اشعار میں حسن پرستی کا اظہار کرے تو یہ نامناسب ہے۔ کہتے ہیں آنکھ میں دل کا خون آنسو بن کر نہیں آرہا۔ دل میں حسن کی طرف نگاہیں دوڑانے کا جوش نہیں اور منہ سے یہ کہتے رہیں کہ ہمیں حسینوں کی بڑی ہوس ہے تو یہ ڈھونگ کب تک جاری رکھیں۔ سندیلوی نے اس شعر کو کسی غیر سے مخاطب مانا ہے۔ میری رائے میں اپنے لئے ہی ہے کیونکہ پوری غزل میں بے زاری کی فضا ہے

بزم داغِ طرب و باغ کشادِ پرِ رنگ
شمع و گل تا کے و پروانہ و بلبل تا چند

شاعر کی عبرت بیں نگاہ ہر چیز کے انجام کو دیکھتی ہے۔ اس وقت بزم میں طرب ہے۔ آخر میں محض ایک داغِ طرب رہ جائے گا یعنی ایک خواہش و حسرت کہ کاش کچھ خوشیاں منائی جاسکیں۔ باغ میں اس وقت رنگ ہے لیکن آخرش یہ اڑ جائے گا گویا چشم بینا کو بھری بزم بھی داغِ طرب ہے اور بھرا باغ رنگ کا پر لگا کر اڑتا ہے۔ شمع اور گل کب تک رہیں گے اور ان کے عاشق پروانہ اور بلبل کب تک رہیں گے یعنی آخر کار سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ یہ بزم و باغ سب بے اصل ہیں ——

نالہ دامِ ہوس و دردِ اسیری معلوم
شرتِ برخود غلطی ہائے تحمل تا چند

عاشق (یا رقیب) جو نالے کر رہا ہے وہ ہوس کی وجہ سے ہیں۔ ہوس محبوب کو پھانسنے کیلئے نالے کی شکل میں جال پھیلا رہا ہے ورنہ حقیقت میں اسیری عشق کی اذیت مفقود ہے اور یہ نالے کا باعث ہو ہی نہیں سکتی۔ تحمل: تکالیف برداشت کرنا۔ برخود غلطی ہا: اپنے بارے میں بہت سی خوش فہمیاں ہونا۔ اب عاشق (یا رقیب) کو اپنے بارے میں یہ غلط فہمی ہو کہ وہ اسیر ہو کر بہت سی تکالیف اٹھا رہا ہے اور اس غلط فہمی کی تشفی کیلئے نالہ کرے

تو یہ کب تک مفید ہوگا۔

جوہرِ آئینۂ فکرِ سخن اموئے دماغ
عرض حسرت الپس زانوئے تامل تا چند

نسخۂ عرشی میں پہلے مصرع کی قرأت ا جوہرِ آئینۂ فکرِ سخن موئے دماغ ۔ دی ہے جو میرے نزدیک صحیح نہیں ۔ میری مجوزہ قرأت میں معانی زیادہ آسانی سے نکل آتے ہیں۔ موئے دماغ مخلِ صحبت اور نامرغوب شخص کو کہتے ہیں یا پھر کسی بھی مکروہ و نامرغوب شے کو کہیں گے جوہرِ آئینہ فولادی آئینے میں دھاری کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اس لئے بال سے مشابہ ہوتا ہے ۔ کہتے ہیں کہ فکرِ سخن کے آئینے کا جوہر بڑا ناگوار ہے یعنی دیر تک شعر کیلئے فکر کرتے رہنا ہمیں بڑا بارِ خاطر ہوتا ہے ۔ ہمارے شعر کا مضمون صرف حسرت ہی تو ہے ۔ حسرت کے اظہار کیلئے فکر و تامل کے زانو کے پیچھے کیوں بیٹھا جائے ۔ فکرِ شعر سوچ کر حسرت کی باتیں کرنے کے مترادف ہے کیوں نہ اس سوچ کی اذیت کو چھوڑ کر برجستہ عرضِ حسرت کر دیا جائے ۔

چونکہ زانو پر سر رکھ کر آدمی غور و فکر میں کھو جاتا ہے اس لئے زانوئے تامل کی ترکیب لائے ۔

سادگی ہے عدم قدرت و ایجادِ غنا
ناکسی آئینۂ نازِ توکل تا چند

نسخۂ عرشی میں قدرت کے بعد بھی اضافت ہے جس سے معنی کسی قدر اُلجھ جاتے ہیں ۔
خود نوشت دیوان میں قدرت کے بعد داوِ عطف ہے جس سے معنی بہت صاف ہو جاتے ہیں ۔

غنا : استغنا، بے نیازی ۔ ناکسی : نا اہلی ۔ کسی شخص کو کاروبارِ دنیا میں کامیابی کی قدرت نہیں ہوتی تو وہ استغنا کی ایجاد کر بیٹھتا ہے کہ ہمیں تو کچھ چاہیئے ہی نہیں ۔ یہ سب حماقت ہے ۔ انسان کی نا اہلی کب تک ناز کے ساتھ توکل کا روپ دھار کر ظاہر ہوا کرے گی ۔ آئینۂ نازِ توکل : توکل کے ناز کو دکھانے والی ۔ یہ ظاہر کرنا کہ ہم توکل سے کام لیتے ہیں در اصل ایک دھوکا ہے جو نا اہلی دوسروں کو دینا چاہتی ہے ۔

اسدِ خستہ گرفتارِ دو عالم اوہام
مشکل آساں کُن یک خلق تغافل تا چند

اسدِ مجروح دنیا بھر کے شکوک اور وسوسوں میں گرفتار ہے ۔ اے خلق کی مشکل آسان کرنے والے خدا اس سے کب تک تغافل کرے گا ۔ اس کی طرف توجہ کر اور اس کے عقیدے سے

اوہام دور کر کے اسے طمانیت کی دولت عطا کر۔

(۴۷)

لیکہ مائل ہے وہ اشکِ ماہتاب آئینے پر
ہے نفس تارِ شعاعِ آفتاب آئینے پر

محبوب رشکِ ماہ ہے وہ آئینے کو دیکھ رہا ہے اس کے سانس کا تار جو آئینے پر پڑ رہا ہے سورج کی کرن کا تار معلوم ہوتا ہے۔

بازگشت جادہ پیمائے رہ حیرت کہاں
غافلاں غش جان کر چھڑکے ہیں آب آئینے پر

آب بر آئینہ ریختن: ایران میں رسم ہے کہ کوئی آدمی سفر کو جاتا ہے تو اس کے پیچھے آئینے پر پتے رکھ کر ان پر پانی چھڑکتے ہیں اور یہ شگون ہے اس بات کا کہ وہ خیریت اور سلامت سے واپس آئے۔ ممکن ہے غشی میں بھی یہ رسم عمل میں لائی جاتی ہو۔

جو محبوبِ حقیقی کے جلووں کو دیکھ کر حیرت میں کھو گئے ہیں اور سکتے کے عالم میں ہیں وہ راہِ حیرت سے واپس لوٹنے والے نہیں۔ بیوقوف لوگ انہیں غش جان کر آئینے پر پانی چھڑک رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ یہ کشتگانِ حیرت ہوش میں واپس آنے والے نہیں۔

بدگمان کرتی ہے عاشق کو خود آرائی تری
بیدلوں کو ہے براتِ اضطراب آئینے پر

برات: حصہ۔ عاشق کو تیری خود آرائی سے بدگمانی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں تو کس کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے اس لئے عاشقوں کو آئینے سے اضطراب کا حصہ ملتا ہے یعنی آئینے کی وجہ سے تڑپتے ہیں۔

مدعی میری صفائے دل سے ہوتا ہے خجل
ہے تماشا زشت رویوں کا عتاب آئینے پر

رقیب میرے دل کی صفائی دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہے کیونکہ اسے مقابلے میں اپنے دل کی تاریکی کا اندازہ ہوتا ہے۔ احساسِ کمتری کی وجہ سے وہ مجھ پر جھنجھلاتا ہے۔ عجب تماشا ہے کہ بدصورت آدمی آئینے میں اپنی بدصورتی دیکھ کر آئینے پر غصہ کرتا ہے۔

نازِ خود بینی کے باعث، مجرم صد بے گناہ
جوہرِ شمشیر کو ہے پیچ تاب آئینے پر

محبوب آئینے میں خود کو دیکھتا ہے اور ناز کرتا ہے۔ خود بینی میں مست ہو کر شمشیر سے بے گناہ عشاق کو قتل کرتا ہے۔ اس طرح تلوار اور تلوار کا جوہر سو بے گناہوں کے مجرم ہیں۔ اس جفا کی ذمہ داری آئینے پر ہے اس لئے جوہر شمشیر آئینے پر طیش کھا رہا ہے۔

شعر کے ایک اور معنی ہیں۔ محبوب نے خود بینی سے ناز کیا جس سے سو بے گناہ مارے گئے ان کے قتل کی ذمہ داری آئینے پر ہے۔ جوہرِ شمشیر کو آئینے (بلکہ جوہر آئینہ) پر طیش ہے کہ وہ تلوار سے بھی زیادہ قاتل کیوں ثابت ہوا۔ آئینے نے تلوار کا کام اپنے ذمے کیوں لے لیا۔ پہلی تشریح بہتر ہے۔

سدِ اسکندر ہے بہرِ نگاہِ گل رخاں
گر کرے یوں امر نہی بوتراب آئینے پر

امر وہ کام ہیں جن کی شرعاً اجازت ہے اور نہی وہ جن کیلئے ممانعت کی گئی ہے۔ اگر حضرت علی کی مخالفت یہ حکم کرے کہ کوئی آئینے کو نہ دیکھے تو آئینہ حسینوں کی نگاہ کیلئے سدِ سکندر بن جائے گا۔ سدِ سکندر وہ دیوار ہے جو سکندر ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو روکنے کیلئے بنائی تھی۔ چونکہ آئینے کے موجد کا نام بھی سکندر ہے اس لئے آئینہ اور سدِ سکندر میں رعایت ہے۔

دل کو توڑا جوشِ بے تابی سے غالب کیا کیا؟
رکھ دیا پہلو بہ وقتِ اضطراب آئینے پر؟

غالب، تڑپ کر دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے یہ کیا کیا؟ کیا اضطراب کے جوش میں پہلو کو آئینے پر رکھ دیا تھا اور وہ جسم کے بوجھ سے ٹوٹ کر پہلو اور دل میں چبھ گیا۔

(۷۵)

دلِ خونیں جگر بے صبر و فیضِ عشق مستغنی
الٰہی یک قیامت خاور آ ٹوٹے بدخشاں پر

دلِ خونیں جگر: مجروح دل۔ خاور: مشرق، خاوراں: خراسان کا ایک علاقہ۔ اسے بھی خاور کہہ دیتے ہیں۔ بدخشاں: خراسان اور ایران کے بیچ ایک علاقہ۔ یاد رہے کہ خراسان اور بدخشاں دونوں کے لعل مشہور ہیں۔ یک قیامت خاور میں یک قیامت مقداری فقرہ ہے یعنی

بہت سا خاور۔ شعر کے معنی یہ ہیں۔ میرا زخمی دل بے صبر ہے اور چاہتا ہے کہ اس میں سے خون جاری رہے لیکن فیضِ عشق ادھر توجہ نہیں کرتا اور قطراتِ خون نہیں نکلتے۔ قطراتِ خون لعل کی طرح ہوتے ہیں۔ اگر خون نہیں نکلتا تو کیں سے دل میں لعل ہی آجاتے۔ بدخشاں نے بخل کیا کہ میرے دل کو لعل عطا نہیں کئے۔ اس کا برا ہو۔ کاش اس پر قیامت کا مشرق یعنی قیامت کا سورج ٹوٹ پڑے۔ قیامت کے دن سورج زمین کے بالکل پاس آجائے گا۔ خورکی جگہ خاور کہنا غالب کی جدت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خاور کو بھی لعلوں کی کان قرار دیا ہو۔ جب خراسان کے لعل مشہور ہیں تو خاوراں اور خاور کے لعل بھی مشہور ہونے چاہئیں۔ کاش خاور قیامت بن کر بدخشاں پر ٹوٹ پڑے تاکہ دونوں بخیلوں کو سزا ملے۔

زیادہ امکان یہ ہے کہ خاور کے معنی منبع لعل نہیں بلکہ مشرق لئے گئے ہیں۔ قیامت کا مشرق سے مُراد قیامت کا سورج ہے۔

(۷۶)

خطِ نوخیز، نیلِ چشم زخم صافیِ عارض
لیا آئینے نے حرزِ پرِ طوطی بہ چنگ آخر

نیلِ چشم زخم۔ سیاہی کا وہ نشان جو بچوں کے چہرے پر لگا دیتے ہیں تاکہ کسی کی نظر بد نہ لگے۔ محبوب کے چہرے پر نیا نیا خط جو آیا ہے یہ گالوں کی صفائی کیلئے نظر کا ٹیکا ہے جب محبوب نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا تو آئینے کو اندیشہ ہوا کہ وہ اس چہرے پر دیوانہ نہ ہو جائے اس لئے اس نے اپنے پنجے میں پرِ طوطی کا تعویذ لے لیا۔ فولادی آئینے میں برسات میں ہرے رنگ کا میل جم جاتا ہے۔ اس زنگار کو طوطی یا پرِ طوطی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ تعویذ ہاتھ میں باندھا جاتا ہے۔ یہاں پنجے میں دے دیا گیا ہے۔ آئینے کا تلازمہ عارضِ صاف سے ہے اور پرِ طوطی یا جوہر کا خطِ نوخیز سے۔

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ آئینے سے مُراد عارض اور پرِ طوطی سے خط ہی ہو۔ تب شعر کے معنی یہ ہوں گے کہ خطِ نوخیز گالوں کیلئے نیلِ چشم زخم ہے یا یہ کہ آئینہ نما ہوتے حاسدوں کی نظر سے بچنے کیلئے پرِ طوطی سے بنا ہوا تعویذ ہاتھ میں لے رکھا ہے

ہلالِ آسا تہی رہ، اگر کشادن ہائے دل چاہے
ہوا مہ کثرتِ سرمایہ اندوزی سے تنگ آخر

دل کا کشادہ ہونا خوشی کی علامت ہے اور دل کا تنگ ہونا ملال کی۔ ہلال کا پیٹ اتنا بہت کھلا رہتا ہے یعنی اس کا دل کشادہ ہے اور وہ خوش ہے۔ پورا چاند بالکل بھرپور ہوتا ہے گویا اس کا دل بند اور تنگ ہے اور وہ ملول ہے۔ اب شعر کے معنی یہ ہوئے کہ ہلال کی طرح خالی اور بے نور رہ اگر دل کو شگفتہ رکھنا چاہیے۔ بدر نے بہت سا سرمایہ جمع کیا اور اس کی وجہ سے تنگ و ملول ہوا۔

تڑپ کر مر گیا وہ صیدِ بال افشاں کہ مضطر تھا
ہوا ناسورِ چشمِ تعزیت زخمِ خدنگ آخر

بال افشاں: پر جھاڑتا یا پھڑ پھڑاتا ہوا۔ دوسرے مصرع کی نثر ہے زخمِ خدنگ آخر ناسورِ چشمِ تعزیت ہوا۔ پرندے کے تیر لگا۔ وہ پروں کو پھڑ پھڑا کر مر گیا۔ اس کا زخمِ تیر تعزیت کرنے والی آنکھ کا ناسور بن گیا ہے یعنی تعزیت کرنے والی آنکھ سے مسلسل پانی بہا کیا یہاں تک کہ وہ ناسور ہو گئی۔ گویا زخمِ تیر روپ بدل کر ناسورِ عزادار کی شکل میں موجود ہے

نہ کی یاروں کی بدمستی نے مے خانے کی پامالی
ہوئی قطرہ فشانی ہائے مے بارانِ سنگ آخر

قطرہ فشان: قطرہ زن تیز چلنے والا جس کے چلنے سے پسینے کی بوندیں ٹپکتی جائیں۔ قطرہ فشانی ہائے مے کے معنی ہوئے شراب کو تیزی سے بہانا۔ رندوں کی بدمستی نے مے خانے کو برباد کر دیا۔ انھوں نے شراب کے الٹے تلّے کئے۔ شراب کی بوندوں کو بکھیرنا پتھر کی بارش ثابت ہوا جس سے مے خانے کی عمارت شکست و ریخت ہو گئی۔

اسدؔ پیری میں بھی آہنگِ شوقِ یار قائم ہے
نہیں ہے نغمے سے خالی، خمیدن ہائے چنگ آخر

آہنگ: راگ، ارادہ۔ چنگ: ایک تاروں والا باجا جس کا سرا خمیدہ ہوتا ہے۔ اسدؔ بڑھاپے میں بھی محبوب کے شوق کا قصد موجود ہے۔ چنگ خم بھی ہو جائے تو نغمہ کرتا رہتا ہے۔ ضعیفی میں جسم خمیدہ اور منحنی ہوا تو وہ بھی نغمۂ شوق سے خالی نہ ہوگا۔

(۷۷)

بینش بہ سعیِ ضبطِ جنوں، نو بہار تر
دل در گدازِ نالہ، نگاہ آبیار تر

بنیش اور نگاہ سے مُراد فہم یا حقیقت نگر نگاہ ہے۔ ضبطِ جنوں اور ضبطِ نالہ کرنے سے آدمی زیادہ ہوش مند ہوجاتا ہے۔ اگر دل میں نالوں کو ضبط کر لیا جاتا ہے تو ان کی حدت سے دل پگھل جاتا ہے رقیق ہوجاتا ہے۔ یہ پانی نگاہ کی آبیاری کرتا ہے۔ دل کا گداز نگاہ کو ژرف بیں اور حقیقت نگر بنا دیتا ہے۔

قاتل بہ عزمِ نازو دل از زخم در گداز
شمشیر آب دار و نگاہ آب دار تر

قاتل ناز فرمائی کا ارادہ کر رہا ہے یعنی تلوار چلائے گا اور دل زخم کے اندیشے سے پگھلا جا رہا ہے۔ قاتل کی تلوار آب دار اور نگاہِ ناز اس سے بھی زیادہ آب دار ہے۔

ہے کسوتِ عروجِ تغافل، کمالِ حسن
چشمِ سیہ، بہ مرگِ نگہ، سوگوار تر

حسن اگر تغافل میں عروج دکھاتا ہے تو اس تغافل کی ہیئت ظاہری افزائشِ حسن کا موجب ہوتی ہے۔ زیادہ تغافل کرنے سے یار نے نگہ ڈالنی یہاں تک بند کر دی ہے کہ نگہ مرگئی ہے سیہ آنکھ نگاہ کی موت پر اور زیادہ سوگوار ہوتی ہے۔ سوگواری میں کالا لباس پہنا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ نگاہ اور سیاہ ہوگئی ہے اور اس طرح حسن کمال کے درجے تک پہنچ گیا ہے یعنی تغافل کا عروج حسن کا عروج ثابت ہوا۔

سعیِ خرام، کاوشِ ایجادِ جلوہ ہے
جوشِ چکیدنِ عرق، آئینہ کار تر

محبوب کی ٹہلنے کی خواہش دراصل جلوہ دکھانے کی کوشش ہے۔ چلنے سے پسینہ آئے گا۔ حسین چہرے پر پسینے کی بوندیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور زیادہ توجہ منعطف کرتی ہیں۔ اس لئے نمائشِ حسن کیلئے اور زیادہ آئینہ داری کرتی ہیں۔

ہر گرد باد، حلقۂ فتراکِ بے خودی
مجنونِ دشتِ عشق، تحیّر شکار تر

عشق میں تحیّر یعنی حیرت بھی ہوتی ہے اور حیرت کی وجہ سے بے خودی و خود فراموشی ہوتی ہے۔ صحرائے عشق میں جو بگولا ہے وہ فتراکِ بے خودی کا حلقہ ہے یعنی وہ نمودار ہوکر مجنوں کو بے خودی میں پھانس لے گا اور مجنوں اور زیادہ شکارِ حیرت ہوجائے گا۔ یعنی

جتنی زیادہ صحرائے عشق کی سیر کی جائے گی اتنی ہی زیادہ بے خودی اور حیرت ہوگی۔

اے چرخ، خاک بر سر تعمیر کائنات
لیکن بنائے عہدِ وفا استوار تر

خاک بر سر ہونا تباہی و بربادی کی نشانی ہے۔ اے آسمان کائنات بالکل منہدم ہو جائے تو کوئی غم نہیں لیکن وعدۂ وفا کی بنیاد کو کوئی صدمہ نہ پہنچے وہ اور زیادہ مضبوط ہو جائے۔ یہاں عہدِ وفا سے مراد وہ عہد ہے جو عاشق نے محبوب سے کیا ہے۔ غالب نے دوسرے شعروں میں بھی عہدِ وفا کا ذکر کیا ہے جس سے غالباً وہ کوئی وعدہ مراد ہے جو انسان نے خالق کے ساتھ کیا ہے

آئینہ داغ حیرت و حیرت شکنج یاس
سیماب بے قرار و اسد بے قرار تر

شکنج: شکن، آواز۔ آئینہ حیرت سے بھرا ہوا داغ ہے اور حیرت یاس کی شکن پیشانی ہے یعنی آئینہ حیرت سے بھرا ہے اور حیرت یاس کی پیداوار ہے۔ سیماب بے قرار ہوتا ہے لیکن اسد اس سے بھی زیادہ بے قرار ہے۔ کس طرح؟ سیماب سے قلعی ہو کر آئینہ بنا جو حیران ہے۔ اسد کا سرمایہ یاس ہے۔ حیران آدمی کے مقابلے میں مایوس آدمی زیادہ بے قرار ہوگا

ذیل کا شعر نسخۂ حمیدیہ اور نسخۂ عرشی میں نہیں لیکن نسخۂ شیرانی میں ہے۔

سمجھا ہوا ہوں عشق میں نقصاں کو فائدہ
جتنا کہ نا اُمید تر اُمیدوار تر

عشق کی شان نقصان، تکلیف، زخم و یاس میں ہے۔ عاشق جتنا خستہ حال ہوگا اتنا ہی وہ کامیاب اور عظیم عاشق مانا جائے گا اور اس طرح محبوب کی جناب سے اس کی قدر دانی کے امکانات زیادہ ہوں گے۔ میں عشق کی منزل میں جتنا نا اُمید ہوں اتنا ہی کامیاب عاشق سمجھا جاؤں گا۔ اس لئے نا اُمیدی مجھے اُمیدوار اور کامراں کئے ہوئے ہے۔

(۷۸)

دیا یاروں نے بے ہوشی میں درماں کا فریب آخر
ہوا سکتے سے میں آئینہ دستِ طبیب آخر

میں حسنِ یار کو دیکھ کر سکتے میں آ گیا ہوں اور بے ہوش پڑا ہوں۔ یاروں نے مجھے بے ہوش دیکھ کر یہ کہنا شروع کیا ہے کہ اب یہ ٹھیک ہو گیا اسے بے قراری نہیں چین سے آرام کر رہا

ہے۔ گویا میری بے ہوشی کو علاج ظاہر کر رہے ہیں۔ سکتے میں طبیب مریض کو آئینہ دکھاتا ہے تاکہ وہ زندہ ہوگا تو سانس کا عکس آجائے گا۔ مرگیا ہوگا تو نقش نہیں آئے گا۔ سکتے میں آدمی حرکت نہیں کرتا جیسے کہ حیران ہو۔ آئینہ بھی حیران ہوتا ہے۔ سکتے کی وجہ سے میں طبیب کے ہاتھ میں آئینے کی طرح ہوگیا ہوں یعنی چارہ گر مجھے مسلسل دیکھے جا رہا ہے کہ میری حالت میں کچھ بہتری کے آثار ہیں کہ نہیں۔

رگِ گل جادۂ تارِ نگہ سے حد موافق ہے
ملیں گے منزلِ الفت میں ہم اور عندلیب آخر

رگِ گل میرے تارِ نگہ کے راستے سے بہت مشابہ ہے۔ میں تارِ نگہ کے راستے پر چل رہا ہوں اور بلبل رگِ گل کے راستے پر۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آخر میں منزلِ الفت پر ہم دونوں کی ملاقات ہوگی۔

غرورِ ضبط، وقتِ نزع ٹوٹا بے قراری سے
نیازِ پرفشانی ہوگیا صبر و شکیب آخر

پرفشانی: ترکِ علائق کرنا۔ میں ساری عمر ضبط کرتا رہا اور اس پر مغرور تھا لیکن نزع کے وقت بے چینی کی وجہ سے ضبط ٹوٹ گیا۔ دُنیا سے ناتہ توڑنے میں صبر کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا۔

اسدؔ کی طرح میری بھی، بغیر از صبحِ رخساراں
ہوئی شامِ جوانی، اے دلِ حسرت نصیب آخر

اے میرے حسرت نصیب دل، اسدؔ کی طرح میری جوانی کی شام بھی حسینوں کے رخساروں کی صبح کے بغیر تمام ہوگئی یعنی اسدؔ اور میں حسینوں کے رخساروں سے نہ کھیل سکے اور جوانی گذر گئی۔

(۷۹)

فسونِ یک دلی ہے لذتِ بیدادِ دشمن پر
کہ وجدِ برق، جوں پروانہ بال افشاں ہے خرمن پر

فسونِ یکدلی: وہ منتر جو دو شخصوں کے دلوں کو ملا دے۔ شعر کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) محبوب مجھے لذتِ جفا دے رہا ہے۔ برق میرے خرمن پر اس طرح وجد کر رہی ہے۔ جیسے کوئی پروانہ اُڑ رہا ہو۔ میرا حالِ زار دیکھ کر رقیب کا دل بھی پگھل گیا ہے اور وہ میرا مونس ہوگیا ہے۔ (۲) محبوب مجھ پر اور رقیب پر دونوں پر بیداد کر رہا ہے۔ ہم دونوں کے خرمن

پر برق وعید گر رہی ہے۔ اس بیداد نے مجھے اپنا مخصوص عاشق سمجھ کر مجھے ظلم وستم کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ یار کی ادا میری یک دلی کا افسوں رقیب کیلئے باعثِ بیداد بن گیا ہے۔ اسے حسد ہے کہ یار اس پر ظلم کیوں نہیں کرتا۔ اس کی طرف محض تغافل کیوں ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ برق محض خرمن ہی پر گرتی ہے اِدھر اُدھر نہیں۔ یار کی توجہ (جو جفا و بلا کے سوا کچھ اور نہیں) میری طرف ہی ہوگی۔ رقیب جیسے ایرے غیروں کی طرف نہیں۔

پہلے معنی کو ترجیح دی جائے گی۔ میری لذتِ بیداد دشمن پر فسونِ یکدلی کا کام کر رہی ہے دوسرا مصرع بیداد کی تشریح ہے۔

تکلف خار خارِ التماسِ بے قراری ہے
کہ رشتہ باندھتا ہے پیرہن انگشتِ سوزن پر

خار خار: خواہش کرنا۔ انگشت پر رشتہ باندھنا (رشتہ بر انگشت پیچیدن) کوئی بات یاد رکھنے کیلئے اُنگلی پر دھاگا لپیٹ لینا۔ ذوق نے کہا تھا ع

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر

غالب اپنے مخصوص رنگ میں کہتے ہیں کہ تکلف بے قراری کو دعوت دینے کے مترادف ہے مثلاً کپڑے پہننا تکلف ہے عریانی بے تکلفی۔ کرتا سینے کیلئے بار بار سوئی پر دھاگا لپٹتا ہے گویا کرتا سوئی کی اُنگلی پر دھاگا باندھتا ہے۔ سوئی کا چبھنا بے قراری پیدا کرتا ہے۔ پیرہن سوئی کی اُنگلی پر دھاگا لپیٹ کر اسے یاد دلاتا ہے کہ میرے بدن میں بار بار چبھو اور یہ گویا بے قراری کو بلاوا دینا ہے اس طرح کرتا بے قراری کا خزینہ ہوا۔ یہ خود بے قرار ہے اور پہننے والے کو بھی بے قراری میں سے حصہ دے گا۔ یہ تکلف کی نشانی بھی ہے اس لئے تکلف بے قراری کی خواہش کے سوا کچھ نہیں۔

یہ کیا وحشت ہے؟ اے دیوانے پیش از مرگ واویلا
رکھی بے جا بنائے خانۂ زنجیر شیون پر

زنجیر کھڑکتی ہے یعنی شیون کرتی ہے۔ اس کی بنیاد شیون پر رکھی گئی ہے۔ شیون کسی کے مرنے پر کیا جاتا ہے۔ دیوانے کو زنجیر میں باندھا جاتا ہے تو یہ مرنے سے پہلے ہی نالہ و فریاد ہوا۔ یہ وحشت ہے۔

—— ۸۰ ——

شیشۂ آتشیں ز رخِ پرنور　　عرق از خط چکیدہ روغنِ سمد

روغنِ مور : لفظی معنی چیونٹیوں کا تیل - یہ واضح نہیں کہ اس سے کون سا مخصوص تیل مُراد ہے - سرخوش نے لکھا ہے کہ روغنِ مور دوا میں کام آتا ہے - چہرے پر نیا نیا سبزہ خط نکلتا ہے تو اسے مور یا مورچہ یعنی چیونٹیوں سے تشبیہہ دیتے ہیں - محبوب کے چہرے پر خط آیا ہوا ہے اور پسینہ آ رہا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نورانی چہرہ سُرخ رنگ کی بوتل ہے اور خط کے بیچ میں سے نکلتا ہوا پسینہ روغنِ مور -

بسکہ ہوں بعدِ مرگ بھی نگراں
مردمک سے ہے خال برلبِ گور

میں مرنے کے بعد بھی محبوب کے انتظار میں آنکھ لگائے ہوں - میری پتلی لبِ گور پر تِل کی طرح بن گئی ہے کیونکہ یہ قبر کے مُنہ میں سے انتظارِ یار میں نگراں ہے -

بار لائی ہے دانہ ہائے سرشک
مژہ ہے ریشۂ رزِ انگور

میری پلک انگور کی بیل ہے اس پر آنسوؤں کے دانے کا پھل آیا ہے - پلک کی مشابہت بیل کے ریشے سے اور آنسوؤں کی دانۂ انگور سے ہے -

ظلم کرنا گدائے عاشق پر — نہیں شاہانِ حُسن کا دستور

اے میرے محبوب : حُسن کے بادشاہوں کا دستور نہیں کہ عاشق بھکاری پر ظلم کریں -

دوستو مجھ ستم رسیدہ سے — دشمنی ہے وصال کا مذکور

چونکہ مجھے وصال کی کوئی اُمید نہیں اس لئے میرے سامنے اس کا ذکر کرنا میرے ساتھ دشمنی کرنا ہے - یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ دوستو تم میرے سامنے لذّتِ وصل کا ذکر مت کرو - یہ میرے ساتھ دشمنی ہے

زندگانی پہ اعتماد غلط — ہے کہاں قیصر اور کہاں فغفور

قیصر، روم کے شہنشاہ اور فغفور، چین کے بادشاہ کو کہتے ہیں - جب انھیں کا پتہ نہیں تو زندگی پر بھروسہ غلط ہے -

کیجیے ، جوں اشک اور قطرہ زنی
اے اسدؔ ، ہے ہنوز دِلی دور

قطرہ زنی : تیز دوڑنا - اے اسدؔ ابھی آنسو کی طرح اور بھاگ دوڑ کر ابھی دِلی دور ہے یعنی مقصود حاصل کرنا ہے تو ابھی اور جدو جہد کر ، بلاؤں کا سامنا کر آنسو بہا -

---

بیگانۂ وفا ہے ہوائے چمن ہنوز
وہ سبزہ سنگ پر نہ اگا کوہکن ہنوز

اُگا ماضی مطلق کا صیغہ ہے' امر نہیں۔ سبزہ سے مراد وفا ہے۔ کوہکن نے پتھر تراش کر یہ توقع کی تھی کہ محبوبہ وفا کرے اس سے آملے گی۔ شاعر کہتا ہے کہ اس باغ دنیا کی ہوا ابھی وفا کیلئے راس نہیں۔ یہ سبزہ (وفا) ابھی تک پتھر پر نہیں اُگا ہے تو خواہ مخواہ کیوں اس کی سعی کر رہا ہے۔

یارب یہ درد مند ہے کس کی نگاہ کا
ہے ربطِ مشک و داغِ سوادِ ختن ہنوز

داغ پر مشک چھڑکنا: داغ کو ہرا رکھنا' مندمل نہ ہونے دینا۔ ختن کے ہرن اور مشک مشہور ہیں۔ سواد کے معنی سیاہی اور نواح کے ہیں۔ سوادِ ختن کو داغ قرار دیا اور سوال کیا کہ اس داغ کا اور مشک کا ربط ہے۔ ضرور یہ کسی عاشق کا داغ ہے کہ اس پر مشک چھڑکی جا رہی ہے۔ ختن نے کسی حسین کی نگاہ سے دردِ عشق پایا ہے؟

جوں جادہ سر بہ کوئے تمنائے بیدلی
زنجیرِ پا ہے رشتۂ حب الوطن ہنوز

جس طرح باہر سے سڑک آتی ہے اور کسی محلے کے کوچے میں اپنا سر دے کر ختم ہو جاتی ہے اسی طرح میں نے بھی بیدلی کے کوچے میں اپنا سر کیا ہوا ہے یعنی بیدلی کے کوچے میں در آیا ہوا ہوں۔ باہر کھلی سڑک پر جانے کی ہمت نہیں۔ حبِ وطن میرے پاؤں میں زنجیر بن گیا ہے۔ اس طرح اپنے مستقر پر ٹھہرنے اور باہر جا کر قسمت آزمائی نہ کرنے کی دو وجوہ بتائی ہیں حُبِ وطن اور بیدلی یا بے زاری۔

میں دور گردِ قربِ بساطِ نگاہ تھا
بیرونِ دل نہ تھی تپشِ انجمن ہنوز

دور گرد: دور گھومنے والا۔ بساطِ نگاہ: نگاہ کا پھیلاؤ یا وہ احاطہ جہاں تک نگاہ دیکھ پاتی ہے۔ نگاہ محبوب کی بھی ہو سکتی ہے اپنی بھی۔ ابھی انجمن یعنی بقیہ لوگوں کی تپش دل سے باہر بھی نہ آئی تھی یعنی یاروں کے دل عشق سے واقف بھی نہ تھے کہ میں دور دور تک میدانِ نگاہ کی سیر کر رہا تھا۔ اگر اپنی نگاہ مراد ہے تو یہ وحشت گردی کی نشانی ہو سکتی ہے۔ اگر محبوب کی نگاہ مراد ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ میں حسن کے آس پاس منڈلایا کرتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ

میں اس وقت کاروبارِ عشق میں کامل ہو گیا تھا جب بقیہ لوگوں کے دل اس جذبے سے واقف بھی نہ تھے۔ اگر تپشِ انجمن کی جگہ محض تپش ہوتا تو پھر "دل" سے مراد اپنا دل ہوتا اور شعر کے معنی کچھ اور ہوتے۔

تھا مجھ کو خار خارِ جنونِ وفا اسد
سوزن میں تھا نہفتہ گلِ پیرہن ہنوز

خار خار: خواہش ہونا۔ گلِ پیرہن: کرتے پر جو پھول بوٹا کاڑھا جاتا ہے۔ ابھی کرتے کا بوٹا سوئی کے اندر ہی چھپا تھا۔ یعنی سوئی نے بوٹا نہ کاڑھا تھا۔ کپڑے پر بوٹے بننے کے بعد پیرہن سیا جاتا ہے۔ مجھے اس سے پیشتر ہی جنونِ وفا کی خواہش تھی پیرہن بننے سے پہلے ہی جنونِ وفا مجھے اس بات پر اکسا رہا تھا کہ جیوں ہی مجھے پیرہن پہنایا جائے اسے تار تار کر دوں۔

(٩٢)

میں ہوں سرابِ یک تپش آموختن ہنوز
زخمِ جگر ہے تشنۂ لب دوختن ہنوز

میں ابھی عشق کی تڑپ سے واقف نہیں ہوں۔ جو مجھے پہنچا ہوا عاشق سمجھ رہے ہیں وہ فریب کھا رہے ہیں۔ میں ایسا سراب ہوں جو بظاہر بہت صاحبِ تپش معلوم ہوتا ہے لیکن ابھی دراصل تپش کا سبق سیکھنے کو ہے۔ ابھی میرے زخمِ جگر کے منہ پر ٹانکے نہیں لگائے گئے۔ زخم پر ٹانکے لگائے جائیں گے۔ تو تڑپ ہوگی۔

اے شعلہ فرصتے کہ سویدائے دل سے ہوں
کشتِ سپند صد جگر اندوختن ہنوز

سپند کے دانے کو جب آگ پر رکھا جاتا ہے تو وہ چٹختا ہے اس لئے غالب کے یہاں "کشتِ سپند" کے معنی "یک جہاں تپش" کے ہوتے ہیں۔ کشتِ سپند صد جگر: سو جگر جلانا یعنی جگر سوزی۔ اندوختن کا تعلق کشت سے ہے جگر سے نہیں۔ اے شعلہ ابھی ذرا ٹھہر کہ وہ جگر کو جلا کر رکھے گا۔ میں سویدا کی وجہ سے جگر سوختگی حاصل کرنے والا ہوں۔ مجھے شعلے کی کار فرمائی کی کیا ضرورت ہے۔ یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ خود سویدا کے اندر سو جگر جلنے کی تڑپ موجود ہے اور میں اس میں سے یہ تڑپ اکٹھی کرنے والا ہوں۔ سویدا کی مناسبت سپند سے ہے۔

فانوسِ شمع ہے کفنِ کشتگانِ شوق
در پردہ ہے معاملہ سوختن ہنوز

جو عشق میں مرے ہیں ان کا کفن شمع کے فانوس کی طرح ہے اندر شمع جلتی ہے باہر فانوس

اس پہ پردہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح عشق کے کشتے جلے ہوئے ہیں۔ کفن نے ان کی اصل حالت کو پردے میں کیا ہوا ہے۔

مجنوں! افسونِ شعلہ خرامی فسانہ ہے
ہے شمعِ جادہ، داغِ نیفروختن ہنوز

اے مجنوں تیرے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ تو جنگل میں اتنی تیزی سے بھاگا پھرتا تھا کہ تیرے خرام میں آگ کی گرمی تھی اور اس سے راستے جل گئے تھے تو یہ سب افسانے کی طرح بے حقیقت باتیں ہیں۔ راستے کی شمع کے دل پر داغِ حسرت ہے کہ اسے جلایا نہیں گیا۔ فسون: منتر لیکن یہاں اس کے معنی محض روایت کے ہیں۔ جادے کو شمع سے تشبیہہ دی ہے۔ نیفروختن: افروختہ یعنی روشن نہ ہونا۔ شمعِ جادہ کا نہ جلنا یعنی راستے پر کسی کا نہ چلنا۔ مجنوں سے کہا ہے کہ شعلہ خرامی کا کیا ذکر ہے، ابھی تو ان راستوں پر کسی کا قدم ہی نہیں پڑا۔

کو یک شرر، کہ سازِ چراغاں کروں، اسدؔ
بزمِ طرب ہے پردگیِ سوختن ہنوز

پردگی: پردہ کرنے والی، وہ شخص جو پردے میں ہو۔ ایک چنگاری کہاں ہے کہ چراغاں کا ساماں کروں۔ بزمِ طرب تو سوختن کے پردے میں چھپی ہوئی ہے۔ جب آگ لگائی جائے گی تو روشنی ہوگی، چراغاں ہوگا اور محفلِ طرب سجے گی۔ اس سے پہلے بزمِ طرب کا وجود ممکن نہیں۔ شاعر نے اپنی بدبختی کا مبالغہ کیا ہے کہ آگ لگنا ہی اس کے لئے بزمِ طرب ہو سکتی ہے اس سے ہٹ کر اور کوئی بزمِ طرب ممکن نہیں۔

(۸۳)

فریبِ صنعتِ ایجاد کا تماشا دیکھ
نگاہ عکس فروش و خیال آئنہ ساز

اس شعر میں مایا کا فلسفہ ہے۔ ہجم عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے۔ یہ عالم موجودات نہیں ہماری طبعِ ایجاد کا فریب ہے۔ تخیل نے آئینہ بنایا ہے اور نگاہ عکس پیدا کر رہی ہے۔ ورنہ در اصل دُنیا میں کسی چیز کا وجود نہیں۔

ہنوز، اے اثرِ دیدہ، ننگِ رسوائی
نگاہ فتنہ خرام و درِ دو عالم باز

میں نے آنکھوں سے بہت آنسو بہائے۔ خیال تھا کہ محبوب پر اثر ہوگا لیکن نہ ہوا۔ میرا جذبہ رسوا ہورہا ہے۔ ابھی محبوب کی آنکھ فتنہ خرامی کرکے ہر طرف پڑتی ہے۔ دونوں عالم کا در کھلا ہوا ہے کبھی وہ اس کو دیکھتی ہے کبھی اس کو۔ ابھی تک صرف میری نہیں ہوئی۔

لیکن نسخۂ شیرانی میں "دیدہ" کی بجائے "دید" ہے۔ اس سے اثرِ اشک کی گنجائش نہیں رہتی اور معنی کسی قدر الجھ جاتے ہیں۔ غالباً یہ معنی ہیں۔ "محبوب نے مجھے دیکھا، خیال تھا کہ میرے حالِ زار کا اس پر اثر ہوگا لیکن نہ ہوا۔ تاثیرِ دید رسوائی کے قابل ہے۔ محبوب کی نگاہ ابھی تک فتنہ برپا کرتی ہر طرف پھر رہی ہے۔ ساری دنیا کا میدان اس کیلئے کھلا ہے۔ جہاں چاہے فتنہ بپا کرے۔" ایک فلسفیانہ تشریح بھی ہوسکتی ہے۔ اثر کے معنی نقشِ پا کے بھی ہوتے ہیں۔ "اے میری کثرت آرا العبارت، تو ننگِ رسوائی ہے۔ میری نگاہ نے فتنہ بپا کیا ہوا ہے اور دونوں عالم میں ہرزہ گرد ہے۔ دراصل دو عالم کا وجود ہی نہیں۔ یہ نگاہِ غلط انداز کے فتنے ہیں۔" لیکن یہ تشریح جی کو نہیں لگتی۔ شعر میں حسن و عشق کا معاملہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

زبسکہ جلوۂ صیاد حیرت آرا ہے
اڑی ہے صفحۂ خاطر سے صورتِ پرواز

صیاد بہت حسین ہے۔ اس نے میرے سامنے جلوہ کیا اور میں حیرت میں گم ہوکر رہ گیا۔ اس کے جلوے کے اثر سے میرے دل سے اڑنے کی خواہش اس طرح ناپید ہوگئی جیسے کسی صفحہ پر سے کوئی تصویر اڑ جائے۔

ہجومِ فکر سے دل مثلِ موج لرزاں ہے
کہ شیشہ نازک و صہبا ہے آبگینہ گداز

مشہور شعر ہے۔ نازک خیالی کو شیشہ گھلانے والی شراب سے اور دل کو نازک شیشے سے تشبیہ دی ہے۔ لرزنے کو موجِ مے کے لرزنے سے مشابہ کیا ہے۔ اتنے بلند و نازک خیالات کو دیکھ کر دل کانپ رہا ہے کہ ان سب کی تاب کیونکر لائی جائے گی۔ انھیں کیونکر ظاہر کیا جائیگا۔

اسدؔ سے ترکِ وفا کا گمان، وہ معنی ہے
کہ کھینچیے پرِ طائر سے صورتِ پرواز

اسدؔ پر ترکِ وفا کا شبہ کرنا وہی مضمون ہے کہ پرندے کے اڑنے والے پر سے صلاحیتِ پرواز کھینچ لی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں۔ نہ پروں سے اڑنا سلب ہوسکتا ہے نہ اسدؔ سے وفا۔

(۹۴)

داغِ اطفال ہے دیوانہ بہ کہسار ہنوز　　خلوتِ سنگ میں ہے نالہ طلب گار ہنوز

'داغِ اطفال ہے دیوانہ' کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ دیوانہ اطفال کے دلوں پر داغ کا موجب ہے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ 'دیوانے کے دل پر اطفال کے نہ ہونے سے داغ ہے' یہ واضح نہیں کہ دیوانہ کہسار میں... ... ... ہرزہ گردی کرنے کیوں گیا ہے۔ بہرحال یہ اس وقت کا بیان ہے کہ ابھی لڑکوں نے دیوانے کے پتھر نہیں مارے اور اس نے نالہ نہیں کیا۔ دیوانہ کہسار میں ہے شہر میں لڑکے اس کی عدمِ موجودگی سے داغِ حسرت اٹھا رہے ہیں کہ اس کے پتھر نہ مار سکیں گے یا دیوانہ خود لڑکوں کی کمی محسوس کر رہا ہے کہ اسے پتھر کھانے کی لذت نہ مل سکے گی۔ نالہ پتھر کی تنہائی میں طلب گار ہے کہ پتھر کو دیوانے کے سر پر مارو تاکہ نالے کے اجرا کا موقع ہو سکے۔

خانہ میرے سیل سے خوگردۂ دیدار ہنوز

دوربیں در زدہ ہے رخنۂ دیوار ہنوز

دوربیں در زدہ : در دروازے کے معنی میں نہیں بلکہ اندر کے معنی میں ہے۔ جس کے اندر دوربین ٹھنسی ہوئی ہو۔ سیلاب آیا۔ گھر کی دیوار میں سوراخ ہو گیا۔ یہ آنکھ نہیں دوربین ہے جس سے یار کا دیدار کیا جائے۔ سیلاب کی وجہ سے گھر کو بھی دیدار کی عادت ہو گئی۔ کیونکہ ٹوٹی ہوئی دیوار کا سوراخ دوربین کی آنکھ کی طرح ہو گیا جس کے اندر سے ہم دیکھ سکتے ہیں۔

آئی یک عمر سے معذورِ تماشا، نرگس

چشمِ شبنم میں نہ ٹوٹا مژۂ خار ہنوز

مژہ درچشم شکستن کے معنی آزار پہنچنے کے ہیں۔ کیونکہ پلک کا بال ٹوٹ کر آنکھ میں گر جائے تو کھٹک ہوتی ہے۔ ایک عمر سے نرگس کی آنکھ معذورِ دید ہے یعنی اندھی ہے۔ شبنم کی آنکھ میں کانٹے کی پلک نہ ٹوٹی یعنی شبنم کو کانٹے نے آزار نہیں دیا۔ شبنم کو کوئی دکھ ہی نہیں کہ نرگس بے چاری اندھی ہے۔ کانٹے پر جو اوس پڑتی ہے وہ گویا شبنم کی آنکھ میں پلک کا کانٹا ہے لیکن ٹوٹا نہیں۔

کیوں ہوا تھا طرفِ آبلۂ پا، یارب

جادہ ہے واشدنِ پیچشِ طومار ہنوز

طرف : مقابل۔ طومار : لمبی تحریر۔ دفتروں میں لمبے کاغذوں پر لکھی جانے والی تحریر۔ پیچشِ طومار : کاغذِ طومار کا تہہ ہونا۔ راستہ میرے آبلۂ پا سے کیوں مقابل ہوا۔ میں نے آبلۂ پا کے

باوجود راستے کو ذرا میں طے کر دیا۔ راستہ سکڑ کر اتنا مختصر رہ گیا۔ جیسے لپٹا ہوا طومار ہو جسے ابھی کھولنا ہے لیکن ابھی تک کھولا نہیں۔ اس طرح طومار کا قد کتنا سا رہ جائے گا۔ میری صلاحیتِ جولاں کے سامنے جادے کا بھی یہی حال ہے۔

ہوں خموشی چمن حسرتِ دیدار اسدؔ
مژہ ہے شانہ کشِ طرّۂ گفتار ہنوز

"خموشی چمن" کی ترکیب کا جواز نہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ میں حسرتِ دیدار میں خموشی کے چمن کی سیر کر رہا ہوں یعنی مجھے حسرتِ دیدار تو ہے لیکن محبوب کے سامنے اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔ خاموش رہتا ہوں۔ ابھی میری پلک گفتار کی زلفوں میں کنگھی کر رہی ہے یعنی گفتار کی تیاری پوری نہیں ہوئی کہ وہ سب کے سامنے ظاہر ہو سکے یعنی میری خواہشِ دیدار ابھی الفاظ کی منزل تک نہیں پہنچی۔

(۸۵)

حسن خود آرا کو ہے مشقِ تغافل ہنوز
ہے کفِ مشاطہ میں آئینۂ گل ہنوز

محبوب اپنی آرائش کے ساتھ تغافل کی مشق بھی کر رہا ہے۔ اس کی آرائش کرنے والی مشاطہ ہاتھ میں پھول لئے ہے تاکہ محبوب اپنے بالوں میں لگا لے لیکن محبوب تغافل برت رہا ہے اور اس سے پھول نہیں لے رہا۔ پھول کو صفائی کی وجہ سے آئینے سے تشبیہ دی ہے۔ مشاطہ کے ہاتھ میں بالعموم آئینہ ہوتا ہے۔ سندیلوی نے اس شعر کو حقیقت میں لے لیا ہے لیکن مجھے تامل ہے۔ حسن سے مراد اگر خالق لیا جائے تو مشاطہ کسے کہا جائے۔ انسان کو قدرت کا مشاطہ نہیں قرار دیا جا سکتا اس لئے اس شعر کو سیدھا سادہ مجاز ہی میں رکھیے۔

سادگیِ یک خیال، شوخیِ صد رنگ نقش
حیرتِ آئینہ ہے۔ جیبِ تامل ہنوز

میرا خیال ابھی سادہ ہے اس کے سامنے طرح طرح کے رنگین نقوش اپنی شوخی دکھا کر مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہمیں کھینچ، ہمیں وجود میں لا۔ فکر حیران ہے اور سوچ رہا ہے کہ کس نقش کو پیش کروں اور کسے نہ کروں۔ جیبِ تامل: فکر کا گریباں یعنی غور و خوض۔ حیرتِ آئینہ: آئینے کی سی حیرت۔

سادہ و پرکار تر، غافل و ہشیار تر
مانگے ہے شمشاد سے شانۂ سنبل ہنوز

پُرکار: جو کام میں ہوشیار ہو طرار: سادہ پُرکار محبوب کو کہتے ہیں شمشاد کی لکڑی سے کنگھی بنائی جاتی ہے اس لئے شانۂ شمشاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سنبل کی مشابہت زلف سے ہے میرا محبوب بظاہر سادہ و غافل ہے لیکن در اصل ہوشیار و طرار ہے۔ وہ شمشاد سے کہہ رہا ہے کہ تیرے پاس سنبل کی زلف سنوارنے کا شانہ ہے وہ مجھے دے۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح سنبل کی زلفیں آراستہ نہ ہو سکیں گی اور اس شانے سے محبوب اپنے گیسو بنا کر سنبل پر اپنی فوقیت دکھائے گا۔ یہ پُرکاری تو نہیں اور کیا ہے۔

ساقی و تعلیم رنج، محفل و تمکیں گراں
سیلیِ استاد ہے ساغرِ بے مُل ہنوز

ساقی کسی کو شراب نہیں دے رہا۔ اس طرح ستم برداشت کرنے کی تعلیم دے رہا ہے محفل ہے کہ اس پر استقلال و تمکیں گراں گذر رہی ہے۔ اس طرح شراب سے خالی پیالہ استاد کے تھپڑ کی طرح ہے جو شاگرد کی تعلیم کیلئے لگایا جاتا ہے۔ ساقی ہمیں رنج کی تعلیم دے رہا ہے۔

... ...

... ...

شغلِ ہوس در نظر، لیک حیا بے خبر
شاخِ گل نغمہ ہے نالۂ بلبل ہنوز

محبوب کی نظر کے سامنے نام نہاد عاشق ہوس کا کھیل کھیل رہا ہے لیکن حیائے حُسن کو اس کی خبر ہی نہیں۔ جسے بلبل کا نالہ کہتے ہیں یہ در اصل راگ رنگ ہے لہو و لعب ہے جو ہوس کی نشانی ہے۔ گلِ نغمہ سے مراد نغمے کا بہترین جزو ہے۔ دوسری ترکیب شاخِ گل ہے۔ غالب نے دونوں کو ملا دیا ہے۔ شاخِ گل نغمہ: وہ ٹہنی جس میں بہترین نغمہ موجود ہو یعنی خود نغمہ

دل کی صدائے شکست سازِ طرب ہے اسدؔ
شیشۂ بے بادہ سے چاہے ہے قلقل ہنوز

بھری ہوئی بوتل سے شراب انڈیلی جاتی ہے تو قلقل کی آواز نکلتی ہے۔ اس طرح صدائے قلقل شراب ملنے کی یعنی کامرانی کی آواز ہے۔ کسی چیز کو توڑا جائے تو اس میں سے بھی آواز نکلتی ہے۔ دل کے ٹوٹنے کی آواز ہی میرے لئے خوشی کا ساز ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ساز میرے مقدر میں نہیں۔ میرا دل خالی بوتل سے صدائے قلقل طلب کر رہا ہے جو امرِ عبث ہے۔

دل کو خالی بوتل ہی میسر ہے اس لئے آخر کار اسے مغموم ہونا پڑے گا۔

(۸۶)

چاکِ گریباں کو ہے ربطِ تامل ہنوز
غنچے میں دل تنگ ہے حوصلۂ گل ہنوز

دل تنگ : ملول۔ غنچے کو دیکھ کر شاعر کہتا ہے کہ اس کے اندر چاکِ گریباں کا اقدام پس و پیش کے عالم میں معلوم پڑتا ہے۔ پھول کا حوصلہ ہوتا ہے کہ اپنا گریباں چاک کر دیتا ہے۔ چونکہ غنچہ ابھی مذبذب کے عالم میں ہے اسلئے اس کے اندر پھول کا حوصلہ ملول ہو رہا ہے کہ گریباں چاکی کی خواہش کو اظہار کا موقع نہیں مل رہا۔

دل میں ہے سودائے زلف مستِ تغافل ہنوز
ہے مژہ خواب ناک، ریشۂ سنبل ہنوز

میں اس شعر کی نثر یوں کروں گا۔ دل میں ہنوز مستِ تغافل زلف کا سودا ہے۔ یعنی ہوئے میرے دل میں اس زلف کا سودا ہے جو ابھی تک میری طرف سے غفلت برت رہی ہے۔

زلف مشابہ ہے سنبل کے ریشے سے اور یہ ریشۂ سنبل خواب ناک پلکوں سے مشابہ ہے جو تغافل کی علامت ہیں۔ التفات کا اظہار نظر کرنے سے ہوتا ہے۔ نظر کرنے کا فقدان مثلاً پلکوں کا غنودگی کے عالم میں ہونا تغافل کا امین ہے۔

آسی نے سودائے زلف کو مستِ تغافل سمجھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ دوسرے مصرع میں ریشۂ سنبل (یعنی زلف) کو مژہ خواب ناک (یعنی مستِ تغافل) کہا ہے۔

پرورشِ نالہ ہے وحشتِ پرواز سے
ہے تہِ بالِ پری بیضۂ بلبل ہنوز

پری کا سایہ جس پر پڑ جائے وہ دیوانہ ہو جاتا ہے اس لئے پری علامت ہے وحشت کی۔ بلبل نالے کرتی ہے۔ بیضہ تہِ بال ہونا: پروں کے نیچے رکھ کر انڈے کو سینا۔ بلبل کے انڈے کو پری نے اپنے پروں کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ اس لئے ابھی بلبل کے نالے کا سوال ہی نہیں۔ جب انڈے میں سے بلبل کا بچہ نکل آئے گا تو اس عاشق کی پرواز میں بڑی وحشت ہو گی کیونکہ وہ پری کے پروں کے نیچے رہ چکا ہے۔ عاشق مزاجی کی وجہ سے وہ نالے بھی کرے گا جس سے ظاہر ہوا کہ وحشت کے ساتھ پرواز کا نتیجہ نالہ و فریاد ہوتا ہے۔

پہلے مصرع میں پرواز کا تعلق پری سے نہیں بلبل سے ہے کیونکہ پری جب بیضۂ بلبل کو پروں کے نیچے لئے ہوگی تو وہ حالتِ پرواز میں نہیں حالتِ سکون میں ممکن ہے

عشق کمیں گاہِ درد، وحشتِ دل دور گرد
دام تہِ سبزہ ہے، حلقۂ کاکل ہنوز

صیاد کسی شے کی آڑ میں گھات لگا کر چھپ جاتا ہے۔ آگے گھاس کے اندر جال پھیلائے رہتا ہے۔ ایسی ہی کچھ کیفیت حسن و عشق کے معاملے میں ہے۔ عشق کو کمیں گاہ قرار دیا ہے۔ درد کو کمیں گاہ کے پیچھے پھنسنے والا صیاد۔ محبوب کی خم بہ خم زلفوں کے حلقے ایسا جال ہیں جو نظر سے پوشیدہ رکھنے کیلئے سبزے میں چھپایا ہو۔ دل کی وحشت اسے دور دور گھماتی ہے یقینی ہے کہ جلد ہی دل دامِ حلقۂ کاکل میں پھنس جائے گا اور پھر درد میں مبتلا ہو جائے گا۔

لذتِ تقریرِ عشق، پردگیِ گوشِ دل
جوہرِ افسانہ ہے، عرضِ تجمّل ہنوز

پردگی: پردہ نشین عورت۔ تجمّل: شان و شوکت۔ شعر کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) عاشق نے جو طلاقتِ لسانی کے ساتھ اپنے حالِ دل کے بارے میں تقریر کی اس کی لذت محبوب کے دل کے کانوں کے پردے میں بیٹھ گئی۔ بوالہوس جو اپنا جھوٹا افسانہ سنا رہا ہے اس افسانے کا مرکزی خیال ابھی شان و شوکت گھبارنے یا مبالغہ کرنے ہی میں معروف ہے۔

(۲) عاشق محبوب کے سامنے اپنا افسانہ شروع کر رہا ہے۔ ابھی وہ حسن و عشق کی شوکت کا تذکرہ ہی کر رہا ہے کہ اس کی تقریر کی لذت گوشِ دلِ محبوب میں بیٹھ چکی ہے۔ گوش کے ساتھ پردے کا لفظ خوب لائے ہیں۔

آئینۂ امتحاں، نذرِ تغافل اسدؔ
شش جہت اسباب ہے، وہمِ توکل ہنوز

نسخۂ عرشی میں نذرِ تغافل کے بعد وقفہ کا نشان سخت گمراہی کا موجب ہوتا ہے۔ سرخوش اور آسی نے پہلے مصرع کے معنی لکھے ہیں کہ اے اسدؔ تو نے آئینۂ امتحاں کو نذرِ تغافل کیا ہوا ہے۔ میرے علم میں آئینہ امتحان کرنی محاورہ نہیں۔ میری رائے میں نذرِ تغافل اسدؔ کی صفت ہے۔ مطلب ہے اسدؔ جو کہ غرقِ غفلت ہے زیرِ امتحاں ہے اس کی حالت آئینہ دارِ امتحان ہے۔ اس کے پاس دنیا بھر کا اسباب و سامان ہے اور اس کے باوجود اسے وہم ہے کہ اس کے

پاس کچھ بھی نہیں اور وہ توکل کیے ہوئے ہے۔ اس کی یہ غفلت، یہ دُنیاداری اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قیامِ عالمِ اسباب کے امتحان میں ناکام رہے گا۔ شش جہت اسباب: دُنیا بھر کا سازوسامان

(۸۷)

کو بیابانِ تمنا و کجا جولانِ عجز؟
آبلے پا کے ہیں یاں رفتار کو دندانِ عجز

دندانِ عجز: دندان نمودن کے معنی ہیں ڈرنا، زاری کرنا، اظہارِ عجز کرنا۔ اس لیے دندانِ عجز وہ دانت ہیں جو عاجزی میں دکھائے جائیں۔ کہتے ہیں کہاں تمنا کے بیابان کی وسعت اور کہاں ہماری عاجزی اور عدمِ استطاعت کی دوڑ۔ عدمِ استطاعت ہمارے پاؤں میں آبلہ بن کر رفتار میں مزاحم ہو رہی ہے اور پاؤں کے آبلے دندانِ عجز کی طرح ہماری مجبوری کا اعلان کر رہے ہیں یعنی ہماری صلاحیتیں اور ذرائع بہت محدود ہیں اس لیے ہم نہ تمنا کرتے ہیں نہ اس کے حصول کی جدوجہد۔

ہو قبولِ کم نگاہی، تحفۂ اہلِ نیاز
اے دل و اے جانِ ناز! اے دین و ایمانِ عجز

عجز سے مراد اہلِ عجز یعنی عاشق ہیں۔ اے دوست تو ناز کا دل و جاں ہے یعنی سراپا ناز ہے تو ہم اہلِ عجز کا دین و ایمان ہے۔ تیرا شیوہ ہے کہ تو عشاق کی طرف نگاہ نہیں کرتا پھر بھی ہماری استدعا ہے کہ تو نیاز والوں کے تحفے پر نگاہ کر کے دیکھ اور اسے قبول کر لے۔

بوسۂ پا انتخابِ بدگمانی ہائے حسن
یاں ہجومِ عجز سے تا سجدہ ہے جولانِ عجز

محبوب کھڑا تھا۔ میں نے اس کے پاؤں پر سجدہ کر لیا۔ اس نے بدگمانی سے مجھ پر الزام لگایا کہ میں نے بوسۂ پا لینا چاہا ہے۔ یہاں یہ حالت ہے کہ میرے عجز کی دوڑ سجدے تک ہے۔ اس سے آگے بوسۂ پا وغیرہ کی تو میں جسارت کر ہی نہیں سکتا۔

حسن کو غنچوں سے ہے پوشیدہ چشمی ہائے ناز
عشق نے وا کی ہے ہر یک خار سے مژگانِ عجز

پوشیدہ چشم: نابینا۔ پوشیدہ چشمی: کسی کی طرف سے آنکھ بند کر لینا۔ مژگانِ عجز: عاجزی سے بھری ہوئی آنکھوں کی پلکیں۔ غنچہ بند آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے اور کانٹا پلکوں سے۔ محبوب ناز کی وجہ سے غنچوں کی طرف سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ غنچوں کی بند آنکھ اس کی آنکھوں کے مقابلے میں بہت کم حسین ہیں اس لیے وہ ان کی

طرف توجہ نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ غنچے کے پاس کانٹے بھی ہوتے ہیں اور کانٹے کیا ہیں؟ عشق کی عاجزی بھری آنکھوں کی پلکیں جو حسن کو دیکھنے کی مشتاق ہیں۔ حسن کیلئے لازم ہوا کہ غنچہ اور عشق دونوں کی طرف سے آنکھ موڑے رہے۔

اضطرابِ نارسائی، مایۂ شرمندگی

ہے عرق ریزیِ خجلت، جوششِ طوفانِ عجز

شرمندگی کے پاس کون سا سرمایہ ہے؟ نارسائی کے احساس سے پیدا کی ہوئی بے چینی ندامت میں جو پسینہ آتا ہے وہ عاجزی کے طوفان کا جوش ہے۔ عرقِ ندامت محاورہ ہے جس سے شاعر نے طوفان کا سامان بہم کیا ہے۔ یعنی ہم اپنے مقاصد میں بالکل نارسا اور عاجز ہیں۔

وہ جہاں مسند نشینِ بارگاہِ ناز ہو

قامتِ خوباں ہو محرابِ نیازستانِ عجز

میرا محبوب جہاں ناز کی منزل میں مسند نشین ہو وہاں دوسرے خوش قد حسین آکر اس کے سامنے نیاز سے اس طرح کمر خم ہوں گے کہ ان کا قد محراب کی طرح ہو جائے گا۔ ان کے ہجوم نیاز سے بارگاہ نیازستان بن جائے گی۔

لیک بے پایاں ہے صحرائے محبت اے اسدؔ

بگولہ باد اس راہ کا ہے عقدۂ پیمانِ عجز

صحرا میں بگولے ہوتے ہیں۔ بگولہ گول گول ہوتا ہے۔ گرہ بھی گول ہوتی ہے۔ صحرائے محبت کی کوئی انتہا نہیں۔ کوئی اسے پورا طے نہیں کر سکتا۔ اس صحرا کے راستے کا بگولا گیا ہے۔ عجز کے وعدے کی گرہ یعنی اعترافِ عجز۔ یہ مان لینا کہ ہم اس صحرا کو پورا طے نہیں کر سکتے۔

(۸۸)

نہ بندھا تھا بہ عدم نقشِ دلِ مور ہنوز

تب سے ہے یاں دہنِ یار کا مذکور ہنوز

یار کے دہن کی تنگی کا مبالغہ ہے۔ چیونٹی بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کا دل کتنا چھوٹا ہوگا۔ نقش بستن کے معنی آفریدن و تصویر کردن کے ہیں۔ یار کے دہن کو دلِ مور سے تشبیہ دی ہے۔ عدم میں دلِ مور کو پیدا بھی نہ کیا گیا تھا کہ ہم اس سے زیادہ تنگ چیز (دہنِ یار) واقف ہیں اور اس کا ذکر کرتے ہیں۔

سبزہ ہے نوکِ زبانِ دہنِ گور ہنوز
حسرتِ عرضِ تمنا میں ہوں رنجور ہنوز

مجھے زندگی بھر اپنی خواہش کو عرض کرنے کی حسرت رہی۔ میری قبر پر جو سبزہ اُگا ہے وہ دہنِ گور کی زبان کی نوک ہے یعنی میں اب بھی اس زبان سے اپنی تمنا عرض کرنا چاہ رہا ہوں)۔ اور عرض نہ کرنے کی وجہ سے رنجیدہ ہوں۔

صد تجلی کدہ ہے صرفِ جبینِ غربت
پیرہن میں ہے غبارِ شررِ طور ہنوز

اس دُنیا سے انسان اس دُنیا میں آیا۔ یہاں وہ اجنبی اور مسافر ہے۔ اس کی پیشانی میں اب بھی ہزار تجلیاں ہیں۔ اس کے پیرہن میں اب بھی شررِ طور کا غبار، یعنی نورِ الوہیت موجود ہے۔ خدا نے آدم کی پیشانی میں نور لبایا تھا۔ مسافر کے کپڑوں پر غبار ہوتا ہے۔ یہاں شررِ طور کا غبار ہے۔

زخمِ دل میں ہے نہاں غنچۂ پیکانِ نگار
جلوۂ باغ ہے در پردۂ ناسُور ہنوز

یار نے میرے دل پر تیر مار کر زخم کیا۔ پیکانِ تیر جو غنچے کی طرح ہے۔ میرے دل میں موجود ہے۔ زخم کا سوراخ ناسُور بن گیا ہے لیکن اس ناسُور میں باغ کا عالم ہے۔ کیونکہ اس میں محبوب کے تیر کے پیکان کا غنچہ موجود ہے۔

پا، پُر از آبلہ، راہِ طلبِ مے میں ہوا
ہاتھ آیا نہیں یک دانۂ انگور ہنوز

دانۂ انگور سے شراب بھی بنتی ہے اور آبلۂ پا کی مشابہت بھی دانۂ انگور سے ہے۔ میں نے شراب کی تلاش میں بڑی دوڑ دھوپ کی۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے لیکن شراب تو درکنار انگور کا ایک دانہ بھی نہ ملا۔ انگور ملتا تو اس سے شراب بناتے۔

گُل کھلے، غنچے چٹکنے لگے اور صبح ہوئی
سرخوشِ خواب ہے وہ نرگسِ مخمور ہنوز

نرگسِ مخمور سے مُراد محبوب ہے۔ سرخوش: جس کو ہلکا سا نشہ ہو۔ صبح ہو گئی انسانوں کے بیدار ہونے کا اور پھولوں کے کھلنے کا وقت آ گیا لیکن وہ نرگسی آنکھوں والا ابھی تک نیند میں مست ہے۔

اے اسدؔ تیرگیٔ بختِ سیہ ظاہر ہے
نظر آتی نہیں صبحِ شبِ دیجور ہنوز

ہماری قسمت کالی رات کی سیاہی میں ظاہر ہے۔ یہ ایسی کالی رات ہے جس کی صبح ہوتی نظر نہیں آتی یعنی بدقسمتی کا خاتمہ نظر نہیں آتا۔

(س)

(۸۹)

حاصلِ دل بستگی ہے عمرِ کوتاہ اور بس
وقفِ عرضِ عقدہ ہائے متصل تارِ نفس

دل بستگی: دل لگانا یعنی عشق کرنا۔ عشق کرنے کا حاصل محض عمر کا مختصر ہوجانا ہے۔ جس طرح ایک دھاگے میں مسلسل ایک دوسرے کے متصل گانٹھیں لگائی جائیں تو وہ دھاگا گھٹ کر بہت چھوٹا رہ جائے گا اسی طرح سانس کے تار میں مسلسل گرہیں لگ رہی ہیں اور وہ چھوٹا ہوتا جارہا ہے یعنی عمر کوتاہ ہورہی ہے۔ سانس کے تار میں گرہوں کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں۔ (۱) لاینحل مسائل جو گرہ سے مشابہ ہوتے ہیں۔ (۲) دل بستگی میں وفا کا پیمان بھی مضمر ہے۔ پیمان کیلئے عقدہ لگایا جاتا ہے۔ ساری عمر کیلئے دل لگانے میں مسلسل عقدہ ہائے پیمان لگانے پڑیں گے۔ اور یہ عقدے سانس کے تار میں ہیں۔

کیوں نہ طوطیٔ طبیعت نغمہ پیرائی کرے
باندھتا ہے رنگِ گل آئینہ تا چاکِ قفس

آئینہ باندھنا: آئینہ بندی کرنا یعنی کسی مکان یا شہر کی زیبائش کیلئے آئینے اور تصاویر لگانا۔ یہ خاص خاص خوشی کے موقعوں پر ہوتا ہے۔ بہار میں رنگِ گل نے ہر طرف آئینہ بندی کردی ہے قفس تک پھول ہی پھول ہیں۔ قفس کے اندر ہونے کے باوجود میری طبیعت کیوں نہ گانے لگے۔ چاکِ قفس سے مراد قفس کی مختلف تیلیوں کے بیچ کا خلا ہے۔ طوطی اور آئینے کا تعلق ہے۔ طوطی کو نطق سکھانے کیلئے آئینہ کے سامنے بٹھا کر نغمہ سرا کراتے ہیں۔

اے ادا فہماں صدا ہے تنگیٔ فرصت سے خوں
ہے بہ صحرائے تحیر چشمِ قربانی جرس

صحرائے تحیر اسی دنیا کو سمجھیے۔ صحرا کے سفر کے وقت قافلے میں گھنٹہ بجایا جاتا ہے۔ دنیا میں

رخصت ہونے والے مذبوح جانور کیلئے کھنڈ تو نہیں بچھایا گیا لیکن قربانی کے وقت اس کی سُرخ
آنکھ ہی خاموش جرس ہے۔ مہلت کے کم ہونے کی وجہ سے آواز اتنی دل تنگ ہوئی کہ خوں ہو گئی
اور یہ خون آنکھ میں ظاہر ہوا۔ خون ہونے کے معنی کشتہ ہو جانے کے ہیں لیکن یہاں محاورے کو
لفظی معنی میں لے لیا گیا ہے۔ قربان ہونے والے جانور کیلئے تنگیِ عمر ہی اتنی حیرت فزا ہے کہ اس
کیلئے دنیا صحرائے تحیّر ہو جاتی ہے۔ غالب نے یہ مضمون پہلے بھی باندھا ہے۔

تیز تر ہوتا ہے خشمِ تند خویاں عجز سے
ہے رگِ سنگِ فساں تیغِ شعلہ خار و خس

عاجزی دکھانے سے اہلِ غضب کا غصہ اور بھی تیز ہو جاتا ہے سنگِ فساں: دھار رکھنے
کا پتھر۔ اس پر تلوار کی دھار رکھی جاتی ہے۔ لیکن یہاں تلوار شعلے کی تلوار ہے۔ اس لئے اس تلوار
کا سنگِ فساں بلکہ رگِ سنگِ فساں تنکے ہیں۔ جس طرح دھار رکھنے کے پتھر پر رگڑنے سے تلوار
تیز ہوتی ہے۔ اسی طرح شعلے میں خار و خس ڈالے جائیں تو وہ تیز ہو جائے گا۔ گویا یہ ثابت ہو گیا
کہ خس شعلے کی تیغ کیلئے فساں ہے۔ عاجزی اور شکست کے اعتراف کیلئے دانتوں میں تنکا دبا
کر حاضر ہوتے ہیں۔ اس لئے خس عاجزی کی نشانی ہے۔ حسینوں کا غصہ آگ ہے اور عاشق کی
عاجزی تنکا۔ یہ تنکا آگ کو تیز تر کر دیتا ہے۔ خود نوشت دیوان میں "خشمِ تندِ خوباں" ہے۔ اس
طرح بھی معنی یہی رہیں گے۔

سختیِ راہِ محبت منعِ دخلِ غیر ہے
پیچ تابِ جادہ ہے یاں جوہرِ تیغِ عسس

عسس: کوتوال۔ عشق کے راستے کی مشکلات رقیب کو اس طرف آنے سے روکتی ہیں گویا
اس راستے کے پیچ و خم کوتوال کی تلوار کا جوہر ہیں اور یہ تلوار غیر کو ادھر آنے سے روکتی ہے۔ پیچ
تاب کے لفظی معنی بے قراری کے ہیں۔ تلوار کا جوہر ذرات کی شکل میں ہوتا ہے اور ذروں میں
بے قراری ہوتی ہے۔

اے اسد ہم خود اسیرِ رنگ و بوئے باغ ہیں
ظاہرا صیادِ ناداں ہے گرفتارِ ہوس

صیاد پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسے ہوس ہے جس کی وجہ سے پرندوں کو باغ میں نہیں آنے
دیتا۔ سچ یہ ہے کہ ہم پرندے خود باغ کے پھولوں کے رنگ و بو کے گرفتار ہیں۔ اس لئے صیاد کے پاس
چلے آتے ہیں۔

(۹۰)

دشتِ الفت میں ہے خاکِ کشتگاں محبوس و بس

پیچ تابِ جادہ ہے خطِ کفِ افسوس و بس

دشتِ الفت: وہ جنگل جہاں عاشق جوشِ وحشت میں جولانی کرتے ہیں۔ الفت کے صحرا میں جو خاک ہے وہ کشتگانِ عشق کی خاک ہے جو یہاں اسیر ہو کر رہ گئی ہے۔ اس صحرا کے راستے میں جو پیچ و خم ہیں وہ عاشقوں کے افسوس میں ملے جانے والے ہاتھوں کی دھاریاں ہیں۔ افسوس میں دونوں ہاتھوں کو مل کر رہ جاتے ہیں۔ ہاتھوں کی دھاریوں میں پیچ و خم ہوتا ہے۔

نیم رنگی ہائے شمعِ محفلِ خوباں سے ہے

پیچکِ مہ، صرفِ چاکِ پردۂ فانوس و بس

نیم رنگی: رنگ کا ناقص ہونا۔ پیچک: اس کے کئی معنی ہیں دھاگے کی گولی، پیچ دار نالی والا طمنچہ۔ ان دو معانی سے شعر کی دو تشریحیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) فانوس کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔ یعنی اس میں شگاف ہو گیا ہے جس کی وجہ سے حسینوں کی محفل کی شمع کی روشنی گڑبڑ کر رہی ہے چاند ریل کی پیچک کی طرح ہے۔ اس پیچک کا تمام دھاگا پردۂ فانوس کے چاک کو رفو کرنے کے کام میں صرف ہو رہا ہے یعنی چاند حسینوں کی بزم کی شمع کا تابع ہے۔ چونکہ فانوس کو پردہ کہا جاتا ہے اس لئے غالب نے یہ سوچے بغیر کہ یہ شیشے کا پردہ ہے اس کے چاک کے رفو کیلئے پیچک کا انتظام کر دیا۔ (۲) پیچک کے ایک معنی پیچ دار نالی والا طمنچہ بھی ہیں۔ چاند نے جب یہ دیکھا کہ پردۂ فانوس کی وجہ سے شمعِ محفلِ خوباں کی روشنی ہلکی ہے تو اس نے اپنے طمنچے کو پردۂ فانوس کو توڑنے میں مصروف کر دیا یعنی فانوس پر پستول کا وار کر کے توڑ دیا۔ دوسرے معنی زیادہ برجستہ تھے لیکن غالب اور کہیں بھی چاند کو دھاگے کی پیچک سے تشبیہ دے چکے ہیں۔ اس لئے یہ قرین قیاس نہیں کہ اس شعر میں انہوں نے پیچک بمعنی پستول لیا ہے۔ پہلے معنی ہی کو ترجیح دی جائے گی۔

ہے تصور میں نہاں سرمایۂ صد گلستاں

کاسۂ زانو ہے مجھ کو بیضۂ طاؤس و بس

تصور میں ہزار گلستان کا سامان موجود ہے۔ خیال کی رنگینی کا کیا کہنا۔ زانو پر سر رکھ کر آدمی خیال میں کھو جاتا ہے۔ طاؤس رنگ کی نشانی ہے۔ بیضۂ طاؤس مستقبل میں پیدا ہونے والے رنگ کی بشارت دیتا ہے۔ غالب کے یہاں بیضۂ طاؤس سے مراد آئندہ کے عیش و عشرت

کا تصور ہے۔ کاسۂ زانو کا بیضۂ طاؤس ہونے سے مراد ہے تصور کا عشرتِ فردا کی جھلک دیکھ لینا۔

کفر ہے، غیر از وفورِ شوق، رہبر ڈھونڈنا
راہِ صحرائے حرم میں ہے جرس ناقوس و بس

عاشق کو شدتِ شوق کے علاوہ کسی دوسرے رہبر کو ساتھ رکھنا کفر ہے۔ حرم کے راستے میں جب زیارتِ حرم کیلئے سفر کرتے ہیں اگر قافلہ ہو اور اُس کے ساتھ جرس ہو تو وہ زائر کی رہنمائی کرے گا۔ یہ شوق کی توہین ہے۔ جرس کفر کا نشان بن جائے گا۔ جیسے بت خانے کا ناقوس ہے۔

یک جہاں گل، تختۂ مشقِ شگفتن ہے اسدؔ
غنچۂ خاطر رہا افسردگی مانوس و بس

تختۂ مشق: بچوں کی تختی جس پر لکھنے کی مشق کرتے ہیں۔ دُنیا بھر کے پھول شگفتن کے تختۂ مشق ہیں یعنی سب کے سب کھل رہے ہیں لیکن میرے دل کا غنچہ افسردہ اور بند رہا۔

(۹۱)

کرتا ہے، بہ یادِ بتِ رنگیں، دلِ مایوس
رنگِ زنظر رفتہ، حنائے کفِ افسوس

رنگِ زنظر رفتہ: وہ رنگ جو نظر سے گیا یعنی حسن کے وہ جلوے جو موجود نہیں لیکن جن کے بارے میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ کفِ افسوس: افسوس میں ہاتھ ملتے ہیں۔ میرے مایوس دل کو رنگین محبوب کی یاد ہے اس کے وہ جلوے جو اب سامنے موجود نہیں افسوس کے ہاتھوں کو رنگ و زینت فراہم کر رہے ہیں۔ یعنی ہاتھوں کو رنگین کئے ہوئے ہیں۔

تھا خواب میں کیا جلوہ پرستارِ زلیخا
ہے بالشِ دل سوختگاں میں پرِ طاؤس

شادی سے پہلے زلیخا نے تین مرتبہ حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا تھا۔ صبح اُٹھنے پر جب اس کا حال زار ہوتا تو کنیزوں میں اس کا چرچا ہوتا تھا۔ شاعر کہتا ہے کہ زلیخا کے خواب میں کون سا جلوہ آکر ملازمت کرتا تھا کہ اب بھی عاشقوں کا وہی حال ہے وہ بھی خواب میں حسینوں کے رنگین جلوے دیکھتے ہیں۔ طاؤس غالب کے یہاں خوش رنگی کا نمائندہ ہے۔ تکیے میں پر بھرے ہوتے ہیں۔ عاشقوں کے تکیے میں پرِ طاؤس بھرے ہیں یعنی عاشق سوتے وقت رنگین خواب دیکھتے ہیں۔ پرستار: خادمہ۔ بالش: تکیہ۔

حیرت سے ترے جلوے کی، از بسکہ ہیں بے کار
خور، قطرۂ شبنم میں ہے، جوں شمع بہ فانوس

کون بے کار ہیں؟ آسی اور سندیلوی نے محض خورشید کو اس کا مبتدا قرار دیا ہے لیکن "ہے" کی بجائے "ہیں" سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ چیزوں کا ذکر ہے۔ دراصل خورشید اور شمع دونوں کے لئے کہا ہے کہ اے محبوب تیرا جلوہ دیکھ کر خورشید اور شمع دونوں حیرت سے پھیکے پڑ گئے ہیں۔ شمع فانوس میں چھپ گئی ہے اور اس کی تقلید میں سورج شبنم کی بوند میں چھپ گیا ہے۔

دریافتِ صحبتِ اغیار غرض ہے
اے نامہ رساں، نامہ رساں چاہیے جاسوس

اے چٹھی لے جانے والو چٹھی بھیجنے سے غرض یہ ہے کہ وہ پتہ لائیں کہ محبوب کے گھر میں اغیار کی صحبت رہتی ہے کہ نہیں۔ مجھے محض نامہ بر نہیں چاہیئے بلکہ جاسوس چاہیے جو چٹھی لے کر جائے۔

ہے مشق، اسد، دستگہِ وصل کی منظور
ہوں خاک نشیں از پئے ادراکِ قدم بوس

میں خاک پر اس لئے بیٹھا ہوں کہ خاک نے جو محبوب کی قدم بوسی کی ہے میں اس کے طور طریق کو جان لوں۔ اس سے مجھے وصل کی قدرت حاصل کرنا منظور ہے۔ خاک نے جس وسیلے سے اس کی قدم بوسی حاصل کی ہے مجھے اس کا علم ہو جائے تو میں اسی کی مشق کر کے وصل تک رسائی کر سکوں گا۔

(۹۲)

کب فقیروں کو رسائی بتِ میخوار کے پاس
تونبے بو دیجئے میخانے کی دیوار کے پاس

تونبا: کدو کا خول جس سے فقیروں کا کشکول یا کاسہ بنایا جاتا ہے۔ کدو یا تونبے سے شراب بھی بنتی ہے۔ محبوب مے خانے میں بیٹھ کر شراب پیتا ہے۔ فقیروں کی اس تک رسائی ممکن نہیں مے خانے کی دیوار کے پاس تونبے بو دئے جائیں۔ جب ان پر پھل آئیں گے۔ تو ہم وہاں کشکول بنانے کیلئے تونبے لینے جائیں گے اور محبوب شراب بنانے کیلئے تونبے لینے آئے گا اور اس طرح ہماری اس تک رسائی ہو جائے گی۔

(ش)

(۹۲۳)

ہوئی ہے بسکہ صرفِ بشتِ تمکینِ بہار آتش
بر اندازِ حنا ہے رونقِ دستِ چنار آتش

آگ بہار کی شان و شوکت بڑھانے میں معروف ہے۔ چنار کے پتے نومبر میں بالکل سُرخ ہو جاتے ہیں جیسے ان میں آگ لگی ہو۔ تو آگ دستِ چنار میں حنا کا کام کر رہی ہے یعنی اس کی تمکین بڑھا رہی ہے۔ تمکیں: شان شوکت۔ چنار میں سے آگ نکلنے کی کچھ روایات بھی ہیں۔

شرر ہے رنگ بعد اظہار تابِ جلوۂ تمکین
کرے ہے سنگ پر خرشید آبِ روئے کار آتش

تمکیں: ثابت قدمی۔ روئے کار: کپڑے کا سیدھا رُخ مثلاً پھول دار ریشم کا وہ رُخ جو پہننے کے بعد باہر کی طرف رہتا ہے۔ شرر اگر کچھ دیر تک استقلال کا جلوہ دکھا سکے تو وہ رنگ و رونق کا باعث ہے۔ سورج پتھر پر دھوپ کی آگ ڈالتا ہے تو وہ پتھر کے بیرونی رُخ پر آب و رنگ عطا کرتا ہے۔ آب اور آتش میں تضاد ہے۔ یہاں آب چمک کے معنی میں ہے۔ پتھر پر دھوپ پڑتی ہے تو اس میں چمک اور رنگ آجاتا ہے۔ آتش سے مُراد دھوپ ہے۔ پہلے مصرع میں بعد پر اضافت نہ ہونا عجزِ شاعرانہ ہے۔ بعدِ اظہار کا محل تھا۔

گداز موم ہے افسونِ ربطِ پیکر آرائی
نکالے کیں نہالِ شمع بے تخمِ شرار آتش

افسونِ ربط: کسی چیز پر افسوں کرنا اور اس کے اثر سے کسی شخص پر افسوں کی تاثیر ظاہر ہونا۔ انگریزی میں اسے (SYMPATHETIC MAGIC) کہتے ہیں۔ اپنا موم پگھلانا پیکر آرائی کا منتر یا گُر ہے۔ بغیر جلی ہوئی شمع کو بھی نہال سے تشبیہہ دے سکتے ہیں لیکن وہ نہالِ بے رونق ہے نا آراستہ پیکر ہے۔ جب اس میں تخمِ شرر لگایا جاتا ہے تو آتش کا پھل ظاہر ہوتا ہے۔ روشن شمع پیکر آرائی ہے مگر اس آراستگی کی قیمت اپنا موم پگھلا کر دینی پڑتی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ زندگی کو رنگین و بارونق بنانے کے لئے بڑی جفائیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

خیالِ دود تھا سرجوشِ سودائے غلط فہمی
اگر رکھتی نہ خاکستر نشینی کا غبار آتش

سر جوش: کسی رقیق شے کو جوش دیا جائے تو جو کچھ ابل کر سطح پر یا دیگ کے باہر آجائے گا وہ سر جوش ہے یعنی صاف بہترین جزو۔ غلط فہمی کسے ہے ہمیں مجھے یا آتش کو؟ دونوں طرح معنی نکل سکتے ہیں۔ (۱) دود دماغ نخوت و غرور کو کہتے ہیں اور خاکستر نشینی خاکساری کا نشان ہے۔ اگر آگ کے پاس خاک نشینی کی گرد نہ ہوتی تو اس میں سے دھواں نکلتا دیکھ کر ہمیں غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ یہ مغرور ہے۔ (۲) ہم آہیں کرتے ہیں اور وہ دُود سے مشابہ ہیں۔ غبار رکھنا دل میں کدورت رکھنا۔ آگ کو ہماری طرف سے غلط فہمی تھی۔ اول تو اسے ہماری خاکستر نشینی کا غبار تھا دوسرے ہمارے پاس آہوں کا دھواں تھا۔ وہ خاکستر و دود دونوں کی وجہ سے مجھے اپنا حریف سمجھتی تھی۔ خاکستر راکھ ہے آگ بھی خاکستر نشین ہوتی ہے اور فقیر بھی

ہوائے پر فشانی برق خرمن ہائے خاطر ہے
بہ بالِ شعلۂ بے تاب ہے پروانہ زار آتش

ہوا: خواہش۔ پروانہ زار: جہاں بہت سے پروانے جمع ہوں یعنی اپنے پروں کو جلا جلا کر اپنی ہستی کو پھونک رہے ہوں۔ پروانہ کی خواہش دلوں پر برقِ خرمن کا کام کرتی ہے آگ کو دیکھو اس نے شعلے کے پروں سے اُڑنا چاہا اور پروانے کی طرح جل پھنک کر رہ گئی اور آخر کار ختم ہو گئی۔ شعلے کو پروانہ قرار دیا ہے۔ کسی چیز کو جلایا جائے تو شعلے بھڑکنے کے بعد آگ خاموش ہی ہو جاتی ہے۔ جب تک شعلہ نہیں نکلتا آہستہ آہستہ آگ سلگتی رہتی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ اونچی اونچی خواہشات کا انجام تباہی ہوتا ہے۔

نہیں برق و شرر جز وحشت و ضبطِ تپیدن ہا
بلا گردانِ بے پروا خرامی ہائے یار آتش

بلا گرداں: تصدق ہونے والی یعنی عاشق۔ آگ یار کے بے پروا چلنے کے انداز کی عاشق ہے برق و شرر آگ کی وحشت و ضبطِ تپیدن کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی آگ اس طرح تڑپ رہی ہے کہ کبھی جوشِ وحشت میں ظاہر ہوتی ہے کبھی بجھ جاتی ہے۔ یہی عمل برق اور شرر کرتے ہیں۔ یہ گویا آگ کی تڑپ کا مظاہرہ ہیں۔ آگ کی تڑپ یار کی چال کے عشق کی وجہ سے ہے۔

دھوئیں سے آگ کے اک ابرِ دریا بار ہو پیدا
اسدؔ حیدر پرستوں سے اگر ہووے دوچار آتش

اسدؔ اگر حضرت علیؓ کی پرستش کرنے والوں سے آگ مقابلہ کرے تو حبِ علی یہ اثر دکھائے کہ

آگ میں سے دھواں نکل کر بادل بن جائے اور اتنی بارش کرے کہ دریا بہہ جائے اور آگ بجھ جائے۔

(۹۴)

باقلیمِ سخن ہے جلوۂ گردِ سواد آتش
کہ ہے دودِ چراغاں سے ہیولائے مدادِ آتش

شاعر رات کو دیر تک چراغ جلا کر فکر سخن کرتا ہے۔ غالب نے ایک اور جگہ کہا ہے ع
ثریا کی قدیم ہوں دودِ چراغ کا۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔ گردِ سواد: کسی شہر کے نواح کی گرد۔ شاعری کے ملک میں آگ (چراغ کی لو) منزلِ مقصود کے نواح کی نشان دہ ہے۔ شاعر رات کو جو چراغ جلا کر بیٹھتا ہے اس کا دھواں اس کی دوات کی روشنائی بن جاتا ہے۔ یعنی رات کو دیر تک چراغ جلا کر سوچتے رہیئے مضمون تک رسائی ہو جائے گی۔ اس طرح آگ اور سخن کا تعلق ثابت ہو گیا۔

اگر مضمونِ خاکستر کرے دیباچہ آرائی
نہ باندھے شعلۂ جوالہ غیر از گرد باد آتش

دوسرے مصرع کی نثر ہوگی آتش غیر از گرد باد (اور کوئی) شعلۂ جوالہ نہ باندھے۔ باندھنے سے مراد شعر میں مضمون باندھنا ہے۔ شعلۂ جوالہ: کسی لکڑی کے سروں پر کپڑا باندھ کر جلایا جائے اور لکڑی کو گھمایا جائے تو شعلے کا دائرہ شعلۂ جوالہ ہے اس شعر میں آتش کو ایک شاعر سمجھ لیا گیا ہے جو دیوان مرتب کر رہا ہے۔ اگر اس کے دیباچہ میں خاکستر کے مضامین لکھے جائیں تو متن میں شعلۂ جوالہ کا ذکر کہیں نہ ہوگا گرد باد ہی کا ذکر ہوگا۔ شعلۂ جوالہ میں آگ گھومتی ہے گرد باد میں خاک (یا خاکستر)۔ چونکہ غالب کے دیوان میں شعلۂ جوالہ کا ذکر بہت سے اشعار میں آیا ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ شعر کا ایک لازمی مضمون ہے۔ دیباچے کی مناسبت سے متنِ کلام میں شعلۂ جوالہ کا نعم البدل گرد باد ہی ہوگا۔

کرے ہے لطفِ اندازِ برہنہ گوئی خوباں
بہ تقریبِ نگارش ہائے سطرِ شعلہ یاد آتش

برہنہ گوئی: کھری کھری کہنا۔ حسین لوگ بڑی تیز جلا دینے والی باتیں کرتے ہیں۔ آگ نے جب شعلے کی سطریں لکھنی چاہیں تو اسے حسینوں کی کھری کھری باتوں کی گرمی یاد آ گئی کیونکہ ان میں آگ سے کم گرمی نہ تھی۔ شعلے کی سطریں لکھنا: شعلہ روشن کرنا۔

دیا داغِ جگر کو آہ نے سامان شگفتن کا
نہ ہو بالیدہ، غیر از جنبشِ دامانِ باد آتش

آہ سے داغِ جگر شگفتہ ہو گیا۔ داغ آگ ہے اور آہ ہوا۔ آگ ہوا کی جنبشِ دامن کے بغیر تیز نہیں ہوتی

~~سہ اسد قدرت سے حیدر کی ہوئی ہر گبر و ترسا کو۔ شرار سنگِ بت ہی بربنائے اعتقاد آتش~~

گبر و ترسا : آتش پرست۔ اس شعر میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ یہ بت پرست بھی ہیں اور آتش پرست بھی۔ اسد حضرت علی کی قدرت سے گبر و ترسا کے بتوں سے شرارِ سنگ نکلا اور وہی شرار گبر و ترسا کو جلانے کیلئے آگ ہو گیا۔

(ع)

(۹۵)

شمع سے ہے بزم انگشتِ تحیر در دہن
شعلۂ آوازِ خوباں پر، بہ ہنگام سماع

محفل میں جب خوبرو گاتے ہیں تو ان کی آواز کی گرمی پر بزم انگشتِ تحیر در دہن ہو جاتی ہے۔ انگشتِ تحیر در دہن محاورہ ہے جس کے لفظی معنی ہیں حیرت کی انگلی منہ میں رکھنا اور یہ عمل واقعی حیرت کی نشانی ہے۔ شمع کی مماثلت انگلی سے ہے گویا یہ بزم کی انگشتِ حیرت ہے۔ سماع معرفت کی موسیقی سننے کو کہتے ہیں۔

جوں پرِ طاؤس جوہر تختۂ مشقِ رنگ ہے
بس کہ ہے وہ قبلۂ آئینہ، محوِ اختراع

پرِ طاؤس غالب کے شعر میں رنگینوں کا نمائندہ ہے۔ تختۂ مشق: مصور کا وہ تختۂ کاغذ جس پر نقش گری کی جائے۔ قبلۂ آئینہ: محبوب چونکہ وہی آئینے کا مقصود ہے جس طرح مصور ایک کاغذ کو سامنے رکھ کر طرح طرح کے رنگوں سے کوئی نقش اختراع کرتا ہے جو پرِ طاؤس کی طرح رنگین ہوتا ہے اسی طرح محبوب آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنی صورت میں طرح طرح کی رنگینیوں کی اختراع کر رہا ہے جس کی وجہ سے آئینہ کا جوہر یعنی خود آئینہ تختۂ رنگ اور پرِ طاؤس معلوم ہو رہا ہے۔

رنجش حیرت سرشتاں اسینہ صافی پیشکش
جوہرِ آئینہ ہے یاں گردِ میدانِ نزاع

رنجش: آزردگی۔ حیرت سرشتاں: صوفی حضرات جو معرفت کے راستے میں حیرت سے

دو چار ہیں۔ سینہ صافی : دلوں میں نفاق کا نہ ہونا۔ جوہرِ آئینہ : فولادی آئینہ کا وہ جوہر جو ذرات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ شعر کی توسیع شدہ نثر یہ ہوگی۔ حیرت سرشتوں کی رنجش سینہ صافی کی پیش کش رکھتی ہے۔ ان کے میدان نزاع کی گرد جوہر آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے۔ مراد یہ ہے کہ عرفا ایک دوسرے سے آزردہ بھی ہو جائیں تو بھی اُن کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف رہتے ہیں۔ حریفوں کے میدانِ جنگ میں گرد اُٹھتی ہے۔ صوفیا کے میدانِ نزع کی گرد جوہرِ آئینہ کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی وہ سینہ صافی رہتی ہے آئینہ حیران بھی ہوتا ہے اور صاف دل بھی۔

چار سوئے دہر میں بازارِ غفلت گرم ہے
عقل کے نقصاں سے اُٹھتا ہے خیالِ انتفاع

انتفاع : نفع۔ دُنیا میں ہر طرف غفلت کا دور دورہ ہے لوگ عقل سے کام نہیں لے رہے۔ عقل کے نقصان یعنی بے عقلی کی باتوں میں وہ نفع سمجھتے ہیں۔ نفع کا خیال کس زمین سے پیدا ہوتا ہے؟ عدمِ عقل یعنی غفلت سے اور یہ کوتاہ اندیشی ہے۔

آشنا غالبؔ نہیں ہیں دردِ دل کے آشنا
ورنہ کس کو میرے افسانے کی تابِ استماع

غالبؔ دوست میرے دردِ دل سے واقف نہیں ورنہ میرا افسانہ یوں آسانی سے نہ سُن لیتے۔ انہیں اس کا درد نظر نہ آیا۔ اس افسانے کے سننے کی تاب کیسے ہو سکتی ہے۔

(غ)

(۹۶)

عشاق اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ
دیتا ہے اور، جوں گُل و شبنم بہار داغ

عاشق آنسو بہا بہا کر داغِ عشق کو ہزار دھونا چاہیں لیکن اس سے داغ پھول اور شبنم کی طرح اور بہار دیتا ہے یعنی اور چمک اُٹھتا ہے گُل و شبنم : جیسے پھول پر اوس ڈالی جائے۔ چاہا تھا کہ رونے سے دل کا رنج ہلکا ہو جائے گا لیکن وہ اور تیز ہو گیا۔

جوں چشم باز ماندہ ہے ہر یک بہ سوئے دل
رکھتا ہے داغ تازہ کا یاں انتظار داغ

جیسے کھُلی آنکھ کسی چیز کی طرف دیکھے اسی طرح میرا ہر داغ دل کی طرف دیکھتا ہے۔ کھُلی آنکھ نشانی ہے کسی کے انتظار کی۔ یہ داغ بھی نئے داغ کا منتظر ہے اس لئے کھُلی آنکھ سے مشابہ ہے۔ نیا داغ دل کی طرف سے آئے گا یا دل پر پڑے گا اس لئے پرانا داغ دل کو تاک رہا ہے

بے لالہ عارضاں مجھے گلگشتِ باغ میں
دیتی ہے، گرمی گل و بلبل ' ہزار داغ

لالہ عارضاں: حسین۔ گرمی: عشق بازی۔ حسینوں کے بغیر اگر میں باغ میں ٹہلنے جاتا ہوں تو گل و بلبل کے معاشقے سے مجھے بہت رنج محرومی ہوتا ہے۔

جوں اعتماد نامہ و خط کا ہو مہر سے
یوں عاشقوں میں ہے سببِ اعتبار داغ

جیسے چٹھی پر مہر لگی ہو تو اس کی صحت میں یقین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عاشقوں کے داغ لگا ہو تو اُنہیں بڑا عاشق مانا جاتا ہے۔ شدتِ جذبہ میں کوئی چیز آگ میں گرم کر کے اپنے جسم پر لگا دی جائے تو اس سے جو داغ پیدا ہو گا۔ وہ داغ عشق ہو گا۔

ہوتے ہیں محو جلوۂ خور سے ستارگاں
دیکھ اس کو دل سے مٹ گئے بے اختیار داغ

کسی کی طرف سے دل میں داغ ہونا محاورہ ہے شکوہ شکایت ہونے کے معنی میں یہاں اسے لفظی معنی میں لے لیا گیا ہے۔ جس طرح سورج کے نکلنے پر ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محبوب کو دیکھ کر دل کے سب داغ جاتے رہے یعنی کوئی شکایت باقی نہ رہی۔ داغوں کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے۔

وقتِ خیالِ جلوۂ حُسنِ بتاں اسدؔ
دکھلائے ہے مجھے دو جہاں لالہ زار داغ

جب میں حسینوں کا خیال کرتا ہوں تو میرا داغِ دل دُنیا بھر کے باغوں کی کیفیت دکھا دیتا ہے۔ لالہ کے پھول میں داغ ہوتا ہے اس لئے داغ سے لالہ زار کی تخلیق کی۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان کے حُسن کے تصور کے وقت ہر قسم کے باغ مجھے محض داغ نظر آتے ہیں کیونکہ حسنِ بتاں زیادہ دلکش ہے۔ لیکن ترجیح پہلے معانی کو ہے۔

(۹۷)

بلبلوں کو دور سے کرتا ہے منعِ بارِ باغ
ہے زبانِ پاسباں خارِ سرِ دیوارِ باغ

بار : باریابی ۔ باغ یا کسی احاطے کی فصیل نیچی ہوتی ہے تو اس کے اوپر کانٹے رکھ دیے جاتے ہیں تاکہ دیوار پر چڑھ کر بکریاں وغیرہ اندر نہ جاسکیں۔ باغ کا چوکیدار ہانک لگا کر دور ہی سے بلبلوں کو اڑا دیتا ہے تاکہ وہ باغ میں داخل نہ ہو سکیں۔ گویا وہ زبان سے دیوار کے کانٹوں کا کام لے رہا ہے۔

کون آیا جو چمن بے تابِ استقبال ہے
جنبشِ موجِ صبا ہے شوخیِ رفتارِ باغ

باغ میں ہوا کا چلنا در اصل باغ کا شوخی کے ساتھ رواں ہو جانا ہے۔ باغ میں کون حسین آیا ہے جس کے استقبال کیلئے خود باغ بے تاب ہوگیا۔

میں ہمہ حیرت، جنوں بے تابِ دورانِ خمار
مردمِ چشمِ تماشا، نقطۂ پرکارِ داغ

جنوں بے تاب دورانِ خمار، کا تجزیہ جنوں (بے تابِ دورانِ خمار) نہ کرکے میں (جنوں بے تاب) دورانِ خمار کروں گا۔ جنوں ۔ بے تاب : وہ شخص جو جنوں کی وجہ سے بے تاب ہو۔ دورانِ خمار خمار کا پیدا کیا ہوا دوران سر۔ جنوں بے تاب دورانِ خمار : خمار کی پریشانی سے جنون و اضطراب پیدا ہونا۔ دائرے کے مرکز میں پرکار کا ایک بازو رہتا ہے اور دوسرا بازو گھوم کر پورا دائرہ بنا دیتا ہے۔ جس طرح مرکزی نقطہ دائرے کا مرکز ہوتا ہے اسی طرح میری دیکھنے والی آنکھ کی پتلی باغ کے دائرے کا مرکزی نقطہ ہے یعنی میں باغ میں گیا اور سارے باغ کو نگاہوں کے دائرے میں لے لیا۔ اس عمل کے دوران میں ہمہ حیرت ہوگیا اور باغ کے مشاہدے سے مجھ پر ایک جنون و اضطراب کا عالم ہوا۔ عاشقِ ہجراں زدہ پر باغ و بہار کا ردِ عمل اسی قسم کا ہوتا ہے۔ حسین مناظر محبوب کی یاد دلاتے ہیں اور اس کی عدم موجودگی کا احساس تیز تر کردیتے ہیں۔

آتشِ رنگِ رخِ ہر گل کو بخشے ہے فروغ
ہے دمِ سردِ صبا سے گرمیِ بازارِ باغ

ٹھنڈی ہوا سے باغ میں رونق ہے اس سے ہر پھول کے رنگ کی آگ تیز ہوتی ہے۔ آگ ہوا سے بھڑکتی ہے۔ دمِ سرد اور گرمیِ بازار میں تضاد ہے۔

کون گل سے ضعف خاموشیِ بلبل کہہ سکے ۔ نے زبانِ غنچہ گویا نے زبانِ خارِ باغ

بلبل کمزور ہے خاموش ہے۔ اس کی اس حالت کو پھول سے کون کہے۔ پھول کے ہم نشیں غنچے ہیں اور کانٹے ہیں۔ دونوں کی زبانیں بند ہیں بول نہیں سکتے۔ غنچہ چونکہ بند ہوتا ہے اس لئے اس کا دہن بند باندھا جاتا ہے۔ شعر میں ایک اور مناسبت ہے غنچہ اور خاموشی میں اور خار اور ضعف میں۔

جوشِ گل کرتا ہے استقبالِ تحریرِ اسدؔ
زیرِ مشقِ شعر ہے نقش از پئے احضارِ باغ

زیرِ مشق: وہ چمڑا یا وصلی جسے لکھنے کی مشق کرتے وقت کاغذ کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ احضار: حاضر کرنا۔ طلبی کا حکم نامہ۔ پھول اسدؔ کے اشعار کی تحریر کا استقبال کرتے ہیں۔ اس کے اشعار کے صفحہ کا زیرِ مشق ایسا نقشِ افسوں ہے جس کے اثر سے باغ فوراً آ حاضر ہوتا ہے۔ باغ کا آنا گویا استقبال کیلئے آنا ہے۔ یعنی اسدؔ کے شعر پھولوں کے کھلنے سے زیادہ دلکش ہیں۔

(ف)

(۹۸)

نامہ بھی لکھتے ہو تو بہ خطِ غبار حیف
رکھتے ہو مجھ سے اتنی کدورت ہزار حیف

خطِ غبار ایک آرائشی خط ہے جس میں حروف کو جلی لکھ کر ان کے چوکھٹے میں نقطے بھر دیتے ہیں۔ دل میں غبار ہونے کے معنی کدورت یا آزردگی رکھنے کے ہیں۔ لفظِ غبار ہی پر شعر کا مضمون منحصر ہے۔ مجھے خط لکھتے ہو تو خطِ غبار میں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں میری طرف سے غبار بھرا ہوا ہے۔

گل چہرہ ہے کسی خفقانی مزاج کا
گھبرا رہی ہے بیمِ خزاں سے بہار حیف

خفقاں: سودا۔ پھول کسی سودائی کا چہرہ معلوم ہوتا ہے۔ سودا و جنوں میں چہرے پر سُرخی آجاتی ہے۔ اس لئے پھول خفقانی مزاج ہوا۔ بہار خزاں کے ڈر سے گھبرا رہی ہے اور اس کی لرزیدگی کا اظہار پھول کے سودائی چہرے سے ہو رہا ہے۔

تھی میرے ہی جلانے کو اُ اے آہ شعلہ ریز
گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار حیف

اے میری شعلہ برسانے والی آہ تونے مجھ ہی کو جلایا۔ رقیب کے گھر کو نہ جلایا۔

ہیں میری مشتِ خاک سے اس کو کدورتیں
پائی جگہ بھی دل میں، تو ہو کر غبار حیف

میں مر کر خاک ہو گیا لیکن اسے ہمیشہ میری طرف سے کدورت رہی۔ اس نے مجھے کبھی دل میں جگہ نہ دی۔ مرنے پر جگہ بھی دی تو دل میں غبار کی صورت میں یعنی اسے میرا خیال آتا ہے تو شکوہ شکایت کے ساتھ۔

بیش از نفسِ بتاں کے کرم نے وفا نہ کی
تھا محملِ نگاہ بہ دوشِ شرار حیف

حسینوں نے مجھ پر کرم کیا تو محض ایک سانس کی مدت یعنی ایک لمحے کیلئے۔ انہوں نے مجھ پر نگاہ کی لیکن ان کی نگاہ کا محمل شرار کے کندھوں پر سوار تھا یعنی شرر جتنی تھوڑی دیر کیلئے چمکتا ہے اتنی سی دیر کیلئے اُنھوں نے میری سمت نگاہ کی۔ نگاہ اور شرار کی مناسبت سے یہ بھی اشارہ ہے کہ نگاہ میں جلا دینے والی کیفیت تھی۔

بنتا اسدؔ میں سرمۂ چشمِ رکابِ یار
آیا نہ میری خاک پہ وہ شہسوار حیف

محبوب کو شہسوار کہا ہے۔ میں مر کر خاک ہو گیا۔ اگر محبوب گھوڑے پر بیٹھ کر میری خاک پر آتا تو میں رکاب کی آنکھ میں سرمہ بن جاتا۔ رکاب کے حلقے کو آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ پاسِ ادب یہ ہے کہ خاک محض رکاب تک پہنچے گی جو پاؤں رکھنے کا مقام ہے۔

(۹۹)

عیسیٰ مہرباں ہے شفا ریز یک طرف
درد آفریں ہے طبعِ الم خیز یک طرف

ایک طرف عیسیٰ مہربانی کرکے مجھے شفا دینے کی کوشش کر رہے ہیں دوسری طرف میری رنجیدہ طبیعت درد پیدا کر رہی ہے۔

سنجیدنی ہے ایک طرف رنجِ کوہکن
خوابِ گرانِ خسروِ پرویز یک طرف

دو چیزوں کا مقابلہ ہے انھیں باہم تولنا ہے ایک طرف پہاڑ کھودنے والے فرہاد کی تکلیف ہے۔ دوسری طرف محبوبہ کے شوہر خسرو پرویز کی شدید غفلت ہے جو اس نے وعدہ کرنے کے باوجود فرہاد کی طرف سے روا رکھی ہے۔

خرمن برباد دادۂ دعویٰ ہیں، ہو سو ہو۔
ہم یک طرف ہیں۔ برق شرر بیز یک طرف

برباد دادن: نیست و نابود کرنا۔ خرمن برباد دادۂ دعویٰ: جو دعوے کی خاطر خرمن تباہ کرچکا ہو۔ ہم نے دعویٰ کیا کہ ہم برق کو خاطر میں نہیں لائیں گے ہم اس دعوے کی پخ کی خاطر اپنے تمام خرمنوں کی بازی لگا چکے ہیں۔ اسے نیست و نابود کرنے کو تیار ہیں ایک طرف ہم ہیں دوسری طرف چنگاریاں برسانے والی بجلی۔ ایسے جو کچھ بھی ہم پر گزرے ہم جھکنے والے نہیں۔

ہر مو بدن پہ شہپر پرواز ہے مجھے
بے تابیٔ دل تپش انگیز یک طرف

بے چینی کی وجہ سے میرے بدن پر ہر بال مجھے اڑائے دے رہا ہے۔ جیسے یہ کوئی شہپر ہو۔ دوسری طرف دل کی بے تابی اور تپش ہے۔

مفتِ دل و جگر خلشِ غمزہ ہائے ناز
کاوش فروشیٔ مژۂ تیز یک طرف

ناز کے غمزے میرے دل و جگر میں چبھن پیدا کر رہے ہیں اور محبوب کی پلکیں کاوش فروشی کر رہی ہیں۔ کاوش: کھود کرید۔ مفت: کسی چیز کا بغیر قیمت یا محنت کے حاصل ہونا۔

یک جانب، اے اسدؔ شبِ فرقت کا بیم ہے
دام ہوس ہے زلفِ دلاویز یک طرف

اے اسدؔ مجھے ایک طرف تو یہ خوف ہے کہ عشق کیا تو کبھی نہ کبھی فرقت میں مبتلا ہونا پڑے گا دوسری طرف کسی حسین کی دلکش زلف میری ہوس پہ دام ڈال رہی ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ زلف کا ہو کر رہ جاؤں۔

(ک)

(۱۵۵)

اس عمل میں عیش کی لذت نہیں ملتی اسدؔ
زور نسبت مے سے رکھتا ہے نصارا کا نمک

اس عمل سے مراد مے نوشی کا عمل ہے لیکن نصارا کا نمک سے کیا مراد ہے یہ واضح نہیں میں مالک رام صاحب اور قاضی عبدالودود صاحب سے ملا اور اس ترکیب کے معنی دریافت

کئے۔ انھیں بھی علم نہ تھا۔ عرشی صاحب نے اس شعر کے یہ معنی لکھ کر بھیجے ہیں۔

(۱) "نصاریٰ کا نمک سے مراد وہ پنشن ہے جو غالب کو ملا کرتی تھی۔ وہ بہت مختصر تھی اس لیے غالب کیلئے ناممکن تھا کہ اس سے مے نوشی کا خاطر خواہ سامان کر سکیں تو گویا نصاریٰ کا نمک جو یہ کھاتے تھے وہ بجائے لذتِ عیش کو بڑھانے کے وہ کام کرتا تھا جو شراب میں نمک ڈالنے سے ہو جاتا ہے یعنی اس سے شراب کا سکر (نشہ) ختم ہو جاتا ہے اور وہ سرکے میں تبدیل ہو جاتی ہے"

اچھی خاصی تشریح ہے لیکن اس میں تھوڑی سی قباحت یہ ہے کہ یہ شعر نسخۂ بھوپال کا ہے یعنی ۱۸۲۱ء سے پہلے کا اس وقت تک غالب کو براہ راست انگریزوں سے پنشن نہ ملتی تھی۔ ان کی آمدنی کے کئی ذرائع تھے اس لیے بہت شبہ ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں کی نمک خواری کا شکوہ کریں۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔

(۲) نصاریٰ کا نمک سے مراد عیسائی حسیناؤں کا نمکِ حسن ہے۔ غالب نے بعد میں کلکتے میں تو میموں کے حسن پر بڑی للچائی نظر ڈالی ہے جیسا کہ ان کی فارسی مثنوی سے معلوم ہوتا ہے یقینی ہے کہ دہلی میں بھی کچھ انگریز حسینائیں دیکھی ہوں گی۔ قباحت یہ ہے کہ ان کے حسن صبیح میں ملاحت کہاں۔ بہر حال، مے نوشی کے عمل میں مجھے لذت نہیں ملتی تاوقتیکہ کوئی نمکین نقل ساتھ نہ ہو۔ نمکِ حسینانِ نصاریٰ کا نقل شراب سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یہ نمک مے نوشی کا ساتھ دینے کو میسّر آ جائے تو عیش کی لذت مل جائے۔

(۱۰۱)

تاقیامت شبِ فرقت میں گزر جائے گی عمر

سات دن ہم پہ بھی بھاری ہیں سحر ہونے تک

ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں گویا عمر سات دنوں (اتوار، سوموار، منگل وغیرہ) پر مشتمل ہے۔ قیامت تک تو محبوب کا دیدار ہوگا نہیں اس لئے شبِ فرقت کا عالم رہے گا۔ قیامت میں جا کر شبِ فرقت ختم ہوگی اور ہمارے لئے صبح ہوگی۔ اُس صبح تک زندگی کے جو سات دن ہیں وہ ہم پر بھاری ہیں۔

(۱۰۲)

آتے ہیں پارہ ہائے جگر درمیانِ اشک

لایا ہے لعل بیش بہا کاروانِ اشک

آنسوؤں کے ساتھ ساتھ جگر کے ٹکڑے آ رہے ہیں۔ یہ لعل کی طرح ہیں۔ اس طرح آنسو اس

تجارتی قافلے کی طرح ہیں جو لعل فروخت کرنے کو لایا ہو۔

ظاہر کرے ہے جنبشِ مژگاں سے مدعا
طفلانہ ہاتھ کا ہے اشارہ، زبانِ اشک

طفلِ اشک۔ ایک مشہور ترکیب ہے۔ چھوٹے بچے بولنا نہیں جانتے اور ہاتھوں کے اشارے سے کام لیتا ہیں۔ یہی اشارے ان کی زبان ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے طفلِ اشک، پلکوں کی جنبش سے اپنا مدعا ظاہر کرتا ہے۔ اس کے پاس زبان نہیں اس لئے جنبشِ مژگاں اس کے ہاتھ کے اشارے ہیں

ہیں وادیِ طلب میں ہوا جملہ تن عرق
ازبسکہ صرف قطرہ زنی تھا بسانِ اشک

قطرہ زنی: دوڑنا۔ میں طلب کی وادی میں آنسو کی طرح دوڑا اور دوڑتے دوڑتے پورا پورا پسینہ ہو گیا۔ آنسو بھی جملہ تن عرق ہوتا ہے۔ آنسو کی تشبیہ کے ساتھ قطرہ زنی کا لفظ خوب ہے۔

رونے نے طاقت اتنی نہ چھوڑی کہ ایک بار
مژگاں کو دوں فشار پئے امتحانِ اشک

رونے نے مجھے اتنا نحیف کر دیا کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ پلکوں کو جھٹک کر یا نچوڑ کر دیکھوں آیا ان میں آنسو کی بوند موجود ہے یا نہیں؟

دل خستگاں کو ہے طربِ صد چمن بہار
باغِ بخوں تپیدن و آبِ روانِ اشک

زخمی دل والے عشاق خون میں لوٹنے کو باغ اور آنسوؤں کے بہنے کو آبِ رواں سمجھتے ہیں۔ ان کیلئے یہ چیزیں سو باغوں کی بہار کی خوشی کے برابر ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی باغ و بہار ان کے نصیب میں نہیں "صد چمن بہار" میں "صد چمن" مقداری فقرہ ہے جو بہار کی کثرت دکھانے کیلئے آیا ہے یعنی بہت وسیع بہار۔

سیلِ بنائے ہستیِ شبنم ہے آفتاب
چھوڑے نہ چشم میں تپشِ دل، نشانِ اشک

سیلِ بنا: وہ پانی کا دھارا جو کسی مکان کی بنیاد سے ٹکرا رہا ہو یعنی غارت کرنے والا اوس کی ہستی کو سورج غارت کر دیتا ہے۔ دل کی گرمی آنکھ میں آنسو کا نشان نہ چھوڑے گی کیونکہ یہ گرمی سورج کی طرح ہے اور آنسو اوس کی طرح۔

ہنگامِ انتظارِ قدومِ بتاں، اسدؔ
ہے بر سرِ مژہ نگراں دیدبانِ اشک

دیدبان: جاسوس۔ نظر باز۔ جب ہم بتوں کے قدم رنجہ کرنے کا انتظار کرتے ہیں تو ہماری پلک پر آنسو کا دیدبان نگرانی کرتا رہتا ہے۔ یعنی حسینوں کے انتظار میں ہماری آنکھ اشک آلودہ ہو جاتی ہے۔

(گ)

(۱۰۴)

اے آرزو شہیدِ وفا خوں بہا نہ مانگ
جز بہرِ دست و بازوئے قاتل دعا نہ مانگ

آرزو شہید: شہیدِ آرزو۔ آرزو شہیدِ وفا: شہیدِ آرزوئے وفا یعنی وہ شخص جسے حسرت رہی کہ محبوب اس کے ساتھ وفا کرے اور جو آخرکار اس کی بے وفائی کو دیکھ کر شہید ہو گیا۔ ایسے شخص سے کہا ہے کہ تو خوں بہا نہ مانگ بلکہ یہ دعا کر کہ قاتل کے دست و بازو اور توانا ہوں جن سے وہ تجھے بار بار شہید کر سکے۔ آسیؔ نے شعر کا مخاطب آرزو کو قرار دیا ہے اور شہیدِ وفا اس کی صفت مانی ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ آرزو شہید ایک مرکب ہے۔ جو عاشق کیلئے آیا ہے۔

گستاخیِ وصال ہے مشّاطۂ نیاز
یعنی دعا بجز خمِ زلفِ دوتا نہ مانگ

وصال عاشق کے جذبۂ نیاز کو سنوارتا یعنی بیدار کرتا ہے۔ اے عاشق تو صرف یہ دُعا مانگ کہ محبوب کی زلف میں اور خم پڑیں یعنی وہ اور سنور جائے اور یہ خم زلف تیرے قبضے میں آجائے تاکہ وصال کے تجربے سے تیرا نیاز و عجز اور بالیدہ ہو جائے۔ زلفِ دوتا: خم شدہ زلف۔

عیسیٰ طلسمِ حسن تغافل ہے زینہار
جز پشتِ چشم، نسخۂ عرضِ دوا نہ مانگ

پشتِ چشم: غرور کی وجہ سے نگاہ نہ کرنا۔ عیسیٰ کسی حسین کا علاج کرنے کو گئے ہیں لیکن وہ توجہ ہی نہیں کرتا انھیں عرضِ دوا کا موقع ہی نہیں دیتا۔ اے عیسیٰ تیرا سامنا تغافل کے طلسم سے ہے۔ تو ایسی ترکیب چاہتا ہے کہ اپنی مجوزہ دوا عرض کرنے کا موقع

مل جائے۔ لیکن یہ نہ ہوگا۔ تو اس کی پشتِ چشم کے سوا اور کچھ نہ مانگ، کچھ توقع نہ رکھ۔ اس کی آنکھ تیری طرف سے پیٹھ موڑے رہے گی۔ آسی نے اس شعر کی شرح میں عیسیٰ کے بعد کا وقفہ حذف کردیا ہے اور یہ معنی سمجھے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام حسنِ تغافل کے طلسم ہیں۔ ان سے کسی دوا کی تمنا اور التجا نہ کر... ان سے صرف اسی بات کی استدعا کر کہ وہ آنکھ پھیر لیں اور واپس جائیں۔ اس نسخے کے سوائے اور کسی نسخے کی تمنا نہ رکھو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تجھ کو یہ بھی معلوم ہو کہ کسی سے کوئی کام نکل سکتا ہے۔ تب بھی کام نکلنے کی اُمید نہ رکھ۔ ہرگز وہ تیری تمنا کے موافق نہ ہوگا۔

یہ تشریح بھی ممکن ہے گو میں پہلی تشریح کو ترجیح دوں گا۔

میں دور گردِ عرضِ رسومِ نیاز ہوں
دشمن سمجھ و لے نگہِ آشنا نہ مانگ

میں رسمِ نیاز کی وجہ سے تجھ سے دور دور پھرتا ہوں۔ تیرے قرب میں آنے کی گستاخی نہ کروں گا۔ خواہ تو مجھے دشمن سمجھ بیٹھ لیکن مجھ سے یہ توقع نہ کر کہ میں پاس آکر تجھ پر نگاہِ آشنا ڈالوں گا اور اپنے نیاز کو رسوا کروں گا۔ یعنی ہم فرطِ نیاز و عجز کی وجہ سے تجھ سے دور ہیں۔

نظارہ دیگر و دلِ خونیں نفس دگر
آئینہ دیکھ، جوہرِ برگِ حنا نہ مانگ

جوہرِ برگِ حنا سرخ رنگ یعنی خون ہے۔ محض نظارہ کرنا اور بات ہے کوئی بھی نظارہ کر سکتا ہے لیکن اس کے سینے میں خونیں نفس دل بھی ہو یہ مشکل بات ہے۔ آئینہ تیرا نظارہ کرتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس دلِ خونیں بھی ہے اس کا جوہر سادہ سفید ہے اس سے جوہرِ سُرخ کی توقع نہ کر۔ یعنی ہر نظارہ کرنے والا عاشق جاں نثار نہیں ہوتا۔ نسخۂ شیرانی میں حنا کی جگہ دعا بنا دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک برگِ دعا کا کوئی محل نہیں میں اس موقع پر نسخۂ شیرانی کی ترمیم کو سہو قرار دوں گا۔

یک بخت اوج نذرِ سبک باری اسدؔ
سر پر وبالِ سایۂ بالِ ہما نہ مانگ

ہما کے پر کا سایہ پڑنے سے آدمی بادشاہ ہو جاتا ہے لیکن انگریزی کی ضرب المثل ہے کہ جس سر پر تاج ہوتا ہے اسے عدمِ سکون کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گویا سایۂ بالِ ہما ایک وبال ہے۔ اوج کی مقدار دکھانے کو غالبؔ نے "یک بخت" کی ترکیب اختراع کی ہے۔ ایک قسمت بھر بلندی یعنی

بہت بلندی۔ سبک باری : بوجھ کا نہ ہونا یا بہت کم ہونا۔ بادشاہت بہت بوجھ ہے۔ اسد نے قسمت کی بلندی کو سبک باری پہ قربان کر دیا۔ نہ بادشاہ ہوگا نہ مصیبتوں میں پڑے گا۔ ذمہ داری کے بغیر ہلکا پھلکا چلے پھرے گا۔

(د)

(۱۰۴)

بدر ہے آئینۂ طاقِ ہلال

غافلاں! نقصاں سے پیدا ہے کمال

ہلال کی شکل طاق جیسی ہوتی ہے۔ طاق میں آئینہ رکھا جاتا ہے۔ بدر، ہلال سے پیدا ہوتا ہے گویا بدر ایک آئینہ ہے۔ جو ہلال کے طاق میں موجود ہے۔ اے غافلو دیکھو شروع میں کوئی خیف و ضعیف ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اسی سے کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ ہلال نقصان یعنی کا جیدگی کی نشانی ہے اور بدر کمال یعنی تکمیل کی۔

ہے بہ یادِ زلفِ مشکیں سال و ماہ

روزِ روشن شامِ آں سوئے خیال

شامِ آں سوئے خیال : وہ شام جو تصور سے دوسری طرف ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی شام بہت دھندلی بلکہ تاریک اور سنسان ہوگی۔ میں سارے سال اور سارے مہینے سیاہ زلفوں کی یاد کرتا ہوں۔ اس کی یاد میں روشن دن۔ مجھے خیال سے پرے کی رات کی طرح تاریک اور سنسان معلوم ہوتا ہے۔

بسکہ ہے اصلِ دمیدن ہا غبار

ہے نہال شکوۂ ریحاں، سفال

چونکہ چیزیں مٹی سے نشو و نما پاتی ہیں اسلئے ریحاں کو مٹی سے شکوہ ہے کہ تو نے مجھے بالیدہ نہیں کیا۔ مٹی ریحاں کے شکوہ سے نہال ہو گئی ہے یعنی متاعِ شکوہ سے بھر پور۔ اسکا مراد ہے نہال پر ابہام ہے ممکن ہے دوسرے مصرع کی قرات یوں ہو۔ ع ہے نہال شکوہ، ریحانِ سفال۔ غزل ۱۰۶ میں غالب نے ریحانِ سفال کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ مٹی کے پھول شکرے سے نہال ہو گئے ہیں شکوہ یہ ہے کہ مٹی سے ہر چیز کی نشو و نما ہوتی ہے۔ ہم مٹی سے بنے ہیں تو ہم کیوں نہیں پھولے۔

صافیٔ رخ سے ترے ہنگامِ شب   عکسِ داغِ مہ ہوا عارض پہ خال

شعر کے دو معنی ہیں رات کے وقت تیرے چہرے کی صفائی سے گال پر تل ایسا معلوم ہوا جیسے عارض چاند ہے اور اس میں تل داغ ہے۔ دوسرے معنی ہیں کہ داغِ مہ کا عکس تیرے گال پر پڑا اور ایسا معلوم ہوا جیسا گال پر تل ہو۔ اس طرح یہ دکھانا مقصود ہے کہ چاند پر داغ ہے۔ تیرے گال پر داغ نہیں۔

نور سے تیرے ہے اس کی روشنی
ورنہ تھا خورشید یک دستِ سوال

اے خدا سورج میں تیرے نور سے روشنی ہے۔ اس کے پاس اپنا کیا دھرا ہے۔ اس کی ہیئتِ ظاہری ہی سوال کے لئے پھیلائے ہوئے ہاتھ کی سی ہے یعنی اس کی متاع مانگے کا اُجالا ہے۔

شورِ حشر اس فتنہ قامت کے حضور
سایہ آسا ہو گیا ہے پائمال

جس طرح سایہ پاؤں میں پڑا رہتا ہے یعنی پامال ہوتا ہے اسی طرح محبوب کے فتنۂ قیامت کے سامنے شورِ حشر پامال ہو گیا۔ یعنی اس کا قد جتنا فتنہ بپا کرتا ہے قیامت نہیں کر سکتی۔

ہو جو بلبل پیروِ فکرِ اسدؔ
غنچۂ منقارِ گل ہو زیر بال

منقارِ گل: گل میں گ پر زیر ہے "منقارِ گل" زبان کو کہتے ہیں۔ زیر بال: سو جانا، پرندے سوتے وقت سر کو پروں میں کر لیتے ہیں۔ اگر بلبل میری فکر کی تقلید کرے تو زبان کو پروں میں چھپا کر سو جائے یعنی ان خیالات کو ادا کرنے کی قدرت نہ رکھے اور خاموش رہ جائے۔

(۱۰۵)

ہر عضو غم سے ہے شکن آسا شکستہ دل
جوں زلفِ یار ہوں میں سراپا شکستہ دل

غم کی وجہ سے میرے بدن کا ہر عضو شکستہ دل ہو رہا ہے۔ جیسے کوئی شکن (مثلاً کپڑے کی شکن) ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہے اسی طرح عضو ٹوٹ رہے ہیں۔ میں یار کی زلف کی طرح دل شکستہ ہوں۔ زلفِ یار خم کی وجہ سے شکستہ ہوتی ہے۔

ہے سطر نوشت میں رقمِ دا شکستگی
ہوں جوں خطِ شکستہ بہر جا شکستہ دل

واشکستگی : شکستہ دلی، خطِ شکست واقعی ٹوٹا ہوا ہو کر نہ ہو پر نام کے اعتبار سے ضرور ٹوٹا ہوا ہے۔ میری قسمت میں شکست ہونا لکھا ہے۔ میں خطِ شکست کی طرح ہر جگہ شکستہ دل ہوں۔

امواج کی جو یہ شکنیں آشکار ہیں
ہیں چشمِ اشک ریز سے دریا شکستہ دل

میری آنسو بہانے والی آنکھ سے دریا ہار مان گئے۔ شکستہ دل ہو گئے اِن کی پیشانی پر غم کی شکنیں آگئیں وہ شکنیں کون سی ہیں؟ دریا کی موجیں۔ آسی نے چشم کو دریا کی چشم قرار دیا ہے۔ میرے نزدیک اپنی چشم کا ذکر ہے۔

ناسازیٔ نصیب، درشتیٔ غم سے ہے
اُمّید نا اُمید و تمنا شکستہ دل

غم کی سختی کی وجہ سے میری قسمت خراب ہے اُمید نا اُمید ہو گئی ہے اور تمنا کا دل ٹوٹ گیا ہے۔

ہے سنگِ ظلمِ چرخ سے میخانے میں آسد
صہبا فتادہ خاطر و مینا شکستہ دل

آسد میخانے میں آسمان نے ظلم کا پتھر مارا جس سے شراب کا دل گرا ہوا ہے، اور بوتل کا دل ٹوٹ گیا۔ کوئی بوتل پر پتھر مارے تو بوتل ٹوٹ کر شراب گر جاتی ہے۔

(۱۰۶)

ہوں بہ وحشت انتظار آوارۂ دشت خیال
اک سفیدی مارتی ہے دور سے چشمِ غزال

انتظار آوارہ : انتظار میں اِدھر اُدھر گھومنے والا۔ حسینوں کے انتظار میں مجھ پر ایک وحشت طاری ہو گئی ہے اور میں خیال میں آوارہ پھرتا ہوں۔ ہرن کی آنکھ کو وحشی کہا جاتا ہے میں دشتِ خیال میں اتنی دور نکل گیا ہوں کہ وحشی ہرن بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کی آنکھ دور سے ایک سفید دھبے کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

ہے نفس پروردہ گلشن کس ہوائے بام کا
طوقِ قمری میں ہے، سرو باغ ریحانِ سفال

دوسرے مصرع کی نثر ہے ؏ طوقِ قمری میں ریحانِ سفال سرو باغ ہے۔ نفس پروردہ پرورش یافتہ۔ کس بام سے مراد محبوب کا بام ہے۔ ریحان ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے کہتے

ہیں کہ باغ میں کسی بام کی ہواؤں سے تر و تازگی اور شادابی کا عالم ہے کہ طوقِ قمری جو قمری کے خاکستری رنگ کی وجہ سے مٹی کی بنی ہوئی گھاس معلوم ہوتا ہے۔ ہوائے بام کے اثر سے سرو کی طرح سرسبز ہے۔ طوقِ قمری: قمری کے گلے کا سیاہ دائرہ۔ پہلے اسے مٹی کی گھاس سے تشبیہہ دی بعد میں سرو سے۔ ظاہر ہے کہ دونوں تشبیہیں ناقص ہیں۔ قمری کو کفِ خاکستر کہا جاتا ہے۔ اس لئے طوق کو ریحانِ سفال کہا۔

ہم غلط سمجھے تھے لیکن زخمِ دل پر رحم کر
آخر اس پردے میں تو ہنستی تھی اے صبحِ وصال

ہم کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ زخمِ دل کو زخم سمجھ کر اس کا علاج کر رہے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ اے صبحِ وصل یہ تیرا خندۂ دنداں نما ہے۔ صبحِ وصال وہ صبح ہے جس دن محبوب آکر ملنے والا ہے صبحِ وصال سے درخواست کرتے ہیں کہ تو یہ رحم کرنا کہ مسرتوں سے میرے زخمِ دل کو مندمل نہ کر دینا۔ کیونکہ میرے لئے زخم صبح کی نشانی ہے۔ صبح بھی ایک قسم کی کشود ہے۔ "زخمِ دل پر رحم کر" کے سیدھے سادے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اب زخم کو چھوڑ دے اور اسے مندمل ہونے دے۔

بے کسی افسردہ ہوں اے ناتوانی کیا کروں
جلوۂ خرشید سے ہے گرم پہلوئے ہلال

پہلو گرم ہونا: گرم جوشی سے صحبت نشیں ہونا۔ اے ناتوانی میں بکیسی سے افسردہ ہوں۔ ہلال کو جلوۂ خرشید نصیب ہے لیکن میرا کوئی ساتھی کوئی مہرباں نہیں۔ ہلال بھی میری طرح ناتواں ہے لیکن اس کی پشت پر ایک بہت بڑی طاقت ہے۔

شکوہ درد و درد داغ، اے بے وفا معذور رکھ
خوں بہائے یک جہاں اُمّید ہے تیرا خیال

اے بے وفا اگر ہم تیرا شکوہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں معذور رکھ کیونکہ شکوہ درد پیدا کرتا ہے، درد داغ دیتا ہے اور ہمیں داغ پسند ہے۔ تو نے ہماری اُمیدوں کا ایک جہاں خون کیا ہے۔ ہم تجھ سے اس کا خوں بہا نہیں مانگتے کیونکہ ہم جو تجھ سے شکوہ کرتے ہیں اور اس وقت جو تیرا خیال آتا ہے وہ ہمیں داغ کی دولت دیتا ہے۔ اس طرح ہمیں خوں بہا مل جاتا ہے۔

عرضِ دردِ بے وفائی، وحشتِ اندیشہ ہے
خوں ہوا دل تا جگر یارب زبانِ شکوہ لال

تمہاری بے وفائی نے ہمارے دل وجگر میں جو درد پیدا کیا ہے اس کے اظہار کی بات سوچنے ہی سے فکر وذہن میں وحشت پیدا ہوتی ہے۔ اتنا زیادہ درد کہاں تک بیان کریں گے دل سے جگر تک سب خون ہوگیا۔ کیا اچھا ہو کہ شکوہ کرنے والی زبان گونگی ہو جائے۔ لال: گونگی

اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسد
مالِ سنی کو مباح اور خونِ صوفی کو حلال

چونکہ یہ ابتدائے عمر کا کلام ہے اس وقت تک غالباً غالب سنی عقیدہ تھے۔ شیعہ مسلک تصوف کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔ غالب کہتے ہیں میں سنی ہوں صوفی ہوں میرا محبوب شیعہ ہے جفا پیشہ ہے وہ سنی کا مال اڑا لینے کو اور صوفیوں کی جان لینے کو حلال اور جائز سمجھتا ہے۔

(۱۰۷)

بہرِ عرضِ حال، شبنم ہے رقمِ ایجاد، گل
ظاہرا ہے اس چمن میں لالِ مادر زاد گل

رقم: تحریر۔ لال: گونگا۔ پھول پر شبنم کی بوندیں ایسی معلوم ہوتی جیسے صفحے پر کچھ لکھا ہو پھول ظاہرا پیدائشی گونگا ہے اس لئے اپنی حالت عرض کرنے کیلئے اس نے شبنم سے تحریر ایجاد کی یعنی لکھ کر حال پیش کیا۔

گر کرے انجام کو آغاز ہی میں یاد، گل
غنچے سے منقارِ بلبل وار ہو فریاد، گل

گل ہونا: ظاہر ہونا۔ پھول کا انجام پتیاں بکھر کر ختم ہو جاتا ہے۔ اگر پھول شروع ہی میں یعنی غنچگی کے عالم ہی میں اپنے انجام کو یاد کرے تو غنچے سے بلبل کی چونچ کی طرح فریاد ظاہر ہو غنچے کی مشابہت منقار سے ہوتی ہے۔

گر یہ بزمِ باغ کھینچے نقشِ روئے یار کو
شمع ساں ہو جائے قطِ خامۂ بہزاد گل

گل کے معنی پھول بھی ہیں اور شمع کی جلی ہوئی بتی بھی۔ یہاں اس دو معنی پن کا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اگر بہزاد کا قلم یار کو باغ کی محفل میں بیٹھا ہوا دکھائے تو اس کے اثر سے اس کے قلم کا قط یعنی نوک قلم پھول بن جائے گا جیسا کہ شمع کے ساتھ ہوتا ہے۔ شمع کے سر پر بھی گل پیدا ہو جاتا ہے۔ غالب یہ بھول گئے ہیں کہ شمع کا گل ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ قلم کی نوک کو

گل اس کی پسندیدگی کی وجہ سے کہا گیا ہے آسی نے یہ معنی بھی درج کئے ہیں کہ قطِ خامہ پر شمع کا سا گل آ جائے یعنی قلم بیکار ہو جائے کیونکہ بہزاد محبوب کا نقش کھینچنے کے نااہل ہے۔

پہلے مصرع کی شگفتہ فضا کے زیرِ نظر میں پہلی تشریح کو بہتر سمجھتا ہوں۔

دستِ رنگیں سے جو رخ پر وا کرے زلفِ رسا
شاخِ گل میں ہو نہاں جوں شانہ درشمشادِ گل

شمشاد کی لکڑی سے شانہ بنایا جاتا ہے اس لئے شانۂ شمشاد کہتے ہیں۔ اگر محبوب اپنے دستِ رنگیں سے لمبے بالوں کو چہرے پر کھول دے تو غیرت کے مارے پھول شاخِ گل میں اس طرح سما کر چھپ جائے گا جیسے شانہ شمشاد کی لکڑی کے اندر چھپا رہتا ہے۔ چونکہ شانہ وجود میں آنے سے پہلے شمشاد میں جسم رہتا ہے اس لئے گل کے شاخِ گل میں نہاں ہونے سے مراد شاخِ گل کے اندر ضم ہونا ہے لیکن اگر دستِ رنگیں پر زور دیا ہو تو نہاں ہونے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پھول شاخِ گل کے پتوں کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ اس صورت میں دستِ رنگیں کی فوقیت شاخِ گل پر اور رُخ کی فوقیت گل پر ثابت ہو جائے گی۔

سعیِ عاشق ہے فروغ افزائے آبِ روئے کار
ہے شرارِ تیشہ بہرِ تربتِ فرہاد گل

روئے کار: ریشمی یا دوسرے کپڑے کا سیدھا رُخ۔ یہاں روئے کار سے مراد قبر کا بیرونی حصہ ہے۔ عاشق نے زندگی میں جس قدر جدوجہد کی ہے اسی کے تناسب سے اس کی قبر پر چمک اور روشنی ہوتی ہے یعنی مرنے کے بعد اس کا احترام ہوتا ہے۔ فرہاد کے تیشے سے جو شرار نکلا وہ اس کی محنت کی نشانی ہے۔ قبر پر گل چڑھانا کسی کا احترام کرنا ہے۔ فرہاد کے تیشے کی چنگاری اس کی قبر کا پھول بنے گی یعنی فرہاد نے جو جفاکشی کی ہے اس سے اس کا احترام و وقار بہت زیادہ بڑھ گیا۔

ہے تصور صافیِ قطعِ نظر از غیرِ یار
لختِ دل سے لاوے ہے شمعِ خیال آباد گل

صافی: صاف کرنے والا۔ قطعِ نظر: نظر کا قطعِ راہ کرنا یعنی نظارہ کرنے کا عمل: خیال آباد: خیالوں کی دنیا۔ گل لانا: شمع پر گل آنا۔ آسی نے گل کے معنی پھول سمجھ کر دوسرے مصرع کو معشوق کے بارے میں قرار دیا۔ جو صحیح نہیں۔ تصور اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ نظر یار کے علاوہ کسی اور شے کو دیکھے تو تصور اس کی روک تھام کرے اور نظارے کی صفائی کرے۔ خیالوں کی دنیا

کی شمع پر جو گل ظاہر ہو رہا ہے اور جسے کاٹ کاٹ کر نکالا جا رہا ہے وہ لختِ دل ہے یعنی آنکھوں کے راستے لختِ دل نکل رہے ہیں جس سے مسلسل تزکیۂ نفس ہو رہا ہے، گویا یہ لختِ دل گُل کی طرح محض گندگی تھے۔

گلشن آبادِ دلِ مجروح میں ہو جائے ہے
غنچۂ پیکان، شاخِ ناوکِ صیاد، گل

میرا زخمی دل باغ کی طرح ہے۔ اس میں صیاد کے تیر کا پیکان اگر لگتا ہے تو یہ پیکان جو بند غنچے کی طرح ہے دل کے خون سے پھول کی طرح بن جاتا ہے۔ دل خون اور زخم کی وجہ سے گلشن سے مشابہ کہا گیا ہے۔ غنچے کی رعایت سے ناوک کو شاخ قرار دیا ہے۔

برق سامانِ نظر ہے جلوۂ بے باکِ حسن
شمعِ خلوت خانہ کیجئے ہر چہ باد اباد گل

محبوب کا بے جھجک جلوہ نظروں کو بجلی کی طرح چکا چوند کر دیتا ہے اور بجلی کی طرح گرتا ہے۔ اب جو کچھ بھی ہوا ہے، خلوت خانے کی شمع بجھا دیجئے اور برقِ حسن پر اکتفا کیجئے۔

خاک ہے عرضِ بہارِ صد نگارستاں اسدؔ
حسرتیں کرتی ہے میری خاطرِ آزاد گل

گُل کردن: ظاہر شدن۔ عرضِ بہارِ صد نگارستان: سو باغوں کی بہار کا بیان کرنا۔ اے اسد میری طبیعت خاک۔ ہنسی خوشی کے مضامین کا بیان کرتی۔ میری آزاد طبیعت تو حسرتوں کا اظہار کر رہی ہے۔ شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ خاکِ زمیں سو نگارستانوں کی بہار پیدا کرتی ہے لیکن میری طبیعت اس کے برعکس محض حسرتیں پیدا کرتی ہے۔ یہاں گل کرنے کے لفظ سے فائدہ اٹھایا ہے کہ کم از کم کہنے کی حد تک تو طبیعت حسرتوں کو گل کر رہی ہے۔

(۱۰۸)

گرچہ ہے یک بیضۂ طاؤس آسا تنگ دل
ہے چمن سرمایۂ بالیدنِ صد رنگ دل

اگرچہ دل بیضۂ طاؤس کی طرح تنگ ہے یعنی فی الحال طول ہے لیکن دل ہی کے پاس ایسے باغوں کا سرمایہ ہے جن میں سینکڑوں رنگ ہیں۔ بیضۂ طاؤس میں سے بھی طاؤس پیدا ہوتا ہے جس میں متعدد رنگ ہوتے ہیں۔

بے دلوں سے ہے تپش جوں خواہش آب از سراب
ہے شرر موہوم، اگر رکھتا نہ ہووے سنگ، دل

تڑپ اور جلن بیدل عاشقوں کی بدولت موجود ہوتی ہے جس طرح پیاس سراب کی بدولت ہوتی ہے اگر پانی موجود ہو تو پیاس کیونکر رہ سکتی ہے۔ عاشق بے دل بڑے جیالے ہوتے ہیں وہ بلائیں اس طرح برداشت کرتے ہیں جیسے ان کے دل کی جگہ پتھر ہو۔ اگر دل میں پتھر نہ ہو تو چنگاری بھی نہیں نکل سکتی یعنی جفاکش دل نہ ہو تو تڑپ کس طرح ہو سکتی ہے۔

اس شعر کے ایک اور معنی بہت صاف ہیں۔ بے دل عاشقوں سے تپش کا مطالبہ اس طرح بے سود ہے جیسے سراب سے پانی کی خواہش کرنا۔ اگر کوئی پتھر دل نہ رکھتا ہو تو اس میں شرر بھی موجود نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی انسان دل نہیں رکھتا تو اس میں تپش کی چنگاری بھی نہ ہوگی۔ اس تشریح میں آخر تھا جر ہوگی تر ہوتی "اگر سنگ، دل نہ رکھتا ہو" پہلی تشریح میں ترتیب اُلٹ کر یوں فرض کی گئی تھی اگر "دل، سنگ نہ رکھتا ہو۔

رشتۂ فہمیدِ ممسک ہے یہ بند کوتہی عقدۂ سیال ہے کیسۂ زرِ پرخیالِ تنگ دل

تنگ دل: کنجوس، ممسک۔ کنجوس آدمی کی عقل کا دھاگا کوتاہ ہوتا ہے۔ یعنی عقل کم ہوتی ہے۔ اس کا خیال روپے کی تھیلی پر گرہ لگائے رہتا ہے تاکہ روپیہ محفوظ رہے اور اس تھیلی میں سے نکل نہ سکے۔ لیکن کوئی رشتہ گرہ لگاتا ہو تو اس کی لمبائی کم ہو جائے گی۔ کنجوس آدمی صرف روپے کے بارے میں سوچتا ہے اس لئے بقیہ سب امور میں وہ ناسمجھ ہو جاتا ہے۔

ہوا زیا افتادۂ اندازِ یادِ حسنِ سبز
کس قدر ہے نشہ فرسائے خمارِ بنگِ دل

سبز رنگ ملیح سانولے رنگ کو کہتے ہیں۔ حسن سبز اس حسن کو کہیں گے جس کا رنگ قدرے سانولا ہو۔ اُردو میں کالا رنگ اور نیلے رنگ کیلئے سبز آتا ہے زیا افتادہ کے معنی ہیں گرنا۔ مجھے سانولے حسن کی اداؤں کی یاد نے بالکل چت گرا دیا ہے۔ دلِ بھنگ کے خمار سے کتنا زیادہ نشے میں ہو گیا ہے۔ یادِ حسن میں نشے کی کیفیت ہوتی ہے۔ چونکہ حسن کو سبز کہا ہے اس لئے اسے بھنگ سے تشبیہ دی ہے کیونکہ بھنگ سبز رنگ کی ہوتی ہے۔ اس حسن کی یاد اس طرح پاؤں سے گھسیٹ کر گرا دیتی ہے جیسے نشے میں ہوا کرتا ہے۔

شوقِ بے پروا کے ہاتھوں شُغلِ سازِ نادرست کھینچتا ہے آج نالے خارج آہنگ، دل

جذبۂ عشق بے پروا کی وجہ سے میں عجیب بھونڈے طریقے سے نالے کر رہا ہوں۔ چونکہ شوقِ عشق لاابالی ہوتا ہے۔ اسے نالوں کے تال سُر سے کیا واسطہ۔

اے اسدؔ، خامش ہے طوطیِ شکر گفتارِ طبع
ظاہرا رکھتا ہے آئینہ اسیرِ زنگ، دِل

میری طبیعت میٹھی باتیں کرنے والی طوطی تھی لیکن آج خاموش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کے پاس جو آئینہ ہے اس پر زنگ لگ گیا ہے۔ لوہے کے آئینے پر زنگ لگتا ہے۔ زنگ لگنے کے بعد آئینہ ناصاف ہو جائے گا۔ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر بولنا سکھلاتے تھے جب آئینہ زنگ خوردہ ہوگا تو اس کے سامنے طوطی شکر گفتار نہیں ہو سکتی۔

(۱۰۹)

دیوانگاں کا چارہ فروغِ بہار ہے
ہے شاخِ گل میں پنجۂ خوباں بجائے گل

دیوانے عاشقوں کا علاج بہار کے بڑھنے میں ہے یعنی یہ کہ جگہ جگہ پھول کھلیں، شاخِ گل میں جو پھول ہیں وہ حسینوں کے ہاتھ کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ دیوانوں کو حسینوں کا جلوہ دیکھنے سے راحت ہوگی اس لئے جتنے بھی پھول کھلیں گے ان کے حق میں اچھا ہے

مژگاں تلک رسائیِ لختِ جگر کہاں؟
اے وائے، اگر نگاہ نہ ہو آشنائے گل

روتے وقت جگر کے ٹکڑے آنسوؤں کے ساتھ پلک تک نہیں آتے۔ افسوس اگر نگاہ پھولوں سے آشنا نہ ہو۔ میرے لئے لختِ جگر ہی پھول تھے۔ نگاہ انہیں سے محروم ہے۔

(۴)

(۱۱۰)

اثر کمندیِ فریادِ نارسا معلوم
غبارِ نالہ، کمیں گاہِ مدعا معلوم

اس پوری غزل میں "معلوم" نفی کے معنی کے ہیں۔ اثر کمندی: اثر کو گرفتار کرنا۔ کمیں گاہِ مدعا: مدعا کو پکڑنے کی گھات لگانے کی جگہ یعنی مدعا حاصل کرنا۔ ہماری فریاد نارسا ہے یہ کبھی اثر نہ کرے گی۔ ہمارا نالہ کبھی مدعا برآری نہ کرا سکے گا۔

بہ قدرِ حوصلۂ عشق جلوہ ریزی ہے
وگرنہ خانۂ آئینہ کی فضا معلوم

خانۂ آئینہ: آئینے کے اندر گہرائی اور خلا سے جو گھر دکھائی دیتا ہے۔ حسن عشق کے حوصلے کے مطابق جلوہ کی بارش کرتا ہے۔ آئینہ کے گھر کی گہرائی اور فضا کی وسعت کچھ بھی نہیں لیکن چونکہ آئینے میں عشق کا بڑا حوصلہ ہے یعنی مسلسل محبوب کو دیکھتے رہنا چاہتا ہے اسی لئے محبوب بھی اس پر خوب جلوہ کی بارش کرتا ہے۔ آئینے کے سامنے محبوب کا آنا آئینہ پر جلوہ ریزی ہے۔

بہار در گرہِ غنچہ، شہر جولاں ہے
طلسم ناز بجز تنگیٔ قبا معلوم

غنچے کی نسبت کھلا ہوا پھول زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ پنکھڑیوں کا سیدھا اور زیادہ رنگین رُخ غنچے میں سمٹا ہوا ہے گویا بہار غنچے کی گرہ میں بند ہے۔ شہر میں جابجا یہ کثرت کلیاں آئی ہوئی ہیں گویا بہار غنچے میں بند ہو کر سارے شہر کی سیر کر رہی ہے۔ بہار نے اپنے ظہور کیلئے تنگ مقام (گرہِ غنچہ) کو پسند کیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ فیشن پرست اور ناز کرنے والے لڑکے چست لباس اور تنگ قبا پہنتے ہیں۔ ڈھیلے لباس میں نمودِ حسن نہیں کرتے۔

طلسمِ خاک، کمیں گاہِ یک جہاں سودا
بہ مرگ، تکیۂ آسائش فنا معلوم

طلسم خاک: دنیا۔ کمیں گاہِ یک جہاں سودا: ایسی کمیں گاہ جو بہت سارے سودا کو شکار کرے یعنی سودا کا مقام دنیا سودا کی تحصیل کا مقام ہے اسی لئے مرنے کے بعد بھی آرام نہ مل سکے گا۔ آرام کی انتہا فنا ہے اور آرام کا آلہ تکیہ۔ اسی لئے فنا کو تکیۂ آسائش کہا ہے لیکن چونکہ طلسم خاک میں سودا بھرا ہوا ہے اور مرنے کے بعد خاک ہی میں جانا ہے یعنی طلسمِ خاک سے باہر نہیں جا سکتے اس لئے بجائے آسائش کے سودا ہی ملے گا۔

تکلف آئینۂ دو جہاں مدارا ہے
سُراغِ یک نگہ قہر آشنا معلوم

اگر کسی کے پاس جائیے اور وہ شروع ہی میں تکلف سے بات چیت کرے تو یہ اس بات کا آئینہ ہے کہ وہ آپ کی بہت خاطر مدارات کرے گا۔ تکلف مدارات کا سراغ دیتا ہے۔

لیکن کسی کی قہر آلودہ نگاہ کو سراغ کون سا ہوتا ہے کسی کو معلوم نہیں جس طرح خاطر تواضع کا پیش خیمہ تکلف ہے۔ اسی طرح قہر و غضب کا پیش خیمہ بھی کچھ ہے کہ نہیں؟

اس شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ لوگ ظاہراً تکلف کے زیرِ اثر دنیا بھر کی خاطر مدارات کرتے ہیں لیکن دراصل ان کی نگاہ قہر آشنا ہوتی ہے یعنی دل میں کینہ رکھتے ہیں۔ ان کی ظاہری مدارات میں نگاہِ قہر کا سراغ کیونکر لگایا جا سکتا ہے۔

اسد فریفتۂ انتخابِ طرزِ جفا
وگرنہ دلبریِ وعدۂ وفا معلوم

وعدۂ وفا میں ہمارا دل موہنے والی کوئی بات نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ وفا ہرگز نہ کریں گے۔ اس کے باوجود بھی وعدۂ وفا پسند ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ جفا کے لئے اس طریقے کے انتخاب کو ہم پسند کرتے ہیں۔

(۱۱۱)

لبکہ ہیں بدمستِ بشکن بشکنِ میخانہ ہم
موئے شیشہ کو سمجھتے ہیں خطِ پیمانہ ہم

بشکن بشکن: بڑا جشن جس میں اسبابِ رقص و رنگ و نغمہ وغیرہ جمع ہوں۔ ہم میخانے کے جشن کی وجہ سے بدمست ہیں اگر بوتل میں کوئی بال بھی پڑ جاتا ہے تو بھی ہم اس کی پروا نہیں کرتے اسے جام کے اندر والے خط کی طرح سمجھتے ہیں اور نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بشکن کے لغوی معنی ہیں "توڑ" اسی کا نتیجہ موئے شیشہ ہوگا۔ جام میں خط جامِ جم کی خصوصیت تھی اب ہر جام کے لئے لایا جاتا ہے۔

لبکہ ہر یک موئے زلف "افشاں سے" ہے تارِ شعاع
پنجۂ خورشید کو سمجھے ہیں دستِ شانہ ہم

افشاں: گوٹے یا تعیش کی باریک کترن جو آرائش کیلئے زلفوں پر چھڑکی جاتی ہے۔ دستِ شانہ: دست شانہ بغیر اضافت ایک قسم کا شانہ ہوتا ہے جس سے الجھے ہوئے ریشم کو سلجھاتے ہیں۔ یہاں شانے کا ہاتھ یعنی دانتے مراد ہیں۔ افشاں کی وجہ سے اس کی زلف کا ہر بال کرن معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم شعاع دار سورج کے پنجے کو محبوب کی زلفوں کا شانہ سمجھ بیٹھے۔

ہے فروغِ ماہ سے "ہر موج" ایک تصویرِ چاک
سیل سے "فرشِ کتاں کرتے ہیں تا ویرانہ ہم

کتاں ایک روایتی باریک کپڑا ہے جو چاند کی کرنوں سے پھٹ جاتا ہے۔ پانی کی موجیں بھی ایک دوسرے سے پھٹی پھٹی رہتی ہیں۔ یہ عام طور سے معلوم ہے کہ چاندنی سے مدوجزر آتا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ سیلاب آیا ہوا ہے۔ اس پر چاند کا عکس پڑا تو ہر موج چاک چاک دکھائی دینے لگی اس طرح ہم اپنے گھر سے ویرانے تک فرشِ کتاں بچھا دیتے ہیں۔ یہ فرشِ کتاں کون سا ہے؟ سیلِ امواج جو تباہی کا پیش خیمہ ہے یا پھر آنسوؤں سے سیل برپا ہے۔

مشقِ از خود رفتگی سے ہیں بہ گلزارِ خیال
آشنا تعبیرِ خوابِ سبزۂ بیگانہ ہم

سبزۂ بیگانہ وہ سبزہ ہے جو تراشنے کے قابل ہو۔ خیالات کے باغ میں ہم نے کھو جانے اور از خود رفتہ ہونے کی مشق کی۔ اس طرح ہم سبزۂ بیگانہ کے خواب کی تعبیر سے واقف ہو گئے ہیں۔ خوابِ سبزہ مشہور ہے۔ ہمارے از خود رفتہ ہونے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ کوئی ہمارے دردِ دل پر توجہ نہیں کرتا۔ یہی کیفیت سبزۂ بیگانہ کی ہے کہ کوئی اس کا آشنا نہیں۔

فرطِ بے خوابی سے ہیں شبہائے ہجرِ یار میں
جوں زبانِ شمع، داغِ گرمیِ افسانہ ہم

ہمارے افسانے یعنی رودادِ سرگذشت میں بڑی گرمی تھی۔ ہمیں اس گرمی کا شکوہ ہے اس کی وجہ سے ہجر کی راتوں میں ہم پڑے جاگتے رہتے ہیں۔ شمع کی زبان بھی اپنے افسانے کی گرمی سے جل کر محض داغ ہو جاتی ہے۔ ہم بھی اسی کی طرح جل رہے ہیں اور بے خواب ہیں۔

جانتے ہیں جوششِ سودائے زلفِ یار میں
سنبلِ بالیدہ کو موئے سرِ دیوانہ ہم

ہمیں زلفِ یار کا سودا ہے ہمیں سنبل خوش نما زلف کی طرح نہیں معلوم ہوتا بلکہ زلفِ یار کے مقابلے میں کسی دیوانے کے سر کے الجھے ہوئے بال کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

بسکہ وہ چشم و چراغِ محفلِ اغیار ہے
چپکے چپکے جلتے ہیں جوں شمعِ خلوت خانہ ہم

وہ محبوب غیروں کی محفل کی رونق بنا ہوا ہے۔ اس کے غم میں ہم اکیلے کمرے میں خلوت خانے کی شمع کی طرح خاموشی سے جل رہے ہیں۔

شامِ غم میں سوزِ عشقِ آتشِ رخسار سے
پرفشانِ سوختن ہیں صورتِ پروانہ ہم

آتشِ رخسار: سرخ گالوں کی تمتماہٹ۔ پرفشاں: پرواز کرنا۔ ہجر کی رات میں ہمیں محبوب کے تمتماتے گال یاد آرہے ہیں جس طرح پروانہ اڑ کر شمع کی طرف جاتا ہے اور جل جاتا ہے اسی طرح ہم بھی جل اٹھنے کا سامان کر رہے ہیں۔

(۱۱۷)

رہتے ہیں افسردگی سے سخت بے دردانہ ہم
شعلہ ہا نذرِ سمندر، بلکہ آتش خانہ ہم

افسردگی کی وجہ سے ہم خود پر بڑی سختیاں کرتے ہیں۔ ہماری حالت ایسی ہے جیسے شعلوں میں گھرا سمندر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ہم سراپا آتش کدہ بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے مصرع کی نثر ہے "ہم شعلہ ہا نذرِ سمندر (ہیں) بلکہ آتش خانہ (ہیں)"

حسرتِ عرضِ تمنایاں سے سمجھا چاہیئے
دو جہاں حشر زبانِ خشک ہیں جوں شانہ ہم

دو جہاں حشر: بہت زیادہ بے تابی۔ زبانِ خشک: نہ بول سکنے کی علامت ہے۔ ہم محبوب کے حضور اپنی تمنا عرض کرنا چاہتے ہیں اس کی حسرت کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ شانے کی طرح ہماری زبان خشک ہے یعنی بول نہ سکنے کی وجہ سے یہ حال ہوا ورنہ بولنے کے لئے بڑی بے قراری ہے۔ شانے کے بہت سی زبانیں ہوتی ہیں لیکن خشک یعنی وہ بھی بولنے کے لئے تڑپتا ہے۔

کشتیِ عالم بہ طوفانِ تغافل دے کہ ہیں
عالمِ آبِ گدازِ جوہرِ افسانہ ہم

آئینہ بھی پگھل سکتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا جوہر بھی۔ گدازِ جوہرِ افسانہ: افسانے کے جوہر کا پگھلنا۔ عالمِ آبِ گدازِ جوہرِ افسانہ: افسانے کے جوہر کے پگھلے ہوئے پانی کی دنیا۔ گداز درد و سوز کو بھی کہتے ہیں۔ افسانے کے درد و سوز کی دنیا یعنی درد و سوز سے بھرا ہوا افسانہ اے محبوب تو دنیا کی کشتی طوفانِ تغافل میں چھوڑ دے کیونکہ صرف ہمارے افسانے میں سوز و گداز ہے۔ بالفاظِ دیگر اے محبوب تو صرف ہماری قدر کر کیونکہ ہمارے عشق میں خلوص اور سوز ہے۔ باقی اہلِ عالم کی طرف توجہ نہ کر۔ طوفان اور آبِ گداز میں رعایت ہے۔

وحشتِ بے ربطیِ پیچ و خمِ ہستی نہ پوچھ
ننگِ بالیدن ہیں، جوں موئے سرِ دیوانہ ہم

ہستی میں بڑے پیچ و خم ہیں بڑی بے ربطی ہے ایک وحشت کا عالم ہے۔ ہستی کی بے ربطی کا ایک نمونہ ہم ہیں۔ جیسے دیوانے کے سر کے بال اُلجھے اُلجھے گندے ہوتے ہیں اسی طرح ہم بھی ننگِ ہستی ہیں۔

(۱۱۳)

ازانجا کہ حسرت کشِ یار ہیں ہم
رقیبِ تمنائے دیدار ہیں ہم

ازانجا: اس وجہ سے۔ غالب رشک کے مضامین کے لئے مشہور ہیں۔ یہ شعر بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ ہمیں یار سے ملنے کی حسرت ہے۔ چاہتے ہیں کہ ہمارے سوا اور کوئی یار کا نہ ہو۔ ہمارے دل میں تمنائے دیدارِ یار ہے چونکہ اس تمنا کا تعلق یار سے ہے اس لئے ہم اسے اپنا رقیب سمجھنے لگے ہیں۔

رسیدن گُلِ باغِ واماندگی ہے
عبث محمل آرائے رفتار ہیں ہم

منزل پر پہنچنا تھکن کے باغ کا پھول ہے یعنی تھکن پیدا کرنے والا ہے یا تکان کی انتہا ہے۔ پھر ہم بیکار ہی محوِ رفتار ہیں۔ جس کام کا نتیجہ تھکن ہو اس سے فائدہ؛ پہلے مصرع میں ایک لطیف معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ منزل پر پہنچ کر ٹھہر جانا ایک قسم کی تھکن ہے۔ تھکن میں آدمی چلنے سے گھبراتا ہے۔ مکمل قطعِ رفتار مکمل واماندگی ہوگی اسی لئے گرمیِ رفتار بے کار ہے۔ اس تشریح میں رفتار سے مراد زندگی اور رسیدن سے مراد موت ہے۔

نفس ہو نہ معزولِ شعلہ دُرودن
کہ ضبطِ تپش سے شرر کار ہیں ہم

شعلہ درودن: شعلہ کی فصل کاٹنا۔ شرر کار: شرر بونے والا۔ ہم نے تڑپ اور سوز کو ضبط کر کے سینے میں شرر بویا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم شعلے کی کھیتی کاٹیں گے۔ شعلوں کی یہ پیداوار ہمارے سانس کو بیرطرف نہ کردے یعنی شعلوں کی شدت سے کہیں جان ہی نہ جاتی رہے۔

تغافل کمیں گاہِ وحشت شناسی
نگہبانِ دل ہائے اغیار ہیں ہم

محبوب کا تغافل دراصل ایسی کمیں گاہ ہے جس میں بیٹھ کر وہ عاشقوں کی وحشت کا پتہ چلانا چاہتا ہے۔ یعنی تغافل کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ تغافل کے اثر سے کس کس کے دل میں وحشت پیدا ہوتی ہے جس کے دل میں وحشت ہوگی وہ عاشقِ صادق سمجھا جائے

گا۔ ہم رقیبوں کے دل کی نگہبانی کر رہے ہیں کہ کہیں ان میں وحشت کے آثار تو نہیں پیدا ہوئے اگر ایسا ہوا تو وہ بھی معتبر سمجھے جائیں گے۔

تماشائے گلشن، تمنائے چیدن

بہار آفرینا، گنہ گار ہیں ہم

اے خدا ہم گلشن کو دیکھتے ہیں اور پھول توڑنے کی خواہش بھی کرتے ہیں۔ اے بہار کو پیدا کرنے والے واقعی ہم گنہ گار ہیں۔ کمال کا شعر ہے کس خوبی سے عذر پیش کیا ہے۔ خالقِ گلشن پر سارا الزام ڈال دیا ہے کہ تو نے باغ و بہار کیوں پیدا کئے۔ اب کسی کا دیکھنے اور چننے کو جی چاہے تو قصور اس کا ہے یا تیرا؟

نہ ذوقِ گریباں، نہ پروائے داماں

نگہ آشنائے گل و خار ہیں ہم

ہمیں نہ گریباں بچا کر رکھنے کا شوق ہے نہ دامن کی پروا ہے کیونکہ ہم گل اور خار کی نگاہ پہچانتے ہیں۔ گل یہ کہہ رہا ہے کہ کاہے کو گریباں کی فکر کرتے ہو آخر کار یہ چاک ہونا ہی ہے۔ خار یہ کہہ رہا ہے کہ دامن کی لاکھ پروا کرو میں اس میں اُلجھ کر رہوں گا۔

اسدؔ شکوہ کفر و دعا ناسپاسی

ہجومِ تمنا سے ناچار ہیں ہم

اسدؔ میری تمنائیں بہت زیادہ ہیں۔ کچھ تمنائیں پوری ہو چکی ہیں اس لئے اُن سے خدا سے شکوہ کرنا کفر ہے اور مزید مقصد برآری کیلئے دُعا مانگنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جو کچھ مل چکا ہے اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ میں ان الزاموں کیلئے تیار ہوں کیونکہ میری آسودہ تمناؤں کے مقابلے میں ناآسودہ تمنائیں بہت زیادہ ہیں۔

(۱۱۴)

جس دم کہ جادہ وار ہو تارِ نفس تمام

پیمائشِ زمینِ رہِ عمر بس تمام

سانس کا تار راستے کی طرح ہے۔ چلتے چلتے راستہ ختم ہو جاتا ہے تو کام تمام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفس کے تار کا پورا ہونا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر کے راستے کی پیمائش پوری ہو گئی یعنی سانس کا پورا ہونا راہِ عمر کا پورا ہونا ہے۔

کیا دے صدا اِک کلفتِ گم گشتاں سے آہ ہے سرمہ گردِ رہ، بہ گلوئے جرس تمام

سرمہ بہ گلو ہونا آواز کا ختم ہو جانا ہے۔ قافلے کے کچھ لوگ راستے میں کھو گئے ہیں۔ قافلے کے ساتھ جرس بجتا چلتا ہے لیکن چونکہ کچھ لوگ گم ہو گئے ہیں تو ان کے غم میں وہ خاموش ہے۔ راستے کی گرد نے جرس کیلئے سرمے کا کام کیا۔ یہ محض شاعرانہ خیال ہے۔ کہنا صرف یہی ہے کہ گم کردہ راہ لوگ ایسے بیش بہا تھے کہ جرس بھی ان کے بچھڑ جانے کا غم کر رہا ہے۔

ڈرتا ہوں کوچہ گردیِ بازارِ عشق سے

ہیں خارِ راہ، جوہرِ تیغِ عسس تمام

میں عشق کی کوچہ گردی سے گھبراتا ہوں کیونکہ اس کے راستے کے کانٹے، کوتوال کی تلوار کے جوہر کی طرح آزار رساں ہیں یعنی عشق کا راستہ بہت بلاؤں سے بھرا ہوا ہے۔ جوہر لکیر کی طرح ہوتا ہے اس لئے خار سے مشابہ ہے۔

اے بالِ اضطراب، کہاں تک فسردگی

یک پر زدن تپش میں ہے، کارِ قفس تمام

اے میرے بے چینی کے پر تو کہاں تک افسردہ و بے جان بیٹھا رہے گا۔ ایک بار تڑپ کر پر چلانے میں قفس کا کام تمام ہو جائے گا یعنی قفس ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ یعنی اگر میں تڑپ کر کوشش کروں تو قفس بھی مجھے قید رکھنے میں ناکام رہ جائے گا۔

گزرا جو آشیاں کا تصور بہ وقتِ بند

مژگانِ چشمِ دام ہوئے، خار و خس تمام

میں جال میں پھنسا ہوا تھا۔ آس پاس کانٹے اور تنکے پڑے تھے۔ ایسے میں میں نے اپنے گھونسلے کا خیال کیا۔ خار و خس جال کی آنکھ میں پلک کی طرح ہو گئے۔ حلقۂ دام آنکھ کی طرح ہوتا ہے اور خار و خس پلک سے مشابہ ہوتے ہیں آنکھ اور پلک کا کام بصارت دینا ہے۔ خار و خس نے بھی میری چشمِ تصور کو مدد دی۔ یعنی خار و خس کو دیکھ کر آشیاں کی تصویر سامنے آگئی۔ آشیاں تنکوں ہی سے تو بنتا ہے۔

کرنے نہ پائے ضعف سے شورِ جنوں اسدؔ

اب کے، بہار کا یوں ہی گزرا برس تمام

عاشق کو جنوں میں پھرنا اور شور کرنا پسند ہے لیکن اس سال کی بہار میں اتنی کمزوری غالب تھی کہ اے اسد ہم اپنا مرغوب کھیل نہ کھیل سکے۔

(ن)

(۱۱۵)

خوش وحشتے کہ عرضِ جنونِ فنا کروں

جوں گردِ راہ، جامۂ ہستی قبا کروں

جامہ قبا کرنا: جامہ چاک کرنا۔ وہ وحشت کتنی اچھی ہے کہ جب میں فنا کا جنون پیش کروں یعنی جنون میں فنا ہو جاؤں اور اپنی ہستی کو گرد کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔

گر بعدِ مرگ وحشتِ دل کا گلہ کروں

موجِ غبار سے پرِ یک دشت وا کروں

اگر میں مرنے کے بعد وحشتِ دل کی شکایت کروں کہ زندگی بھر اس نے پریشان رکھا تو اس شکایت کے اظہار کی یہ صورت ہوگی کہ مرنے کے بعد میرا جسم خاک ہو جائے گا اور اس کی گرد اس طرح اڑی اڑی پھرے گی جیسے گرد کا پورا جنگل اڑ رہا ہو۔ وحشت میں دشت میں گرد اڑائی جاتی ہے اس لئے وحشت کا بیان کرنے کی بھی یہ صورت ہے کہ اپنی مٹی ایسے اڑے جیسے خاک کا جنگل پر کھول کر اڑ رہا ہے۔ شکایت سے دل میں غبار بھی آجاتا ہے۔ شاید موجِ غبار میں یہ اشارہ بھی موجود ہو کہ گلہ کی افراط غبار بن کر ظاہر ہو گئی۔

آ اے بہارِ ناز کہ تیرے خرام سے

دستار، گردِ شاخِ گلِ نقشِ پا کروں

دوسرے مصرع سے تین مفہوم نکل سکتے ہیں۔ اے محبوب تو خرام کرکے آتا کہ (۱) میں تیرے نقشِ پا کے چاروں طرف اپنی دستار رکھ دوں۔ دستار زمین پر رکھنا فرطِ عاجزی ہے۔ (۲) دستار میں پھول لگانا آرائشِ دستار ہے۔ تیرا نقشِ پا پھول کی طرح ہے میں دستار کو اس کے پاس لے جاتا ہوں تاکہ اسے چھو کر میری دستار میں گل آجائے۔ گل کون سا ہے؟ نقشِ پا کا۔ (۳) کسی شیخ، پیر یا بزرگ کی دستار بندی کی جاتی ہے۔ تیرا نقشِ پا بھی اتنا ہی بزرگ ہے اس کے گرد میں دستار باندھوں گا۔

خوش افتادگی کہ بہ صحرائے انتظار

جوں جادہ، گردِ رہ سے نگہ سرمہ سا کروں

افتادگی: عاجزی۔ سرمہ سا: سرمہ لگانے والی۔ وہ عاجزی کتنی اچھی ہے کہ انتظار

کے جنگل میں راہ پر مسلسل نظر گڑائے رہوں۔ میری آنکھوں میں گردِ راہ کا سرمہ لگ جائے اور اس سرمے سے میری نگاہ اسی طرح گرد آلود ہو جائے جیسے کہ راستہ ہوتا ہے۔ یعنی محبوب کے انتظار میں سرِ راہ بیٹھے ہیں اور دھول پھانک رہے ہیں۔ حالات پر اختیار نہیں۔ محبوب کا آنا اپنے بس میں نہیں لیکن راہِ محبوب کی گرد تو آنکھ کا سرمہ بن گئی ہے۔ اس لئے یہ عدم استطاعت کتنی اچھی ہے۔

صبر اور یہ ادا کہ دل آوے اسیرِ چاک
درد اور یہ کمیں کہ رہِ نالہ وا کروں

مجھے صبر کہاں۔ صبر نے تو یہ حال کر رکھا ہے کہ دل کو چاک میں اسیر کر دوں یعنی دل چاک چاک ہو جائے یہ اسی وقت ہوگا جب صبر نے مُنہ موڑ لیا ہوگا۔ درد اس فکر میں رہتا ہے کہ میں نالہ کرنے لگوں۔ گویا صبر نہیں ہے، درد ہے۔

وہ بے دماغِ منتِ اقبال ہوں کہ میں
وحشت بہ داغِ سایۂ بالِ ہما کروں

میں بڑا بے دماغ ہوں۔ اقبال دنیوی کا احسان نہیں لے سکتا۔ اگر ہما کا پَر مجھ پر سایہ ڈالنا چاہیئے (جو بادشاہت کی بشارت ہے) تو مجھے یہ سایہ داغ معلوم ہوگا اور میں اس سے وحشت کرکے بھاگنا چاہوں گا۔ مجھے شوکت و اقبال حتیٰ کہ بادشاہی بالکل پسند نہیں۔

وہ التماسِ لذتِ بیداد ہوں کہ میں
تیغِ ستم کو پشتِ خمِ التجا کروں

یار مجھ پر ظلم کرتا ہے تو مجھے لذت ملتی ہے اس لئے میں ہمیشہ اس سے درخواست کرتا ہوں کہ اور ظلم کر۔ ستم کرنے والی تلوار میرے لئے ایسی ہے جیسے پُشت خم کرکے قتل ہونے کی التجا کر رہا ہوں۔ اور تلوار میری التجا کی ترجمانی کر رہی ہے۔ یعنی تلوار کی ضرب کے لئے یہ اصرار التجا کر رہا ہوں۔

وہ رازِ نالہ ہوں کہ بہ شرحِ نگاہِ عجز
افشاں غبارِ سرمہ سے فردِ صدا کروں

زینت کیلئے کاغذ کو سونے، چاندی یا کسی رنگ کے پانی سے افشاں کر دیتے ہیں۔ افشاں کے نشانات غبار کہلاتے ہیں ایسے کاغذ کو افشاں غبار کہتے ہیں۔ سُرمہ آواز

کا دشمن ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نالے کا وہ راز ہوں کہ آواز کے صفحے پر سرے کا غبار چھڑکوں گا یعنی آواز نہ نکالوں گا۔ کیوں؟ عاجزی کی نگاہ کی شرح کیلئے خاموش رہنا ہی بڑی عاجزی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ عاجزی کی وجہ سے میں قطعاً نالہ نہیں کر رہا۔ بالکل خاموش ہوں۔ اپنے نالے کو میں نے راز بنا رکھا ہے۔

(۱۱۶)

آنسو کہوں کہ آہ، سوارِ ہوا کہوں
ایسا عناں گسیختہ آیا کہ کیا کہوں

عناں گسیختہ: شتاب رو، مضطرب و سراسیمہ۔ میرا آنسو ہے کہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے۔ ایسا تیزی اور اضطراب میں آیا جیسے گھوڑا لگام تڑا کر بھاگ آیا ہو۔

اقبالِ کلفتِ دلِ بے مدعا رسا
اختر کو داغِ سایۂ بالِ ہما کہوں

دلِ بے مدعا رسا: وہ دل جو مدعا تک نہ پہنچ سکے یعنی ناکام رہے۔ میں اپنے ناکام دل کے درد و مصیبت کے اقبال کا کیا بیان کروں۔ ہما کے پروں کا سایہ پڑنا بادشاہت اور اقبال کی نشانی ہوتی ہے لیکن میرے لئے سایۂ پر ہما کیا ہے؟ صرف میری قسمت کا ستارہ۔ یہ ستارہ تاریک ہے اس لئے اسے پر ہما کا سایہ بلکہ سائے کا داغ کہنا مناسب ہے۔ ظاہر ہے کہ سایۂ ہما نیچے زمین پر پڑتا ہے۔ اختر سایۂ ہما نہیں ہو سکتا گویا اخترِ سیاہ کے علاوہ اور کوئی داغِ سایۂ ہما میرے پاس نہیں یعنی سایۂ ہما میری قسمت میں ہے ہی نہیں۔ صرف ایک کالا تارہ ہے اسے جو کچھ بھی سمجھ لیجئے۔

مضمونِ وصل ہاتھ نہ آیا، مگر اسے
اب طائرِ پریدۂ رنگِ حنا کہوں

مہندی کا رنگ کچھ عرصہ کے بعد اُڑ جاتا ہے۔ غالب اسے طائرِ پریدہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مجھے محبوب کا وصال نصیب نہ ہو سکا۔ یہ ایسے پرندے کی طرح ہے جو ہاتھ سے اُڑ گیا ہو۔ پرندہ بھی رنگِ حنا کا جو واقعی ہاتھ سے اُڑتا ہے۔

در دیدنِ دلِ ستم آمادہ ہے محال
مژگاں کہوں کہ جوہرِ تیغِ قضا کہوں

محبوب کا دل ستم پر تُلا ہوا ہے۔ اس کے دل کو چرانا یا مائل کرنا ناممکن ہے۔ اس پر پلکوں کا پہرا ہے جو موت کی تلوار کا جوہر معلوم ہوتی ہیں۔ خزانے کے باہر تلوار بدست سپاہیوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ پلکوں کو جوہرِ تیغ سے تشبیہہ دینا مناسب ہے۔ ایسی خوفناک شے سے گزر کر کون دلِ محبوب کو چرانے کی ہمت کرے۔

طرز آفرینِ نکتہ سرائیٔ طبع ہے
آئینۂ خیال کو طوطی نُما کہوں

طوطی کو بولنا سکھانے کیلئے آئینے کے سامنے بٹھاتے ہیں جس میں اس کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ پیچھے ایک آدمی بیٹھ کر بولتا ہے اور طوطی سمجھتی ہے کہ طوطیٔ آئینہ بول رہی ہے۔ اس طرح طوطی کو نکتہ سرائی کی طرز سکھا دی جاتی ہے۔ آئینۂ خیال شاعر کی طبیعت کو طرح طرح کی نکتہ سرائی کے طریقے سکھاتا ہے اس لئے اسے بھی طوطی نما کیوں نہ کہا جائے۔ یعنی تخیل شاعر کو نکتہ آرائی کی ترتیب دیتا ہے۔

غالب ہے رتبۂ فہم تصور سے کچھ پرے
ہے عجزِ بندگی، کہ علی کو خدا کہوں

اس شعر میں حضرت علیؓ کے مرتبے میں عجیب مبالغہ کیا ہے۔ کہتے ہیں غالب حضرت علیؓ کا مرتبہ میرے تصور کی سمجھ سے کہیں آگے ہے۔ اگر میں ان کو خدا کہتا ہوں تو یہ ان کے واقعی مرتبے میں کمی ہے۔ میری بندگی کا عجز و قصور ہے کہ میں خدا سے بڑی کسی ذی مرتبہ ذات کا تصور نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے صلاحیت ہوتی تو میں ان کے صحیح مرتبے کا درک کر سکتا جو یقیناً خدا سے کچھ بلند ہے۔

(۱۱۷)

کسو کو زخود رفتہ کم دیکھتے ہیں
کہ آہو کو پابندِ رم دیکھتے ہیں

سچی بات یہ ہے کہ کوئی بھی صحیح معنی میں از خود رفتہ نہیں۔ ہر شخص کو ہوش ہے ہر شخص رسم و رواج یا کسی اور طرح کی قید میں بند ہے اور شعوری طور پر ان کی پابندی کرتا ہے۔ ظاہرا ہرن ہر وقت بھاگتا پھرتا ہے لیکن وہ بھی رمیدن یعنی بھاگ دوڑ کا پابند ہے یعنی ایک مقررہ اصول کی ضابطے کے ساتھ پابندی کرتا ہے اس لئے وہ زخود رفتہ نہ ہوا۔

خطِ لختتِ دل یک قلم دیکھتے ہیں مژہ کو جواہر رقم دیکھتے ہیں

یک قلم : بالکل، قطعی۔ آنسوؤں میں ہم لختِ دل کی لکیر دیکھتے ہیں یعنی آنسوؤں کے ساتھ دل کے ٹکڑے آکر پلکوں پر رک جاتے ہیں۔ اس طرح ہماری پلک صحیح معنی میں جواہر رقم ہوگئی ہے جواہر رقم خوشنویسوں کو خطاب یا لقب دیا جاتا ہے یعنی ان کی لکھائی جواہر کی طرح چمکتی ہے۔ پلکوں پر لختِ دل جواہر کی طرح ہے اس لئے پلک جواہر رقم ہوئی۔

(۱۱۸)

آئینہ دام کو سبزے میں چھپاتا ہے عبث
کہ پری زاد نظر قابلِ تسخیر نہیں

پریوں اور جنوں کو تسخیر کرکے شیشے میں بند کردینا پرانی روایت ہے۔ اس شعر میں نظر کو پری زاد سے تشبیہہ دی ہے۔ آئینے پر جب نظر ڈالتے ہیں تو گویا نظر آئینے میں پھنس جاتی ہے لیکن جوں ہی ہم نظر ہٹاتے ہیں تو وہ آزاد ہوجاتی ہے۔ اس طرح یہ طے ہوگیا کہ نظر آئینے کے لئے قابلِ تسخیر نہیں۔ آئینے کی کوشش یہی رہتی ہے کہ وہ دیکھنے والے کی نظر کو اپنا پابند کرکے رکھے۔ اس طرح آئینہ نظر پہ دام پھینکتا ہے۔ یہ دام جوہرِ سبز میں پوشیدہ ہے تاکہ نظر اس کی طرف آنے میں پس و پیش نہ کرے۔ جوہرِ آئینہ کی مماثلت دام سے ہوتی ہے اور زنگار کے سبب یہ سبزی مائل ہوجاتا ہے۔

مثلِ گل، زخم ہے میرا بھی سناں سے توام
تیرا ترکش ہی کچھ آبستنیِ تیر نہیں

تیر کا ظرف بننا شان کی بات ہے۔ محبوب کو فخر ہوسکتا ہے کہ اس کا ترکش تیر سے حاملہ ہے یعنی ایسے رحم کی طرح ہے جس میں تیر کا جنین موجود ہے۔ کہتے ہیں میرا زخم بھی تیری سناں کے ساتھ جڑواں بچے کی طرح چپکا ہوا ہے بالکل اسی طرح جیسے پھول زخمی ہوتا ہے اور اس کے نیچے کا ڈنٹھل یا شاخ اس کے سناں کی طرح چبھی ہوتی ہے۔ آبستنی : حاملہ

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا، غالب
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

گلشنِ کشمیر میں جو فرحت، تازگی اور دل کشی ہے وہی میر کے اشعار میں ہے۔

(۱۱۹)

جس جا کہ پائے سیلِ بلا درمیاں نہیں
دیوانگاں کو واں ہوسِ خانماں نہیں

دیوانے اپنا مکان صرف اس جگہ بنانا چاہیں گے جہاں سیلاب کے آنے کا امکان ہو۔ تاکہ وہ مکان کی بنیاد کو گرا سکے۔ آخر دیوانوں کو ویرانی عزیز ہے جس جگہ مصیبتوں کے ریلے کا امکان نہ ہو وہاں دیوانے مکان بنانا پسند نہ کریں گے۔ وہ مصائب پسند ہیں۔

کس جرم سے ہے چشم تجھے حسرتِ قبول
برگِ حنا مگر مژہ خوں فشاں نہیں

چشم: توقع۔ مگر: سوائے۔ شعر کی نثری ترتیب کچھ پھیلا کر یوں ہوگی: "اے دوست تجھے کس جرم سے حسرتِ قبول کی چشم ہے۔ برگِ حنا خوں فشاں مژہ کے علاوہ اور کچھ نہیں"۔ زار زار رونے والی پلکوں سے خون ٹپکتا ہے۔ برگِ حنا کو کوٹ لیا جائے تو وہ سرخ رنگ ٹپکانے لگتا ہے یعنی خوں فشاں پلکوں سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ انسان کوئی جرم کرتا ہے اور پھر انفعال میں اس کی معذرت کی حسرت کرتا ہے تو زار زار روتا ہے۔ گویا خوں فشاں پلکیں اس بات کی نشانی ہیں کہ ہمارا انفعال قبول ہو۔ اے دوست تو نے اپنے ہاتھ پاؤں پر برگِ حنا کا ضماد جو لگایا ہے یہ خوں فشاں پلکوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ تو کیا تو بھی کسی جرم کا اعتراف کرنا چاہتا ہے۔ اور احساسِ جرم میں اشکِ خوں بہا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جرم حنا کے ذریعے اپنی زیبائش بڑھانے اور اس طرح عشاق کو قتل کرنے کا ہے۔

ہر رنگ گردش آئنہ ایجادِ درد ہے
اشکِ سحاب جز بہ وداعِ خزاں نہیں

آئنہ ایجادِ درد: درد کی آئینہ دار یعنی درد کا اظہار۔ کسی طرح کی گردش ایام یا تبدیلی ہو موجبِ تکلیف ہے۔ بادل سے پانی برستا ہے تو یہ اس بات پر اشک افشانی ہے کہ خزاں رخصت ہو جائے گی۔ بارش سے بہار آجاتی ہے اور خزاں ختم ہو جاتی ہے۔ بظاہر خزاں کے بہار میں بدلنے پر خوشی ہونی چاہیئے۔ لیکن شاعر کا کمال یہ ہے کہ اس نے یہ ثابت کیا کہ کسی قسم کی تبدیلی کیوں نہ ہو باعثِ پریشانی ہے۔

جز عجز کیا کروں بہ تمنائے بے خودی
طاقت حریفِ سختیٔ خوابِ گراں نہیں

مجھے بے خودی یعنی خود فراموشی کی تمنا ہے۔ بےخودی نام ہے ایک گہری نیند کا۔ نیند کے ساتھ توانائی ممکن نہیں۔ کمزور آدمی ہی خوابِ گراں میں اسیر ہو سکتا ہے۔ اس لئے بے خودی اور خوابِ گراں کے غلبے کے بعد میں دوسرے امور میں عجز کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔ شعر کے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ مجھے بے خودی کی تمنا ہے لیکن بے خودی اختیار نہیں کر سکتا۔ اس خواہش کو پورا کرنے میں عاجز ہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ خوابِ گراں کا بوجھ اُٹھا سکوں۔

عبرت سے پوچھ دردِ پریشانیٔ نگاہ
یہ گردِ وہم جز بسرِ امتحاں نہیں

دُنیا میں نگاہِ عقل پریشان ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے موجودات کو دیکھ کر وہم ہونے لگتا ہے۔ عقل کا اس طرح پریشان ہونا عبرت کی بات ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی میدان کا جائزہ لینا چاہے اور وہاں اتنی گرد اُڑ رہی ہو کہ نگاہ کو دکھائی ہی نہ دے سکے کہ میدان کی اصلیت کیا ہے۔ ایسی صورت میں نگاہ پریشان ہو جائے گی انسان کی نگاہِ فہم کیلئے موجودات اور تعینات کی کثرت محض امتحان کے لئے ہے۔

گل غنچگی میں غرقۂ دریائے رنگ ہے
اے آگہی، فریبِ تماشا کہاں نہیں

شعر کے دو معنی ممکن ہیں: (۱) پھول جب تک غنچہ ہے تو رنگ میں ڈوبا ہوا ہے یعنی بہت بارونق ہے لیکن اسے دُنیا کے نظارے کی ہوس ہوتی ہے اور وہ آنکھ کھول لیتا ہے اور بکھر جاتا ہے۔ گویا اس نے خواہشِ دید کے ہاتھوں فریب کھایا۔ وہ چاہتا تھا کہ آگہی ملے لیکن اسے بے رونقی اور افسردگی ملیں۔ آگہی کو خطاب اس لئے کیا ہے کہ ہوسِ دید نے آگہی کا فریب دیا تھا۔ (۲) پھول غنچگی کی حالت میں بہت حسین ہے۔ دیکھنے والوں کو نظر بازی یہ فریب دیتی ہے کہ جب کھل کر پھول بن جائے گا تو اس کا رنگ و رونق دوبالا ہو جائے گا اور جنتِ نگاہ ہو جائے گا لیکن یہ توقع پوری نہیں ہوتی۔ پھول کھلنے کے بعد رفتہ رفتہ بے رنگ و رونق ہو جاتا ہے۔ اپنی دانش مندی سے خطاب کر کے اس فریب سے مُتنبہ کر رہے ہیں۔

برقِ بجانِ حوصلہ آتش فگن، اسد؟
اے دلِ فسردہ، طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں؟

میری رائے میں دونوں مصرعوں کے آخر میں سوالیہ نشان بنا دیا جائے تو معنی بڑے ہموار ہو جائیں گے۔ برقِ بجانِ حوصلہ آتش فگن: برقِ آتش فگن بر جانِ حوصلہ۔ وہ بجلی جو حوصلہ کی جان پر آگ برسا رہی ہے یعنی حوصلے کو ختم کر رہی ہے۔ اے اسد کیا تیرے حوصلے پر کوئی بجلی گر رہی ہے جو تو اتنا شور کر رہا ہے۔ اے پژمردہ دل والے کیا تو فغاں کو ضبط نہیں کر سکتا۔

(۱۴۰)

ہے ترحم آفریں، آرائشِ بیداد یاں
اشکِ چشمِ دام ہے، پروانۂ صیاد یاں

صیاد چاہتا ہے کہ کچھ پرندوں کو پکڑ کر قفس میں بند کیا جائے اور مکان کی آرائش کے لئے جو بجا ٹانگا جائے۔ لیکن اس ظلم بھری آرائش کو دیکھ کر جذبۂ ترحم پیدا ہوتا ہے۔ صیاد جال کے حلقوں میں جو دانے ڈالے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چشمِ دام میں آنسو آ رہے ہیں کیونکہ پرندوں کو گرفتار کیا جانے والا ہے۔ حلقۂ دام کو چشمِ دام کہتے ہیں۔

ہے گدازِ موم، اندازِ چکیدن ہائے خوں
نیشِ زنبورِ عسل ہے نشترِ فصّاد یاں

مشہور شعر ہے ---

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

مگس باغ سے جا کر غذا لائے گی چھتہ بنانے گی اس سے موم حاصل ہوگا۔ شمع بنے گی جلے گی اور پروانہ کا خون ہوگا۔ غالب نے بھی ایسا ہی مضمون پیش کیا ہے۔ یہاں بجائے پروانے کے شمع کا خون کیا ہے۔ شہد کی مکھی نے چھتا بنایا موم نکالا گیا۔ شمع بنا کر جلائی گئی۔ جس سے موم کے قطرے پگھل پگھل کر گرے۔ یہ منظر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے فصّاد نشتر لگا کر کسی کے بدن میں سے خون کے قطرے ٹپکائے۔ اس صورتِ حال کی علتِ اول مگس ہے جس نے غذا حاصل کی۔ گویا شہد کی مکھی کا ڈنک فصد کرنے والے کا نشتر ہے۔ زنبورِ عسل: شہد کی مکھی۔ فصّاد: فصد کرنے والا۔

ناگوار ہے ہمیں احسانِ صاحب دولتاں
ہے زرِ گل بھی نظر میں جوہرِ فولاد یاں

ہمیں اہلِ زر کا احسان لینا ناگوار ہے۔ زر تو اگر پھول میں بھی ہو تو میری نظر میں وہ لوہے سے زیادہ نہیں۔ زرِ گل پھول کا زیرہ ہوتا ہے اس کی مشابہت جوہرِ فولاد سے ہے جو کبھی دھبوں کی شکل میں اور کبھی خطوط کی شکل میں ہوتا ہے۔

جنبشِ دل سے ہوئے ہیں عقدہ ہائے کار وا
کم تریں مزدورِ سنگیں دست ہے فرہاد یاں

جنبشِ دل: دل کا جوش بالخصوص وہ جو عشق میں ہو۔ سنگیں دست: کاہلی کے ساتھ کام کرنے والا۔ جوشِ دل سے آدمی بڑے بڑے مشکل کام اپنے ذمے لے کر انھیں سرانجام دیتا ہے۔ جوشِ دل والا کاہل سے کاہل مزدور بھی فرہاد کی طرح بیستوں تراش سکتا ہے۔ آخر فرہاد کا سارا حوصلہ بھی جوشِ دل کی بدولت تھا۔ صائب نے اپنے ایک شعر میں فرہاد کو سنگیں دست کہا ہے ؎

بیستوں را تیشہ ام در حملۂ اوّل گداخت
نیست بامن نسبتے فرہادِ سنگیں دست را

قطرہ ہائے خونِ بسمل زیبِ داماں ہے اسدؔ
ہے تماشا کردنی گل چینیِ جلاد یاں

اے اسدؔ، جلاد نے کس کو بسمل کیا۔ اس کے خون کے قطرے اس کے دامن پر پڑے اور ان سے پھول بوٹے بن گئے۔ صیاد کا یہ اندازِ گل چینی قابلِ دید ہے۔

(۱۲۱)

سرشک آشفتہ سر تھا قطرہ زن مژگاں سے جانے میں
رہے یاں شوخیِ رفتار سے پا آستانے میں

قطرہ زن: تیز چلتے ہوئے یا بھاگتے ہوئے۔ پا رہنا: پاؤں کا تھک جانا۔ آنسو پلکوں سے جاتے وقت پریشاں انداز سے بھاگ رہا تھا۔ تیزیِ رفتار کا یہ نتیجہ ہوا کہ گھر کی چوکھٹ ہی پر پہنچا تھا کہ پاؤں تھک گئے اور وہ گر پڑا یعنی پلکوں سے ٹپک گیا۔

بجوم مژدۂ دیدار و پروازِ تماشا ہا
گلِ اقبالِ حسن ہے چشمِ بلبل آشیانے میں

پروازِ تماشا ہا: تماشے کی آرائش۔ گلِ اقبالِ خس: کسی پودے کے اوپر اچھا سا پھول آجائے تو وہ اس کا گلِ اقبال ہوا یا شاید گلِ دستار کو بھی گلِ اقبال کہیں گے۔ خس پر پھول آجائے تو وہ خس کا گلِ اقبال ہوا۔ آشیانے میں بلبل کو خوشخبری پہنچتی ہے کہ پھول کا دیدار ہوگا۔ مژدہ بہت زور کا ہے اس لئے تماشے کی تواضع کی تیاری کی جارہی ہے۔ چونکہ دیدار چشمِ بلبل سے ہوگا اس لئے آشیاں کے بیچ چشمِ بلبل خسِ آشیاں کا گلِ اقبال بن گئی ہے۔

ہوئی یہ بے خودی چشم و زباں کو تیرے جلوے سے
کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے آئینہ خانے میں

قفلِ زنگ آلودہ: وہ تالا جو کھل نہیں سکتا۔ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر اسے نطقِ انسانی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ آئینہ خانے میں طوطی کا تالے کی طرح بند رہ جانا اس کے مبہوت یا شرمندہ ہونے کی نشانی ہے۔ شعر کے دو معنی یوں ہو سکتے ہیں۔ (۱) تیرے جلوے سے میری آنکھ اور زبان دونوں پر بے خودی طاری ہوگئی۔ میں منہ سے ایک لفظ نہ نکال سکا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تیرے حضور خوب بولتا حالِ دل کہتا لیکن خاموشی ایسی ہی الٹی بات تھی جیسے آئینہ خانے میں طوطی کا خاموش رہ جانا۔ (۲) آئینہ خانے میں تو بھی آیا اور طوطی بھی۔ تیرے جلوے کو دیکھ کر طوطی کی چشم و زباں پر ایسی بے خودی چھائی کہ اس کی بولتی بند ہوگئی اور وہ زنگ آلودہ تالے کی طرح کھل نہ سکی۔

ترے کوچے میں ہے مشاطۂ واماندگی قاصد
پرِ پرواز، زلفِ ناز ہے ہدہد کے شانے میں

واماندگی: تھکن۔ شانہ: ہدہد کے سر کی کلغی۔ ہدہد کو شانہ سر بھی کہتے ہیں۔ ہدہد سے مراد قاصد ہے کیونکہ ہدہد حضرت سلیمان کا قاصد تھا۔ اے دوست تیرے کوچے میں پہنچ کر قاصد اپنی تھکن کیلئے مشاطہ کا کام کرنے لگتا ہے۔ ہدہد کا پرِ پرواز ہدہد کے شانے میں زلف بن جاتا ہے یعنی تیرے کوچے کی ہواؤں میں یہ اثر ہے کہ ہدہد کی تھکن دور ہوجاتی ہے اور اس کی ہیئتِ ظاہری میں ایک سنورنے اور ناز کا انداز آجاتا ہے۔

کیا معزولیِ آئینہ ہے کو ترکِ خود آرائی؟
نمد در آب ہے اے سادہ پُرکار اس بہانے میں

نمد در آب داشتن: مکر و حیلہ کرنا۔ سادہ پرکار: جو شخص بظاہر سیدھا سادہ ہو لیکن

دراصل چلتا پرزہ ہو۔ کہنا یہ ہے محبوب سے۔ اے دوست تو کہتا تھا کہ تو نے آئینہ دیکھنا اور خود آرائی ترک کردی ہے تو ایسا کہاں کیا ہے۔ آئینے کو کہاں دور کیا ہے۔ تیرا یہ قول محض مکر وحیلہ ہے

بہ حکم عجز ابروئے مہِ نو حیرت ایما ہے
کیا گم کر جبیں سجدہ فرسا آستانے میں

ابروسے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ہلال کی مشابہت ابروسے ہے۔ یہ جمال الٰہی سے حیران ہوکر انسان کو اشارہ کر رہا ہے کہ عاجزی کا اظہار کرنا ہے تو آستانۂ خدا پر جبین کا رگڑنا کافی نہیں بلکہ اس حد تک رگڑو کہ جبین کا وجود ہی ختم ہو جائے یعنی اس کا احساس ہی جاتا رہے۔ ہلال کی یہی صورت ہے وہ محض ابرو ہے۔ اس نے جبین گم کردی ہے۔

(۱۲۴)

فزوں کی دوستوں نے حرصِ قاتل ذوقِ کشتن میں
ہوئے ہیں بخیہ ہائے زخم جوہر تیغِ دشمن میں

میرے غم خواروں نے قاتل میں قتل و خوں کا شوق اور بڑھا دیا۔ انہوں نے میرے زخم میں ٹانکے لگا دئے تھے ان ٹانکوں کو دیکھ کر قاتل اور پرجوش ہو کر حملہ آور ہو رہا ہے گویا بخیۂ زخم محبوب کی تلوار کا جوہر بن گیا اور اس نے تلوار کو اور فعال کردیا۔ بخیہ کی مشابہت جوہر تیغ سے ہے

تماشا کردنی ہے لطفِ زخمِ انتظار اے دل
سوادِ داغِ مرہم مردمک ہے چشم سوزن میں

شعر میں بڑے پیچاک ہیں۔ عاشق کے زخم لگا ہے ضرورت یہ ہے کہ اس میں سوئی سے ٹانکے لگائے جائیں اور مرہم لگایا جائے۔ علاج کا انتظار کرنا خود ایک زخم ہے لیکن زخم انتظار میں ایک لطف ہے۔ مرہم اور علاج کے فراہم نہ ہونے سے ہمارے دل پر داغِ محرومی ہوگیا ہے۔ داغ میں سیاہی ہوتی ہے۔ آنکھ کی پتلی بھی سیاہ ہوتی ہے۔ سوئی کے ناکے کو فارسی میں چشم سوزن کہتے ہیں۔ داغِ محرومیِ مرہم کی سیاہی چشم سوزن کی پتلی بن گئی ہے یعنی چشم سوزن کی آمد کا اہتمام ہوگیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ہمیں مرہم اور بخیہ گری کے نہ ہونے کا داغ ہے۔ لیکن یہ داغ اس بات کی بشارت دیتا ہے کہ جلدی سوئی آکر زخم میں ٹانکے لگائے گی۔ اس طرح علاج کے انتظار کی تکلیف میں بھی ایک لطف پیدا ہوگیا ہے۔

دل و دین و خرد تاراجِ نازِ جلوہ پیرائی
ہوا ہے جوہرِ آئینہ خیلِ مور خرمن میں

محبوب نے آئینہ دیکھ کر آرائش کی اور اس کے بعد ناز کے ساتھ اپنا جلوہ دکھایا۔ اس سے ہمارا دل، مذہب اور عقل سب برباد ہو گئے۔ جس طرح اناج کے کسی ڈھیر میں چیونٹیوں کا جھنڈ داخل ہو جائے اور اناج کو برباد کر دے وہی صورت جلوہ پیرائی سے دل و دین و خرد کے خرمن میں ہوئی ہے۔ اس جلوہ پیرائی کا ذمہ دار آئینہ ہے گویا جوہرِ آئینہ چیونٹیوں کی فوج ہے۔ جوہر ذروں اور نقطوں کی شکل میں ہوتا ہے اور اسے چیونٹیوں سے مشابہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱۲۳)

پانو میں جب وہ حنا باندھتے ہیں
میرے ہاتھوں کو جدا باندھتے ہیں

وہ جب اپنے پاؤں میں مہندی لگاتے ہیں تو میرے ہاتھوں کو بندھوا دیتے ہیں۔ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ میں ان کے خوش نما پاؤں کی بلائیں نہ لوں دوسرے یہ کہ میں پاؤں کو دیکھ کر تڑپ کر ہاتھوں سے سینہ کاوی نہ کرنے لگوں۔

حسنِ افسردہ دلی ہا رنگین
شوق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

فارسی کے دو محاورے ہیں۔ پا در حنا بستن: پاؤں کو چلنے سے باز رکھنا۔ پا در حنا داشتن: پاؤں مجروح ہو جانا۔ پہلے مفہوم کے لحاظ سے عشق سست رو اور غیر فعال ٹھہرتا ہے۔ دوسرے مفہوم میں عشق کو مجروح پا کہا گیا ہے۔ خواہ کوئی بھی معنی لئے جائیں عشق کی افسردہ دلی میں رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ افسردہ دلی میں ایک حسن ہے اور وہ حنا کے تعلق سے رنگین ہے۔

تیرے بیمار پہ ہیں فریادی
وہ جو کاغذ میں دوا باندھتے ہیں

جو عطار بیمارِ عشق کی دوا باندھتے ہیں وہ فریاد کر رہے ہیں۔ روز روز دوا کی پڑیا باندھتے تنگ آ گئے ہیں یا پھر انھیں دکھائی دے رہا ہے کہ یہ مریض بچنے والا نہیں اس لئے وہ آہ و شیون کر رہے ہیں۔

قید میں بھی ہے اسیری آزاد
چشمِ زنجیر کو وا باندھتے ہیں

اسیری بمعنی "وا اسیر" جسے اسیر سمجھا جاتا ہے وہ بھی آزاد ہوتا ہے۔ ثبوت: حلقۂ زنجیر کو چشم زنجیر کہتے ہیں۔ چونکہ یہ آنکھ زنجیر میں ہے اور اسے شعر میں باندھتے ہیں اس لئے قید میں ہے لیکن "وا" ہے کسی کا "وا" ہونا قید و بند سے وا ہونا ظاہر کرتا ہے اس طرح چشمِ زنجیر نے ثابت کر دیا ہے کہ زنجیر میں رہ کر بھی آزاد رہا جا سکتا ہے۔

شیخ جی کعبہ کا جانا معلوم
آپ مسجد میں گدھا باندھتے ہیں

شیخ جی آپ کا کعبہ میں جانا ہمیں معلوم ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہوگی جیسے مسجد میں گدھا باندھ دیا جائے۔ شیخ کو گدھا کہا ہے۔

کس کا دل زلف سے بھاگا کہ اسدؔ
دستِ شانہ بہ قفا باندھتے ہیں

دستِ شانہ سے مراد شانے کے دونوں طرف کے دانت ہیں۔ شانے کے وسطی حصے کو اس کی کمر سمجھئے گویا شانے کے دونوں ہاتھ اس کی کمر پہ بندھے ہوئے ہیں۔ پیچھے کی طرف ہاتھوں کو باندھنا تعزیر کی نشانی ہے۔ شانے سے کیا تقصیر ہوئی کہ اسے یہ سزا دی جا رہی ہے۔ کیا محبوب کی زلفوں کو سلجھاتے وقت اس نے کسی دل کو گرا دیا اور وہ فرار ہو گیا جس کی پاداش شانے کو بھگتنی پڑ رہی ہے۔

(۱۲۴)

صاف ہے از بسکہ عکسِ گل سے گلزارِ چمن
جانشینِ جوہرِ آئینہ ہے خارِ چمن

بہار میں ایک طرف باغ میں پھول کھلتے تھے تو دوسری طرف دیوار پر آئینے لگے تھے تاکہ ان میں پھولوں کا عکس نظر آئے۔ بہار جاتی رہی پھول ختم ہو گئے اور آئینے اتار لئے گئے۔ ان کا عکس بھی معدوم ہو گیا۔ اب تو ہر آئینہ کی جگہ کانٹوں نے لے لی ہے۔ جوہر اور کانٹوں میں مماثلت ہے۔ عکسِ گل کا صاف ہونا بمعنی ناپید ہو جانا۔

ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معمارِ چمن
قالبِ گل میں ڈھلی ہے خشتِ دیوارِ چمن

موسمِ بہار میں باغ پر ایسی نزاکت چھا جاتی ہے جیسے دیوارِ باغ کی اینٹوں کو پھول کے سانچے

میں ڈھال کر بنایا گیا ہو اور نزاکت نے باغ کی تعمیر کی ہو۔

تیری آرائش کا استقبال کرتی ہے بہار
جوہرِ آئینہ ہے یاں نقشِ احضارِ چمن

نقشِ احضار: روحوں کو بلانے کا نقش۔ تو نے آئینے کے سامنے بیٹھ کر آرائش کی گویا باغ و بہار کا عالم ہو گیا۔ دراصل بہار تیری آرائش کی پیشوائی کیلئے چل کر آئی ہے۔ چونکہ یہ آرائش آئینے کی مدد سے وجود میں آتی ہے اس لئے آئینے کا جوہر باغ کو بلانے کا نقش بن گیا۔ جوہر فولادی آئینے میں دھاری کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور اس طرح تحریر سے مشابہ ہے۔

بسکہ پائی یار کی رنگیں ادائی سے شکست
ہے کلاہِ نازِ گل برطاقِ دیوارِ چمن

برطاق نہادن: فراموش کرنا۔ فخر اور ناز میں کلاہ کو کج کیا جاتا ہے۔ گویا کلاہ ناز کی نشانی ہے۔ پھول کو اپنی رنگینی پر بڑا ناز تھا اور اس ناز کا اظہار وہ اپنی کلاہ کی آن بان سے کرتا تھا۔ یار کی رنگیں ادائی سے پھول کو شکست ہو گئی اور اس کی کلاہ کو باغ کی دیوار کے طاق میں رکھ دیا گیا یعنی اب سب لوگ پھول کو بھول گئے۔ کلاہِ گل سے مراد خود گل ہے۔ اس کے طاق میں رکھنے کی دو صورتیں ہیں۔ یا پھول کو توڑ کر طاقِ دیوارِ چمن میں رکھ دیا گیا ہے یا شاخِ گل بڑھ کر طاقِ دیوار تک پہنچ گئی ہے جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا پھول طاق میں رکھ دیا گیا ہے۔

وقت ہے گر بلبلِ مسکیں زلیخائی کرے
یوسفِ گل جلوہ فرما ہے بہ بازارِ چمن

یوسف بازارِ مصر میں بکنے آئے تھے۔ زلیخا نے قدر دانی کی اور انھیں خرید لیا۔ پھول بھی یوسف کی طرح ہے جو باغ کے بازار میں آیا ہے۔ مناسب ہے کہ بلبل زلیخا کی طرح اسے خریدے۔

وحشت افزا گریہ ہا موقوفِ فصلِ گل اسدؔ
چشمِ دریا بار ہے میر آبِ سرکارِ چمن

میر آب: داروغہ آبدار خانہ۔ ہم وحشت سے بھرے ہوئے نالے کر رہے ہیں۔ ہماری آنکھ دریا برسا رہی ہے گویا باغ کی داروغہ آب ہے۔ یہ دریا بار نالے فصلِ بہار کیلئے اُٹھا رکھے جائیں تو مناسب ہے کیونکہ آب پاشی کی ضرورت تبھی ہوگی۔

(۱۲۵)

جوں مردمکِ چشم میں ہوں جمع نگاہیں
خوابیدہ بہ حیرت کدہ داغ ہیں آہیں

آنکھ کی پتلی سے نگاہیں نکلتی ہیں۔ ایک منظر کا تصور کیجئے کہ پتلی سے نگاہیں نکل رہی ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور منظر ہے۔ حسرتوں کی وجہ سے دل پر داغ ہے اور اس داغ کے اطراف بہت سی آہیں سوئی ہوئی ہیں۔ جن حسرتوں نے داغ دیا ہے وہی آہوں کا موجب ہیں۔ داغ کو حیرت کدہ کہنے کا جواز اس لئے ہو سکتا ہے کہ دُنیا کی رنگینیوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی اور ان کے ہاتھ نہ آنے پر مایوسی یا پھر حسینوں کی شقاوت نے حیران کر دیا۔

پھر حلقۂ کاکل میں پڑیں دید کی راہیں
جوں دود، فراہم ہوئیں روزن میں نگاہیں

"راہ افگندن در جائے" کے معنی ہیں راہ رفتن۔ محبوب کی زلفوں میں حلقے ہیں۔ ہماری نظروں نے ان حلقوں میں راہ روی کی ہے جس طرح سوراخ میں دھواں اکٹھا ہو جاتا ہے اور باہر نکلتا ہے اسی طرح نگاہیں حلقۂ زلف میں اکٹھی ہو گئی ہیں اور اس کے آرپار گذر رہی ہیں۔

پایا سرِ ہر ذرہ، جگر گوشۂ وحشت
ہیں داغ سے معمور، شقایق کی کلاہیں

جگر گوشہ: فرزندِ عزیز۔ شقایق: لالے کی ایک قسم۔ شقایق نما ایک کپڑا ہوتا ہے جس میں پھول بنے ہوتے ہیں۔ میں نے ہر ذرے کے سر کو فرزندِ وحشت یعنی مجسم وحشت پایا۔ پھولوں کی ٹوپیاں داغوں سے بھری ہوئی ہیں۔ کپڑوں پر داغ دھبے لگنا وحشت کی نشانی ہے۔

کس دل پہ ہے عزمِ صفِ مژگانِ خود آرا؟
آئینے کی، پایاب سے اُتری ہیں سپاہیں!

ایک منظر کا تصور کیجئے۔ فوجیں دریا کے پار کسی ٹھکانے پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔ دریا میں ایسا مقام تلاش کیا جاتا ہے جہاں پانی پایاب ہو۔ اس جگہ دریا کو پار کر کے دوسری طرف جا کر صف آرائی کی جاتی ہے تا کہ حملہ کیا جائے۔ شاعر نے چہرۂ محبوب میں اس عمل کو پیش کر دیا ہے۔ آئینے کی چمک کو آب سے تشبیہ دی۔ یہ آب پایاب ہے کیونکہ اس میں ڈوبنے کا اندیشہ نہیں۔ آئینے کے سامنے بیٹھ کر آرائش کرنا اور پھر وہاں سے اُٹھنا گویا آئینے کے دریا کو پار کرنا

ہے۔ آئینے میں دیکھ کر پلکوں کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے شاعر نے سوال کیا ہے کہ کس دل پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ شاعر کا دل ہے۔

دیر و حرم، آئینۂ تکرار تمنا

واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں

دل کو محبوبِ حقیقی کی تلاش ہے۔ وہ اس کے تجسس میں مندر میں جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ منزلِ مقصود نہیں پھر مسجد میں جاتا ہے اور وہاں بھی یہی کیفیت درپیش آتی ہے دیر و حرم تمنا کی تکرار کی نشانی ہیں۔ شوقِ عشق محبوب کی تلاش میں گامزن ہے چلتے چلتے تھک جاتا ہے اور کوئی پناہ گاہ تلاش کرتا ہے۔ ایک پناہ گاہ کے بعد دوسری پناہ گاہ۔ یہ پناہ گاہیں مندر اور مسجد ہیں۔ مراد یہ ہے کہ مندر اور مسجد مقصود نہیں راستے کے۔ بیچ کے پڑاؤ ہیں جن سے شدتِ شوق کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ مطلعِ اسدؔ، جوہرِ افسونِ سخن ہو

گر عرضِ تپاکِ جگرِ سوختہ چاہیں

جوہر کا لفظ یہاں محض بھرتی کا ہے۔ جوہر کسی چیز کا نچوڑ ہوتا ہے۔ سخن کے جادو کا جوہر یعنی اظہارِ مطلب کا موثر ترین طریقہ۔ جگرِ سوختہ عشق میں جلا ہوا جگر ہے۔ اگر عشق سے بھرے ہوئے دل کی گرم جوشی کا اظہار کرنا چاہیں تو ذیل کا مطلع موثر ترین ثابت ہوگا۔

حیرت کشِ یک جلوۂ معنی ہیں نگاہیں

کھینچوں ہوں سویدائے دلِ چشم سے آہیں

دل سے آہ کھینچنا آہ کا خلوص ظاہر کرتا ہے۔ دل کی گہرائی یا دل کے مرکز سے آہ کھینچنے کو سویدائے دل سے آہ کھینچنا کہا جاسکتا ہے۔ اب یہ دل بھی اپنا دل نہیں بلکہ آنکھ کا دل ہے، کیونکہ کسی کی باطنی خوبیوں کا جلوہ دیکھ کر نگاہیں حیرت سے بھونچکا ہیں۔ نگاہیں آنکھوں سے نکلتی ہیں اس لئے آہیں بھی آنکھوں کے مرکز سے لی جارہی ہیں۔ شعر میں محض نازک خیالی ہے اور کچھ نہیں۔

(۱۲۶)

تن بہ بندِ ہوس در ندادہ رکھتے ہیں

دلِ زکارِ جہاں، اوفتادہ رکھتے ہیں

ازکار افتادن: معطل و ناکارہ ہونا۔ ہم ایسا جسم رکھتے ہیں جو ہوس کے بند میں گرفتار نہیں

ہم ایسا دل رکھتے ہیں جو دنیوی کاروبار کے ڈھب کا نہیں۔

تمیزِ زشتی و نیکی میں لاکھ باتیں ہیں
بہ عکسِ آئینہ یک فردِ سادہ رکھتے ہیں

کوئی بُرا ہے کہ اچھا اس کی شناخت متعدد امور پر مبنی ہے۔ آئینہ لبظاہر زشتی و نیکی کو پرکھنے کا مدعی ہے لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں۔ آئینے کے سامنے سب لوگ فردِ سادہ کی طرح صاف ستھرے دکھائی دیتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ باطن میں بھی وہ ایسے ہی ہیں۔ آئینہ تو صرف ظاہر کو دیکھتا ہے زشتی و نیکی کا تعلق باطن سے ہے۔ فرد دفتری کاغذ کو کہتے ہیں۔
فردِ سادہ : وہ نامۂ اعمال جس پر کچھ نہ لکھا ہو۔

برنگِ سایہ ہمیں بندگی میں ہے تسلیم
کہ داغِ دل بہ جبینِ کشادہ رکھتے ہیں

بندگی سے دل میں داغ پڑجاتا ہے۔ کشادہ جبین شگفتگی کا نشان ہے۔ دوسرے مصرع کے معنی یہ نہیں کہ ہم نے داغِ دل جبینِ کشادہ کے اوپر منتقل کردیا بلکہ یہ معنی ہیں کہ ہم جبینِ کشادہ کے ساتھ داغِ دل رکھتے ہیں۔ سایہ اپنے عکس فگن کا بندہ ہوتا ہے اور یہ متابعت بہ طیبِ خاطر قبول کرتا ہے۔ ہم نے بھی اپنے دل پر داغِ بندگی خوشی خوشی تسلیم کیا ہے۔

بہ زاہداں، رگِ گردن ہے رشتۂ زنار
سرے بہ پائے بتے نانہادہ رکھتے ہیں

رگِ گردن : غرور و سرکشی زاہدوں کی رگِ گردن ہمیشہ تنی رہتی ہے۔ گویا تکبر کی یہ نشانی انھیں زنار کی طرح کفر میں اسیر کئے ہے۔ انسان کے لئے مستحسن یہ ہے کہ کسی بت کے پاؤں میں سر رکھ دیا جائے لیکن زاہدوں کے پاس ایسا سر ہے جو بت کے پاؤں میں نہیں رکھا گیا۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ قیدِ زنار سے آزاد ہیں۔ یہ غرور و تکبر خود ایک زنار ہے۔

معافِ بیہدہ گوئی ہیں ناصحانِ عزیز
دلے بہ دستِ نگارے نہ دادہ رکھتے ہیں

عزیز ناصح بے ہودہ باتیں کرنے میں قابلِ معذرت ہیں کیونکہ ان کے پاس ایسا دل ہے جو کسی حسین کو نہیں دیا گیا۔ جو عشق سے واقف نہ ہو۔ وہ ہمیں سمجھ ہی نہیں سکتا۔

ـــــ

برنگِ سبزہ عزیزان بد زباں یک دست

ہزار تیغ بہ زہرآب دادہ رکھتے ہیں!

عزیزانِ بد زباں وہی نصیحت کرنے والے عزیز ہیں جو طرح طرح کی جلی کٹی باتیں کرتے ہیں۔ سبزہ میں ہزاروں تیغ ہوتی ہیں۔ بد زبانی کرنے والے عزیزوں کے پاس بھی ہزاروں تیغ ہیں اور معمولی نہیں زہر کے پانی میں بجھائی ہوئی۔ زہر کا پانی طعن و تشنیع ہے۔ زہر روایتاً سبز ہوتا ہے۔ اس لیے زہر آب میں بجھی ہوئی تلوار سبز ہوگی اور سبزے سے مشابہ ہوگی۔

(۱۲)

طاؤس غط، داغ کے گر رنگ نکالوں

یک فردِ نسب نامۂ نیرنگ نکالوں

رنگ نکالنا: رنگ و روپ لانا۔ طاؤس میں طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ اگر میں اس کی طرح داغ کی رنگینیوں کا اظہار کروں تو ایسی فرد نکالنی پڑے گی جس میں رنگا رنگی کا شجرہ لکھا ہو یعنی رنگینی کے مختلف انداز بیان کئے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ داغ میں طرح طرح کے رنگ ہیں۔

کو تیزیِ رفتار، کہ صحرا سے زمیں کو

جوں قمریِ بسمل، تپشِ آہنگ نکالوں

کہاں ہے وہ تیزیِ رفتار کہ اس سے صحرا کی زمین گھبرا جائے اور میری جولانی سے بچنے کیلئے تڑپتی ہوئی صحرا کو چھوڑ کر بھاگے۔ میری گرمیِ رفتار سے زمین ایسی تڑپ جائے گی جیسے قمریِ مذبوح۔

دامانِ شفق، طرفِ نقابِ مہِ نو ہے

ناخن کو جگر کاوی میں بے رنگ نکالوں؟

دوسرا مصرع استفہامیہ ہونا چاہیے۔ شفق میں مہِ نو سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شفق کا دامن مہِ نو کا نقاب ہے۔ ایسے منظر کو دیکھنے کے بعد کیا میں جگر سے ناخن کو ایسے ہی بغیر خون میں رنگے نکال لوں۔ نہیں میں جگر کاوی کرکے خون برآمد کروں گا اور اس میں ناخن کو رنگوں گا تاکہ شفق میں ہلال کا جواب ہو سکے۔

کیفیتِ دیگر ہے، فشارِ دلِ خوں میں

یک غنچہ سے صد خمکدۂ رنگ نکالوں

دلِ خوں شدہ کے نچوڑنے میں ایک اور ہی کیفیت ہے۔ یہ ایسا غنچہ ہے کہ اسے نچوڑ کر سرخ

رنگ کی شراب (غول) کے سو خُم نکالے جا سکتے ہیں جو دوسرے نخچیوں میں ممکن نہیں۔

پیمانۂ وسعت کدۂ شوق ہوں اے رشک
محفل سے مگر شمع کو دل تنگ نکالوں

دل تنگ: بخیل یا رنجیدہ۔ میں ایسی بوتل ہوں جس میں شوق اور عشق کی وسعتیں بھری ہوئی ہیں۔ شمع میں بھی شوق کی فراوانی ہے کیونکہ وہ پیچ پیچ جل رہی ہے۔ مجھے شمع پر رشک آتا ہے اس لئے میں اسے بخیل قرار دے کر محفل سے نکال دوں گا۔ بخیل اس لئے کہ میرے مقابلے میں وہ شوق کے معاملے میں تنگ دست معلوم ہوتی ہے۔ شعر میں دل تنگ کے معنی رنجیدہ بھی لئے جا سکتے ہیں۔ رشک کے سبب شمع کو محفل سے نکال دوں جس سے وہ ملول ہو گی۔ شمع بھی پیمانے سے مشابہ ہے۔

گر ہو بلدِ شوق مری خاک کو وحشت
صحرا کو بھی گھر سے کئی فرسنگ نکالوں

بلد: راہ نما۔ مرنے کے بعد میں خاک ہو کر اڑ رہا ہوں۔ زندگی بھر شوقِ عشق میں وحشت کے سبب جولانی کرتا رہا۔ بعد میں اگر وحشت میری خاک کو شوق میں جولانی کا راستہ دکھائے تو میں نہ صرف صحرا کی دھول اُڑا دوں بلکہ صحرا کو بھی اس کے مقام سے کئی کوس دور نکال دوں۔ وحشت کی انتہا یہ ہے کہ جس طرح خود اپنے گھر سے کئی کوس باہر نکل آئے ہیں۔ اسی طرح صحرا کو بھی اس کے مستقر سے باہر دوڑا دیا۔

فریاد، اسدؔ غفلتِ رسوائیِ دل سے
کس پردے میں فریاد کی آہنگ نکالوں

پردے کے دو معنی ہیں۔ ساز یا آڑ یعنی حیلہ۔ یہاں دوسرے معنی مُراد ہیں۔ چلا کے نالے کر کے دل کو رسوا کرنا بہت محترم کام ہے۔ کچھ عرصے سے میں اس قابلِ فخر فریضے سے غافل تھا۔ اب کون ساحیلہ تلاش کر کے فریاد کی لے بلند کروں۔ آہنگ: موسیقی کا مقام یا راگ۔

(۱۲۸)

کیا ضعف میں اُمید کو دل تنگ نکالوں
میں خار ہوں آتش میں چھپا رنگ نکالوں

ضعف میں رنگ و رونق کی کوئی اُمید نہیں ہوتی۔ مستقبل بے رنگ ہوتا ہے۔ کمزوری

میں اُمید کو جب رنجیدہ رہنے دوں۔ میں کمزور ہو کر کانٹا ہو گیا ہوں۔ کانٹا کسی کے پاؤں میں چبھو یا جائے تو رنگ خون نکلے گا اور کانٹے پر رونق آجائے گی۔ میں آگ کے جسم میں چبھوں اور رنگ پیدا کروں۔ آگ میں چبھنے کے معنی یہ ہیں کہ جلنے لگوں اور شعلے سے رنگ پیدا کروں۔ اس میں بھی ایک رونق ہو گی۔

نے کوچۂ رسوائی و زنجیر پریشاں

کس پردے میں فریاد کی آہنگ نکالوں

دوسرے مصرع کے وہی معنی ہیں جو اس سے پہلی غزل کے مقطع کے سلسلے میں بیان کئے گئے ہیں۔ کوچۂ رسوائی: محبوب کا کوچہ مثلاً کسی مطربہ کی گلی جہاں جانے سے رسوائی ہوتی ہے۔ زنجیر پریشاں: زنجیر جو ہماری وحشت کی وجہ سے پریشان ہو۔ میں نہ محبوب کے کوچے میں ہوں نہ مجھے زنجیر پہنائی گئی ہے اب میں کس حیلہ کو لے کر فریاد بلند کروں۔

آسی نے زنجیر کو بلا اضافت پڑھا ہے اور نے کے معنی بانسری لئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نے نوازی کوچۂ رسوائی ہے اور زنجیر پریشان چیز ہے۔ اب کون سا پردہ رہا جس سے میں اپنی آواز نکالوں۔ میں اس تشریح سے متفق نہیں۔ میرے نزدیک نے بانسری کے معنی میں نہیں۔ نفی کے معنی میں آیا ہے۔

یک نشو و نما جا نہیں جولانِ ہوس کو

ہر چند بہ مقدارِ دلِ تنگ نکالوں

غالب مقدار کا اندازہ کرانے کیلئے مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یک بیاباں آرزو، یک زانو تامل وغیرہ، اسی طرح جگہ کے لئے "یک نشو و نما جا" کی ترکیب تراشی ہے یعنی اتنی جگہ جس میں کوئی پودا پھل پھول سکے۔ میرا دل تنگ ہے۔ رنجیدہ آدمی کا دل تنگ ہی ہوتا ہے۔ چاہتا ہوں اپنی ہوس کو جولاں کر کے کام دل حاصل کروں لیکن دُنیا میں ہوس یا خواہش پوری کرنے کا بالکل مقام ہی نہیں۔ حالانکہ میں دلِ تنگ کے مطابق بہت تھوڑی سی ہوس کو متحرک کروں لیکن دُنیا اتنی ناسازگار ہے کہ اس کی بر آری کا بھی موقع نہیں۔

گر جلوۂ خورشید خریدارِ وفا ہو

جوں ذرہ، صد آئینۂ بے زنگ نکالوں

اس شعر میں خورشید سے مراد محبوب ہے اور آئینے سے مراد دل۔ میرا دل بے زنگ و

رونق یعنی پھیکا اور افسردہ ہے لیکن اس میں وفا بھری ہوئی ہے۔ جس طرح سورج بے رنگ ذرّے پر جلوہ ڈال کر اُسے رنگین کر دیتا ہے اسی طرح محبوب اگر میرے دل کی افسردگی پر نہ جا کر میری وفا کی قدر کرے تو میں اِس کے سامنے سینکڑوں دل پیش کر سکتا ہوں۔

افسردۂ تمکیں ہے نفسِ گرمیِ احباب
پھر شیشے سے عطرِ شررِ رنگ نکالوں

عطرِ شررِ رنگ: عطرِ آتش یعنی شراب۔ رکھ رکھاؤ کی وجہ سے دوستوں کے جسم کی حرارت ٹھنڈی اور افسردہ ہو گئی ہے۔ ان کے سانس میں گرمیِ حیات بیدار کرنے کیلئے شیشے سے عطرِ آتش نکال کر پیش کروں۔

ضعف آئینہ پردازیِ دستِ دگراں ہے
تصویر کے پردے میں مگر رنگ نکالوں

آئینہ پردازی: صیقل گری۔ ضعف میں آدمی بے رنگ ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس کی نبض دیکھتے ہیں یا اسے ہاتھ سے سہارا دیتے ہیں تو تضاد کے طور پر شخصِ مقابل کا ہاتھ توانا اور بارنگ نظر آتا ہے گویا میرا ضعف دوسرے کے ہاتھوں کی رونق افزائی (صیقل گری) ہے۔ اس سے تو اچھا یہ ہے کہ میری تصویر بنائی جائے۔ تصویر میں تو میرے چہرے پر رنگ دکھایا ہی جائیگا۔ کیونکہ تصویر رنگ ہی سے بنے گی۔ رنگ نکالنے کے معنی چہرے پر رونق آنے کے ہیں۔

ہے غیرتِ الفت کہ اسد اس کی ادا پر
گر دیدہ و دل صلح کریں، جنگ نکالوں

اس کی ادائیں دیکھ کر ایک ردِّ عمل یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ وہ ہمیں خاطر ہی میں نہیں لاتا۔ اس لئے اس سے دو لفظ ہی ہو جائیں جیسا کہ غالب نے ایک شعر میں کہا ہے۔

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچیے

زیرِ بحث شعر میں اس کے برعکس کہا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جن اداؤں کا مذکور ہے وہ مہر و کرم سے بھری ہوئی ہیں۔ اے اسد اگر آنکھ اور دل ان اداؤں کو دیکھ کر خاموشی سے گوارا کرنے کو تیار ہیں تو یہ عاشقانہ غیرت کے منافی ہے کہ میں اس سے زبانی معرکہ آرائی کروں۔

(۱۲۹)

سودائے عشق سے دمِ سرد کشیدہ ہوں

شامِ خیالِ زلف سے صبحِ دمیدہ ہوں

دمِ سرد کشیدن : ٹھنڈی سانس لینا یعنی آہ بھرنا۔ صبح دمیدن : صبح کا طلوع ہونا۔ میں عشق کے سودا میں مجسم ٹھنڈی آہ ہوگیا ہوں یعنی ہر دم ٹھنڈی آہ بھرتا ہوں۔ میں وہ صبح ہوں جو زلف کے تصور کی رات سے طلوع ہوتی ہے یعنی زلف کا تصور کیا اور اس کے بعد دل شگفتہ ہوگیا۔ دونوں مصرعوں میں تضاد سے کام لیا گیا ہے۔ سودا اور سرد۔ شام اور صبح شامِ خیالِ زلف نہایت تصنع آمیز ترکیب ہے "خیالِ شامِ زلف" تک تو روا ہوسکتا تھا۔

کی متصل ستارہ شماری میں عمر صرف

تسبیحِ اشک ہائے ز مژگاں چکیدہ ہوں

میری پلکوں سے آنسو ٹپکے جس سے تسبیحِ اشک کی شکل ہوگئی۔ یہ آنسو ستارے کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور اس طرح میں عمر بھر ستارے گنتا رہا۔ ستارے گننا کسی کے انتظار میں جاگتے رہنے کو بھی کہتے ہیں۔ دراصل اس شعر میں دانہ ہائے اشک کی دو تشبیہیں پیش کی ہیں۔ تسبیح سے اور ستاروں سے۔

دورانِ سر سے گردشِ ساغر ہے متصل

خمخانۂ جنوں میں دماغِ رسیدہ ہوں

دورانِ سر : سر کا گھومنا یعنی چکر آنا۔ دماغِ رسیدہ : سرخوش دماغ۔ گردشِ سر سے گردشِ ساغر کا نزدیکی رشتہ ہے۔ میں جنون کے مے خانہ میں شرابِ جنوں سے مست ہوں۔ ساغر سے دماغ کی جو کیفیت ہوتی ہے جنون کی وجہ سے بغیر ساغر کے میرے دماغ کا وہی حال ہے۔

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں

جوں شانہ پشتِ دست بہ دنداں گزیدہ ہوں

شانے کے دانتے اس کی پشتِ دست بھی ہیں اور دانت بھی۔ گویا دانتوں نے پشتِ دست کو کاٹ لیا ہے۔ افسوس میں دانتوں سے پشتِ دست کو کاٹا جاتا ہے۔ اس طرح شانے کی ہیتِ خارجی میں افسوس کے نشان پائے جاتے ہیں۔ میری صورت پر بھی اسی طرح کی پھٹکار برستی ہے۔ میری روتی صورت دیکھ کر ہی میرے رنج و غم کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ گویا میں نے بھی

ہاتھوں کی پشت کو دانتوں سے کاٹا ہوا ہے۔

دیتا ہوں کشتگاں کو سخن سے سرِ تپش
مضراب تارہائے گلوئے بریدہ ہوں

میں اپنی باتوں یا شاعری سے عشق میں مرے ہوؤں کو تڑپ دیتا ہوں۔ مضراب سے تارِ ساز کو چھیڑا جاتا ہے تو نالہ بلند ہوتا ہے۔ میں ایسی مضراب ہوں جو کٹے ہوئے گلوں کے تارِ رگ کو چھیڑ کر ان میں سے صدا اُگا رہا ہوں۔ گلوئے بریدہ سے مراد عاشق کے گلو ہیں۔

غالب صوتی تار (VOCAL CORDS) سے واقف نہ ہوں گے اس لئے تار گلوئے گلے کی رگیں مراد لی جائیں گے۔

ہے جنبشِ زباں بہ دہن سخت ناگوار
خونابۂ ہلاہلِ حسرت چشیدہ ہوں

حسرت کو زہرِ ہلاہل سے اور زہرِ ہلاہل کو خوناب (خون ملا ہوا پانی یعنی خون کے آنسو) سے تشبیہ دی ہے۔ میں نے حسرت کا زہر چکھا ہے۔ منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا ہے۔ اس لئے منہ میں زبان کو ہلانا سخت ناگوار ہے۔ استعارے دور کئے جائیں تو یہ معنی ہوں گے یعنی کوئی خواہش پوری نہ ہوئی۔ سخت ناامیدی کا عالم ہے کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

جوں بوئے گل ہوں گرچہ گراں بارِ مشتِ زر
لیکن اسدؔ بہ وقتِ گزشتن جریدہ ہوں

پھول میں زیرہ ہوتا ہے جسے زرِ گل کہتے ہیں۔ مٹھی میں زر ہونا رئیسی کی علامت ہے۔ بوئے گل اپنے منبع کے قریب مشتِ زر سے مالا مال ہوتی ہے لیکن آگے چل کر (خالی) ہو جاتی ہے یہی میرا حال ہے کہ گرچہ میرے پاس زر ہے لیکن دنیا سے گزرنے کے وقت میں بالکل اکیلا ہوں۔ اس وقت میرے پاس کوئی مال و زر نہ ہوگا۔

(۱۳۰)

خوں در جگر نہفتہ بہ زردی رسیدہ ہوں
خود آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ ہوں

میرا خون جگر میں چھپ کر رہ گیا ہے۔ چہرے اور جلد پر اس کے آثار نہیں جس کی وجہ سے میں زرد ہو گیا ہوں۔ میرا جو رنگ اڑا ہے میں خود ہی اس طائرِ رنگ کا آشیاں ہوں۔ رنگ خون

سے تھا اور خون اندر چھپ گیا ہے گویا اپنا رنگ، اپنے ہی اندر پوشیدہ ہے۔ اُڑے ہوئے رنگ کو طائر سے تشبیہہ دینا غالب کا مرغوب خیال ہے۔

ہے دستِ رد بہ سیرِ جہاں، بستنِ نظر
پائے ہوس بہ دامنِ مژگاں کشیدہ ہوں

دستِ رد: انگشتِ رد یا انگشتِ اعتراض۔ بستنِ نظر: نظر باندھنا۔ پا بہ دامن کشیدن: آمد و شد ترک کرنا۔ میں سیرِ جہاں کیونکر کروں۔ لوگ اعتراض کیلئے میری طرف ہاتھ اُٹھاتے ہیں اور ان کا یہ ہاتھ مجھے سیر سے اور نظارہ بازی سے باز رکھتا ہے۔ میں نے اپنی ہوس دید کے پاؤں پلکوں کے دامن میں کھینچ لئے ہیں۔ یعنی سیر بھی ترک کی اور نظر کی سیر بھی۔ آسی اس شعر کے محاورہ کو نہ سمجھ پائے۔

میں چشمِ واکشودہ و گلشن نظر فریب
لیکن عبث کہ شبنمِ خورشید دیدہ ہوں

میں آنکھ کھولے ہوئے ہوں اور باغ نظر فریب ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ میں دیر تک نظارہ کرسکتا لیکن یہ سب بیکار ہے۔ میری زندگی اتنی آنی و فانی ہے جتنی دھوپ کھائی ہوئی شبنم کی۔

تسلیم سے یہ نالۂ موزوں ہوا حصول
اے بے خبر میں نغمۂ چنگِ خمیدہ ہوں۔

چنگ ایک باجا ہوتا ہے جس کا ایک سر خمیدہ ہوتا ہے۔ میں نے یار (غالباً محبوب حقیقی) کی رضا کے آگے سرِ تسلیم خم کیا تو میں ایسی طمانیت آمیز شاعری کر پا رہا ہوں۔ گویا میں خمیدہ چنگ کا راگ ہوں۔ خمیدگی عجز و تسلیم کی علامت ہے۔ میری شاعری میں بھی تسلیم یار ہے۔

پیدا نہیں ہے اصلِ تگ و تازِ جستجو
مانندِ موجِ آب، زبانِ بریدہ ہوں

زبان بریدہ: خاموش انسان۔ لیکن غالب زبان پر اضافت لگا گئے ہیں اور یہ عروضی جبر ہے ورنہ بغیر اضافت ہی بہتر تھا۔ کٹی ہوئی زبان بھی نطق سے قاصر ہے۔ موج کی تشبیہہ زبان سے دی جاتی ہے خصوصاً اوپر اُٹھنے والی ٹیار کی زبان ہوتی ہے۔ میں دُنیا میں دوڑ دھوپ کر رہا ہوں لیکن کس شئے کی تلاش میں، یہ واضح نہیں۔ میری مثال پانی کی لہر سے ہے جو مسلسل چلی جا رہی ہے لیکن زبان بریدہ کی طرح گونگی ہے۔ راز ہے کسی کو بتاتی نہیں کہ کہاں اور کیوں چل رہی ہے۔ شاید خود بھی نہیں جانتی۔ میرا بھی یہی حال ہے یعنی زندگی ایک جہدِ مسلسل ہے لیکن کاہے کی جد و جہد ہے معلوم نہیں

سر پہ مرے وبالِ ہزار آرزو رہا
یارب میں کس غریب کا بختِ رمیدہ ہوں

غریب کو ہزار آرزو رہتی ہے لیکن اس کی قسمت اس سے دور بھاگتی ہے کیونکہ اتنی آرزوں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتی۔ یہی میرا حال ہے۔ سر پر ہزاروں حسرتوں کا بوجھ ہے۔

میں بے ہنر کہ جوہرِ آئینہ تھا عبث
پائے نگاہِ خلق میں خارِ خلیدہ ہوں

جوہرِ آئینہ کی مشابہت خار سے ہے۔ لیکن جوہر کو بے ہنر نہیں کہہ سکتے۔ میں بھی جوہرِ آئینہ کی طرح قابلِ قدر تھا لیکن اپنے جوہروں کو استعمال نہ کرسکا اور بے ہنر سمجھا گیا اس وجہ سے لوگوں کی نگاہ کے پاؤں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہوں یعنی خلق مجھے دیکھنا گوارا نہیں کرتی۔

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

میں مستقبل میں متوقع کامرانیوں کا تصور کر رہا ہوں اور اس کے نشاط سے نغمہ الاپ رہا ہوں۔ گویا میں جس باغ کا بلبل ہوں وہ ابھی وجود میں نہیں آیا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ لہلہائے گا۔ اس شعر کو زندگی کی معمول خوشیوں تک محدود نہ رکھ کر اگر علامتی رنگ میں ان کی شاعری پر اطلاق کریں تو یہ معنی ہوں گے کہ میں جن خیالات کو پیش کر رہا ہوں۔ آج ان کی تفہیم ممکن نہیں۔ آنے والی نسلیں ان کو سمجھیں گی۔ گویا میری شاعری مستقبل کا باغ ہے۔

میرا نیاز و عجز ہے مفتِ بتاں اسدؔ
یعنی کہ بندۂ بہ درم ناخریدہ ہوں

میرا عجز و نیاز بتوں کے لئے مفت نذر ہے یعنی میں ان کا بندۂ بے درم خریدہ ہوں۔ اُنہوں نے مجھے معاوضے میں کچھ نہیں دیا۔ میں خود ہی ان کے آگے سر بسجود ہوا جا رہا ہوں۔

(۱۳۱)

بقدرِ لفظ و معنی فکرت احرام گریباں ہیں
وگرنہ کھینچئے جو ذرہ عریاں ہم نمایاں ہیں

فکرت: فکر شعر کا خیال۔ ذرہ: ذرا۔ ہم نے اپنے گریباں کے مقام یعنی سینے پر فکر کا احرام لپیٹا ہوا ہے۔ اس احرام کو ذرا ہٹا کر عریاں کیجئے تو ہمارا جسم دکھائی دے گا۔ یہ لفظی معنی

ہوئے۔ اس شعر میں اپنے سخن کا ذکر ہے۔ ہمارے شعر میں بظاہر بڑا مشکل اور دقیق خیال پایا جاتا ہے لیکن ایسی بات نہیں شعر میں لفظ کی مناسبت سے معنی اور فکر ہیں۔ اگر انھیں ذرا چاک کرکے دیکھئے تو ہیئتِ شعر کے نیچے ہماری شخصیت دکھائی دے گی۔

عروجِ نشۂ واماندگی، پیمانۂ محمل تصوّر

برنگِ ریشۂ تاک، آبلے جادے میں پنہاں ہیں

طویل جادہ پیمائی میں تھکن کو نشے سے مماثل کرکے اس کے دوسرے متعلقات کا اہتمام کیا ہے۔ راستے میں چلے جا رہے ہیں۔ تھکن کے نشے کا زور بڑھتا جا رہا ہے۔ اس نشے کا ایک پیمانہ بھی تصور کیجئے۔ یہ پیمانہ محمل کی طرح ہے یعنی جس طرح مسافر محمل میں چلا جاتا ہے اسی طرح ہم اس نشے میں ملفوف چلے جا رہے ہیں۔ تھکن مزید بڑھی یعنی تھکن کا نشہ اور بڑھا۔ اس نشے کا پیمانہ اور بہتر طریقے پر محمل کی طرح ہو گیا۔ جس طرح انگور کی بیل کے ریشے میں تھوڑی تھوڑی دور پر انگور کے دانے ہوتے ہیں اسی طرح طویل جادے میں ہمارے پاؤں کے آبلے ہیں۔ انگور سے نشہ اور شراب بنتی ہے۔ آبلوں سے نشۂ واماندگی ابھرتا ہے۔ تھکن کے نشے کے پیمانے سے مراد خود تھکن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم راستہ چلتے چلتے تھک گئے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی محمل نہیں بجز اس تھکن کے یہی ہمارا سہارا ہے۔

بہ وحشت گاہِ امکاں اتفاقِ چشم مشکل ہے

مہ و خورشید باہم سازِ یک خوابِ پریشاں ہیں

وحشت گاہِ امکاں سے مراد دنیا ہے۔ دنیا میں دو آدمیوں کی آنکھ یا نظر کا اتفاق مشکل ہے یعنی ایک آدمی کو جو کچھ نظر آتا ہے دوسرا اس سے کچھ مختلف دیکھتا ہے۔ چاند اور سورج دو شخصوں کی آنکھوں کی طرح ہیں لیکن ان میں اتفاق نہیں یہ دونوں باہم ملکر ایک خوابِ پریشاں کا سامان فراہم کر دیتے ہیں۔ سورج دنیا کو کسی اور نظر سے دیکھتا ہے۔ چاند کسی اور سے۔ دونوں کا اجتماع کر دیا جائے تو وہ اجتماعِ ضدین یعنی وحشت آمیز خواب ہو گا۔

نہ انشا معنیِ مضموں، نہ املا صورتِ موزوں

عنایت نامہ ہائے اہلِ دنیا، ہرزہ عنواں ہیں

فارسی کا ایک مشہور مصرع ہے ع

خط غلط، معنی غلط، انشا غلط، املا غلط

غالب نے اسی کے الفاظ ذہن میں رکھے ہیں۔ اہلِ دنیا چٹھیاں لکھتے ہیں تو وہ بے ہودہ

انداز کی ہوتی ہیں نہ ان میں معنیٔ مقصود حسن و خوبی سے محرّر ہوتے ہیں اور نہ اطناب شکل میں ہوتا ہے ایسے عنایت ناموں کا کیا سرپیر نکالا جائے۔

طلسمِ آفرینش حلقۂ یک بزمِ ماتم ہے
زمانے کے شبِ یلدا سے موئے سر پریشاں ہیں

دُنیا ایک ماتم کرنے والوں کا گروہ معلوم ہوتی ہے۔ ماتمیوں کے سر کے بال پریشاں ہوتے ہیں۔ کالی رات کو ماتم کناں زمانے کے پریشان بال ہی سمجھئے۔ شبِ یلدا سے: شبِ یلدہ کے ذریعے سے شبِ یلدا کے پردے ہیں۔

یہ کس بے مہر کی تمثال کا ہے جلوہ سیمابی
کہ مثلِ ذرہ ہائے خاک آئینے پرافشاں ہیں

سیمابی: روشن سفید۔ سورج کا جلوہ روزن سے گزر کر ذروں پر پڑتا ہے تو ذرے اُڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ آج تو آئینے بھی خاک کے ذروں کی طرح اُڑے جا رہے ہیں۔ ان میں کس ظالم کی تصویر کا جلوہ پڑا جس سے ان کا یہ حال ہوا۔ ظاہر ہے کہ ظالم محبوب ان کے سامنے آیا ہوگا اور اس کے جلوے نے آئینے کو اُڑا دیا۔ آئینے پر سیماب کی قلعی ہوتی ہے اس لئے سیمابی کہنے میں ایک رعایت بھی ہوئی۔

مگر آتش ہمارا کوکبِ اقبال چمکا دے
وگرنہ مثلِ خارِ خشک مردودِ گلستاں ہیں

ہم سوکھے کانٹے کی طرح باغ میں مردود ہیں شاید آگ ہماری قسمت کے تارے کو روشن کر دے۔ ہم کانٹے کی طرح جلیں گے تو ایک روشنی ہوگی۔ اس کے سوا اور کسی بلند اقبالی کی اُمید نہیں۔

اسدؔ بزمِ تماشا میں تغافل پردہ داری ہے
اگر ڈھانپے تو آنکھیں ڈھانپ ہم تصویرِ عریاں ہیں

ایک محفل ہے جس میں یار بھی موجود ہے اور دوسرے بھی۔ اسے بزمِ تماشا کہیں گے اگر عاشق مسلسل یار کی طرف دیکھتا رہے تو اس کا رازِ عشق فاش ہو جائیگا۔ ضرورت ہے کہ وہ محبوب کی طرف سے تغافل کرے۔ اس پر کوئی خاص دھیان نہ دے۔ کسی کو بھی شبہ نہ ہوگا۔ عاشق کا عشق اس کی آنکھوں، اس کی نظارہ بازی سے اتنا صاف ہو گیا ہے جیسے کسی عریاں تصویر کی حقیقت پہلی نظر میں دکھائی دے جائے۔ عاشق اپنے دوست اسدؔ سے کہتا

ہے کہ اگر تو ہمارا رازِ عشق افشا نہیں کرانا چاہتا تو ہماری آنکھیں ڈھانپ دے تاکہ ہم مسلسل محبوب کی طرف نہ گھورتے جائیں اور لوگ سب کچھ نہ تاڑ جائیں۔

(۱۳۲) مرگِ شیریں ہو گئی تھی کوہکن کی فکر میں
تھا حریرِ سنگ سے قطعِ کفن کی فکر میں

نسخۂ عرشی میں مرگ پر اضافت ہے جو مناسب نہیں۔ یہ کہنا غلط ہو گا کہ تیشوں تراشتے وقت فرہاد کے تصور میں شیریں کی موت واقع ہو چکی تھی۔ مرگ اور شیریں میں اضافت کا تعلق نہیں توصیفی رشتہ ہے۔ فرہاد کے تخیل میں موت خوشگوار اور شیریں ہو گئی تھی۔ وہ پتھر نہیں تراش رہا تھا لباس ریشمِ سنگ سے اپنا کفن تراش رہا تھا۔ حریر بہت ملائم کپڑا ہوتا ہے۔ شاعر کی جسارت ہے کہ پتھر کو ریشم سے مشابہ کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ فرہاد جب پہاڑ کو تراش رہا تھا اسے احساس تھا کہ کامیابی منہ نہ دکھائے گی اور آخرکار اسے جان دینی ہو گی لیکن چونکہ یہ مہم محبوب کے آرام کے لئے کی جارہی تھی اس لئے مرنا اسے محبوب ہو گیا تھا۔

فرصت یکِ چشمِ حیرت شش جہت آغوش ہے
ہوں سپندآسا، وداعِ انجمن کی فکر میں

یکِ چشمِ حیرت: حیرت کی ایک نظر ڈالنا۔ فرصت میں آنکھ کھلی رہ جاتی ہے جو آغوشِ وداع سے مشابہ ہوتی ہے۔ آغوشِ وداع سے مراد کسی کو وداع کرتے وقت ہاتھ کھول کر بغلگیر ہونا۔ مجھے حیرت کی ایک آنکھ ڈالنے کی مہلت ملی ہے اور اتنی سی فرصت پوری دنیا کو آغوش میں لئے ہے۔ یہ آغوش، وداع کی آغوش ہے۔ جیسے سپند کو آگ پر ڈالتے ہیں تو وہ پھٹتا ہے اور چشمِ حیرت اور آغوشِ وداع سے مشابہ ہوتا ہے اسی طرح میں چشمِ حیرت کی آغوش سے محفلِ عالم کو وداع کر رہا ہوں۔ یعنی مرنے سے پہلے کے چند لمحوں میں چار اطراف کو دیکھ کر رخصت ہو رہا ہوں۔

وہ غریبِ وحشت آبادِ تسلی ہوں جسے
کوچہ دے ہے زخمِ دل، صبحِ وطن کی فکر میں

شاعر اپنے وطن سے دور غریب الدیار ہے۔ صبحِ وطن کو یاد کر رہا ہے۔ اس وقت وحشت آبادِ تسلی میں ہے یعنی جس مقام میں ہے اسے وحشت آباد سمجھئے یہاں کوئی مونس اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا ہے وہ مونس کون ہے؟ زخمِ دل۔ کوچہ دینا: کسی کو گذرنے کے لئے راستہ دینا اس طرح یہ راہ دینے کے مترادف ہے۔ وحشت آبادِ غربت میں یہ صبحِ وطن کی تلاش میں چلے جارہے

یعنی زخمِ دل نے ان کیلئے راستہ بنا دیا کہ اس پر چلو تو منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ یہی تسلی دیتا ہے
ظاہر ہے کہ زخمِ دل کے راستے پر چلنا اور بھی موجبِ آزاد ہوگا۔

سایۂ گل داغ و جوشِ نکہتِ گل موجِ دود
رنگ کی گرمی ہے تاراجِ چمن کی فکر میں

شاعر نے بہارِ باغ کو بربادیٔ باغ کا سامان بنا دیا ہے۔ پھول کا کالا سایہ داغ ہے۔
پھول کی خوشبو کا پھیلاؤ دھویں کا لہرانا ہے۔ پھول کے سرخ رنگ کی حدت باغ کو برباد کرنے
کی فکر میں ہے۔ گرمی سے مراد آتش گل ہے۔ اس طرح شاعر نے بہار سامانی کو آگ، دھواں اور
داغ بنا دیا۔

فالِ ہستی، خار خارِ وحشتِ اندیشہ ہے
شوخیٔ سوزن ہے سامانِ پیرہن کی فکر میں

خار خار: دغدغہ۔ سامانِ پیرہن: پیرہن سازی یا اہتمامِ پیرہن۔ ہم نے فال لیا کہ
ہم صفحۂ ہستی پر باقی رہیں گے کہ نہیں۔ اندیشوں نے بقائے حیات کے بارے میں دغدغہ پیدا کر دیا
دوسری طرف سوئی کی شوخی یہ ہے کہ ہمارے لئے پیرہن سینے کی فکر میں ہے۔ جب وجود کے
بارے میں ہی ہزار اندیشے ہیں تو آرائشِ جسم کا ہے کے لئے۔ خار خار اور سوزن میں رعایت ہے

غفلتِ دیوانہ جز تمہیدِ آگاہی نہیں
مغزِ سر، خوابِ پریشاں ہے سخن کی فکر میں

غفلت سے مراد عدم ہوش مندی ہے۔ کوئی وحشت ناک خواب دیکھتا ہے تو بیداری
کے بعد اس کا ذکر کرتا ہے اور اس وقت کی بات ہوش سے بھری ہوتی ہے۔ دیوانے کا مغزِ
سر وحشت ناک خواب کی طرح پریشاں ہے اس لئے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگلی منزل
ہوش مندی کی بات چیت ہوگی۔ اس طرح اس کی شوریدہ سری ہوش مندی کی بشارت
کے سوا کچھ نہیں۔

مجھ میں اور مجنوں میں وحشت جائزِ دعویٰ ہے اسد
برگ برگِ بید ہے، ناخن زدن کی فکر میں

ناخن زدن: دو آدمیوں کے بیچ فتنہ و جنگ کرا دینا۔ اے اسد میرے اور مجنوں کے
بیچ وحشت بنائے مسابقت ہے۔ بیدِ مجنوں کا تعلق مجنوں سے بھی ہے وحشت سے بھی
اس کا ہر پتہ ہم دونوں کو لڑانے کی فکر میں ہے۔ بیدِ مجنوں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے پتے

بکھرے ہوئے ٹوٹے پھوٹے سے ہوتے ہیں اور اس پر پھل نہیں آتا۔

نسخۂ عرشی میں وحشت کے بعد وقفہ کا نشان دے کر وحشت کو ساز سے الگ کر دیا ہے۔ میری رائے میں یہ دور از کار ہے۔ "وحشت سازِ دعویٰ" ایک ہی ترکیب مانا جا سکتا ہے اور غالب کے لئے ایسی ترکیب کا استعمال غیر معمولی نہیں۔ اب شعر کے معنی یہ ہوں گے۔ بیدِ مجنوں نے میرے اور مجنوں کے درمیان دعویٰ (مسابقت، تقابل) کی وحشت پیدا کر دی ہے اس کا ہر پتہ ہم دونوں کو ڈانٹنے کی فکر میں ہے۔ شعر کے خیال کی بنیاد بیدِ مجنوں کے لفظ پر ہے۔ وحشت ساز کو ایک ترکیب ماننا قابلِ ترجیح ہے۔

(۱۳۳)

اے نوا سازِ تماشا سر بکف جلتا ہوں میں
یک طرف جلتا ہے دل اور یک طرف جلتا ہوں میں

نوا سازِ تماشا: تماشے کا اہتمام کرنے والا یعنی وہ شخص جس نے اپنے حسن کی دید کا موقع فراہم کیا ہے۔ اے نمائشِ حسن کرنے والے میں سر کو ہتھیلی پر رکھے جل رہا ہوں۔ میرا دل بھی جل رہا ہے اور میں خود بھی۔

شمع ہوں، لیکن بہ پا در رفتہ خارِ جستجو
مدعا گم کردہ ہر سو ہر طرف جلتا ہوں میں

بہ پا در رفتہ خارِ جستجو: جس کے پاؤں میں خارِ جستجو چبھا ہے۔ شمع کے دھاگے کو خارِ شمع کہا جاتا ہے۔ انہوں نے جستجو کو کانٹے سے استعارہ کیا ہے جو پاؤں میں چبھا ہے۔ میں ایسی شمع ہوں جس کو جستجو کی خلش ستا رہی ہے۔ میں ہر طرف پھرتا ہوں۔ منزلِ مقصود سے دور دور ادھر اُدھر ٹکر کھا رہا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ جل بھی رہا ہوں۔

ہے مساسِ دستِ افسوس آتش انگیز تپش
بے تکلف آپ پیدا کر کے تف جلتا ہوں میں

تف: تپ یا تب یعنی گرمی۔ میں افسوس میں ہاتھ ملتا ہوں تو بے چینی کی آگ بھڑکتی ہے۔ آپ ہی حدت پیدا کرتا ہوں اور آپ ہی اس میں جلتا ہوں۔ ہاتھوں کو رگڑنے سے گرمی پیدا ہوتی ہے۔ جلنا دراصل ہاتھ کی گرمی سے نہیں افسوس کی وجہ سے ہے۔

ہے تماشا گاہِ سوزِ تازہ ہر یک عضوِ تن
جوں چراغانِ دوالی صف بہ صف جلتا ہوں میں

میرے ہر عضوِ بدن میں آگ لگی ہوئی ہے۔ ابھی ایک عضو جلا ہے اس کے بعد ایک نئی آگ لگ کر دوسرا عضو۔ اس طرح جسم ایک تماشا دے رہا ہے۔ جیسے دوالی میں چراغوں کی صفیں روشن کی جاتی ہیں پہلے ایک صف پھر دوسری صف۔ وہی میرے بدن کا حال ہے

شمع ہوں تو بزم میں جا پاؤں غالب کی طرح
بے محل اے مجلس آرائے نجف جلتا ہوں میں

نسخۂ بھوپال میں "کی طرح" ہے اور نسخۂ شیرانی میں "کس طرح"۔ خود نوشت دیوان سے گتھی حل ہو جاتی ہے۔ اصلاً متن تھا "مانندِ اسد"۔ اسے کاٹ کر "غالب کی طرح" بنایا گیا ہے نسخۂ شیرانی میں بھی یونہی لکھا ہوگا۔ اگر قاری "کا" کے نقطے نظر انداز کر دے تو "کس طرح" پڑھ سکتا ہے۔ یہاں "کی طرح" کا محل ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں۔ مجلس آرائے نجف: حضرت علی۔ یا علی اگر مجھے شمع کی طرح جلنا ہے تو آپ کی مجلس میں غالب کی طرح جگہ پاؤں اور شمعِ مجلس بن کر مرکزی مقام حاصل کروں اب آپ کی بزم سے دور میں جل رہا ہوں اور یہ جلنا میرے لئے بے موقع و محل ہے۔ مجھے بھی غالب کی طرح قبول کر لیجیے۔

(۱۳۴)

فتادگی میں قدم استوار رکھتے ہیں
برنگِ جادہ سرِ کوئے یار رکھتے ہیں

قدم استوار رکھنا: ثابت قدمی۔ سرِ کوئے یار رکھنا: یار کے کوچے کا قصد کرنا۔ راستہ گرا پڑا ہوتا ہے لیکن یار کے کوچے میں جا کر ملتا ہے۔ ہم بھی عاجز و خاکساری کے باب میں ثابت قدم ہیں۔ ہم بھی کوئے یار کا قصد رکھتے ہیں کیونکہ وہاں ہر فتادہ شخص پہنچ سکتا ہے۔

برہنہ مستیِ صبحِ بہار رکھتے ہیں
جنونِ حسرتِ یک جامہ وار رکھتے ہیں

برہنہ مستی: کھال میں مست ہونا۔ بے نوائی کے باوجود مست ہونا۔ صبح چونکہ رات کا جامہ چاک کر کے ظاہر ہوتی ہے اس لئے اسے برہنہ قرار دیا۔ ہم صبحِ بہار کی طرح اپنی برہنگی اور بے نوائی میں مست ہیں۔ ہمیں ایسی حسرت کا جنون ہے جو ایک جامے کی طرح ہے جسم پر ایک

جامہ ہو تو برہنگی ہی سمجھئے۔ ایک جامۂ حسرت سے برہنہ مستی ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

طلسمِ مستیِ دل آں سوئے ہجومِ سرشک
ہم ایک میکدہ دریا کے پار رکھتے ہیں!

ہمارے پاس آنسوؤں کا ہجوم ہے۔ اس کے پرے دل کی مستی و کامرانی کا طلسم ہے۔ آنسو نہ رہیں تو مستی نصیب ہو۔ اس طرح ہمارے پاس ایک میکدہ ہے لیکن دریا کے پار۔ دریا کو آسانی پار نہیں کیا جا سکتا۔ آنسو بھی دریا ہیں۔ انھیں پار کرکے مستی تک رسائی ممکن نہیں۔ آنسو اور سرشک میں رعایت ہے۔

ہمیں حریرِ شرر بافِ سنگ خلعت ہے
یہ ایک پیرہنِ زر نگار رکھتے ہیں

شرر باف: چنگاریوں سے بنا ہوا۔ حریرِ شرر باف: وہ ریشمی کپڑا جس میں دھاگے کے طور پر چنگاریاں لگائی گئی ہیں۔ حریرِ شرر بافِ سنگ: پتھروں کی چنگاریوں سے بنا ہوا سنہری کپڑا۔ ہمارے پاس حریر ہے تو شرارِ سنگ کا جو لڑکوں نے کھینچ مارے ہیں۔ اس طرح ہمارے پاس بھی ایک طلائی پیرہن ہو گیا۔

نگاہِ دیدۂ نقشِ قدم ہے جادۂ راہ
گزشتگاں اثرِ انتظار رکھتے ہیں!

اثر: نشانِ پا۔ آنکھ کسی طرف کو مسلسل نگاہ کیے رہے تو یہ کسی کے انتظار کرنے کی دلیل ہے۔ راستے سے جو لوگ گزر گئے، ان کا نقشِ قدم راستے پر موجود ہے۔ نقشِ قدم کی گولائی آنکھ کی طرح ہوتی ہے جس میں راستہ نگاہ کی طرح ہے۔ یہ مسلسل نگاہ بازی کیوں۔ گزرنے والے لوگ انتظار کرنے کا نشان دے رہے ہیں۔ اگر گذشتگاں سے مراد دنیا سے گزرنے والے لئے جائیں تو یہ کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ ظاہر ہے، "پیچھے آنے والوں کا" زندہ لوگوں کا۔

ہوا ہے گریۂ بے باک ضبط سے تسبیح
ہزار دل پہ ہم اک اختیار رکھتے ہیں

لاکھ کہا جائے کہ ہمیں دل پر اختیار ہے یہ صحیح نہیں۔ پہلے آنسو بے باکی سے دھار بن کر بہتے تھے۔ ہم نے ضبط دکھایا تو وہ پلکوں پر بوندیں بن کر رہ گئے اور مسلسل بوندیں تسبیح کی طرح ہو گئیں۔ اختیار تو جب ہوتا کہ آنسو نکلتے ہی نہیں۔ اس شعر میں غالب کی ایک شوخی دکھائی دیتی ہے یعنی شعر کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں ـــ ہم نے دل میں گریہ کو ضبط کیا۔ وہاں آنسو کے ہزار قطرے جمع ہو گئے جیسے

تسبیح ہزار دانہ بن گئی۔ ہزار دانوں کی وجہ سے گویا ایک ہزار دل ہمارے اختیار میں آ گئے۔ دانۂ تسبیح کو دل سے تشبیہہ دینا غالب کے لئے نئی بات نہیں۔ یاد کیجئے:۔

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بہ یک کف بردنِ صد دل پسند آیا

لباطِ ہیچ کسی میں برنگِ ریگِ رواں
ہزار دل بہ وداعِ قرار رکھتے ہیں

ہیچ کسی: ہیچ میرزی، کسی قابل نہ ہونا۔ اڑتے ہوئے ریت کا ذرہ ایک دل کی طرح ہوتا ہے جو بیچین اور قرار کو رخصت کر رہا ہو۔ ہیچ کسی کے باب میں ہمارے پاس بھی ہزار دل ہیں۔ کیسے؟ قرار سے بھرے ہوئے نہیں بلکہ قرار کو رخصت کرنے والے یعنی ہم بے کس بھی ہیں بے قرار بھی

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے غالب
لبانِ دشت، دلِ پر غبار رکھتے ہیں

دل میں غبار منجملہ اور باتوں کے حسرت کی نشانی ہے۔ ہمارے کتنے دوست بچھڑ گئے۔ ان کی فرقت کا غم اور جنون ہے جس طرح جنگل میں گرد بھری رہتی ہے اسی طرح ہمارے دل میں بھی غمِ فرقت کا غبار بھرا ہوا ہے۔

(۱۳۵)

بہ غفلت عطرِ گل، ہم آگہی مخمور رکھتے ہیں
چراغانِ تماشا، چشمِ صد ناسور رکھتے ہیں

شعر میں بڑی گنجلک ہے۔ دوسرے مصرع میں یہ صاف نہیں کہ تماشا کے بعد وقفہ ہو یا تماشا چشم ایک ترکیب ہے۔ بہرحال بہترین معنی جو ممکن ہیں یہ ہیں۔ ہم آگہی مخمور ہیں یعنی آگہی کی جانب سے مخمور ہیں یعنی ہوش و حواس میں نہیں۔ اگر ہم کبھی کبھار بھول کا عطر لگا لیتے ہیں تو یہ غفلتِ ہوش کے عالم ہی میں ہوتا ہے ورنہ بالعموم ہم اپنے جسم کے سو ناسوروں کی آنکھوں کو رکھتے ہیں۔ ناسور کی آنکھ رکھنے سے ہاتھ پر کوئی رطوبت لگے گی وہ ہمیں عطرِ گل کی بہ نسبت زیادہ مرغوب ہے دونوں مصرعوں میں "رکھتے ہیں" کا فاعل "ہم" ہے۔ دوسرے مصرع میں چشمِ صد ناسور ہی کو چراغانِ تماشا قرار دیا ہے۔ اس تشریح سے تماشا کے بعد وقفہ قرار پایا۔

بہ کس جرم سے ہیں بے قرارِ داغ ہم طرحی
سمندر کو پرِ پروانہ سے کافور ملتے ہیں!

شعر میں ملتے جلتے کئی مفاہیم کی گنجائش ہے۔ موزوں ترین یہ ہے۔ عاشق کے بارے میں کہا گیا کہ وہ سمندر کا ہم طرح ہے چونکہ ہر وقت سوزش میں مبتلا رہتا ہے۔ عاشق کا خیال ہے کہ یہ حالت اس کے لئے ایک داغ ہے کیونکہ بزعمِ خویش وہ سمندر پر فوقیت رکھتا ہے۔ کسی کے کافور ملنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں (۱) مرنے پر حنوط کی شکل میں لگایا جائے یا (۲) سوزش میں ٹھنڈ پہنچانے کیلئے ملا جائے۔ سمندر کا جسم اتنا گرم ہے کہ معمولی طور پر اس کے کافور نہیں مل جا سکتا۔ اس کے لئے پرِ پروانہ کا برش لیا گیا۔ پروانے کو شمع کی لَو پر گرنے کی ہمت ہوتی ہے اسی لئے وہی سمندر پر کافور لگانے کا کام کر سکتا تھا۔ اگر سمندر آگ سے جل کر مر گیا تو عاشق کو اس پر فوقیت ہے کہ وہ اس سے زیادہ ضبط و برداشت کرنے والا ثابت ہوا۔ اور اسی قدر حدت کے باوجود زندہ ہے۔ اگر سمندر آگ سے گھبرا گیا ہے اور اس لئے اُس پر کافور ملا جا رہا ہے تو بھی عاشق کو اُس پر فوقیت ہوئی کہ وہ حدت کو دور کرنے کیلئے کافور کا سہارا نہیں ڈھونڈھ رہا۔ عاشق کہتا ہے کہ جب مجھے سمندر پر فوقیت ہے تو کس علت میں مجھے سمندر کا مماثل کہہ کے داغ دار کیا جا رہا ہے۔

چمن نامحرمِ آگاہیِ دیدارِ خوباں ہے
سحر گلہائے نرگس چشمِ کور ملتے ہیں

شاید صبح کے وقت نابینا آنکھوں پر نرگس کا پھول ملا کوئی توہم ہو کہ اس سے عودِ بینائی کا امکان ہے۔ خوباں سے مراد باغ کے حسین پھول ہیں۔ باغ دیدارِ خوباں کی قدر دانی سے واقف نہیں یعنی باغ میں ایسے لوگ نہیں آتے جو حسنِ گل کے واقف کار ہوں۔ صبح کے وقت کچھ اندھے اپنی آنکھوں پر نرگس کے پھول ملتے ہیں۔ یہ تحسین ناشناس ہوئی۔

کجا جوہر؟ چہ عکسِ خط بخوباں وقتِ خود آرائی
دلِ آئینہ زیرِ پائے خیلِ مور ملتے ہیں!

فولادی آئینے کا جوہر نقطوں کی شکل میں ہوتا ہے اس لئے چیونٹیوں سے مشابہ ہوا۔ خط کے چھوٹے چھوٹے بال بھی خیلِ مور یعنی چیونٹیوں کے دل سے مشابہ ہوتے ہیں۔ جوہر آئینہ کا دل بھی ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جوہر کہاں ہے اور عکسِ خط کہاں ہے۔ اہلِ حسن خود آرائی کے وقت آئینے میں عکسِ خط نہیں ڈالتے بلکہ آئینے کے دل یعنی جوہر کو چیونٹیوں کے گروہ یعنی عکسِ خط کے پاؤں

تنے طوار ہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بتوں کی خود آرائی دیکھ کر آئینہ تڑپ اُٹھتا ہوگا۔

تماشائے بہار، آئینہ پردازِ تسلی ہے
کفِ گل برگ سے پائے دلِ رنجور ملتے ہیں

آئینہ پرداز: صیقل گر۔ بہار کا تماشا دیکھنے سے تسلی بڑھتی ہے گویا پھول کی پتی ایک ہاتھ ہے جس سے بیمار دل کے پاؤں سہلاتے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ بخار میں مریض کے تلووں کو ہاتھ سے یا پتوں سے سہلایا جاتا ہے تو مریض کو آرام آتا ہے۔ بہار بھی گلبرگ کی ہتھیلیوں سے دلِ بیمار کو تسلی دے رہی ہے۔

گراں جانی سکیں، رد تماشائے دماغ آیا
کفِ افسوسِ فرصت، سنگِ کوہِ طور ملتے ہیں

طور پر خدا کا جلوہ چمکا۔ طور کے پتھر جل گئے۔ موسیٰ بیہوش ہوئے۔ تماشا کا تعلق حضرت موسیٰ کی قوتِ دید سے ہے اس لئے گراں جانی بھی غالباً انھیں کی ہے طور کی نہیں۔ حضرت موسیٰ کی گراں جانی شرمندہ ہوئی کہ وہ حریفِ جلوہ نہ ہو سکے بلکہ بے ہوش ہو گئے۔ ان کی قوتِ تماشا نازک مزاج اور مضمحل ہو گئی دوسری طرف طور کے پتھر اس بات پر افسوس کر رہے ہیں کہ اتنی فرصت کیوں میسر ہوئی کہ جلانے والی تجلی سے سامنا ہو جاتا۔

ممکن ہے شاعر کا منشا اس کے برعکس یہ ہو کہ موسیٰ کی گراں جانی اس بات پر شرمندہ ہے کہ وہ جلوے کے سامنے سخت جاں بن کر زندہ کیوں رہے۔ سنگِ طور کے افسوس کی بھی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ جلوے کی مہلت اتنی خفیف کیوں تھی۔ یہ دراز تر کیوں نہ ہوئی تاکہ پہاڑ پوری طرح سے جل کر راکھ ہو جاتا۔

اسدؔ حسرت کشِ یک داغِ مشک اندود ہے یارب
لباسِ شمع پر عطرِ شبِ دیجور ملتے ہیں

داغِ مشک اندود: وہ داغِ زخم جس پر مشک چھڑکی گئی ہو۔ مشک زخم کے اندمال کو روک کر اسے ہرا کر دیتی ہے، اور یہی شاعر کو مرغوب ہے۔ مشک سیاہ ہوتی ہے اور رات بھی سیاہ عطرِ شبِ دیجور زبردستی کی نازک خیالی ہے۔ اسدؔ کو حسرت ہے کہ اسے ایک داغ ملے اور اس پر مشک چھڑک کر زخم کو تازہ رکھا جائے لیکن اُسے تو یہ نعمت دی نہیں گئی۔ اس کے مقابلے میں شمع کے لباس میں کالی رات کو عطر ملتے ہیں۔ عطرِ شب ملنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) شمع جل کر ایک سیاہ داغ رہ جاتی ہے گویا شمع کے ظاہر پر کالی رات کا کالا عطر مل گیا۔ (۲) شمع رات کی

سیاہی میں جلائی جاتی ہے یعنی رات سے گھری ہوتی ہے اس طرح اس کے لباس پر عطرِ شب ہوا۔ شمع کو عطر نصیب ہے مجھے داغ بھی نہیں دیا گیا۔

(۱۳۶)

ہوئی ہیں آب شرم کوششِ بے جا سے تدبیریں
عرق ریزِ تپش ہیں موج کی مانند زنجیریں

مجھے اسیر کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ بے موقع اور بے سود تھی۔ تدبیر شرم کے مارے پانی پانی ہوگئی۔ جن زنجیروں سے مجھے اسیر کیا گیا وہ اتنی تڑپیں کہ ان میں سے پسینہ نکلنے لگا۔ چونکہ تڑپ بے نہایت تھی اس لئے پسینہ بھی بہت آیا۔ اس حد تک کہ زنجیر موجِ آب کی طرح ہوگئی۔ جسمانی محنت سے پسینہ آتا ہے۔ تڑپ میں جسم حرکت کرتا ہے اس لئے پسینہ آیا۔ زنجیر کو موج سے مشابہ کرنے کی دو وجہیں ہیں دونوں کا پانی سے بھرا ہونا اور دونوں کا تڑپنا۔

خیالِ سادگی ہائے تصور نقشِ حیرت ہے
پرِ عنقا پہ رنگِ رفتہ سے کھینچے ہے تصویریں

آج کل ہمارا تصور کتنا خالی اور سادہ ہے اس کا خیال کرتا ہوں تو یہ نقشِ حیرت بن جاتا ہے۔ نقش کو آئینے کی طرح حیران ماننے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی جس طرف کو دیکھتا ہے دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ خیالِ سادگی کا نقشِ حیرت ہونے سے مراد ہے کہ تصور کی سادگی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ تصور کی سادگی کا مبالغہ دیکھئے۔ عنقا نایید پرندہ ہے۔ رنگِ رفتہ = اڑا ہوا رنگ یعنی جو کبھی موجود تھا لیکن اب نہیں ہے۔ معدوم پرندے کے پروں پر معدوم رنگ سے جو تصویریں بنائی جائیں گی وہ خود معدوم ہوں گی۔ ہمارے تصور میں صرف ایسی تصویریں ہیں اور بس یعنی تصور ہر قسم کی تصویروں سے معرا ہے۔

دلِ ہر شمع یاں آئینۂ حیرت پرستی ہے
کرے ہیں غنچۂ منقارِ طوطی نقشِ گل گیریں

گل گیر = قینچی جس سے شمع کا گل کاٹتے ہیں۔ شاعر کے ذہن میں آیا کہ شمع کی سیاہی کو گل کیوں کہتے ہیں اسے غنچہ کیوں نہ کہا جائے۔ پھر اسے خیال آیا کہ منقار کو غنچے سے تشبیہ دیتے ہیں اس لئے گلِ شمع کو غنچۂ منقارِ طوطی قرار دیا جائے۔ طوطی کا تعلق آئینے سے ہے کیونکہ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر بولنا سکھایا جاتا ہے۔ چونکہ شاعر نے کہا ہے کہ قینچی غنچۂ منقارِ طوطی کے

نقش بناتی ہے اور منقارِ طوطی کا عکس آئینے میں دکھائی دیتا ہے اس لئے شمع کو آئینہ قرار دیا آئینہ حیران ہوتا ہے اس لئے شمع کو آئینۂ حیرت پرستی کہا۔ غرض شعر چند در چند مناسبات لفظی کا گورکھ دھندا ہے۔

سپند آہنگی ہستی و سعیِ نالہ فرسائی
غبار آلودہ ہیں جوں دودِ شمعِ کشتہ تقریریں

ہستی سپند آہنگ ہے یعنی سپند کا سا ارادہ رکھتی ہے۔ سپند کو آگ پر ڈالا وہ ایک آن میں چٹخا اور ختم ہوا۔ ہستی اتنی مختصر ہے جتنا سپند کا آگ پر چٹخنا۔ اتنی مختصر فرصت میں نالہ کرنے کی کیا کوشش کی جائے۔ اور وہ کیا کامیاب ہوگی۔ شمع کو بجھایا جائے تو اس کا دھواں غبار آلودہ ہوتا ہے۔ اس سے کسی شے پر سیاہی پاری جاسکتی ہے۔ تقریر کی صلاحیت بھی اسی طرح غبار آلودہ ہوگئی ہے۔ گلے میں غبار چلا جائے تو بولنا مشکل ہے۔ زندگی کا اختصار اور موت کا ہر دم دھڑکا یہ بھی مجازی معنی میں دل کو غبارِ ملال سے بھر دیں گے۔ اس طرح زندگی [illegible] مختصر ہونے کی وجہ سے نہ آواز نکالنا ممکن ہے نہ نالہ کرنا۔

ہجوم سادہ لوحی، پنبۂ گوشِ حریفاں ہے
وگرنہ خواب کی مضمر ہیں افسانے میں تعبیریں

خواب دیکھنے کے بعد اس کا قصہ بیان کیا جائے۔ لوگ قصہ سن لیتے ہیں اس کی تعبیر نہیں جان پاتے حالانکہ تعبیر تو رودادِ خواب میں پوشیدہ ہے۔ یہ قصۂ خواب سننے والے بے وقوف ہیں۔ ان کی بے وقوفی ان کے کانوں میں روئی کی طرح ہے کہ یہ قصہ کا اصل مطلب نہیں سن پاتے یا گرفت نہیں کر سکتے۔

عیاں ہے شوخ کی تمکینِ بعد از قتل کی حیرت
بیاضِ دیدۂ نخچیر پر کھینچے ہے تصویریں

شوخ حسینوں نے ایک صید کو قتل کیا اور اس کے بعد بڑی شان اور استقلال کا مظاہرہ کیا۔ نخچیر یہ دیکھ کر حیران ہوا اور اس نے اس دبدبہ کی تصویر اپنی آنکھ پر کھینچ لی۔ بیاض: سادہ کاپی۔ آنکھ کی پتلی بھی بیاض ہو سکتی ہے یہ مشہور ہے کہ سانپ کو مارا جائے تو اس کی آنکھ کی پتلی پر قاتل کی تصویر کھینچ جاتی ہے۔ سانپ کا جوڑا اس تصویر کو دیکھ کر قاتل کو تلاش کر لیتا ہے اور کاٹ لیتا ہے۔ کچھ ایسی ہی بات یہاں ہے کہ حیرت نے صیدِ مقتول کی آنکھ پر حسین قاتل کے ٹھسّے کی

تصویر بنا دی ہے۔

اسد طرزِ عروجِ اضطرابِ دل کو کیا کہیئے
سمجھتا ہوں تپش کو الفتِ قاتل کی تاثیر ہی

اے اسد دل کے تڑپنے کی افراط کا کیا بیان کروں۔ میں تڑپ کو عشق قاتل کی تاثیر سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں قاتل سے مراد محض محبوب ہے۔ اس شعر کو لازماً قتل کے بعد کا قرار دینے کی ضرورت نہیں اور اگر یہی فرض کیا جائے تو قتل کے بعد جسم کی طرح دل بھی تڑپا۔ اس تڑپ کو میں نے اس محبت کا اثر سمجھا جو قاتل کے دل میں میرے لئے پیدا ہوئی ہے۔

(۱۳۷)

بے دماغی حیلہ جوئے ترکِ تنہائی نہیں
ورنہ کیا موجِ نفس، زنجیرِ رسوائی نہیں

میں گوشۂ تنہائی میں رہتا ہوں اس پر لوگ رسوا کرتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ خلوت میں کیا کرتا ہے۔ میں اس حیلے کو لے کر ترکِ تنہائی کر سکتا تھا لیکن میری بے دماغی اس کے لئے آمادہ نہیں۔ لوگ میری خلوت نشینی کے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں ان کی افواہیں مل کر زنجیرِ رسوائی بن گئی ہیں لیکن مجھے رسوائی کا کوئی خوف نہیں۔ میں سانس لیتا ہوں زندہ ہوں اور زندگی خود ایک اہتمام ہے اور عاشق کے لئے مقام رسوائی۔ پہلے مصرع کے معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے ترک تنہائی کر دیا ہے لیکن ہماری بے دماغی اس کیلئے کوئی حیلہ، صفائی یا جواز نہیں ڈھونڈتی، یہ تشریح سندیلوی نے کی ہے لیکن میں پہلی تشریح کو ترجیح دوں گا۔

وحشی خو کردۂ نظارہ ہے حیرت جسے
حلقۂ زنجیر اجز چشم تماشائی نہیں

غالب کے اشعار میں حیرت کا لفظ برمحل اور بے محل جگہ جگہ استعمال ہوتا ہے۔ موجب حیرت اکثر واضح نہیں ہوتا عاشق زنجیر میں بندھا ہوا ہے۔ اس کی حیرت کو کوئی پروا نہیں کیونکہ حیرت وحشی ہے اور اسے نظارہ بازی کا شوق ہے۔ اس کے لئے زنجیر کا حلقہ قید و بند کی علامت نہیں بلکہ تماشا دکھانے والی آنکھ ہے۔ حلقۂ زنجیر کو حلقۂ چشم سے مشابہ کیا ہے اس کے علاوہ شعر میں کوئی خاص بات نہیں۔

قطرے کو جوشِ عرق کرتا ہے دریا دستگاہ
جز حیا، پرکارِ سعیِ بے سروپائی نہیں

عاجز آدمی کو غیرت آتی ہے تو جد و جہد کر کے بڑا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ غیرت و شرم میں
پسینہ آتا ہے۔ قطرۂ آب بے سر و پا ہوتا ہے۔ اسے اپنی فرومایگی پر شرم کی وجہ سے بہت پسینہ آیا
اور وہ دریا کی طرح ہو گیا کیونکہ ناتوانی کے لئے حیا و غیرت کے علاوہ اور کوئی ایسی تحریک نہیں جو ان
کے دائرے کو وسیع کر دے۔ پرکار سعی: وہ کوشش جو کسی چیز کو بڑھا دے جس طرح پرکار
ایک نقطے کے گرد بڑا سا دائرہ بنا دیتا ہے۔

چشمِ نرگس میں نمک بھرتی ہے شبنم سے بہار
فرصتِ نشو و نما، سازِ شکیبائی نہیں

آنکھ میں نمک بھرنا: آنکھ کو اندھا کرنا۔ بہار چشمِ نرگس پر شبنم گرا کر در اصل اس کی بربادی
کا سامان کرتی ہے۔ وہ کس طرح؟ ایک دو دن اوس پڑے گی اور اس عرصے میں پھول مرجھا کر
بکھر جائے گا۔ اس طرح یہ مدت جس میں بظاہر نشو و نما کی فرصت ہے اس میں بھی پھول کو اطمینان
کا سانس نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ تنزلِ ذلیت کا سلسلہ ہے اس لئے صبر و سکون کا سامان نہیں۔
اُردو میں اوس پڑنا تباہی کو کہتے ہیں۔

کس کو دوں یارب، حسابِ سوزنا کی ہائے دل
آمد و رفتِ نفس جز شعلہ پیمائی نہیں

میرا دل سوزش سے بھرا ہوا ہے۔ اس کی جلن کا کس کو اور کیونکر حساب دوں کیونکہ اب
تو میرے سانس کی آمد و رفت محض شعلہ اگلنا ہے اور بس۔ سینے میں آگ لگی ہوئی ہے۔

مت رکھ اے انجام غافل، سازِ ہستی پر غرور
چیونٹی کے پر، سر و برگِ خود آرائی نہیں

اے انجام سے غافل شخص دُنیا کے ساز و سامان پر غرور نہ کر۔ چیونٹی کے پر آرائش کا
سامان نہیں موت کی خبر دیتے ہیں۔ دنیوی سامان چیونٹی کے پر کی خاصیت رکھتا ہے۔ پرندوں
کے پر آرائش کا باعث ہوتے ہیں لیکن برسات میں چیونٹی یا مکوڑے کے پر نکلنا اس کی موت کا
پیش خیمہ ہوتا ہے۔

سایۂ افتادگی بالین وابستہ ہوں، اسد
جوں صنوبر، دل سراپا قامت آرائی نہیں

افتادگی بالین: وہ شخص جس کیلئے عاجزی اور خاکساری تکیہ ہو۔ افتادگی بالین وابستہ: وہ

شخص جس سے شکستہ فتادگی تکیہ و بستر ہو۔ میں ایسا سایہ ہوں جس کے لئے عاجزی و خاکساری ہی اوڑھنا بچھونا اور سہارا ہے۔ صنوبر سر سے پاؤں تک اپنے قامت کی آراستگی میں مشغول رہتا ہے۔ میرا دل اس قماش کا نہیں۔ صنوبر کا قد مشہور ہے۔ افتادگی اور قدِ بالا میں تضاد ہے۔

(۱۳۸)

ظاہرا سر پنجۂ افتادگاں گیرا نہیں
ورنہ کیا حسرت کشِ دامن یہ نقشِ پا نہیں

یہ ظاہر ہے کہ جو گرے پڑے خاکسار بے نوا ہیں وہ کسی پر زور نہیں دکھا سکتے ورنہ عاشق جو نقشِ پا کی طرح فتادہ ہے کیا محبوب کا دامن پکڑ کر کھینچنے کی حسرت نہیں رکھتا۔ گیرا: جس میں گیرائی یا گرفت ہو۔

آنکھیں پتھرائی ہیں، نا محسوس ہے تارِ نگاہ
ہے زمیں از بسکہ سنگیں، جادہ بھی پیدا نہیں

عاشقِ بیمار کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں ان میں سے نگاہ کا تار نکلتا محسوس نہیں ہوتا۔ بیماری یا نزع کا وقت ایسی پتھریلی زمین کی طرح ہوتا ہے جس میں قطع راہ کے لئے کوئی پتلا سا راستہ بھی نہیں ملتا۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں کو سنگیں زمین کہا اور تارِ نگاہ کو جادہ۔

ہو چکے ہم جادہ ساں صد بار قطع، اور پھر ہنوز
زینتِ یک پیرہن، جوں دامنِ صحرا نہیں

شعر کا خیال قطع اور دامن کے دوہرے معانی پر مبنی ہے۔ قطع راستہ طے کرنے کو بھی کہتے ہیں اور کپڑا کاٹنے کو بھی۔ دامن جنگل کی پہنائی کو بھی کہتے ہیں اور پیرہن کے گھیر کو بھی۔ جس طرح صحرا کے راستے کو بار بار قطع کیا جاتا ہے اس طرح ہمیں بھی بار بار قطع کیا گیا۔ جس طرح صحرا کا دامن کسی کے پیرہن کا دامن نہیں بن جاتا اسی طرح ہم بھی کسی کے پیرہن کی زینت نہ بن پائے۔ یعنی کسی حسین نے ہمیں اپنے سینے یا آغوش میں جگہ نہ دی۔

ہو سکے ہے پردۂ جوشیدنِ خونِ جگر
اشک، بعدِ ضبط غیر از پنبۂ مینا نہیں

ہمارے جگر میں خون جوش کھا رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ اندرونی کیفیت اوروں سے پوشیدہ رہے۔ اگر ہم آنسوؤں کو ضبط کر لیں تو یہ جگر کی کیفیت پر پردہ ڈال سکے گا کیونکہ ضبط کئے

ہوئے آنسو مراد کی اس روئی کا خواص رکھتے ہیں جو ڈاٹ کے طور پر بگاکر جوشِ مے کو روکنے کے لئے استعمال کیا جاتی ہے۔ ضبطِ اشک جوشِ خون پر کاگ کا کام کرے گا۔

ہو سکے کیا کلفتِ دل مانعِ سیلانِ اشک گردِ ساحل سنگِ راہِ جوششِ دریا نہیں

دردِ دل آنسوؤں کے بہنے کو نہیں روک سکتا۔ ثبوت یہ ہے کہ اگر دریا کا پانی پھیل کر ساحل پر امنڈ آتا ہے تو گردِ ساحل اس کے یلغار کو نہیں روک سکتی۔ دل کی تکلیف گردِ غم ہے اور آنسو دریا۔ سنگ راہ : راستہ روکنے والا پتھر

ہے طلسمِ دہر میں صد حشرِ پاداشِ عمل آگہی غافل! کہ ایک امروز بے فردا نہیں

شعر کی مندرجہ بالا قرأت نسخۂ عرشی کے مطابق ہے۔ اس میں حشرِ پاداش ایک ترکیب ہے۔ حشرِ پاداش: سزا کے طور پر حشر نازل ہونا۔ حشرِ پاداشِ عمل: عمل کی سزا کے طور پر حشر برپا کرنا۔ اے غافل دنیا میں آگاہ ہو کر تو جو بھی عمل کرے گا اس کے نتیجے یا سزا کے طور پر تجھے سو قیامتوں کا سامنا کرنا پڑے گا کوئی آج بغیر فردا کے نہیں کوئی کام بغیر سزا و جزا کے نہیں ہوتا۔ اس طرح شعر کے جزوِ اوّل کی نثر ہوگی: غافل! طلسمِ دہر میں آگہی صد حشرِ پاداشِ عمل ہے۔ میری رائے میں اس شعر کی صحیح اور سہل تر قرأت یہ ہے۔

ہے طلسمِ دہر میں، صد حشرِ پاداشِ عمل
آگہی غافل! کہ ایک امروز بے فردا نہیں

نثر ہوئی آگہی غافل، طلسمِ دہر میں پاداشِ عمل صد حشر ہے یعنی ہوئے کہ اے ہوش و آگہی سے غافل، دنیا کے جادو کے کارخانے میں جو بھی کرم کروگے اس کی سزا سو قیامتوں کے روپ میں ملے گی کیونکہ جس طرح ہر امروز کے بعد فردا کا آنا ضروری ہے اسی طرح ہر کام کے بعد کوئی سزا ملتی ہے شعر میں ترکِ عمل کی تلقین ہے۔ دوسرے معنی بہتر ہیں اور یہی سرخوش، سندیلوی اور آسی نے درج کئے ہیں۔

بسمل اس تیغِ دو دستی کا نہیں بچتا، اسد
عاقبت بیزار، ذوقِ کعبتیں اچھا نہیں

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ حمیدیہ میں عافیت ہے چونکہ نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ میں عافیت نہیں دیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نسخۂ عرشی میں عاقبت سہوِ طباعت ہے۔ کعبتیں: دو چکور پانسے جن سے جوا کھیلتے ہیں غالب کو جوئے کا شوق تھا جس میں وہ ماخوذ بھی ہوئے تھے چونکہ جوا دو پانسوں سے کھیلا جاتا ہے اس لئے اسے تیغِ دو دستی سے کہا اس کا مارا بچتا نہیں۔ ان کا ذوق کرنے والا عاقبت یا عافیت کی طرف سے غافل ہے۔

(۱۳۹)

ضبط سے مطلب بجز وارستگی، دیگر نہیں
دامنِ تمثال، آبِ آئینہ سے تر نہیں

ہم نے آنسوؤں کو اس لئے ضبط کیا ہے تاکہ عشق کی رسوائی یا باقاعدہ لوازماتِ عشق سے محفوظ رہیں۔ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر آنسو ہمارے باطن میں موجود ہیں تو ہم عشق کی علت سے کہاں آزاد ہوئے۔ ہم تو نالہ و فریاد کرنے والے عاشق کی طرح گرفتار ہی رہے۔ لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں۔ آئینے پر تعمی کی آب ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اس کے اندر جب کوئی عکس دکھائی دیتا ہے تو وہ آبِ آئینہ کی وجہ سے تر نہیں ہوجاتا۔ ہمارا بھی ضبطِ اشک سے صرف یہی مقصد ہے کہ ہم عاشقوں کے بدنام زمرے سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ آب کے دو معنوں چمک اور پانی پر اس شعر کا مضمون تعمیر کیا گیا ہے۔

ہے وطن سے باہر اہلِ دل کی قدر و منزلت
عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

اہلِ دل سے مُراد عارف لے لیجئے۔ صوفی اور درویش کی قدر اپنے وطن میں نہیں ہوتی۔ موتی جب تک صدف کی تنہائی میں رہتا ہے اس کی قیمت سے کوئی آشنا نہیں ہوتا۔ عارف اور موتی میں نورانیت وجہِ اشتراک ہے۔

باعثِ ایذا ہے برہم خوردنِ بزمِ سرور
لخت لختِ شیشۂ بشکستہ جز نشتر نہیں

بزمِ سرور کے بکھر جانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ بزمِ نشاط کی ایک چیز شیشۂ مے کو لے لیجئے۔ اگر شیشہ ٹوٹ کر اس کے ٹکڑے بکھر جائیں تو وہ ہاتھ پاؤں کے لئے نشتر بن جائیں گے۔ اسی پر بزمِ سرور کی دوسری اشیا کو قیاس کر لیجئے۔

واں سیاہی مردمک ہے اور یاں داغِ شراب
مہ حریفِ نازشِ ہم چشمیِ ساغر نہیں

واضح نہیں کہ واں اور یاں سے کیا مراد ہے۔ غالب کے بعض اشعار میں ایک سے زیادہ معانی کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس شعر کے یہ معنی ہوسکتے ہیں۔ (۱) چاند کی آنکھ کی پتلی محض سیاہی کی شکل میں ظاہر ہورہی ہے۔ پیالے کی آنکھ کی پتلی داغِ شراب کی شکل میں ہے اس لئے چاند پیالے کی برابری

کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ پیالے کی مردمک بہتر ہے۔ (۱) چاند ساغر کی برابری کا ناز نہیں کر سکتا چاند میں سیاہی محض آنکھ کی پتلی کی طرح ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں۔ ساغر میں سیاہی بداغِ شراب ہے اور یہ فخر کی بات ہے (۲) چاند ساغر کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ ساغر میں سیاہی محبوب کی مردمک کے عکس کی ہے اور چاند میں سیاہی شراب نہ ملنے کی حسرت کے داغ کی ہے محبوب ساغر کو ہاتھ میں لئے ہے اس لئے ساغر میں آنکھ کا عکس پڑ رہا ہے (۳) واں سے اشارہ محبوب کی طرف اور یاں سے ساغرِ شراب کی طرف۔ محبوب کے پاس پتلی کی سیاہی ہے۔ ساغرِ شراب میں محبوب کی پتلی کا عکس پڑ رہا ہے جو سطحِ شراب پر دھبے کی مانند ہے۔ اس طرح ساغر کو محبوب کے ساتھ ہم چشمی کا ناز ہے۔ چاند اس ہم چشمی پر ناز نہیں کر سکتا کیونکہ محبوب کے ساتھ یہ ہم چشمی چاند کے نصیب میں نہیں۔

ہے فلک بالا نشیں فیضِ خم گردیدگی
عاجزی سے ظاہرا رتبہ کوئی برتر نہیں

آسماں خم ہوا جس کے فیض سے وہ بالا نشین ہو گیا۔ خم ہونا عاجزی ظاہر کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عاجزی سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں۔

دل کو اظہارِ سخن، اندازِ فتح الباب ہے
یاں صریرِ خامہ، غیر از اصطکاکِ در نہیں

اصطکاک: دو سخت چیزوں کے ٹکرانے سے آواز پیدا ہونا۔ اصطکاکِ در: سخت دروازہ کھولنے کی آواز۔ شعر میں اپنے خیالات کا اظہار دروازہ کھولنے کے مانند ہے۔ قلم کے گھسنے کی آواز کواڑوں کے کھلنے کی آواز ہے۔ یعنی شعر سے ہماری شخصیت کھل کر سامنے آ جاتی ہے یا ہمارے بند کاموں کی کشود ہونے لگتی ہے۔

کب تلک پھیرے اسدؔ لبہائے تفتہ پر زباں
تابِ عرضِ تشنگی اے ساقیِ کوثر نہیں

ہونٹوں پر زبان پھیرنا پیاس کی نشانی ہے۔ اے ساقیِ کوثر اسدؔ کب تک تپتے ہوئے ہونٹوں کو زبان پھیر کر تر کرے۔ پیاس کی شدت بیان نہیں کی جا سکتی۔

(۱۴۰)

دیکھئے مت چشمِ کم سے سوئے ضبط افسردگاں
جوں صدف، پُر دُر ہیں دنداں در جگر افشردگاں

چشم کم : کسی کو حقیر سمجھ کر اس پر توجہ نہ کرنا۔ دنداں در جگر افشردن : کروہات برداشت کرنا یا سخت اور دشوار کام کرنے کی جرأت کرنا۔ جو لوگ ضبطِ غم کر کے افسردہ ہیں انہیں بے التفاتی سے نہ دیکھ۔ مصائب اٹھانے والے بہادر لوگ صدف کی طرح موتیوں سے بھرے ہیں اس لئے بیش قیمت ہیں۔ ظاہرا جگر کو صدف اور دنداں کو موتی سے مشابہ کیا ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے ضبطِ غم کی صلاحیت کو موتی کے برابر قیمتی قرار دیا ہے۔

گرمِ تکلیفِ دلِ رنجیدہ ہے از لکۂ چرخ
قرصِ کافوری ہے مہر از پئے سرماخوردگاں

آسمان دلِ رنجیدہ کو تکلیف پہنچانے میں مشغول ہے۔ سورج جو گرمی دیتا ہے سردی کھائے ہوؤں کے لئے کافور کی ٹکیہ بن کر رہ گیا ہے۔ کافور ٹھنڈا اور سفید ہوتا ہے۔ ضد کی وجہ سے آسمان نے سورج کا خواص بدل دیا۔

رنجشِ دل یک جہاں ویراں کرے گی، اے فلک
دشت ساماں ہے، غبارِ خاطرِ آزردگاں

احساسِ غم کو مجازاً دل کا غبار کہا جاتا ہے۔ اے آسمان دکھی لوگوں کے دل میں اتنا غبارِ غم بھرا ہوا ہے کہ اسے باہر کر دیا جائے تو پورا جنگل پیدا ہو جائے۔ ان کے دل کا رنج پوری دنیا کو ویران کر کے رہے گا۔ کیونکہ اپنا غبار نکال کر رہیں گے جس سے ساری دنیا غبار میں دب جائے گی اور ویران ہو جائے گی۔

ہاتھ پر ہو ہاتھ، تو درسِ تاسف ہی سہی
شوق مفتِ زندگی ہے، اے بہ غفلت مردگاں

درسِ تاسف کے لفظ ہی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسے بھی شوق کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ زندگی میں کسی نہ کسی طرح کا شوق بغیر محنت کے ممکن ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے کاہلوں کی طرح پڑے ہیں انھیں دنیا کی طرف سے غفلت ہے۔ وہ غفلت میں ایسے مدہوش ہیں جیسے مُردے ہوں۔ ان سے کہا ہے کہ زندگی میں کوئی شوق، اور اس کے زیرِ تحریک جدوجہد ہونی چاہیئے۔ تم لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہو تو دنیا کو دیکھ کر افسوس و عبرت کا احساس دل میں جاگزیں کرو۔ اور اس سے سبق حاصل کرو۔ اس طرح تم غفلت کے شکار تو نہ ہو گے تمھاری آنکھ تو کھلی ہو گی۔ تمہیں ایک منفی قسم کا شوق ہو گا یعنی کچھ نہ کر کے افسوس کا سبق حاصل کرنا۔ افسوس میں ہاتھ

پر ہاتھ ملتے ہیں۔

خار سے گل سینہ افگار جفا ہے اے اسد
برگ ریزی ہے پرافشانی ناوک خوردگاں

پرافشانی: پر جھاڑنا یا ترک دنیا کرنا۔ کانٹے کی وجہ سے پھول کا سینہ زخمی ہے۔ پھول کی پنکھڑیاں گر رہی ہیں۔ یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے تیر کھانے کے بعد پرندہ گر کر پر جھاڑنے لگے جو اس کی بے بسی اور حالِ زار کی نشانی ہے۔

(۱۴۱)

فلک سفلہ بے محابا ہے
اس ستم گر کو انفعال کہاں

کمینہ آسمان بے جھجک ظلم کرتا ہے۔ اسے ندامت کا احساس نہیں۔ محابا کے لغوی معنی مروت اور اندیشہ کے ہیں۔ بے محابا: بے مروت یا بے اندیشہ یعنی بے جھجک۔ اردو میں یہ لفظ موخر الذکر معنی میں آتا ہے۔

بوسے میں وہ مضائقہ نہ کرے
پر مجھے طاقتِ سوال کہاں

طاقت سے مراد غالباً یہ نہیں کہ نقاہت کی وجہ سے بول ہی نہیں سکتا بلکہ طاقت سے مراد مجال اور جراٴت ہے۔ وہ بوسہ دینے میں تامل نہ کرے گا لیکن مجھے مانگنے کی ہمت نہیں۔

مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل
بادہ غالب عرقِ بید نہیں

عرقِ بید سے مراد بید مشک کا عرق نہیں۔ بید کے پیڑ میں پھل نہیں آتا گویا بید کا درخت لگانا بے حاصل ہے۔ اسی درخت کے عرق کو بھی غالب نے بے حاصل قرار دیا۔ کہتے ہیں شراب بید کے عرق کی طرح بے حاصل نہیں۔

(و)

(۱۴۲)

ہم بالیدنِ سنگ و گلِ صحرا یہ چاہے ہے
کہ تارِ جادہ بھی کہسار کو زنّارِ مینا ہو

زنّارِ مینا: اگر بوتل آدھی بھری ہو تو بھرے اور خالی حصے کے درمیان جو مدّو خط دکھائی دے گا اسے زنّارِ مینا کہتے ہیں۔ پہاڑ کے نچلے حصہ میں سبزہ اور جنگلی پھول اُگے ہیں۔ اوپر کے حصے میں بنجر پتھر ہیں پھولوں کی پتی اور پتھروں کے دامن کے گرداگرد ایک پتلا سا جادہ ہے جو زنّارِ مینا کا کام دے رہا ہے۔

حریفِ وحشتِ نازِ نسیمِ عشق جب آؤں
کہ مثلِ غنچہ سازِ یک گلستاں دل مہیا ہو۔

یک گلستاں دل: ایسا دل جو باغ کی طرح رنگین ہو۔ سازِ یک گلستاں دل: دل کو باغ و بہار بنانے کا سامان۔ اگر غنچے کی طرح میرے پاس ایسا دل ہو جو سچ مچ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو میں نسیمِ عشق کی وحشت کو قبول کر سکتا ہوں یعنی اگر رنگین دل ہو تو عشق پیشگی اختیار کی جا سکتی ہے۔

بجائے دانہ، خرمن یک بیاباں بیضۂ قمری
مرا حاصل وہ نسخہ ہے کہ جس سے خاک پیدا ہو

بیضۂ خالی کی طرح کی ترکیب بیضۂ قمری ہے۔ قمری کفِ خاکستر ہوتی ہے اس لئے بیضۂ قمری وہ شے ہوئی جو خاکستر کو جنم دے۔ یک بیاباں بیضۂ قمری: بیضۂ قمری کا جنگل یعنی بہت سارے بیضہ ہائے قمری۔ میں نے کوشش کر کے جو پیداوار کی وہ اناج کے دانوں کا خرمن نہیں بلکہ قمری کے انڈوں کا خرمن ہے جس سے صرف راکھ اور خاک پیدا ہوگی۔ یعنی سوا ناکامی کے کچھ حاصل نہیں۔

کرے کیا سازِ بینش وہ شہیدِ دردِ آگاہی
جسے موئے دماغِ بے خودی خوابِ زلیخا ہو۔

موئے دماغ: وہ شخص جو مخلِ صحبت ہو۔ موئے دماغِ بے خودی: وہ چیز جو بیخودی کو ناگوار ہو۔ خوابِ زلیخا: زلیخا نے ابتدائی میں تین بار حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا تھا۔ گویا خوابِ زلیخا اچھے سے اچھا خواب ہے۔ کسی کو بے خودی پسند ہے اور ہوش و آگاہی و دانش و بینش ناپسند۔ جیسے بے خود کو خوشگوار سے خوشگوار خواب بھی ناپسند ہو۔ جسے آگہی سے درد ہوتا ہو وہ بینش یعنی علم کی کیا فکر کرے۔

وہ دل کیوں شمع بہرِ دعوتِ نظارہ لا یعنی
نگہ لبریزِ اشک و سینہ معمورِ تمنا ہو

حسن کی طرف سے نظارے کی دعوت دی گئی ہے اس کے لئے شمع جیسا رقیق و پرسوز دل ہونا چاہیئے۔ نگاہ آنسوؤں سے اور سینہ تمنا سے بھرا ہوا ہو۔ شمع کی نگاہ بھی آنسو برساتی ہے۔ موم کی پگھلتی ہوئی بوندوں کو آنسو کہا ہے۔ لپٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سینہ تمنا سے بھرا ہوگا۔ نظارۂ محبوب کیلئے اس وضع کا دل چاہیئے۔

نہ دیکھیں روئے یک دل سردؔ غیر از شمع کافوری
خدایا! اس قدر بزم اسدؔ گرم تماشا ہو

سرد رو: افسردہ۔ خدایا اسدؔ کی بزم میں اتنے حسین جمع ہوں اور ان کی وجہ سے محفل میں اتنی گرمی آئے کہ کسی کا دل افسردہ نہ رہے سوائے شمع کافوری کے۔ کافور ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس لئے شمع کافوری کا دل ٹھنڈا یعنی افسردہ ہو سکتا ہے۔

(۱۴۳)

اگر وہ آفت نظارہ جلوہ گستر ہو
ہلال، ناخنک دیدہ ہائے اختر ہو

ناخنہ: ستم شب کنایہ ہے ہلال سے۔ ناخنک: آنکھ کی ایک بیماری ہے جو کافی تکلیف دیتی ہے۔ ناخن در دیدہ رکھتن: بہت رنج و آزار دینا۔ ان سب رعایتوں کو ذہن میں رکھئے۔ آفت نظارہ ان کا محبوب ہے۔ اگر وہ اپنا جلوہ دکھائے تو ہلال اختر کی آنکھوں کے لئے موجب آزار ہو یعنی تارے محبوب کے جلوے کے سامنے ہلال کو ناپسند کریں۔

بیاد قامت اگر ہو بلند آتش غم
ہر ایک داغ جگر آفتاب محشر ہو

قیامت کے روز آفتاب سوا نیزے پر اتر آئے گا اس لئے بہت گرم ہوگا۔ محبوب کے قیامت جیسے قد کی یاد میں اگر غم کی آگ بھڑک اٹھے تو جگر کا ہر داغ قیامت کے سورج کی طرح جلنے لگے

ستم کشی کا کیا، دل نے حوصلہ پیدا
اب اس سے ربط کروں، جو بہت ستم گر ہو

دل کو ستم اٹھانے کی عادت ہو گئی ہے اب ایسے حسین سے عشق کروں جو بہت ستم کرتا ہو۔

عجب نہیں ہے کہ تحریر حال گریۂ چشم
بروئے آب جو ہر موج نقش مسطر ہو

مسطر سے نشان ڈال کر کاغذ پر سطریں بنائی جاتی ہیں۔ آنکھوں سے بہت آنسو نکلے ہیں کیا عجب ہے کہ سطح آب پر ان کی تفصیل رقم کرنے کیلئے موج آب سطروں کا نشان بن جائیں۔ موج اور آنسوؤں میں رعایت ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ نقش بر آب فانی و معدوم بے سود ہوتا ہے۔ گریہ کی تفصیل کا رقم کرنا بھی اسی طرح بے سود و بے اثر رہے گا۔

اُمیدوار ہوں تاثیرِ تلخ کامی سے
کہ قندِ بوسۂ شیریں لباں مکرر ہو

تلخ کامی: بلفظی معنی مُنہ کا ذائقہ کڑوا ہونا یعنی مصیبتوں اور ناکامیوں کا منہ دیکھنا۔ کسی کا ذائقہ کڑوا ہو گا تو ایک بار مٹھائی کھانے سے معمول پر نہ آئے گا۔ ضرورت ہے کہ دو بار کھائی جائے میں اپنی تلخ کامی کی وجہ سے اُمید کرتا ہوں کہ میٹھے ہونٹوں والے اپنے بوسے کی قند دو بار عطا کریں گے۔ قندِ مکرر اس قند کو کہتے ہیں جو دو بار آگ پر صاف کی گئی ہو۔ اور یہ بہت صاف ستھری ہوتی ہے۔

صدف کی ہے ترے نقشِ قدم میں کیفیت
سرشکِ چشمِ اسدؔ کیوں نہ اس میں گوہر ہو

تیرا نقشِ قدم صدف سے ملتا جلتا ہے۔ اسدؔ کی آنکھ اس پر کیوں نہ آنسو ٹپکائے تاکہ صدف میں گوہر ہو جائے۔ نقشِ قدم کو دیکھ کر محبوب کی یاد آئی اور آنسو جاری ہو گئے۔

(۱۴۴)
بے دردِ سر بہ سجدۂ الفت فرو نہ ہو
جوں شمع، غوطہ داغ میں کھا گر وضو نہ ہو

نسخۂ عرشی میں ہے دردِ سر ہے اور نسخۂ بھوپال میں درد اور سر کے بیچ اضافت نہیں اور میرے نزدیک یہی مرجح ہے کیونکہ دردِ سر پریشانی کی چیز کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اقبالؔ نے کہا ہے ع یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے عشق کو دردِ سر نہیں کہا جاتا ہے۔ شعر کا مطلب ہے کہ عشق میں محبوب کے سامنے سجدہ کرنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ دل میں درد بھی ہو۔ شمع آخرکار جل کر سر فرو کرتی ہے۔ آخر میں بجھ جانے پر اس کا محض ایک داغ رہ جاتا ہے گویا شمع نے داغ میں غوطہ لگا لیا۔ عاشق کو بھی چاہیئے کہ عشق میں سر فرو کرنے کے لئے اگر وضو نہ کیا ہو تو اس سے بہتر شکل یہ ہے کہ سراپا داغ ہو کر اس میں ڈوب جا۔

دل دے کفِ تغافلِ ابروئے یار میں
آئینہ ایسے طاق پہ گم کر کہ تو نہ ہو

ابرو کی مماثلت طاق سے ہے۔ آئینہ طاق میں رکھا جاتا ہے۔ کسی چیز کو طاق میں رکھنا اسے فراموش کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ دل کو ابروئے یار کو دے دے۔ وہ اس کی طرف سے تغافل برتے گی یعنی یار تغافل کرے گا گویا آئینہ کو ایسے طاق میں رکھ کر گم کر دیا کہ

جس کے آس پاس تیز وجود ہی نہ ہو۔ چونکہ یار تیرا دل لے کر تجھے بھول جائیگا اس لیے تو اس کے پاس نہ ہوگا۔

زلفِ خیال نازک و اظہار بے قرار
یارب، بیان شانہ کشِ گفتگو نہ ہو

اظہار بے قرار کے معنی یہ نہ لیے جائیں کہ اظہار بے قرار ہے، بلکہ ایک ترکیب مان کر اسے بھی زلف خیال کا وصف قرار دیا جائے۔ زلفِ خیال نازک ہے اور زلف خیال" اظہار بے قرار ہے" میں بہت نازک خیال ہوں۔ خیال کی زلف نازک ہے اور دوسروں کے آگے خود کو ظاہر بھی کرنا چاہتی ہے۔ یارب کاش میں بیانِ شعر کے ذریعے اسے گفتگو میں ظاہر نہ کروں ورنہ وہ ٹوٹ پھوٹ جائے۔ شانہ کشِ گفتگو: بات چیت کے ذریعے شانہ کرنا یعنی خیال کا تجزیہ کرنا۔ میرا خیال بہت نازک اور باریک ہے کاش اسے الفاظ میں سلجھا کر بیان کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ مفہوم مجروح ہو جائیگا۔ گفتگو سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگ میرے بیان کے بارے میں گفتگو نہ کریں یعنی اسے زیر بحث لا کر تجزیہ نہ کریں۔

تمثالِ ناز، جلوۂ نیرنگِ اعتبار
ہستی عدم ہے آئنہ گر روبرو نہ ہو۔

انسان خود پر ناز کرتا ہے تو وہ محض اعتبار کی نیرنگی یا دھوکا ہے۔ یہ فرض کر لیا کہ میں اتنا شاندار ہوں خود پر ناز کیا اور اپنی خوش اعتقادی کے فریب میں رہے۔ در اصل اس کی کوئی پائیدار بنا نہیں۔ آدمی کو اپنی ہستی کا یقین آئینے سے ہوتا ہے کہ اس میں ذات کا عکس دکھائی دیتا ہے اگر یہ نہ ہو تو ہستی کا وجود ہی نہیں۔ غالب نے مایا کے فلسفیوں کی طرح ہستی کے وجود سے انکار کیا ہے۔ یہاں ہستی کو محض عکس آئینہ قرار دیا ہے۔

مژگاں، خلیدۂ رگِ ابرِ بہار ہے
نشتر، بہ مغزِ پنبۂ مینا فرو نہ ہو

مژگاں کو مفرد بھی استعمال کرتے ہیں۔ پنبۂ مینا: وہ روئی جو ڈاٹ کی جگہ شراب کی صراحی میں لگی ہو ہماری پلکیں رگِ ابرِ بہار میں چبھی ہوئی ہیں۔ رگِ ابر بادل کی فرضی دھاری کو کہتے ہیں۔ کسی کی رگ میں کچھ چبھایا جائے تو خون بہتا ہے۔ بادل کی رگ میں چبھانے سے پانی بہہ نکلے گا پلکیں رگِ ابر میں چبھی ہونے کے معنی ہوئے کہ یہ آنسوؤں کی بارش کر رہی ہیں اس لیے پنبۂ مینا میں نشتر چبھانے کی ضرورت نہیں۔ روئی کے ڈاٹ کو نشتر کی مدد سے باہر نکالا جاتا ہے۔ چونکہ

پلکیں محوِ گریہ ہیں اس لئے بوتل کھولنے کی ضرورت نہیں پینے پلانے کو کس کا جی چاہے گا۔

عرضِ نشاطِ دید ہے، مژگانِ انتظار
یارب کہ خارِ پیرہنِ آرزو نہ ہو

خارِ پیرہن: مخل۔ کسی کے انتظار میں پلکیں لگائے بیٹھے رہیں تو یہ دید کی خواہش کا اظہار ہے۔ یارب میری پلکیں خارِ پیراہن آرزو نہ ہوں یعنی کوئی بات آرزو میں مخل نہ ہو اور جس کے انتظار میں مسلسل جانبِ در دیکھ رہے ہیں وہ آجائے۔

واں پرفشانِ دامِ نظر ہوں جہاں اسد
صبحِ بہار بھی، قفسِ رنگ و بُو نہ ہو

میں ایسی جگہ نظر کا جال پھینک رہا ہوں جہاں رنگ و بو کا نام و نشان نہیں جہاں بہار کی صبح بھی رنگینی سے معرا ہے۔ قفسِ رنگ و بو ہونا: رنگ و بو سے لبریز ہونا۔ شعر میں اپنی بدنصیبی دکھائی ہے کہ میرے میدانِ نظر میں فصلِ بہار میں بھی سوناپن رہتا ہے۔

(۱۴۵)

مبادا بے تکلف فصل کا برگِ نوا گم ہو
مگر طوفانِ مے میں پیچشِ موجِ صبا گم ہو

شعر الجھا ہوا ہے۔ ذیل کے معنی قیاس میں آتے ہیں:

(۱) تیز ہوا اور آندھی سے کھڑی فصلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہوا ہو کر موجِ صبا نے ہماری فصل کا سارا مال و متاع ختم کر دیا ہو۔ علاج یہ ہے کہ طوفانِ مے کی مدد لے کر موجِ صبا کی تاراجی کی طرف سے آنکھیں بند کرلی جائیں یعنی شغلِ مے کیا جائے۔ موجِ حوادث گھر کو دریا برد کرتی ہو تو کرنے دو۔ (۲) ایک اور معنی یہ ہو سکتے ہیں پیچشِ موجِ صبا کنایہ ہے۔ طبیعتوں کے الجھاؤ اور نفسیاتی پیچاکوں سے۔ طوفان میں تیز ہوا کا پیچ و تاب بھی شامل ہوتا ہے۔ ہم دوستوں کے ساتھ مل کر طوفانِ مے برپا کئے ہوئے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کر بے تکلفی کا جو ماحول پیدا ہے وہ جاتا رہے اس لئے ہم موجِ صبا کے پیچاک کی طرح کے نفسیاتی پیچاک کو غرقِ مے ناب کر دینا چاہتے ہیں۔

سبب، وارستگاں کو ننگِ ہمت ہے خداوندا
اثر سُرمے سے اور لب ہائے عاشق سے صدا گم ہو

آزاد منش لوگوں کو کسی دوسری چیز کے سبب سے کچھ کرنا ننگِ ہمت ہے (۱) مثلاً محبوب کا

سرمۂ چشم دیکھا اور اس کے اثر سے عاشق کے ہونٹوں سے فغاں پیدا ہونے لگی۔ عاشق کیلئے یہ باعثِ ننگ ہے۔ کاش سُرمے میں سے تڑپانے کی تاثیر اور عاشق کے ہونٹوں میں سے فغاں کی صلاحیت جاتی رہے۔ یا (۲)، مثلاً عاشق کو خاموش کرنے کیلئے سُرمہ کھلایا گیا۔ یہ عاشق کے لئے باعثِ ننگ ہے۔ کاش سُرمے میں آواز بندی کی تاثیر اور لب ہائے عاشق سے فغاں کی عادت جاتی رہے۔

الفاظ سے دونوں معانی نکل سکتے ہیں لیکن دوسرے موزوں تر ہیں۔

نہیں جز درد تسکین نکوہش ہائے بے درداں
کہ موجِ گریہ میں صد خندۂ دنداں نما گم ہو

بے درد لوگ ہمیں جو ملامت کرتے ہیں۔ دردِ دل کے سوا اس سے راحت کی کوئی صورت نہیں ہے۔ وہ ہمارے تمسخر کیلئے جو خندۂ دنداں نما کرتے ہیں ہمارے پاس اس کا جواب رونے کا طوفان ہے

ہوئی ہے ناتوانی بے دماغِ شوخیِ مطلب
فرو ہوتا ہے سر سجدے میں اے دستِ دعا گم ہو

ہماری نقاہت کو مدعا طلبی کا دماغ نہیں۔ ہم سر سجدے میں گراتے ہیں (کیونکہ کمزوری میں یہی ہوتا ہے) لیکن دعا کیلئے ہاتھ نہیں اٹھاتے (کیونکہ کمزوری کی وجہ سے ہاتھ اٹھانا ممکن نہیں)

تجھے ہم مفت دیویں یک جہاں چینِ جبیں لیکن
مبادا اے پیچ تابِ طبع نقشِ مدعا گم ہو

چینِ جبیں: جھنجھلاہٹ میں پیشانی پر جو بل آتے ہیں۔ پیشانی کی لکیروں سے مقدر کا لکھا (جس میں نقشِ مدعا بھی شامل ہے) بھی معلوم ہوتا ہے۔ طبیعت میں پیچ و تاب غم و غصہ کے وقت ہوتا ہے۔ دل جلا عاشق اپنی طبیعت کے پیچ و تاب کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ہم تجھے اپنی پیشانی سے ڈھیر کا ڈھیر شکن دے سکتے ہیں لیکن ایسا نہ ہو کہ تحریرِ پیشانی مسخ ہو جائے اور اس میں شامل نقشِ مدعا بھی مٹ جائے۔

بلا گردانِ تمکینِ بتاں، صد موجۂ گوہر
عرق بھی جن کے عارض پر بہ تکلیفِ حیا گم ہو

تمکین: شان و شوکت رکھ رکھاؤ کو کہتے ہیں۔ شرم سے گال پر پسینہ آجاتا ہے لیکن یہ تمکنت

کے خلاف ہے۔ موتیوں کی سیکڑوں موجیں ان حسینوں کی تمکنت پر نثار ہوں جن کے گالوں کو شرم کے پسینے کی بھی تاب نہیں یعنی موجِ گوہر نے قطراتِ عرقِ عارض کی فوقیت تسلیم کرلی ہے

اُٹھاوے کب وہ جانِ شرم تہمت قتلِ عاشق کی
کہ جس کے ہاتھ میں، مانندِ خون رنگ حنا گم ہو

آرائش کرنے کے بعد حسینوں کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے ہمارا شرمیلا محبوب حنا نہیں لگاتا۔ جس کے ہاتھ میں رنگِ حنا غائب ہے وہ کسی کے خون سے کیوں ہاتھ بھرنے لگا۔ حنا کی طرح ہاتھ میں خون لگانا بھی باعثِ شرم ہے۔ اس لئے وہ شرمیلا محبوب عاشق کے قتل کا الزام نہیں لینا چاہتا۔

کریں خوباں جو سیرِ حسن، اسدؔ یک پردہ نازک تر
دمِ صبحِ قیامت، در گریبانِ قبا گم ہو

اگر حسین، دیدِ حسن کو بقدر ایک پردے کے زیادہ لطیف کردیں تو صبحِ قیامت کا دم گم ہوجائے یعنی جان نکل جائے۔ حسین اتنے اچھے معلوم ہوں گے کہ صبحِ قیامت ان کے مقابلے میں کم فتنہ خیز رہ جائے گی۔ صبحِ قیامت کا دم کس کی قبا کے گریباں میں گم ہوگا اپنے یا خوبوں کے؟ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ گریباں سانس کا مقام ہے۔ صبح چاکِ گریباں سے مشابہ ہے حسینوں کا عریاں بدن دیکھ کر صبحِ قیامت کا سانس اپنے گریباں میں کھو کر رہ جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک پردہ ہٹانے کے بعد حسینوں کا سینہ دکھائی دینے لگے گا۔ صبحِ قیامت اُن کی قبا کے گریباں میں جھانکے گی اور اپنا دم کھو دے گی۔

(۱۴۶)

خشکی مے نے تلف کی مے کدے کی آبرو
کاسۂ دریوزہ ہے پیمانۂ دستِ سبو

میکدے میں شراب خشک اور ناپید ہوگئی ہے۔ خالی گھڑے پر خالی پیالہ دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھڑا ایک بھکاری ہے جو ہاتھ میں خالی پیالہ لے کر بھیک مانگ رہا ہے۔ اس طرح میکدے کی آبرو برباد ہوگئی۔

ہرجا ں پرورد نِ یعقوب، بال خاک سے
دام لیتے ہیں بہ پرواز، پیراہن کی بو

یہ متن نسخۂ عرشی کا ہے جب کہ خود نوشت دیوان کا متن یہ ہے

بہرِ جاں پروردنِ یعقوب، بالِ چاک ہے
دام لیتی ہے پرِ پرواز، پیراہن کی بو

دوسرے مصرع میں غالب نے "لیتے ہے" لکھا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں یائے معروف و مجہول میں فرق نہیں کیا جاتا تھا اس لئے اسے "لیتی ہے" پڑھا جائے گا اور یہی صحیح ہے۔ لیتے ہیں پڑھنا سہوِ قرأت ہے یا سہوِ کتابت۔ پہلے مصرع میں "بالِ خاک" بھی ممکن ہے اور بالِ چاک بھی دونوں طرح سے پڑھ کر یہ معنی نکلتے ہیں۔ حضرت یعقوب، حضرت یوسف کے غم میں نڈھال تھے پیراہنِ یوسف کی بو نے ان کی جاں پروری کی۔ بوئے پیراہن جلد سے جلد اُڑ کر یعقوب تک پہنچنا چاہتی تھی اس لئے اُس نے خاک کے بازوؤں سے پرِ پرواز اُدھار لیا۔ خاک بھی اُڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی ہے گویا اس کے پاس پر ہوتے ہیں۔ بالِ چاک ہو تو پھٹا ہوا پر مراد ہوگا اور یہ بوئے پیراہن کی بیچارگی کی طرف اشارہ ہے لیکن میری رائے میں بالِ خاک موزوں تر ہے

گردِ ساحل ہے بہ شرمِ جبینِ آشنا
گر نہ باندھے قلزمِ الفت میں سر جائے کدو

نئے نئے تیرنے والے کمر سے خالی کدو باندھ کر تیرتے ہیں تاکہ ڈوبنے سے محفوظ رہیں۔ الفت کے سمندر میں جان بچا لانے کی کوشش کرنا شرم کی بات ہے۔ اگر کوئی اس سمندر میں جان محفوظ کر کے ساحل پر پہنچ گیا اور وہاں گردِ ساحل کے ذرّے اس کی پیشانی پر پڑے تو یہ گویا تیرنے والے ... ... کے ماتھے پر شرم کا پسینہ ہے۔ چاہیئے یہ کہ قلزمِ الفت میں سر کو کاٹ کر کمر پر کدو کی جگہ باندھ لیا جائے تاکہ بچ کر ساحل پر جانے کا سوال ہی نہ رہے۔ یعنی سچا عاشق وہ ہے جو اس میدان میں سر کو ہتھیلی پر لئے پھرے۔ آشنا: تیرنے والا۔

گرمیٔ شوقِ طلب ہے سعیِ تاپاکِ وصال
غافلاں، آئینہ داں ہے نقشِ پائے جستجو!

تاپاک: تپاک۔ گرم جوشی۔ آئینہ دان: وہ صندوقچہ جس میں آئینہ رکھا جائے۔ جستجو کرنے والے کا نقشِ پا اپنے اندر آئینہ رکھتا ہے۔ آئینہ عکسِ محبوب کا ظرف ہے۔ جس کے معنی ہیں نقشِ پائے جستجو محبوب کے ملنے کی منزلِ اوّل ہے۔ گرمیٔ شوق آخر کار وصل کی منزل تک لے جاتی ہے۔ پس یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ گرمیٔ شوق وصل کی گرم جوشی کے مترادف ہے۔

دہنِ خاموشی میں ہے، آرائشِ بزمِ وصال

ہے پرِ پروازِ رنگِ رفتۂ خوں، گفتگو

حجرۂ وصال کی آرائش کا ایک اہم عنصر خاموشی ہے۔ محبوب کا سامنا ہونا کوئی کھیل نہیں
عاشق کے چہرے سے خون رخصت ہوگیا ہے اور رنگ اُڑ رہا ہے۔ خون کا رنگ جس طرح
پرندگی کرتا اُڑ گیا اسی طرح گفتگو بھی پرواز کر گئی ہے۔ عاشق کو بات کرنے کا یارا نہیں۔ رنگ کے اُڑنے
کو غالب اکثر پروازِ طائر سے مشابہ کرتے ہیں۔

ہے تماشا، حیرت آبادِ تغافل ہائے شوق

یک رگِ خواب و سراسر جوشِ خونِ آرزو

رگِ خواب: آدمی کی وہ حساس رگ جسے پکڑنے سے اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔
یعنی وہ مطیع ہوجائے۔ حیرت آبادِ تغافل ہائے شوق: وہ مقام جہاں شوق نے غفلت طاری کر
رکھی ہے اور جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ عشق نے ہمیں غفلت میں مبتلا کیا ہوا ہے اور یہ
صورتِ حال تماشا کرنی ہے۔ ہماری ایک ہی رگ ہے جسے پکڑنے سے ہم مطیع ہوجاتے
ہیں اور اسی میں خونِ آرزو نے قیامت کا جوش دکھا رکھا ہے۔ یعنی آرزوؤں کی شدت نے ہمیں
ہوش سے عاری کر کے اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے۔

خوے شرمِ سرد بازاری ہے، سیلِ خانماں

ہے اسد نقصان میں مفت اور صاحب سرمایہ تو

خوے: پسینہ۔ سیلِ خانماں: وہ سیلاب جو گھر کے سامان کو غارت کردے۔ شعر میں محبوب
کو خطاب کیا ہے۔ بازار کی اصطلاحیں ہیں۔ اسد کا بازار آج کل سرد ہے یعنی کوئی اس کے دل
کا خریدار نہیں یا اس کا قدر داں نہیں۔ سرد بازاری کی شرم کی وجہ سے اسد کو جو پسینہ آیا وہ
اس قدر تھا کہ اس کے خان و خانماں کو برباد کر دیا۔ اے دوست اسد کی سرد بازاری پر تو نے
اس کے دل کو یا خود اسے لے لیا۔ اس طرح وہ نقصان میں رہا کہ دل دے دیا اور بدلے میں
کچھ نہ ملا۔ تو فائدے میں رہا کہ ایسا سرمایہ ہاتھ آیا۔ احساسِ ناقدری نے اسے دُنیا کے کام کاج
کا نہ رکھا گویا اس کا خانماں برباد ہوگیا۔

(۱۴۷)

رنگِ حرب ہے صورتِ عہدِ وفا گرو ۔۔۔ تھا کس قدر شکستہ کہ ہے جا بجا گرو

گرو کے عام معنی کے علاوہ کچھ غیر معمولی معنی بھی ہوتے ہیں مثلاً عہد: بندہ۔ اس غزل
میں کئی جگہ اس الفاظ کے یہی معنی لئے گئے ہیں۔ دوسرے لوگ ہم سے عہدِ وفا باندھتے ہیں
تو وہ عہد ان کی مرضی کے تابع ہوا۔ اسی طرح ہمارا رنگِ طرب دوسروں کی مرضی کا گرو یا مطیع
ہے۔ چونکہ یہ متعدد لوگوں پر منحصر ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ پارہ پارہ ہے اور اس کے
ٹکڑے جابجا گرو ہیں۔ رنگِ طرب کا شکستہ ہونا اسی کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔

پروازِ نقد، دامِ تمنائے جلوہ تھا
طاؤس نے یک آئینہ خانہ رکھا گرو

پرواز نقد: نقدِ پرواز یعنی انتقادِ پرواز۔ قوتِ پرواز کا امتحان لینا۔ طاؤس کا
تمنائے جلوہ کا دام اس کی قوتِ پرواز کا امتحان لے رہا تھا۔ طاؤس کی جلوہ فروشی کی خواہش
اسے اڑائے لئے جا رہی تھی۔ طاؤس نے آئینہ خانہ گرو رکھ دیا یعنی اک آئینہ خانہ پیدا کر کے
دیکھنے والوں کو فراہم کر دیا۔ آئینے خانے میں ہر طرف آئینے ہوتے ہیں جن میں ہر سمت سے
شاہد کا جلوہ نظر آتا ہے۔ طاؤس رنگینی کی وجہ سے جلوہ ساماں ہے۔ وہ ہر سو پرواز کرتا
پھرے گا تو اک آئینہ خانہ بنا کر رکھ دے گا۔ یہ آئینہ خانہ نظارگیوں کو عطا کر دیا جاتا ہے۔
عرشی صاحب نے نقد پر اضافت دی ہے میری رائے میں نہیں ہونی چاہیئے۔

عرضِ بساطِ انجمنِ رنگ مفت ہے
موجِ بہار رکھتی ہے اک بوریا گرو

موجِ بہار کے قبضے میں اک بوریا ہے۔ یہ انجمنِ رنگ کی بساط پھیلاتی ہے گویا ایک
خوش رنگ نقش و نگار والا بوریا کھول دیتی ہے۔ بہار کی رنگینیوں کو بوریے کے نقوش سے
تشبیہہ دی ہے۔ مفت کے معنی اس شعر میں سہل ہونے چاہئیں۔ چونکہ موجِ بہار کے پاس ایک
رنگین بوریا گرو ہے اس لئے اس کے واسطے انجمنِ رنگ کی بساط پھیلانا بہت سہل ہے۔ اس کام
میں اسے کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی۔

ہر ذرۂ خاک، عرضِ تمنائے رفتگاں
آئینہ ہا شکستہ و تمثال ہا گرو

آئینہ۔ سے مراد وہ شیشہ ہے جس میں تصویر (تمثال) فریم کی ہوئی ہے۔ کسی کی
تصویر کو جڑوا کر اپنے پاس رکھنا اس تصویر کے موضوع کی تمنا ظاہر کرنا ہے۔ خاک کا ہر ذرہ

گزرے ہوئے لوگوں کی تمناؤں کا آئینہ دار ہے۔ اس میں کتنے شیشے ٹوٹ کر مل گئے ہیں۔ ان میں کتنی تصویریں گرو ہیں۔ یعنی بند ہیں۔ ہر ذرّۂ خاک کسی مرحوم کی تمناؤں کی تصویر یا شیشہ کا ذرہ ہے۔

ہے خاک میں سَلَم، ہوسِ صد قدح شراب

تسبیح زاہداں، بہ کفِ مدّعا گرو

سَلَم: بیع کی وہ صورت جس میں شئے فروختنی کے تیار ہونے یا بننے سے پہلے ہی پیشگی قیمت ادا کردی جائے۔ انگور کے دانے میں بہت سی شراب پینے کی ہوس، پیشگی کے طور پر موجود ہے یعنی انگور سے شراب بعد میں بنے گی ہوسِ مے نوشی شروع ہی سے پوشیدہ ہے۔ یہ ہوس زاہدوں کی ہوس شراب ہے۔ جنہوں نے اس غرض سے اپنی تسبیحیں گرو رکھ دی ہیں کہ مدعا ہاتھ آجائے۔ تسبیح کے دانے اور دانۂ انگور میں مشابہت ہے۔

برق آبیارِ فرصتِ رنگِ دمیدہ ہوں

جوں نخلِ شمع، ریشے میں نشو و نما گرو

رنگِ دمیدہ: وہ رونق و رنگینی جو مجھے حاصل ہے۔ میں اپنی رنگ و رونق کے زماں کی آبیاری برق سے کرتا ہوں یعنی اگر کسی وقت مجھے کامرانی حاصل ہوتی ہے تو میں اس کو پھونک دیتا ہوں۔ شمع کے پیڑ کی بالیدگی اس کے دھاگے میں بند ہوتی ہے۔ شمع کی بالیدگی کیا ہے؟ اس کا روشن رہنا۔ گویا شمع کو اس کے ریشے یا رشتے کا جلنا ہی موافق آتا ہے۔ یہی میری مثال ہے۔ میں بھی برق سے آبیاری پسند کرتا ہوں۔

طاقت، البساطِ دستِ گہِ یک قدم نہیں

جوں اشک، جب تلک نہ رکھوں دست و پا گرو

میری طاقت ایک قدم رکھنے کی قدرت بھی نہیں رکھتی۔ آنسو گول مٹول ہوتا ہے جیسے اس نے دست و پا گرو رکھ دیے ہوں اور لڑھکتا پھرتا ہے۔ مجھ میں بھی چلنے کی طاقت نہیں آنسو کی طرح لڑھک کر ایک آدھ قدم چل سکتا ہوں۔

ہے وحشتِ جنونِ بہار اس قدر کہ ہے

بالِ پری، بہ شوخیِ موجِ صبا گرو

مشہور ہے کہ پری کا سایہ پڑنے سے جنون ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو بہار کا اتنا شوق ہے جیسے شوخ ہوا کے قبضے میں پری کے بازو آگئے ہوں جنہیں وہ اڑائے پھرتی ہے اور اس کے

سمائے سے لوگوں کو جنون ہو رہا ہے۔ بہار اور پری میں رنگینی وحسن مشترک ہے۔

بے تاب سیرِ دل ہے ہر ناخنِ نگار
یاں نعل ہے بر آتش رنگِ حنا گرد

نعل بر آتش ہونا: مضطرب ہونا۔ محبوب کے ناخن کا سرا میرے دل کی سیر کیلئے بے چین ہے تاکہ انگلی حنا آلودہ ہوجائے اور ہم اس کے رنگِ حنا کو دیکھ کر تڑپ رہے ہیں۔

ہوں سخت جانِ کاوشِ فکرِ سخن، اسد
تیشے کی، کوہسار میں ہے ایک صدا گرد

سخت جان: اردو میں اس کے معنی ہیں جس کی جان مشکل سے نکلے یعنی جفاکش۔ کاوش: جد وجہد لفظی معنی کھودنا۔ صدا: وہ آواز جو پہاڑ یا کنوئیں وغیرہ سے بازگشت کے طور پر آئے۔ فرہاد نے تیشے سے پہاڑ کو کھودا تھا۔ میں شعر کہنے کی فکر میں کاوش کی بیداد اٹھا رہا ہوں۔ گویا یہ بھی تیشے سے کھودنے کے مترادف ہے۔ میرے تیشے کی آواز کوہسار کے پاس گرد ہے اس تے رہا نہیں کی اس لئے دنیا کو میری تیشہ زنی کا احساس نہیں۔ شعر کی فکر کرنا ایک طرح کی کاوشِ تیشہ ہے اور میں مسلسل اس مشقت کو برداشت کر رہا ہوں۔

(۵)

(۱۴۸)

حیرت ہجوم، لذتِ غلطانیِ تپش
سیماب بالش و کمرِ دل ہے آئینہ

یہ شعر دل کے بارے میں ہے۔ دل میں حیرت کا ہجوم ہے۔ دل بے قراری میں لوٹ پوٹ کر لذت پا رہا ہے۔ دل کا تکیہ سیماب ہے۔ جس کے تکیے میں سیماب بھرا ہو اسے بے قراری میں لوٹنے کے سوائے اور کیا ملے گا۔ دل کی کمر یعنی پیٹھ آئینہ ہے۔ آئینہ حیرت ہجوم ہوتا ہے اس لئے دل بھی حیرت ہجوم ہے۔ دل کے دو اوصاف بیان کئے گئے ہیں حیرت اور اضطراب و تپش۔ حیرت کی وجہ سے اسے آئینے سے متعلق کیا گیا اور تڑپ کی وجہ سے سیماب سے۔ دوسرا مصرع دو فقروں کا مجموعہ ہے۔ سیماب، بالشِ دل ہے اور کمرِ دل، آئینہ ہے۔ دو ہندی فعل والے فقروں یا جملوں کو فارسی واوِ عطف کے ساتھ منسلک کرنا معیوب ہے۔

ہیکر

غفلت بہ بالِ جوہرِ شمشیر پرفشاں
یاں پشتِ چشمِ شوخیِ قاتل ہے آئینہ

پشتِ چشم تغافل کی نشانی ہے۔ محبوب نے ہم سے غفلت برتی ہے لیکن اس کی غفلت یا بے اعتنائی کس طرح ظاہر ہورہی ہے؟ یہ جوہرِ تلوار کے بازوؤں کے سہارے اُڑرہی ہے یعنی محبوب نے ہمارے اوپر تلوار اُٹھائی ہوئی ہے۔ اس طرح قاتل کا تغافل آئینہ کی طرح ہمارے سامنے آیا ہے۔ آئینے کے معنی یہاں عیاں کے ہیں لیکن خود آئینہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ شمشیر میں بھی جوہر ہوتا ہے اور آئینے میں بھی۔ اس طرح ہمارے اوپر اُٹھی ہوئی تلوار ہمارے حال سے محبوب کی غفلت کا آئینہ بن گئی ہے۔ قاتل کی شوخی اس بات سے ظاہر ہے کہ اس نے اظہارِ غفلت کے لیے شمشیر کا سہارا لیا۔

حیرت نگاہ برق تماشا بہار شوق
در پردۂ ہوا پرِ بسمل ہے آئینہ

وہ شوخ تماشا بہار بنا ہوا ہے یعنی فردوسِ دید ہے۔ اس کو دیکھ کر بجلی حیرت نگاہ ہے یعنی اس کی چلبلاہٹ پر بجلی کو بھی حیرت ہے اور آئینے نے جو اسے دیکھا تو یہ عالم ہوا جیسے کسی مذبوح پرندے کے پَر ہوا میں اُڑ رہے ہوں یعنی آئینہ مذبوح کی طرح تڑپنے لگا۔ آرائش کے آخر میں محبوب، برق اور آئینے کی یہ کیفیات ہیں۔

یاں رہ گئے ہیں ناخنِ تدبیر ٹوٹ کر
جوہر طلسم عقدۂ مشکل ہے آئینہ

دوسرے مصرع میں کہا ہے ہمارا عقدۂ مشکل جو جوہر طلسم ہے آئینہ کی طرح ہے کیونکہ آئینہ بھی جوہر طلسم ہوتا ہے۔ جوہر طلسم: ایسا طلسم جو جوہری ذرات سے بنا ہو۔ ہمارا عقدۂ مشکل دھاگے یا رسی کی گرہ نہیں۔ جسے ناخن سے کھول لیا جائے یہ آئینے کی طرح جوہر کا طلسم ہے جس طرح ناخنوں سے آئینے کے جوہر جُدا جُدا نہیں کیے جاسکتے۔ اسی طرح ہم ناخنِ تدبیر سے ہزار کوشش کررہے ہیں لیکن اپنے عقدۂ مشکل کو نہیں کھول پاتے۔ تدبیر بے کار ہوکر رہ گئی ہے۔

ہم زانوئے تاملِ وہم جلوہ گاہِ گل
آئینہ بندِ خلوت و محفل ہے آئینہ

آئینہ بند: آئینہ بندی کرنے والا یعنی رونق فزا۔ آئینہ خلوت کی رونق بھی بڑھاتا ہے اور

محفل کی بھی۔ خلوت میں، آئینے کو دیکھ کر انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ اپنے چہرے کے عیوب و محاسن کا تجزیہ کرتا ہے۔ زانو پر سر رکھ کر غور کیا جاتا ہے اس لئے آئینے کو زانوئے تامل کہا۔ محفل میں آئینہ پہلوؤں کی جلوہ گاہ ہے یعنی اگر کسی بزم میں ہر طرف آئینہ بندی کی ہو اور پھر محفل کے بیچ کچھ پھول رکھے ہوں یا کوئی حسین موجود ہو تو اس کا جلوہ ہر طرف دکھائی دے گا۔ ہم معنی بھی ہے۔

دل کارگاہ فکر و اسدؔ بینوائے دل
یاں سنگِ آستانۂ بیدلؔ ہے آئینہ

اس سے پہلے ہی شعر میں غالبؔ نے آئینے کو زانوئے تامل کہا ہے یعنی آئینہ بھی سامانِ فکر فراہم کرتا ہے۔ غالباً سنگِ آستانہ بھی یہی فائدہ دیتا ہے۔ سنگِ آستانہ: دہلیز کا پتھر یعنی چوکھٹ اس پر لیٹ کر سر رکھ کر غور و خوض کر سکتے ہیں۔ بیدل یہاں شاعر بیدلؔ نہیں بلکہ بغیر دل کا عاشق۔ کہتے ہیں۔ فکر کا کارخانہ دل ہے اسدؔ دل سے معرا ہے۔ اوروں کیلئے دل تکیۂ فکر (یا سنگ آستاں) ہوا کرتا ہے مجھ بے دل کیلئے آئینہ یہ کام دے رہا ہے۔ میں آئینے میں دیکھ کر اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی طرف سوچنے لگتا ہوں گویا آئینہ میرا سنگِ آستاں ہے۔ اس شعر کے ایک اور معنی یہ ہیں۔

فکر کا مقام دل ہے اور اسدؔ کے پاس دل نہیں۔ اس لئے مرزا عبدالقادر بیدلؔ کا سنگِ آستاں اسدؔ کے لئے آئینہ ہے۔ آئینے میں دیکھ کر غور و فکر کیا جا سکتا ہے۔ اسدؔ کے لئے حضرت بیدلؔ کا کلام آئینۂ فکر یا کارگاہِ فکر ہے۔ بیدل کے لفظ میں ایہام ہے۔ دوسری تشریح زیادہ سہل اور سلجھی ہوتی ہے۔

(۱۴۷)

جز دل سراغِ درد بہ دل خفتگاں نہ پوچھ
آئینہ عرض کر، خط و خالِ بیاں، نہ پوچھ

دل خفتگاں: وہ لوگ جو جذبات سے عاری ہیں، سنگ دل یا مردہ دل لوگوں کے پاس دل تو مل سکتا ہے لیکن اس میں درد کا سراغ نہیں مل سکتا۔ ایسے لوگوں سے ان کی خواہشات و احساسات کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ واضح جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کے سامنے تو آئینہ رکھ دے جس میں انھیں اپنی شخصیت دکھائی دے جائے اور تب اپنے بارے میں وہ جان سکیں۔ بیان کی خوبیوں کی ان سے توقع نہ رکھ کر۔ یہ تو درد سے بھرے

دل رکھنے والوں کیلئے ممکن ہے کہ اپنے دل کی حالت بڑے با اثر طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ دل خفتگاں کے معنی کسی لغت سے نہیں لئے گئے قیاسی ہیں۔

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا

جاہ و جلال عہدِ وصالِ بتاں نہ پوچھ

انیسویں صدی کے نصفِ اول میں گو ہندوستان یا دلّی بظاہر آزاد تھی لیکن دراصل مغل بادشاہ انگریز سفیر کا اسیر تھا۔ غالب ان گذرے ہوئے دنوں کی یاد کرتے ہیں جب ملک واقعی آزاد تھا مثلاً جہانگیر کے دور میں۔ ہندوستان پھولوں کے سائے کی طرح خوشگوار تھا اور بادشاہ کا مستقر تھا۔ اب کی طرح نہیں کہ ہندوستان کی قسمت پر واقعی اختیار رکھنے والا بادشاہ باہر انگلستان میں ہے۔ غالب کو یاد آتی ہے کہ ملک کے آزاد و مختار ہونے کے ایام میں روسا خوب حسینوں سے وصل کرتے ہوں گے اور ٹھاٹھ سے رہتے ہوں گے۔ گویا وہ عہد حسینوں کے حسن کی گلچینی کا عہد تھا۔ اس دور کا جاہ و جلال نہ پوچھ۔

پرواز یک تب غمِ تسخیرِ نالہ ہے

گرمیِ نبضِ خار و خسِ آشیاں نہ پوچھ

آشیاں کے خار و خس میں بڑی گرمی ہے۔ ایسے آشیانے میں رہنے سے بے چینی ہوتی ہے اور نالہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ نالے پر قابو پانے کے لئے بلبل آشیانے سے نکل کر پرواز کرتی ہے تاکہ آشیانے کی گرمی کے آزار سے محفوظ رہ سکے ہیں اس طرح پرواز ضبطِ نالہ کی پریشانی کا بخار ہے۔ یعنی بلبل کیلئے آشیانہ بھی جائے سکون نہیں۔

تو مشقِ ناز کر ادلِ پروانہ ہے بہار

بے تابیِ تجلیِ آتش بجاں نہ پوچھ

شعر کے معنی دو طرح ممکن ہیں۔ "دلِ پروانہ بہار ہے" مان کر اور "بہار دلِ پروانہ ہے" مان کر (۱) پروانے کا دل بڑا پُر بہار ہے۔ آتش بجاں پروانے کی روشنی کی تڑپ کیا بیان کروں۔ اس روشنی کی وجہ سے اس کے دل میں بہار آئی ہوئی ہے لیکن یہ روشنی تڑپ رہی ہے کہ کاش تو مشقِ ناز کرکے اس دل کو جلادے۔ (۲) بہار دلِ پروانہ کی طرح تیرے ہاتھوں جلنا چاہتی ہے۔ بہار میں جو ہر طرف سُرخ پھول کھلے ہیں یعنی آتش گل لگی ہوئی ہے اس کی وجہ سے بہار آتش بجاں ہوگئی ہے اس کی روشنی کی بے تابی نہ پوچھ۔ تو مشقِ ناز کرکے اس بہار کو غارت کردے

اور اس کی بے تابی دور کر۔

غفلت متاعِ کفۂ میزانِ عدل ہوں
یارب حسابِ سختیِ خوابِ گراں نہ پوچھ

کفہ: ترازو کا پلڑا۔ اے خدا اگر تو انصاف کی ترازو میں میرے اعمال کو تولے گا تو میرے پاس صرف غفلت کی پونجی نکلے گی۔ میں بڑی غفلت کی نیند میں سویا۔ اس کی سختی کا حساب پوچھ

ہر داغِ تازہ، یک دلِ داغِ انتظار ہے
عرضِ فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ

میرا سینہ درد و داغ کو پسند کرتا ہے اس کی شدت کا امتحان لیتا ہے۔ ایک نیا داغ حسرت لگتا ہے تو وہ ایسا دل بن جاتا ہے جسے داغ کا انتظار ہو گویا ہر نیا داغ ایک اور نئے داغ کی طلب کرتا ہے ایسے داغ پسند سینے کی وسعت کا کیا ٹھکانا۔

کہتا تھا کل وہ محرمِ راز اپنے سے کہ آہ
دردِ جدائیِ اسدؔ اللہ خاں نہ پوچھ

شعر صاف ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہیں۔

(۱۵۰)

رفتار سے شیرازۂ اجزائے قدم باندھ
اے آبلے محمل پئے صحرائے عدم باندھ

کتاب کے مختلف اجزا میں دھاگا ڈال کر ان کی شیرازہ بندی کی جاتی ہے۔ راستے پر چلتے وقت پے بہ پے جو قدم رکھے جاتے ہیں۔ رفتار گویا ان سب کو ملانے والا شیرازہ ہے۔ شعر میں ہدایت کی ہے کہ مسلسل چلتے رہو خواہ پاؤں میں آبلے پڑ جائیں۔ یہاں تک چلو کہ صحرائے عدم میں پہنچ جاؤ۔ محمل باندھنا: سفر کا قصد کرنا۔ آبلہ رفتار و سفر سے باز رکھتا ہے لیکن محمل سے مشابہ ہوتا ہے یہاں خود آبلے سے کہا ہے کہ سفر کو اتنا بڑھا کہ عدم کے بیابان میں پہنچ جائیں۔

بیکار ہمہ تسلیم، بہر رنگ چمن ہے
گر خاک ہو، گلدستۂ صد نقشِ قدم باندھ

زندگی کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جدوجہد میں باعمل رہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ توکل و تسلیم اختیار کر کے بیکار بیٹھ جاؤ۔ اس شعر میں دوسرے طریق کو سراہا گیا ہے۔ اس کا کوئی بھی نتیجہ ہو

زندگی کو باغ کی طرح بارونق بنا دیتا ہے۔ اگر بیکار بیٹھے بیٹھے اپنے پاس خس خاک رہ جائے تو اس پر اس ہوشیاری سے نقوشِ قدم بنا کہ گلدستے کا انداز ہو جائے۔

اے جادے البر رشتہ یک ریشہ دویدن
شیرازۂ صد آبلہ، چوں سبحہ بہم باندھ

اے راستے چلنے والے کے پاؤں میں کئی آبلے ہیں۔ راہ میں پڑے ہوئے کسی تنکے کو ان آبلوں کے بیچ اس طرح گذار کہ تمام آبلوں کی شیرازہ بندی ہو جائے بالکل اسی طرح جیسے تسبیح کے متعدد دانوں کو ایک رشتہ منسلک کرتا ہے۔ آبلے میں خس و خار کا گذرنا ایذادہ ہوگا اور شاعر ایذا طلب ہے

حیرت، مدِ اقلیم تمنائے پری ہے
آئینے پہ آئینِ گلستانِ ارم باندھ

پری یعنی کسی حسینہ کی تمنا کو اقلیم سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تمنا بہت زیادہ ہو جائے تو حیرت میں تبدیل ہو جائے گی۔ حیرت کا مقام آئینہ ہے۔ ارم شداد کی بنائی ہوئی بہشت ارضی کو کہتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ مفیدِ معنی قصۂ گل بکاؤلی کی تلمیح ہے جس میں بکاولی کے ملک کا نام گلستانِ ارم تھا۔ فورٹ ولیم کالج میں نہال چند لاہوری کے مذہبِ عشق کی ترتیب کے بعد یہ قصہ عام طور پر ملنے لگا تھا۔ ظاہرا اس شعر میں گلستانِ ارم سے مراد پرستان ہے۔ آئینے کی آئینہ بندی کر۔ کس آئینے سے؟ گلستانِ ارم سے۔ اس طرح حیرت اور پری کا دیس یکجا ہو جائیں گے اور پری کے ملنے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ حیرت کو تمنا کی انتہا کہنے کا جواز ہے۔ صوفیوں کے طریق میں بھی حیرت کا نی آگے کی منزل ہے یعنی شوق بہت بڑھتا ہے تو حیرت میں بدل جاتا ہے۔

پامردیِ یک انداز نہیں قامتِ ہستی
طاقت اگر اعجاز کرے تہمتِ خم باندھ

پامرد : مددگار۔ پامردی : ہمت و شجاعت۔ ہستی بالکل کمزور چیز ہے۔ ہستی کا قد کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتا کوئی شجاعت نہیں دکھا سکتا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اگر تیرے اندر بہت طاقت آ ئے جیسے معجزہ ہو گیا ہو تو خمِ قامت کا الزام اپنے سر لے یعنی زندگی میں قامتِ انسان سے اور کوئی کام تو ہو نہیں سکتا اگر یہ جھک بھی جائے تو گویا بڑا شہزوری کا کام کیا۔ گویا انسان کی قدرت کی معراج خمِ قامت ہے جو عدمِ طاقت کی نشانی ہے۔ شعر میں زندگی کو بالکل نکما اور کمزور قرار دیا ہے۔

دیباچۂ وحشت ہے، اسد شکوۂ خوباں
خوں کردِ دل اندیشۂ مضمونِ ستم باندھ

اے اسد حسینوں کا شکوہ کرنے سے ان کے ظلم و ستم آنکھوں میں بھر جائیں گے اور اس سے وحشت پیدا ہوگی۔ اس طرح شکوۂ جورِ حسیناں وحشت کی تمہید ہو جائیگا۔ اگر تو ان کے ستم کے مضمون بیان کرتا ہے تو اندیشہ و افکار سے بھرا ہوا دل اور خون ہوگا یعنی طول دل بالکل زخمی ہو جائیگا جس سے وحشت پیدا ہوگی۔ اگر تو اس کیلئے تیار ہے تو ضرور ان کا شکوہ کر۔ ان کے ستم کا بیان کر۔

(۱۵۱)

خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق نا خواندہ
ورنہ ہے چرخ و زمیں، یک ورقِ گرداندہ

ورق گردانیدن: فعل عبث۔ ورقِ گرداندہ وہ ورق ہوگا جو پلٹا جا چکا ہے اسلئے اب وہ مزید افادیت نہیں رکھتا۔ اہلِ دُنیا نے عبرت کا سبق نہیں پڑھا۔ اس آسمان و زمین کو پہلے زمانے کے لوگوں نے پڑھا اور اس سے کیا حاصل کیا جواب موجودہ نسل حاصل کرے گی۔ زمین و آسمان ردّی کاغذ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

دیکھ کر بادہ پرستوں کی دل افسردگیاں
موجِ مے مثلِ خطِ جام ہے برجا ماندہ

برجا ماندہ: ثابت و برقرار۔ خطِ جام: ٹھہرا ہوا اور جامد ہوتا ہے۔ مے خواروں کا بجھا ہوا دل دیکھ کر موج نے بھی ایک جگہ ٹھہر گئی ہے۔ موجِ مے کا ٹھہرنا اسی وقت ممکن ہے جب شراب نہ پی جائے۔ بادہ پرستوں کی افسردہ دلی کا مظہر یہی ہے کہ وہ شراب نہیں پیتے۔

خواہشِ دل ہے زباں کو سبب گفت و بیاں
ہے سخن، گردِ زدامانِ ضمیر افشاندہ

دل میں کوئی خواہش آتی ہے تو آدمی بولتا ہے گویا سخن دل کے دامن کی جھاڑی ہوئی گرد ہے۔ دل کے اندر خواہش ایک اضطراب پیدا کرتی ہے۔ اس خواہش کو الفاظ میں ظاہر کر دیا جائے تو دل ہلکا اور صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ خواہشات دل کے لئے گرد کی طرح ناپسندیدہ ہیں۔ اُن کا وہاں سے ہٹ جانا دل کی صفائی کا موجب ہوگا۔ سخن سے مراد شعر لیا جائے تو اور

برجستہ ہوگا۔ کوئی آگاہ نہیں باطنِ ہم دیگر سے

ہے ہر اک فرد جہاں میں ورقِ ناخواندہ

حیرت ہے کہ غالب نے اتنا صاف اچھا شعر انتخاب میں کیوں حذف کر دیا تھا۔ کسی کے دل میں کیا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ اس طرح دنیا میں ہر شخص کتاب کے ایسے صفحے کی طرح ہے جسے آج تک کسی نے نہ پڑھا ہو کیا نفسیاتی حقیقت بیان کی ہے۔

حیف ہے حاصلِ اہلِ ریا پر غالب

یعنی ہیں ماندہ از آں سو و ازیں سو رانده

مکر و فریب کرنے سے کچھ بھی نہیں ملتا نہ دولتِ دنیا نہ دولتِ عقبیٰ۔ اہلِ ریا ایسے گروہ کی طرح ہیں جو اس طرف سے نکال دیا گیا ہو اور اُس طرف پہنچنے سے رہ گیا ہو یعنی گھر کا نہ گھاٹ کا۔

(۱۵۲)

لبکہ مے پیتے ہیں اربابِ فنا پوشیدہ

خطِ پیمانۂ مے ہے نفسِ دزدیدہ

اربابِ فنا: سالک جو راہِ فنا پر چلتے ہیں۔ خطِ پیمانہ: جامِ جم کے اندر خطوط تھے اب ہر پیالۂ شراب کے اندر خط فرض کرلیے جاتے ہیں۔ نفس دزدیدن: نفس کو بند کرنا۔ نفسِ دزدیدہ: وہ سانس جو لیا نہ گیا ہو اور یہ فنا کی طرف ایک قدم ہے۔ عارف بھی چھپ کر شراب پیتے ہیں۔ ان کا سانسوں کا بند کرنا خطِ جام ہے۔ ظاہر ہے کہ سانس کو مستقلاً بند کرلینا یعنی فنا ہوجانا ان کی شراب ہوگی۔ نفس کا تصور ایک تار کا سا ہے اس لئے خط سے مشابہت ہوئی۔

بہ غرورِ طرحِ قامت و رعنائی سرو

طوق ہے گردنِ قمری میں رگِ بالیدہ

طرح: طرح داری، زیبائی۔ رگِ گردن: نخوت۔ قمری کو سرو کی خوش قامتی اور رعنائی کا غرور ہے۔ غرور سے رگِ گردن اُبھر آتی ہے۔ قمری کی گردن میں جو کالا طوق ہے وہ دراصل اس کی رگِ غرور ہے جو زیادہ بڑھ کر باہر آگئی ہے اور نمایاں ہوگئی ہے۔

کی ہے وا اہلِ جہاں نے بہ گلستانِ جہاں

چشمِ غفلت نظرِ شبنمِ خورنا دیدہ

شبنم کے قطرے آنکھ سے مشابہ ہوتے ہیں۔ جب تک اوس سورج کی دھوپ نہیں دیکھتی

اس وقت تک اپنے انجام سے غافل رہتی ہے۔ دُنیا والوں نے بھی دُنیا کے باغ کی طرف آنکھ کھولی ہوئی ہے اسے دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں لیکن یہ اوس کی چشمِ غفلت نظر ہے۔ اہلِ جہاں کو اپنے مآل کا خیال نہیں کہ جلد ہی اس باغ سے گزر جانا ہے۔

یاس آئینۂ پیدائی استغنا ہے
نا اُمیدی ہے پرستارِ دلِ رنجیدہ

پرستار: خادم، مجازاً تیمار دار کو بھی کہتے ہیں۔ رنجور بیمار کو کہتے ہیں رنجیدہ میں بھی اُس کی طرف اشارہ ہے۔ کسی مقصد کے حصول سے یاس ہو تو بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے۔ نا اُمیدی رنجیدہ دل کی غم گساری کرتی ہے۔ غم گساری کا طریقہ ہے خواہش کو ختم کر دینا۔

واسطے فکرِ مضامینِ متیں کے غالبؔ
چاہیئے خاطرِ جمع و دلِ آرا میدہ!

شعر میں سنجیدہ مضامین کی فکر کیلئے دل جمعی اور آرام و سکون کی ضرورت ہے۔ مجھے یہ میسر نہیں اگر میرے کلام میں مضامینِ بلند کی کمی دکھائی دے تو شکوہ نہ کر۔

(۱۵۳)

جوشِ دل ہے مجھ سے حسنِ فطرتِ بیدل نہ پوچھ
قطرے سے میخانۂ دریائے بے ساحل نہ پوچھ

اس شعر میں بیدل سے مُراد بے دل عاشق بھی ہو سکتا ہے اور شاعر بے دل بھی۔ دونوں طرح معنی دیکھیے! (۱) اس وقت میرے دل میں جذبات کی شدت کی وجہ سے جوش ہے عاشق کی فطرت کی خوبی مجھ سے نہ پوچھ وہ ایسا سمندر ہے جس کا ساحل نہ ہو اور میں محض ایک قطرہ ہوں۔ اس کی فطرت کی خوبیاں کیوں کر اور کہاں تک بیان کروں۔

(۲) میرے دل میں عقیدت کا جوش ہے۔ مجھ سے بیدل شاعر کی فطرت کی خوبیاں نہ پوچھ وہ ایک دریائے بے ساحل ہے اور میں محض ایک قطرہ۔ میرا کیا منہ کہ میں اس کی خوبیاں بیان کر سکوں۔

میری رائے میں یہ شعر عاشق کی توصیف میں ہے بیدلؔ شاعر کی نہیں۔ بیدل کے فکر کی تعریف کی جا سکتی تھی۔ حسنِ فطرت کی تعریف کیوں کرتے۔

یہن گشتہائے دل، بزمِ نشاطِ گردباد
لذتِ عرضِ کشادِ عقدۂ مشکل نہ پوچھ

پہن: فراخ وکشادہ۔ دل میں کچھ مشکلات کے عقدے ہیں۔ میں اُنہیں حل کرتا ہوں تو دل فراخ وکشادہ ہوتا ہے اسی طرح جیسے بگولا فراخ وکشادہ ہوتا ہے اور ایک بزم نشاط کی طرح پُرجوش ومتحرک ہوتا ہے۔ چونکہ گردباد میں خاک، پریشانی اور حدت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے اسے بزم نشاط قرار دینا شاعر کی بد قسمتی پر وال ہے۔ ظاہر ہے کہ کشادِ عقدۂ دل کے بعد گرد باد کی سی کیفیت ہی ہوئی ہوگی یعنی انتشار و پریشانی۔ اسے شاعر نے طنزاً لذت کیا ہے۔

آبلہ پیمانۂ اندازۂ تشویش تھا

اے دماغِ نارسا خم خانۂ منزل نہ پوچھ

شعر میں پیمانہ اور نارسا پر ایہام ہے۔ دماغ رسیدہ سرخوش دماغ کو کہتے ہیں۔ نارسا اس دماغ کو کہیں گے جو سرور سے بیگانہ ہو اس طرح شعر کے قرینے سے پیمانہ کے معنی جامِ شراب اور نارسا کے معنی غیر مسرور ظاہر ہوتے ہیں لیکن در اصل پیمانے کے معنی ناپنے کا پیمانہ لئے گئے ہیں اور نارسا کے معنی وہ جو منزل تک رسائی نہ کرسکا ہو۔ خوبی یہ ہے کہ نارسا کے دوسرے معنی بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ پاؤں میں آبلہ اس بات کا پیمانہ ہے کہ مسافر کو منزل پر پہنچنے کی کتنی جلدی، شوق اور تشویش ہے۔ اے وہ شخص جو منزل تک پہنچا ہی نہیں منزل پر پہنچنے کی لذت اور سرور کی فراوانی نہ پوچھ۔ یا اے وہ دماغ جو رسائیِ منزل کے نشے سے شگفتہ نہیں اس نشے کی کیفیت نہ پوچھ "نہ پوچھ" مقدار کی کثرت ظاہر کرتا ہے۔

نے صبا بالِ پری۔ نے شعلہ سامانِ جنون

شمع سے جز عرضِ افسونِ گدازِ دل نہ پوچھ

عاشقی کیلئے صرف دل جلانا کافی نہیں جنون بھی ایک ضروری شرط ہے۔ شمع صرف دل جلانے کا منتر جانتی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ شعلہ جنوں پیدا نہیں کرتا۔ ہوا چل کر شمع کی لپٹ کو توانا اور بالیدہ رکھتی ہے پر ہما کا بازو نہیں ہے کہ جنون پیدا کرے۔ پرہما کے سائے سے جنون ہوتا ہے۔ ہوا کے سائے سے نہیں۔ اس لئے شمع کے پاس جنون کا کوئی سامان نہیں اور وہ ہم سے فرو تر رہ جاتی ہے۔

یک مژہ برہم زدن حشرِ دو عالم فتنہ ہے

یاں سُراغِ عافیت جز دیدۂ بسمل نہ پوچھ

مژہ برہم زدن: پلک ہلانا یا جھپکانا حشر: اُٹھنا۔ اس دُنیا میں ہر کام سے فتنہ برپا ہوتا

ہے۔ ایک پلک جھپکاؤ اور دُنیا بھر کے فتنے کھڑے ہو جائیں گے۔ یہاں امن و عافیت تلاش کرو تو مذبوح کی آنکھ کے سوا کہیں نہ ملے گی۔ بسمل ہو جانے کے بعد آنکھ جھپکانا ممکن نہیں اس لئے دیدۂ بسمل کمال بے عملی کی نشانی ہے اس کی آنکھ میں عافیت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ سارے جھگڑے تو جان کے ساتھ ہیں۔ گویا دُنیا میں چین چاہو تو مرنے کے بعد ہی مل سکتا ہے۔

بزم ہے یک پنبۂ مینا، گدازِ ربط سے
عیش کر غافل حجابِ نشۂ محفل نہ پوچھ

پنبۂ مینا: وہ روئی ہے جو شراب کی صراحی میں ڈاٹ کی جگہ لگی ہوئی ہو۔ شراب کے تعلق سے اس میں بھی کچھ اثر سے آجائے گا۔ محفل میں محبوب ہے اور عشاق ہیں۔ محبوب کے نزدیک ہونے کی وجہ سے سب اسی طرح نشے میں ہیں جیسے شراب کے قرب سے مینا کی روئی بھیگی ہو۔ گدازِ ربط: نزدیکی کی وجہ سے دلوں کا پگھلا ہونا۔ اے غافل عیش کر، نشۂ محفل کا حجاب نہ ڈھونڈھ کیونکہ وہ ہے ہی نہیں۔ یعنی نشے کی مانع کوئی بات نہیں۔

سرخوش نے اس شعر کے جو معنی لکھے ہیں وہ میرے الفاظ میں یوں ہیں:۔

گدازِ ربط: تعلقاتِ دوستی کا پگھل کر معدوم ہو جانا۔ بزم میں مروت اور دوستی کے روابط ختم ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے بزم کی کیفیت ہے جیسے صراحی کے منہ میں روئی دبی ہوئی ہو یعنی اہتمامِ عیش نہ ہو۔ اے غافل اس صورت میں اگر تو عیش کرتا ہے تو تنہا عیش کر اور دورِ محفل کے فقدانِ نشہ کی وجوہ کی طرف توجہ نہ کر۔

تا تخلص جامۂ شنگرفی ارزانی، اسد
شاعری جز سازِ درویشی نہیں حاصل نہ پوچھ

جامۂ شنگرفی: سُرخ رنگ کا لباس جو درویشی کا نشان ہے۔ ہندو سادھو گیروا لباس پہنتے ہیں۔ کاتب کسی کے دیوان کی کتابت کرتے ہیں تو کلام سیاہ روشنائی سے لکھتے ہیں اور تخلص کو نمایاں کرنے کیلئے شنگرفی روشنائی سے۔ اسد شاعری فقیری کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے کوئی مالی منفعت نہیں ہوتی۔ حد یہ ہے کہ تخلص کو بھی شنگرفی جامہ پہننا پڑتا ہے۔ ارزانی ہونا: آسانی سے مہیا ہونا۔

(۱۵۴)

شکوۂ و شکر کو ثمر بیم و اُمید کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب، دل نہ سمجھ بلا سمجھ

بیم مقصد میں ناکامی کا خوف ہے۔ اُمید کامرانی کی توقع ہے۔ آخر میں بیم و اُمید، ناکامی یا کامرانی میں سے کسی ایک میں بدل جاتی ہیں۔ ناکامی پر خدا سے شکوہ کیا جاتا ہے۔ کامرانی پر شکر اس طرح شکوہ و شکر بہ یک واسطہ بیم و اُمید کے ثمر ہیں۔ خانۂ آگہی خراب کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) اے وہ شخص جس کا خانۂ آگہی خراب ہے یعنی جو ناواقف اور ناسمجھ ہے۔
(۲) کاش آگہی کا خانہ خراب ہو یعنی علم ایک مصیبت ہے۔ مختلف چیزوں اور لذتوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے تبھی ان کے حصول کی کوشش میں دل مبتلا ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں مخاطب کو خانۂ آگہی خراب، کہہ کر پکارا ہے کیونکہ یہ بیم و اُمید کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے۔

ریگِ رواں و ہر تپش درسِ تسلّیِ شعاع
آئینہ توڑ، اے خیال، جلوے کو خوں بہا سمجھ

اس شعر کے معنی "حقیقت" ہی میں نکل سکتے ہیں۔ ریگِ رواں اور تپش سلوک کے راستے کی تکالیف ہیں۔ یہ آزمائشیں وہ درسِ تسلّی ہیں جو شعاعِ جلوۂ محبوب، سالک کو دے رہا ہے۔ تسلّی گاہ کے معنی تجلّی گاہ کے ہوتے ہیں اس لئے درسِ تسلّیِ شعاع، تجلّیِ شعاع کے ذریعہ آسکتا ہے۔ صحرائے طریقت کی گرم اُڑتی ہوئی ریت اور دل کی تڑپ جلوۂ محبوب کے قرب کی نشانیاں ہیں۔ آئینہ سے مُراد احساسِ ذات یا خودی ہے۔ اے خیال۔ احساسِ ذات کو فنا کر دے اور اس کے بعد جلوۂ محبوب دکھائی دے گا جو فنائے خودی کا خوں بہا ہوگا۔

وحشتِ دادِ بیکسی، بے اثر اس قدر نہیں
رشتۂ عمرِ خضر کو نالۂ نارسا سمجھ

بے کس کا درد بے اثر نہیں۔ آخر کار موت آ کر درماں کر دیتی ہے۔ خضر بھی بے کس و تنہا ہے اس کی عمر لامتناہی ہے اس لئے اس کا نالہ بے اثر ہے یعنی اسے موت کا سکون نہیں ملتا۔ رشتۂ عمر کی طوالت اور نالے کی نارسائی میں تضاد ہے۔

شوقِ عناں گسل اگر درسِ جنوں ہوس کرے
جادۂ سیرِ دو جہاں یک مژہ خواب پا سمجھ

عناں گسل : لگام توڑ یعنی نہایت تیز رو۔ ہوس کرے : چاہے۔ خواب پا : پاؤں کا سونا۔ چونکہ سونے میں پلکیں ملاتی جاتی ہیں اس لئے خواب کے اختصار کو "یک مژہ" کے فقرے سے ظاہر کیا ہے۔ خواب پا بھی چونکہ خواب کا لفظ ہے اس لئے اس پر بھی یک مژہ کا اطلاق کر دیا۔ میرا لگام توڑ شوق اگر جنوں کا سبق سیکھنے پر اُتر آئے تو دونوں دُنیا کی سیر اتنی چھوٹی بات ہے کہ بغیر پاؤں ہلائے حاصل ہو سکتی ہے۔ پاؤں کا سونا اور وہ بھی ایک لمحے کیلئے اس کام کو سرانجام دے سکتا ہے۔ مبالغے کی حد ہے۔

گاہ بہ خلد اُمیدوار، گہہ بہ جحیم بیم ناک
گرچہ خدا کی یاد ہے، کلفتِ ماسوا کچھ

عبادت میں کبھی جنت کی اُمید کی جاتی ہے کبھی دوزخ سے ڈرا جاتا ہے۔ اگرچہ عبادت کہنے کو خدا کی یاد ہے لیکن در اصل ماسوائے اللہ (جنت و دوزخ) کی دی ہوئی تکلیف ہے جحیم پچھلے دوزخ کا نام ہے۔

اے بہ سرابِ حُسنِ خلق، تشنۂ سعیِ امتحان
شوق کو منفعِل نہ کر، ناز کو التجا سمجھ

اے عاشق تجھے گمان ہو گیا ہے کہ محبوب بڑا خوش اخلاق ہو گیا ہے اور تو اس کا امتحان لینے کا پیاسا ہے۔ خدا کیلئے اس سے درگزر تو اپنے شوق کو نادم نہ کر۔ محبوب کے ناز کو نیاز خاکساری اور التجا سمجھ۔ اگر تو نے واقعی امتحان لیا تو معلوم ہوگا کہ وہ اب بھی مزاج کا تیز ہے تیرا جذبۂ عشق خواہ مخواہ شرمندہ ہوگا۔ بہتر ہے کہ اس گمان کو گمان رہنے دے اور امتحان کی آنچ پر نہ چڑھا۔ سراب اور تشنہ میں رعایت ہے۔

شوخیِ حسن و عشق ہے آئنہ دارِ ہم دگر
خار کو بے نیام جان، ہم کو برہنہ پا سمجھ

حُسن کی شوخی یہ ہے کہ عاشق پر جفا کی جائے۔ عشق کی شوخی یہ ہے کہ جفا کا شائق ہو اور اس میں لذت محسوس کرے۔ اس طرح دونوں کی شوخی ایک دوسرے سے منسوب ہے۔ اے مخاطب۔ خار کو تیغ برہنہ جان جس کیلئے ہمیں برہنہ پا یعنی آمادۂ شہادت سمجھ۔ ننگے پاؤں میں کانٹوں کا چبھنا ایسا ہے جیسے محبوب عاشق کو تلوار سے کچوکے دے رہا ہو۔ پاؤں میں کانٹوں کی خلش حسن و عشق کی شوخی کا مظہر ہے۔

نغمۂ بے دلی اسدؔ، سازِ فسانگی نہیں
بسملِ دردِ خفتہ ہوں گریہ کو ماجرا سمجھ

بے دلی کا نغمہ یعنی عشقیہ شاعری محض افسانہ پن کا سامان نہیں۔ میں پوشیدہ درد سے بسمل ہوں۔ اندرونی چوٹ ہے۔ خارجی زخم نہیں۔ میرے نالے کو میری سرگذشت سمجھ۔

(۱۵۵)

کلفتِ ربطِ بے دلاں، غفلت مدعا سمجھ
شوق کرے جو سرگراں، محملِ خواب پا سمجھ

سرگراں: پریشان۔ خواب پا: پاؤں سویا ہوا۔ محملِ خواب پا: وہ محمل جس کا پاؤں سویا ہوا ہو یعنی جو آگے نہ بڑھ پائے۔ بے دلوں کی زندگی کا مدعا محبوبِ حقیقی سے ملنا ہے۔ علائق کے وبال میں پڑنا مدعائے حیات سے غفلت ہے۔ شوقِ عشق سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ محبوب کی طرف کو اُڑائے لے جائے گا۔ اگر کسی کا شوق اس فرض سے غافل کر کے پریشان کر دے تو وہ ٹھہرے ہوئے محمل کی طرح ہے جو شیوۂ عشق کے منافی ہے۔

جلوہ نہیں ہے دردِ سر، آئینہ صندلی نہ کر
عکس کجا و کو نظر؟ نقش کو مدعا سمجھ

شعر کا خطاب آئینے سے ہے کہ انسان سے؟ ہم انسان مان کر تشریح کرتے ہیں۔ آئینہ صندلی کرنا: آئینہ کے چاروں طرف صندلی چوکھٹا لگانا۔ آئینے میں جلوہ نظر آتا ہے تو یہ آئینے کے لئے دردِ سر تو ہے نہیں۔ پھر آئینے کو صندلی کیوں کرتا ہے؟ (درد میں ماتھے پر صندل لگاتے ہیں) آئینے میں عکس کہاں ہے اور نظر کہاں ہے؟ یہ سب فریب ہے ان کے پھیر میں نہ پڑ۔ اپنے نقشِ ہستی کو اصل حقیقت سمجھ۔

اگر آئینہ کو مخاطب مانا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے آئینہ تجھ میں جو جلوہ نظر آتا ہے کیا یہ تیرے لئے دردِ سر ہے جو تو نے اپنے سر سے صندل لگا رکھا ہے۔ کیسا عکس اور کیسا مشاہدہ۔ تجھ میں جو نقش دکھائی دے رہا ہے اسی کو اپنی ذات کا مدعا سمجھ۔ شعر کی علامات واضح نہیں ہیں۔

حیرت اگر خرام ہے، کارِ نگہہ تمام ہے
گر کفِ دست بام ہے، آئینے کو ہوا سمجھ

کیا غیر متوازن تشبیہیں ہیں۔ ایک شخص ہاتھ میں آئینہ پکڑے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ نگہ آئینے میں خرام کرتے کرتے حیرت کی منزل میں پہنچ گئی۔ جب حیران ہو کر رہ جائے تو نظر بازی کیا ہوگی گویا نگاہ کا کام تو تمام ہو گیا۔ تشبیہہ یوں ہے کہ کوئی بام پر ہوا میں ٹہل رہا ہے۔ ہاتھ بام ہے۔ اس میں پکڑا ہوا آئینہ ہوا ہے۔ نگاہ کی حیرت خرام ہے۔

ہے خطِ عجز ما و تو، اوّلِ درسِ آرزو
ہے یہ سیاقِ گفتگو، کچھ نہ سمجھ فنا سمجھ

سیاقِ گفتگو: عبارت کی روانی۔ محبوب حقیقی کی آرزو یعنی عشق کا پہلا آموختہ۔ یہ ہے کہ میں اور تو یعنی سارے انسان بالکل عاجز، خاک نشیں اور خاکسار ہیں۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں میرا یہ قول فصیح گفتگو کا ایک طریقہ ہے تو اس سے اور کچھ نہ سمجھ صرف یہ سمجھ کہ، اوّلِ درسِ آرزو فنا ہے یعنی عشق کے راستے میں پہلی منزل ہی میں عجز دکھاتے دکھاتے فنا ہو جانا چاہیے۔

شیشۂ شکستِ اعتبار، رنگ بہ گردش استوار
گر نہیں یہ کوہسار آپ کو تو صدا سمجھ

شعر کی علامتیں نہایت مبہم ہیں۔ شیشہ سے مُراد شیشۂ مے نہیں اور رنگ سے مُراد رنگِ محفل نہیں۔ شیشہ جسم انسانی ہے اور رنگ رنگِ ہستی ہے انھیں کو کوہسار کہا ہے۔ صدا کوہسار کی آوازِ بازگشت کو کہتے ہیں۔ شکستِ اعتبار: خالق کی ذات میں اعتبار یا عقیدت کی نفی۔ گردش: نیرنگیِ دہر۔ ذاتِ انسانی اس دریائے نور میں عدمِ اعتماد ظاہر کرتی ہے تبھی تو انسان نے اس سے علیحدہ اپنی ذات کا احساس کیا۔ رنگِ ہستی نیرنگیوں اور تغیرات کا نام ہے۔ ان دونوں کے شعور کو مٹا دے جب تک یہ پہاڑ (ذات و رنگِ ہستی کا شعور) موجود ہیں۔ تیری ذات ان کی صدائے محض ہے۔ بہتر ہے کہ ہستی اور اس کی نیرنگیوں سے گزر جا۔

سرخوش نے اس شعر کے جو معنی لکھے ہیں وہ اپنے الفاظ میں واضح کر کے لکھتا ہوں

شکست کے بعد اضافت نہیں۔ شکست اعتبار: جس کا ٹوٹنا یقینی ہے۔ شیشۂ مے کے لئے شکست کا یقین ہے۔ رنگِ محفل متغیر رہتا ہے۔ یہ گردش یعنی نیرنگی سے استوار رہتا ہے یعنی اس کے لئے گردش اور تغیر ہی استقلال ہے۔ گویا سارے سامانِ عیش، شیشۂ و رنگِ محفل غیر مستقل، تغیر پذیر بلکہ فنا پذیر ہیں۔ ان کا کوئی بھروسہ نہیں اور اگر بالفرضِ محال یہ پہاڑ کی طرح قائم رہیں تو خود کو صدا کی طرح عارض سمجھ کہ تیری زندگی تو عارضی ہے۔ پھر

کا ہے کے لئے عیش کوشی ؟

نغمہ ہے محوِ ساز رہ، نشہ ہے بے نیاز رہ

لہٰذ تمام ناز رہ، خلق کو پارسا سمجھ

تجھے نغمہ کی آواز آرہی ہے تو اس میں کھویا رہ۔ ساز میں توجہ کو مرکوز رکھ۔ تجھے شراب کا نشہ ہے مست رہ۔ دوسروں کی پروا نہ کر۔ ان کی طرف سے بے نیاز رہ۔ تو ایسا بن کہ دنیا سے ناز برتتا ہو۔ اہلِ دنیا کو نغمہ و نشہ سے بے بہرہ اور کور ذوق یعنی پارسا سمجھ اسی لئے ان سے رکھ رکھاؤ کے ساتھ برتاؤ کر۔

چربیِ پہلوئے خیال، رزقِ دو عالم احتمال

کل ہے جو وعدۂ وصال آج بھی اے خدا سمجھ

چربیِ پہلوئے خیال: خیال کے پہلو کی چربی یعنی خود تصور۔ تصور وصل موعود کا ہے رزقِ دو عالم احتمال: وہ غذا جس کے ہاتھ آنے میں دنیا بھر کے شبہات ہوں۔ اے خدا تونے وعدہ کیا ہے کہ کل ہمیں وصل نصیب ہوگا۔ کسی کا پیٹ بھرنے کو محض خیالی باتیں کافی نہیں تصور کی باتیں ایسی غذا ہیں جن کے ملنے کا پورا یقین نہیں۔ آج بھی تو رزق کی ضرورت ہے آج ہی وصال کی غذا کیوں نہ مل جائے۔ خدا سے وصال موت ہے۔ شاعر کل کی بجائے آج ہی موت چاہتا ہے۔

نے سروبرگِ آرزو، نے رہ و رسمِ گفتگو

اے دل و جانِ خلق، تو ہم کو بھی آشنا سمجھ

اے دوست نہ تو ہمارے پاس تیری آرزو کا سامان ہے نہ تجھ سے گفتگو کی راہ و رسم ہے تو دنیا بھر کا محبوب ہے۔ ہمیں بھی اپنا واقف سمجھ لے تو ہم پر احسان ہوگا۔ آخر ہم تجھ سے کبھی مل کر بات چیت تو کر نہیں سکتے۔ شعر میں حسرت بھری ہوئی ہے۔

لغزشِ پا کو ہے بَلَد، نغمۂ "یا علی مدد"

ٹوٹے گر آئینۂ اسدؔ سبحہ کو خوں بہا سمجھ

بَلَد: راہبر۔ آئینہ۔ احساسِ خودی۔ سبحہ: وہ تسبیح جس پر "یا علی مدد" کا وظیفہ پڑھا جائے۔ لغزشِ پا سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ "یا علی مدد" کا وِرد کرتے رہو۔ اگر احساسِ خودی ٹوٹ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ "یا علی مدد" کا وظیفہ ہاتھ آجائے گا جو فنائے ذات کی تلافی کر دے گا۔

(ی)

(۱۵۶)

دل ہی نہیں کہ منتِ درباں اُٹھایئے
کس کو وفا کا سلسلہ جنباں اُٹھایئے

ہمیں محبوب سے وفاداری ہے۔ چاہتے تھے کہ اس کے در پر جاکر دربان کی خوشامد کرتے تاکہ محبوب کے پاس جاکر اپنی وفا کا اظہار کیا جاسکتا لیکن اب کمال بد دلی ہوگئی ہے۔ جی نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ درباں کا احسان لیں۔ دربان نے جو وکالت کی تھی وہ بے سود ثابت ہوئی اب کسے اپنا سلسلہ جنباں بنائیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کس کا اشارہ دربان کی بجائے دل کی طرف ہو۔ پہلے دل تھا تو سلسلہ جنبانی کرتا تھا۔ اب دل نہیں رہا تو کون سلسلہ جنبانی کرے

تاچند داغ بیٹھیے، نقصاں اُٹھایئے
اب چار سوئے عشق سے دوکاں اُٹھایئے

داغ نشستن ایک فارسی محاورہ ہے جس کے معنی داغ کا بیٹھنا یا داغ کا قائم ہونا ہے "داغ بیٹھئے" کسی اور معنی میں استعمال ہوا ہے۔ داغ کھا کر بیٹھئے کے مترادف ہے۔ یہ داغ، مایوسی و ناکامی کا داغ ہے۔ چارسو: وہ بازار جس کے چاروں طرف سڑک اور دکانیں ہو۔ ہم کب تک حسرتوں کے داغ کھائیں اور نقصان اُٹھائیں۔ بہتر ہے کہ بازارِ عشق سے دوکان اُٹھائیں یعنی کاروبارِ عشق بند کردیں عشق کرنا چھوڑ دیں۔

ہستی فریب نامۂ موجِ سراب ہے
یک عمر نازِ شوخیٔ عنواں اُٹھایئے

فریب نامہ: وہ خط جس کا مضمون ابتدا میں دل فریب ہو لیکن جس کے اندر کوئی کام کی بات نہ ہو دھوکے کی ٹٹی ہو۔ موجِ سراب بھی شروع میں دور سے دل فریب معلوم ہوتی ہے جب اس کے قریب جاتے ہیں تو وہ محض دھوکا نکلتی ہے۔ یہی عالم ہستی کا ہے۔ اس خط کے عنوان کی شوخی ہی میں کھوئے رہیے اندر جاکر حقیقت کی تلاش نہ کیجیے کیونکہ اس میں کچھ ہے ہی نہیں۔ جیسے فریب نامہ کا عنوان شوخ ہوتا ہے اس کے بعد خالی۔ ہم عمر بھر ہستی کے ظاہری پہلو کی شوخی میں کھوئے رہے۔

ضبطِ جنوں سے ہر سرِ مو ہے ترانہ خیز
یک نالہ بیٹھے تو نیستاں اٹھائیے۔

نالہ بیٹھے سے مراد ہے نالے کو دبائیے ضبط کیجیے۔ ہم نے جنوں کی چیخ پکار ضبط کی تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور زبانِ حال سے فریاد کرنے لگے۔ گویا ہم نے ایک نالہ دبایا تو بانسوں کا جنگل کھڑا کر دیا۔ سرِ مو کھڑے ہونے کی وجہ سے ہی نیستاں سے مشابہ نہیں بلکہ اپنی فریاد کی وجہ سے بھی ہیں۔ نیستاں بانسوں کا مجموعہ ہے جن سے بانسریاں بنتی ہیں اور وہ نالہ کرتی ہیں۔ اس نے نیستاں شور کا منبع ہوا۔

نذرِ خراشِ نالہ، سرشکِ نمک اثر
لطفِ کرم، بدولتِ مہماں اٹھائیے

نالے نے گلے میں خراش پیدا کئے اس کے لئے نمکین آنسو آئے۔ گلے کی خراش میں نمکین پانی سے غرارے کئے جاتے ہیں۔ نالے کے ساتھ آنسو بھی آتے ہیں۔ جب آنسوؤں کی افراط ہو گی تو کچھ نہ کچھ منہ میں بھی پہنچ جائیں گے۔ منہ میں نمکین چیز کا جانا ایک قسم کی ضیافت ہے مہمان سے مراد غالباً محبوب ہے وہ ہمارے گھر مہمان آیا اس کی بدولت نالہ اور آنسو جاری ہوئے اور اس طرح نمکِ اشک سے اپنی تواضع ہوئی۔ یا پھر یہ ممکن ہے کہ نالے کو مہمان قرار دیا ہو اس کے لئے نمکین آنسو پیش کئے گئے اور اس مہمان کے کرم سے فائدہ اٹھایا۔ ہوتا یہ ہے کہ مہمان پر میزبان کرم کرتا ہے۔ یہاں مہمان میزبان کی تواضع کا موجب ہے۔

انگور سعیِ بے سر و پائی سے سبز ہے
غالبؔ بدوشِ دل خمِ مستاں اٹھائیے

سعی بے سر و پائی: سعی نہ کرنا۔ انگور کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے وہ کیا کوشش کر سکتا ہے۔ بغیر کسی جد و جہد کے وہ سبزہ رہتا ہے۔ ہم بھی اپنے دل کو اس کا مقلد کر دیں۔ دل بھی بے سر و پا ہے۔ شراب کا خم دل کے اوپر اٹھائیں یعنی مست پڑے رہیں کچھ نہ کریں اور زندگی خوش گذار دیں۔

(۱۵۷)

کیا پوچھے ہے بر خود غلطی ہائے عزیزاں
خواری کو بھی اک عار ہے عالی نسبوں سے

برخود غلط: اپنے بارے میں غلط طور پر زیادہ اونچی رائے رکھنے والے کو کہتے ہیں۔ رشتے داروں کے غرور و غلط فہمی کا کیا بیان کروں۔ میں غریب اور خوار ہوں وہ عالی نسب اور رئیس ہیں اس لئے مجھ سے ملنے میں احتراز کرتے ہیں۔ میں بھی ان سے ملنے میں عار کروں گا اس طرح خواری کو بھی عالی نسبوں سے ملنے میں تامل ہوگا۔ دوسرے مصرع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ عالی نسب عزیز کردار کے اتنے گرے ہوئے ہیں کہ خود رذالت ان سے ملنے کو توہین جانتی ہے۔

گو تم کو رضا جوئیِ اغیار ہے، لیکن
جاتی ہے ملاقات کب ایسے سببوں سے

ملاقات جانا: یعنی ملاقات کے وقتِ مقررہ پر نہ آنا۔ تم نے ملاقات کا وعدہ کیا پھر نہ آئے۔ کہتے ہو کہ رقیبوں کی رضا لے لیتا تو آتا۔ ابھی ان کی رضا نہ لے سکا اس لئے ممکن نہ ہوا۔ یہ عذر قابلِ قبول نہیں۔ یہ ایسا سبب نہیں جس کی بنا پر ملاقاتِ مقررہ کو ٹل جانے دیا جائے۔

مت پوچھ اسدؔ وعدۂ کم فرصتیِ زلیست
دو دن بھی جو کاٹے، تو قیامت تعبوں سے

زلیست نے کہا تھا کہ "اسد میں تیرے پاس رہ لوں گی اس کا وعدہ ہے لیکن مجھے بہت کم فرصت ہے بہت جلد تجھے چھوڑ کر چل دوں گی۔" اس کم فرصتی سے بھرے وعدے کا کیا مذکور کریں۔ زلیست نے ہمارے ساتھ دو دن ہی کاٹے اور وہ بھی بڑے رنج کے ساتھ تعب: رنج۔ کاٹے کا فاعل "ہم" کی بجائے "زلیست" کو قرار دینا ضروری ہے تاکہ وعدہ کے کچھ معنی نکل سکیں۔ اگر وعدہ کا لفظ نہ ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ "ہم نے کاٹے"۔ بہ صورتِ موجود بیان میں ایک جدت ہے۔

(۱۵۸)

مجھے معلوم ہے، جو تو نے میرے حق میں سوچا ہے
کہیں ہو جائے جلد، اے گردشِ گردونِ دوں! وہ بھی

اشارہ ہے اس طرف کہ تو نے مجھے مارنے کا سوچا ہے۔ اے ذلیل آسمان، یہ بھی کر دکھا۔
ہ نظر راحت پہ میری، کر نہ وعدہ شب کے آنے کا کہ میری خواب بندی کے لئے ہوگا فسوں وہ بھی
اگر تو میری راحت چاہتا ہے تو یہ رات کو آنے کے وعدے میں نہیں بلکہ رات کو آنے کا وعدہ

نہ کرنے میں ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وعدہ کیا بھی تو تو نہ آئے گا اور میں رات بھر انتظار میں جاگوں گا۔ گویا تیرا مثبت وعدہ بھی اسی طرح میری نیند کو باندھ دے گا جس طرح نہ آنے کا اظہار۔ لیکن صحیح صورتِ حال سے آگاہ ہونے کی وجہ سے دل کو قرار رہے گا۔

(۱۵۹)

کرتے ہو شکوہ کس کا؟ تم اور بے وفائی

سر پیٹتے ہیں اپنا، ہم اور نیک نامی

تم مجھ سے شکوہ کرتے ہو "میں نے تم سے کون سی بے وفائی کی تھی کہ تم دُنیا بھر میں مجھے بدنام کرتے ہو اور خود نیک نام بن رہے ہو۔" یہ شکوہ کیوں کرتے ہو تمہارے لئے بے وفائی کیونکر ممکن ہے۔ ہم اپنا سر پیٹتے ہیں۔ تم ہم پر نیک نامی کا الزام کیوں رکھ رہے ہو۔ کہاں ہم اور کہاں نیک نامی۔ دونوں باتیں طنزاً کہی ہیں۔

صد رنگ گل کترنا، در پردہ قتل کرنا

تیغِ ادا نہیں ہے پابندِ بے نیامی

گل کترنا: نقش و نگار بنانا۔ بے نیامی: تلوار کا نیام سے نکلنا۔ آپ کی تیغِ ادا کو نیام سے نکلنے کی ضرورت نہیں یہ بہ ظاہر طرح طرح سے خوشنما پھول بوٹے بناتی ہے لیکن پردے ہی پردے میں قتل کر دیتی ہے۔

طرفِ سخن نہیں ہے مجھ سے خدا نہ کردہ

ہے نامہ بر کو اس سے دعوائے ہم کلامی

طرف: آنکھ گھمانا، ترچھی نظر سے دیکھنا۔ نامہ بر مجھ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر رہا۔ اسے دعویٰ ہے کہ وہ محبوب سے باتیں کر کے آیا ہے خدا نہ کرے کہ یہ واقعی ہوا ہو۔ اندیشہ یہ ہے کہ یہ خود اسے دل دے بیٹھا ہے اس لئے مجھ سے بات کرنے میں کتراتا ہے۔

طاقت فسانۂ باد، اندیشہ شعلہ ایجاد

اے غم، ہنوز آتش! اے دل، ہنوز خامی

خامی: کچاپن یہاں کمزوری کے معنی میں آیا ہے۔ لف و نشرِ غیر مرتب ہے۔ طاقت کا تعلق دل کی خامی سے ہے۔ شعلے کا تعلق آتشِ غم سے۔ مجھ میں طاقت! اللہ کا نام لو۔ میری طاقت ہوا کا افسانہ ہے یعنی کچھ بھی نہیں۔ میرا اندیشہ شعلے پیدا کرتا رہتا ہے یعنی میرے ذہن و

دماغ میں آگ بھری ہوئی ہے حالانکہ میرا غم ابھی سکون کی منزل پر نہیں پہنچا ابھی آگ کی طرح جل رہا ہے اور میرا دل بھی کمزور ہے۔

ہر چند عمر گذری آزردگی میں، لیکن
ہے شرحِ شوق کو بھی ابھوں شکوہ ناتمامی

میں تمام عمر محبوب سے آزردہ رہا۔ آزردگی اسی وقت ہونی چاہیئے جب کہ پہلے محبوب کے سامنے اپنے شوق کا بیان کیا جائے۔ وہ توجہ نہ کرے تو آزردہ ہو کر شکوہ کیا جائے عاشق شوق کا بیان بھی پھیلا کر کرتا ہے اور شکوہ بھی۔ میں عمر بھر میں شکوہ تو بعد کی بات ہے شوق کی تفصیل بھی محبوب کے سامنے عرض نہ کر پایا ہوں۔

ہے یاس میں اسدؔ کو ساقی سے بھی فراغت
دریا سے خشک گذری مستوں کی تشنہ کامی

چونکہ مجھے شدتِ یاس ہے اس لئے ساقی سے توقع نہیں کہ وہ مجھے شراب دے گا پس میں اس کی طرف سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔ پیاسا، شرابی دریا کے پاس سے گذر جائے اور پیاسا رہ جائے عجیب بات ہے لیکن میرے ساتھ یہی ہوا ہے۔

(۱۶۰)

دلّی کے رہنے والو، اسدؔ کو ستاؤ مت
بے چارہ، چند یوم کا یاں میہمان ہے

یاں کے معنی لازماً دلّی نہیں بلکہ دُنیا بھی ہو سکتے ہیں۔ اسدؔ یہ نہیں کہہ رہا کہ "میں دلّی میں چند روز کا مہمان ہوں اُس کے بعد کسی اور شہر میں چلا جاؤں گا۔" بلکہ یہ کہہ رہا ہے کہ "میں آپ لوگوں کے بیچ یعنی دُنیا میں چند روز کا مہمان ہوں۔"

(۱۶۱)

کیا غم ہے اس کو جس کا علی سا امام ہو
اتنا بھی اے فلک زدہ، کیوں بے حواس ہو

شعر صاف ہے۔ اے فلک کے ستائے ہوئے علی جیسے امام کے ہوتے تو کیوں گھبرا رہا ہے۔

(۱۶۲)

پہلو تہی نہ کر غم و اندوہ سے اسدؔ
دل وقفِ درد کر کہ فقیروں کا مال ہے

پہلو تہی کرنا: بچنا۔ اہلِ دل درویش، اہلِ درد ہوتے ہیں یعنی دردِ عشق رکھتے ہیں۔ اے اسدؔ تو رنج سے کنارہ کشی نہ کر۔ دل میں درد کو ٹھہرنے دے کیونکہ عارف درویشوں کا سرمایہ دردِ دل ہی ہے۔

(۱۶۳)

نظر بہ نقصِ گدایاں، کمالِ بے ادبی ہے
کہ خارِ خشک کو بھی دعویِ چمن نسبی ہے

فقیروں کے افلاس کے عیب کو دیکھنا بے ادبی ہے۔ سوکھا کانٹا بالکل مفلس ہوتا ہے لیکن اسے بھی باغ کے خاندان سے ہونے کا دعویٰ ہے یعنی اس کی گرہ میں مال نہیں تو کیا وہ ہے تو عالی نسل۔ فقیر بھی ایسے ہی ہو سکتے ہیں۔

ہوا وصال سے شوقِ دلِ حریص زیادہ
لبِ قدح پہ کفِ بادہ، جوشِ تشنہ لبی ہے

وصال سے شوقِ وصل اور زیادہ بھڑکا۔ کسی کے ہونٹوں پر جھاگ آئے ہوں تو وہ پیاس ظاہر کرتے ہیں۔ پیالے میں شراب بھری تھی وہ پی لی۔ اب اس کے کناروں (ہونٹوں) پر شراب کے جھاگ لگے رہ گئے ہیں خالی پیالہ اور اس کے کف آلودہ طرفین کو دیکھ کر شراب کی مزید خواہش ہوتی ہے اور پیاس محسوس ہونے لگتی ہے۔ محبوب سے ایک بار وصل کے بعد اسی طرح دوبارہ وصل کو جی چاہتا ہے۔

خوشا وہ دل کہ سراپا طلسمِ بے خبری ہو
جنون و یاس و الم، رزقِ مدعا طلبی ہے

کوئی مدعا، مقصود ٹھہرا لیا جائے۔ اس کو پورا کرنے کی جدوجہد کی جائے تو کیا ملے گا جنون، یاس، الم۔ مدعا طلبی کو محض یہ غذا ملتی ہے کیا اچھا ہے وہ دل کہ بے خبری اور مدہوشی کا طلسم بنا ہوا ہو نہ وہ مدعا سے واقف ہو نہ یاس و الم سے

~~~~~~~~
~~~~~~~~

چمن میں کس کی، یہ برہم ہوئی ہے بزمِ تماشا
کہ برگ برگِ سمن، شیشہ ریزۂ حلبی ہے

شیشہ آئینے کو بھی کہتے ہیں۔ حلب: شام کا شہر ہے جہاں کے آئینے مشہور ہیں۔ رونق، دیدار یا جشن کے لئے جو بزمِ تماشا سجائی جائے اس میں آئینہ بندی بھی کی جائے گی۔ باغ میں ہر طرف چنبیلی کے پھولوں کی پنکھڑیاں پڑی ہیں جو شیشۂ حلبی کے ٹکڑوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ کس کی بزمِ دید برہم ہوئی ہے۔ پھول اور شیشے دونوں بزم آرائی میں کام آتے ہیں۔

امامِ ظاہر و باطن، امیرِ صورت و معنی
علی ولی، اسد اللہ جانشینِ نبی ہے

ولی اللہ بھی حضرت علی کا ایک لقب ہے۔ جانشینِ نبی کہہ کر غالب نے خالص شیعہ نظریے کی ترجمانی کی ہے۔

(۱۶۴)

ظاہر ہے، طرزِ قید سے، صیاد کی غرض
جو دانہ دام میں ہے، سو اشکِ کباب ہے

اشکِ کباب اس رطوبت کو کہتے ہیں جو کباب کو آنچ پر سینکتے وقت اس میں نمودار ہو۔ پرندہ دام میں پھنسا۔ صیاد نے اسے وہیں قید رہنے دیا اور اس کے کھانے کے لئے دانے ڈالے۔ یہ دانے اشکِ کباب کی طرح ہیں۔ گویا اس طرزِ قید سے صیاد کا منشا ظاہر ہوا کہ وہ پرندے کو مار کر اس کے کباب لگائے گا۔

ہے چشمِ دل، نہ کر ہوسِ سیرِ لالہ زار
یعنی یہ ہر ورق، ورقِ انتخاب ہے

ورقِ انتخاب: کسی کتاب کا بہترین ورق۔ باغ کی سیر کو محض آنکھ کافی نہیں چشمِ بصیرت چاہیئے دل بیدار ہو تب باغ کو دیکھ۔ اس کا ہر نقطہ ورقِ انتخاب ہے یعنی اس کے ہر پتے میں ہزار صنائع ہیں۔ شاعر نے صحیح کہا ہے کہ

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(۱۶۵)

ہے پیچ تابِ رشتۂ شمعِ سحر گہی
خجلت گدازیِ نفسِ نارسا مجھے

شمع کا جلتا ہوا دھاگا ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ ہلتا ہے۔ صبح کے قریب جو شمع جلائی جائے گی۔ امکان یہ ہے کہ پورا جلنے سے پہلے ہی اسے بجھا دیا جائے گا کیونکہ صبح کی روشنی ہو جائے گی۔ اس طرح یہ اُس سائل کی طرح ہے جو نارسائی کے باعث شرمندہ ہو کر جل اور پگھل رہا ہے۔ شمع صبح کے جلتے ہوئے دھاگے کا ہلنا اسی شرمندگی کی وجہ سے ہے کہ یہ جل کر ختم نہ ہو سکے گی۔

واں رنگ ہا بہ پردۂ تدبیر ہیں ہنوز
یاں شعلۂ چراغ ہے برگِ حنا مجھے

محبوب ابھی غور ہی کر رہا ہے کہ کن رنگ و غازہ سے آرائش کرے۔ طرح طرح کی ترکیبیں اور تدبیریں زیرِ غور ہیں اور میں برگِ حنا ہی اس طرح جلا رہا ہے۔ جیسے چراغ کے شعلے پر ہاتھ رکھنے سے جلن ہو۔ جب یہ پوشیدہ رنگ ہی اس طرح جلاتا ہے تو جب رنگ ظاہر ہو کر محبوب کے جسم کو واقعی آراستہ کریں گے تو ہمیں کتنا پریشان کریں گے۔

پرواز ہا نیازِ تماشائے حسنِ دوست
بالِ کشادہ ہے نگہہ آشنا مجھے

پرندے ہوا میں پرواز کر رہے ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری اُڑانیں حسنِ دوست کو دیکھنے کی غرض سے ہیں۔ مجھے ان پرندوں کے کھلے ہوئے بازو کسی آشنا کی نگہہ کی طرح معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان پرندوں کا اور میرا ایک ہی مقصد ہے

از خود گذشتگی میں خموشی پہ حرف ہے
موجِ غبارِ سرمہ ہوئی ہے صدا مجھے

از خود گذشتگی : خود فراموشی۔ حرف ہے۔ اعتراض ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز ختم ہو جاتی ہے۔ موجِ غبارِ سرمہ بھی خاموشی کی نشانی ہے۔ میں جوشِ عشق میں خود کو بھول گیا لیکن اس حالت میں بولنا کیوں چھوڑ دیا۔ یہ موجبِ اعتراض ہے۔ میرے لئے آواز سرمے کی موج بن گئی۔ یعنی خاموشی میں بدل گئی۔ خاموش رہ کر اپنا دلی منشا تو کہہ ہی نہیں سکتے۔

دوسرے مصرع میں مبتدا و خبر بدل دئے جائیں تو دوسرے معنی ہو جائیں گے۔ میں از خود رفتہ ہوا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ خاموش رہا یہ موجبِ اعتراض ہے کیونکہ میری خموشی سے لوگوں نے تاڑ لیا کہ یہ دل کا مریض ہے۔ اس طرح میری خاموشی (جو اصلاً موجِ غبارِ سرمہ ہے) میری رسوائی کی صدا بن گئی۔

تا چند پست فطرتیِ طبعِ آرزو؟
یارب ملے بلندیِ دستِ دعا مجھے

کوئی آرزو کرنے سے انسان پست ہو جاتا ہے کیونکہ اس کو زندگی میں ایک فقدان اور کمی کا احساس آجاتا ہے اس لئے آرزو مند طبیعت پست ہوتی ہے۔ دوسری طرف کسی خواہش کے سرانجام کرنے کے لئے خدا سے دعا کی جاسکتی ہے۔ دعا میں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے جاتے ہیں دعا میں کسی قدر رفعت بھی ہے کیونکہ اس میں خدا کی ذات پر عقیدہ شامل ہے۔ اس طرح دعا کرنا بلندی ہے۔ محض آرزو کی پستی میں پڑے رہنے کی بجائے دعا مانگنے کی بلندی زیادہ پسندیدہ ہے۔ آرزو اور دعا چیز ایک ہی ہیں لیکن دونوں کے مزاج میں فرق ہے آرزو میں عقیدت بے دینی شامل ہوکر دعا بن جاتی ہے۔

یاں آب و دانۂ موسمِ گل میں حرام ہے
زنارِ واگسستہ ہے موجِ صبا مجھے

اُردو شاعری میں یہ ڈھونگ تو رچا ہی جاتا ہے کہ عاشق اسلام پر کفر کو ترجیح دیتا ہے بعض شعرا اسے بت پرست کہتے کہتے زنار دار بھی بنا دیتے ہیں۔ غالبؔ کو ہندوؤں کی اس رسم سے حیرت انگیز واقفیت تھی کہ زنار ٹوٹ جائے تو اس دوران میں کچھ نہیں کھاتے بلکہ خاموش بھی رہتے ہیں۔ بہار کی ہوا کی موج ٹوٹے ہوئے جنیئو کی طرح ہے چونکہ میرا زنار ٹوٹ گیا ہے اس لئے بہار میں میرے لئے کھانا پینا حرام ہے۔

یک بار امتحانِ ہوس بھی ضرور ہے
اے جوشِ عشق بادۂ مرد آزما مجھے

مرد آزما: قوی۔ بادۂ مرد آزما: تیز شراب۔ میں ایک بار دیکھنا چاہتا ہوں کہ شدتِ ہوس میں کیا ہوتا ہے۔ اے جوشِ عشق ایک بار مجھے جذبے کی تندی میں مبتلا کر دے۔

دوسرے لطیف معانی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ ایک بار رقیب کی ہوس کا امتحان بھی ضروری ہے۔ اگر محبوب کے سامنے اس کی اور اپنی حالت کا تقابل پیش کیا جائے تو خود بخود اس کا امتحان ہو جائے گا۔ اے جوشِ عشق مجھ پر شدت کا عشق طاری کر دے تاکہ اس کے بعد میں ہر جفا اور آزمائش کیلئے آمادہ رہوں۔ تب ہوس اور عشقِ پختہ مغز کا موازنہ ہو سکے گا۔

میں نے جنوں سے کی جو اسدؔ التماسِ رنگ
خونِ جگر میں ایک ہی غوطہ دیا مجھے

میرا رنگ اُڑ گیا ہے۔ میں نے جنونِ عشق سے جو درخواست کی کہ مجھے رنگ عطا ہو اس نے مجھے خونِ جگر میں غوطہ دیا۔ اپنے ہی خون میں شرابور ہونا رنگینی نہیں خستہ حالی ہے۔ جگر کا خون ہونا رنج و ملال میں ہوتا ہے۔

(۱۶۶)

کہوں کیا گرم جوشی مے کشی میں شعلہ رویاں کی
کہ شمعِ خانۂ دل آتشِ مے سے فروزاں کی

شعلہ رو: سُرخ چہرے والے حسین۔ شراب پیتے وقت حسین بہت گرم جوش اور بامروت ہو گئے اس دوران انھوں نے میرے ساتھ بڑا لطف کا برتاؤ کیا جس سے میرے دل میں روشنی ہو گئی گویا ان کی شراب سُرخ کی آگ نے میرے دل کی شمع کو روشن کیا یا پھر ان کی گرم جوشی کو ان کے دل میں شمع جلنے سے منسوب کیا ہے اور یہ شمع شراب کی آگ سے جلائی گئی ہے۔

ہمیشہ مجھ کو طفلی میں بھی مشقِ تیرہ روزی تھی
سیاہی ہے مرے ایّام میں لوحِ دبستاں کی

تیرہ روزی: بدقسمتی۔ لوحِ دبستاں: مکتب میں بچوں کی خوشنویسی کی تختی۔ میں نے بچپن میں مکتب میں تختی کو کالا کیا وہی سیاہی میری زندگی میں بھر گئی ہے میں بچپن سے سیاہی کی مشق کرتا آیا ہوں اس سے میری قسمت سیاہ ہے۔

دریغ آہِ سحر گہہ کارِ بادِ صبح کرتی ہے
کہ ہوتی ہے زیادہ سرد مہری شمع رویاں کی

سرد مہری: بے مروتی۔ چونکہ لفظ سرد مہری میں سرد کا لفظ آیا ہے اس لئے بے مروتی کو ٹھنڈا مان کر شعر کہا ہے۔ صبح کی ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے۔ گویا وہ حسینوں کے برتاؤ کو ٹھنڈا کر دے گی صبح کے وقت ہم جو آہ کرتے ہیں وہ بھی صبح کی ہوا کا کام کرتی ہے یعنی حسینوں کو اور زیادہ بے مروت کر دیتی ہے۔ سحر گہہ بادِ صبح اور شمع رو میں رعایت ہے۔

مجھے اپنے جنوں کی بے تکلف پردہ داری تھی
ولیکن کیا کروں آوے جو رسوائی گریباں کی

میں چاہتا تھا کہ اپنے جنونِ عشق کو لوگوں سے پوشیدہ رکھوں اس صورت میں گریباں چاکی سے پرہیز کرنا تھا لیکن اس سے گریباں کی رسوائی ہوگی کیونکہ گریباں کا چاک ہونا ہی اہلِ دل ہونے کی علامت ہے۔ میں نے گریباں کے وقار کی خاطر اسے چاک کیا اور نتیجۃً میرا جنون بھی ظاہر ہوگیا۔

ہنر پیدا کیا ہے میں نے حیرت آزمائی میں
کہ جوہر آئینے کا ہر پلک ہے چشمِ حیراں کی

کمالِ عشق میں حیرت کا تحفہ ملتا ہے۔ میری چشمِ حیران آئینہ ہے اور پلکیں آئینے کے جوہر سے مشابہ ہیں۔ آئینہ کا جوہر بھی خس کی شکل میں ہوتا ہے اور آئینہ حیران بھی ہوتا ہے۔ میں نے حیرت کے باب میں یہ ہنر دکھایا ہے کہ پلکوں سے جوہرِ آئینہ پیدا کر دیا۔ جوہر کے معنی کسی چیز کا نچوڑ یا کمال بھی ہیں اس لئے جوہر پیدا کرنا ہنر ہوا۔

خدایا کس قدر اہلِ نظر نے خاک چھانی ہے
کہ ہیں صد رخنہ، جوں غربال، دیواریں گلستاں کی

باغ کی دیواریں چھلنی کی طرح سوراخ ہو رہے ہیں۔ اہلِ نظر نے باغ میں پھولوں کا دیدار کرنے کیلئے دیواروں میں سوراخ کئے ہوں گے۔ کتنی مصیبت اٹھائی کتنی خاک چھانی۔ مٹی کی دیوار میں سوراخ کرنے کیلئے واقعی خاک چھاننی پڑی ہوگی۔ خاک چھاننا محاورہ بھی ہے۔ ایک لطیف معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ معلوم نہیں اہلِ نظر پھولوں کی تلاش میں کہاں کہاں ٹکر کھاتے پھرے ہیں۔ باغ کی دیواریں جو ان کی دید میں مانع تھیں اہلِ نظر کے حالِ زار پر غمگیں ہیں۔ غم کے مارے ان کا سینہ چھلنی ہو گیا ہے۔ دیوار کے سوراخ شگاف غم ہیں۔

ہوا شرمِ تہی دستی سے وہ بھی سرنگوں آخر
بس اے زخمِ جگر، اب دیکھ لی شورش نمکداں کی

شورش کے معنی ہنگامہ کے ہیں لیکن شور کھارے پن کو کہتے ہیں اس لئے لفظ شورش میں نمکینی کی طرف بھی ایک اشارہ ہے۔ نمکداں سے مراد نئی قسم کی میز کی نمکدانی نہیں جو اگر بھری بھی ہو تو بھی اس کے سوراخوں میں سے نمک لینے کے لئے اسے الٹا کرنا پڑتا ہے بلکہ نمک سے بھرا کوئی پیالہ ہے۔ جب تک اس میں نمک کافی ہے ہاتھ سے اٹھا لیا جاتا ہے جب ختم ہو جائے گا تب اسے الٹ کر کے جھاڑا جائے گا تاکہ تلی میں لگا ہوا بچا کھچا کچھ سفوف نکل آئے۔ زخمِ جگر

مسلسل نمک طلب کرتا ہے۔ آخر میں نمکدان کو اس کے اوپر اُلٹ کر جھاڑ گیا۔ شاعر نے حسنِ تعلیل سے کہا ہے کہ خالی ہونے کی شرم سے اس نے سر نیچا کر لیا۔ نمک داں کا سارا شور و غل ماند ہو کر رہ گیا۔

بہ یادِ گرمیٔ صحبت، برنگِ شعلہ دہکے ہے

چھپاؤں کیونکر غالب سوزشیں داغِ نمایاں کی

مجھے یاد آتا ہے کہ ماضی میں محبوب کے ساتھ کتنی گرم صحبتیں ہوتی تھیں۔ ان کی یاد میں جو داغ دل پر ہے وہ شعلے کی طرح دہک رہا ہے۔ ایسے نمایاں داغ کی جلن کو دوسروں سے کیوں کر چھپاؤں

(۱۶۷)

نہ کھینچ اے دستِ سعیٔ نارسا، زلفِ تمنّا کو

پریشاں تر ہے میرے خامے سے تدبیر مانی کی

سعیٔ نارسا کے ہاتھ سے مُراد اپنا ہاتھ ہے۔ اے میری کوتاہ کوشش تمنا کی زلف کی تصویر بنانے کی کوشش نہ کر۔ اس کوشش میں نہ صرف میرا موقلم پریشان ہے بلکہ مجھ سے کہیں زیادہ ماہر نقاش مانی بھی پریشان ہے۔ خامے کی پریشانی اس کے بالوں کے بکھرنے سے ظاہر ہے۔ زلفِ تمنا کی تصویر کھینچنے سے مُراد ہے سعیٔ نارسا کی مدد سے تمنا پوری کرنا۔ تمنا بر آری کی جدوجہد بے سود ہے۔

کہاں ہم بھی رگ و پے رکھتے ہیں، انصاف بہتر ہے

نہ کھینچے طاقتِ خمیازہ، تہمت ناتوانی کی

طاقت کھینچنا تو محاورہ ہوتا نہیں تہمت کھینچنا ہے اس لئے دوسرے مصرع کی نثر ہوئی "طاقتِ خمیازہ ناتوانی کی تہمت نہ کھینچے۔" بہتر صورت یہ ہوتی کہ "ناتوانی کی تہمت طاقتِ خمیازہ نہ کھینچے۔" فی الحال شعر کا مطلب یہ ہے۔

ہم انگڑائی لے رہیں اس سے یہ نتیجہ نہ نکال لو کہ ہمارے رگ پٹھے ہیں چونکہ انگڑائی کی طاقت ناتوانی کا الزام نہ لینا چاہتی تھی۔ اس لئے مجبوراً انگڑائی لی۔

دوسرے مصرع کا متن یوں ہوتا ہے ع نہ کھینچے تہمتِ خمیازہ طاقت ناتوانی کی تو غالب کی روایات کے مطابق ہوتا۔ شاعر کو ظاہر یہ کرنا چاہیئے کہ انگڑائی لینے کی طاقت نہیں

تکلف برطرف، فرہاد اور اتنی سبک دستی

خیال آساں تھا، لیکن خوابِ خسرو نے گرانی کی

تکلف برطرف، بھرتی کا ٹکڑا ہے۔ سبک دستی: ہوشیاری اور چالاکی۔ فرہاد کیلئے اتنی تیز دستی

ممکن نہ تھی کہ بیستوں کاٹ کر جوئے شیر لاتا۔ اس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ تو بیستوں کو تراش دے گا تو شیریں تجھے مل جائے گی۔ فرہاد کی سبک دستی کی ذمہ داری اسی معاوضے کے خیال پر ہے۔ یہ خیال تو آسان تھا کہ کام پورا کیا اور شیریں ہاتھ آجائے گی لیکن خسرو کے تغافل نے دشواری پیدا کر دی

سے اسدؔ کو بوریے میں دھر کے پھونکا موجِ ہستی نے   فقیری میں بھی باقی ہے شرارت نوجوانی کی

——— فقیروں کے پاس بستر کے بدلے بوریا ہوتا ہے۔ اسدؔ کی خانماں بربادی کا یہ عالم ہے کہ یہ بوریے کے ساتھ جل کر مر گئے۔ لڑکپن کا کھیل ہوتا ہے کہ کاغذ یا خس و خاشاک کے ڈھیر میں آگ لگا کر خوش ہوتے ہیں۔ فقیری میں بھی اسدؔ نے وہی شرارت کی حالانکہ اس میں خود بھی جلنا پڑا۔ جلد بدن کو بھی بوریا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح موجِ ہستی کے ہاتھوں جسم کا جلنا ذات کا بوریے میں ملفوف ہو کر جلنا ہوا۔ موجِ ہستی اور بوریے میں موج وجہِ اشتراک ہے۔

(۱۶۸)

بجز دیوانگی ہوتا نہ انجامِ خود آرائی
اگر پیدا نہ کرتا آئینہ زنجیر جوہر کی

محبوب نے آئینے کے سامنے بیٹھ کر خود آرائی کی۔ اس کا آراستہ چہرہ دیکھ کر آئینے کو دیوانگی ہو جاتی اور وہ وحشت میں بھاگ کھڑا ہوتا لیکن جوہرِ آئینہ زنجیر کا کام کر گیا اور اس نے آئینے کی وحشت جولانی کو روکا۔ ہاتھ پاؤں کے ساتھ اس کا دماغ بھی قابو میں رہا اور وہ دیوانگی سے بچ گیا۔ فولادی آئینے کا جوہر مسلسل نقطوں یا دھاریوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اس لئے اسے زنجیر سے مشابہ کر سکتے ہیں۔

مرا دل مانگتے ہیں عاریت اہلِ ہوس شاید
یہ جایا چاہتے ہیں آج دعوت میں سمندر کی

ہوس پرست لوگ میرا دل اُدھار مانگ رہے ہیں۔ شاید انھیں آگ میں رہنے والے سمندر نے دعوت پر بلایا ہے چونکہ میرا دل آگ کا ٹکڑا ہے اس لئے یہ اسے لے کر جانا چاہتے ہیں۔ ورنہ ان کا حوصلہ کہاں کہ سوزش کا سامنا کر سکیں۔

نمِ دامانِ عصیاں ہے طراوت موجِ کوثر کی

غرورِ لطفِ ساقی، نشۂ بے باکیِ مستاں

تر دامن، کہتے ہیں گنہگار کو۔ گناہ کرنے والوں کو ساقیِ کوثر حضرت علی کے کرم پر غرور ہے۔

اس لئے یہ مست گناہ گار بڑے بے باک ہو گئے ہیں۔ بے فکری سے گناہ کرتے ہیں۔ ان کے گناہ کے دامن کی نمی گویا آبِ کوثر ہے کیونکہ شفاعت کے بعد یہ گناہ ثواب میں بدل جائے گا۔

اسدؔ! جز آب بخشیدن ز دریا خضر کو کیا تھا

ڈبوتا چشمۂ حیواں میں گر کشتی سکندر کی

کشتی ڈبونا: کسی کو تباہ کرنا، مقصد میں ناکام کرنا۔ شعر کے دو معنی ممکن ہیں۔ (۱) خضر سکندر کو آبِ حیات کی مہم پر لے گیا تو کون سی بڑی جرأت دکھائی۔ اگر وہاں پہنچ کر سکندر تباہ بھی ہو جاتا اور غرقاب بھی ہو جاتا تو خضر کو صرف یہی کرنا تھا کہ دریائے آبِ حیات کا کچھ پانی سکندر کو بخش دے اور وہ دوبارہ زندہ ہو جائے۔ (۲) خضر نے جب سکندر کا بیڑا ہی ڈبویا تو دریائے حیواں میں کیوں نہ ڈبویا۔ اس دریا میں سے تھوڑا سا پانی کشتی ڈبونے کیلئے وقف کرنا پڑتا۔

(۱۶۹)

ہوا ہے مانعِ عاشق نوازی، نازِ خود بینی

تکلف برطرف، آئینۂ تمیز حائل ہے

خود بینی کے معنی ہیں۔ غرور، اپنی ذات میں ساری خوبیاں دیکھنا۔ لغوی حیثیت سے خود کو دیکھنے کیلئے آئینہ درکار ہے۔ یہاں عقل و تمیز کا آئینہ فراہم کر دیا۔ کوئی حسین آئینہ دیکھ رہا ہے اور سامنے عاشق بیٹھا ہو تو عاشق اور حسین کے بیچ آئینہ حائل نظر ہو گا۔ محبوب خود بینی کی وجہ سے ناز کرتا ہے خود کو بہت سمجھتا ہے اس لئے عاشق پر توجہ نہیں کرتا۔ گویا اس کے شعورِ خود بینی کا آئینہ عاشق اور اس کے بیچ مزاحم ہے۔

بہ سیلِ اشک لختِ دل ہے دامن گیر مژگاں کا

غریقِ بحر جویائے خس و خاشاکِ ساحل ہے

آنسوؤں کے سیلاب میں دل کے ٹکڑے پلکوں کا دامن پکڑ کر سہارا لے رہے ہیں جس طرح سمندر میں ڈبکیاں کھانے والا ساحل کے خس و خاشاک کا سہارا ڈھونڈھے۔ پلکوں کو خسِ ساحل سے مشابہ کیا ہے۔

بہا ہے یاں تک اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر

کہ چشمِ تر میں ہر یک پارۂ دل پائے در گِل ہے

رنج دل کو غبار سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ گویا غبار نکل

جاتا ہے۔ آنسوؤں میں دل کا غبار یہاں تک بہا ہے کہ آنسوؤں کے ساتھ دل کے جو ٹکڑے آئے وہ آنکھ میں یوں پھنس کر رہ گئے جیسے کسی کے پاؤں گیلی مٹی یا کیچڑ میں دھنس گئے ہوں۔

نکلتی ہے تپش میں بسملوں کی برق کی شوخی
غرض اب تک خیالِ گرمیِ رفتارِ قاتل ہے

بسملوں کو قاتل کی رفتار کی تیزی کی یاد آ رہی ہے اس لئے ان کی تڑپ میں بجلی کی شوخی ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ یادِ رفتارِ قاتل کا ردِ عمل ہے کیونکہ قاتل کی رفتار میں بھی برق کی شوخی تھی۔

(۱۷۰)

تشنۂ خونِ تماشا جو وہ پانی مانگے
آئینہ رخصتِ اندازِ روانی مانگے

خونِ تماشا سے مراد دیکھنے والوں کا خون۔ جو لوگ محبوب کو گھور کر دیکھتے ہیں محبوب ان کے خون کا پیاسا ہے۔ ان تماشائیوں میں آئینہ ممتاز ہے۔ آئینے کے پاس خون تو ہے نہیں پانی ہے۔ اگر محبوب آب آئینہ مانگے تو آئینہ خوشی خوشی بہنے کی اجازت چاہے گا تاکہ اپنے پانی کو محبوب کے سامنے لاکر ڈال دے۔

رنگ نے گل سے دمِ عرضِ پریشانیِ بزم
برگِ گل ریزۂ مینا کی نشانی مانگے

نسخۂ حمیدیہ میں "رنگ نے گل سے" ہے اور یہ بہتر نسخہ ہے۔ دونوں طرح معنی دیکھئے۔ برگ گل کی مشابہت ریزۂ مینا سے ہے۔ جب کوئی بزم برہم ہوتی ہے تو پھولوں کو بھی توڑ کر پنکھڑیاں بکھیر دیتے ہیں اور گلاس اور بوتلیں ٹوٹ کر ریزے بھی پھیل جاتے ہیں۔ رنگ پھول کا رنگ نہیں بلکہ محفل کا رنگ ہے

(۱) پھول سے رنگ محفل نے عرض کی کہ آخر میں محفل بالکل منتشر ہو گئی تھی۔ رندوں نے بوتلیں پھوڑ دی تھیں۔ پھول نے کہا۔ ایسا ہے تو پھولوں کو بھی توڑا پھوڑ دیا ہوگا۔ ان کی بکھری ہوئی پنکھڑیاں دکھاؤ تو مینا کے ریزہ ہونے کا یقین آئے۔

(۲) اگر رنگ نے گل سے مانا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ گل نے رنگ سے کہا کہ محفل برہم ہو گئی تھی۔ مینا اور گل کے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ رنگ نے کہا کہ نشانی کے طور پر پھول کی پنکھڑیاں دکھاؤ۔ آسی نے رنگ سے مراد رنگِ گل لیا ہے۔ میری رائے میں رنگِ محفل یعنی رونقِ محفل بہتر ہے۔

زلفِ تحریر پریشانِ تقاضا ہے مگر

شانہ ساں، مو بہ زباں خامۂ مانی مانگے

مو بہ زباں اگ آنا۔ مبالغے کیلئے آتا ہے۔ محبوب کو وصل کے تقاضے کیلئے جو تحریر لکھی ہے وہ اس طرح پریشان ہے جیسے زلفِ محبوب۔ دوسرے مصرع کے دو مفہوم ہیں۔ (۱) خامۂ مانی جس نے تحریر لکھی ہے شانے کی طرح زبان میں بال چاہتا ہے تاکہ تحریر کو سلیقے سے پیش کر سکے۔ شانے کی زبان میں بال ہوتا ہے۔ مو بہ زبان مبالغہ بھی ہوتا ہے اس لئے خامۂ مانی یہ چاہتا ہے کہ وہ تقاضے کا بیان بہت مبالغے سے کر سکے۔ (۲) مانگے کا فاعل تحریر کو مانا جائے۔ تحریر چاہتی ہے کہ شانے کی طرح زبان میں بال لینے والا مانی کا قلم یعنی مو قلم برش میسر ہو تاکہ بیانِ تقاضا سلیقے سے کیا جا سکے۔ اس صورت میں شانہ ساں کے بعد وقفہ نہیں ہوگا۔

آمدِ خط ہے، نہ کر خندۂ شیریں کہ مباد

چشمِ مور، آئینۂ دل نگرانی مانگے

خط کو مور یعنی چیونٹی سے تشبیہ دی جاتی ہے اسی لئے آسی نے چشمِ مور سے مراد سبزۂ خط لیا ہے۔ لیکن لغت میں چشمِ مور کسی بہت باریک اور چھوٹی چیز کو کہتے ہیں۔ چاروں طرف خط سے گھرا ہوا بہت چھوٹا دہن چشمِ مور کے مفہوم کو بہ برجستگی سے ادا کرتا ہے۔ آئینۂ دل نگرانی کے معنی وہ آئینہ جو دل کی نگرانی کرے، نہیں ہو سکتے۔ آئینۂ دل نگرانی: آئینۂ دل کی نگرانی۔ دل کو آئینے سے تشبیہ دی جاتی ہے خط حسین ہوتا ہے۔ خط کے آنے پر محبوب نے خوش ہو کر خندہ کیا۔ عاشق منع کرتا ہے کہ ایسا نہ کر مبادا تیرا خندہ کرنے والا چشمِ مور جیسا دہن اپنی زیبائش کے مشاہدے کے لئے میرے دل کے آئینے کا طالب ہو یعنی دل لے لے۔

ہوں گرفتارِ کمیں گاہِ تغافل کہ جہاں

خوابِ صیاد سے، پرواز گرانی مانگے

خوابِ صیاد: صیاد کا وہ مصنوعی خواب جو وہ پرندوں کو فریب دینے کیلئے ظاہر کرتا ہے۔ غفلت کی کمیں گاہ کے ایک طرف صیاد ہے جو خواب کا بہانہ کئے ہے دوسری طرف میں ہوں جو اڑنے کی سکت یا خواہش ہی نہیں رکھتا۔ میری پرواز یہ چاہتی ہے کہ پرگراں ہو جائیں۔ میں اڑ نہ سکوں اور اسیر ہو جاؤں۔ صیاد جو بظاہر خوابِ گراں میں مبتلا ہے میری پرواز خود اسی سے گرانی کی طالب ہے یعنی میری غفلت اتنی زیادہ ہے کہ میں پرواز کو بھلا کر اسیر ہونے کو بیٹھا ہوں۔

چشمِ پرواز و نفس خفتہ، مگر ضعفِ امید
شہپرِ کاہ پئے مژدہ رسانی مانگے

پرواز کے وقت آنکھ جو بیدار و ہشیار رہتی ہے سوئی ہوئی ہے۔ سانس سویا ہوا ہے یعنی بہت دھیما پڑ گیا ہے مگر کمزور امید اب بھی میرے پاس مژدہ لانا چاہتی ہے۔ آئے کس طرح؟ گھاس کے نحیف تنکے کے پر سے اڑ کر۔ گویا امید کی کوئی صورت نہیں سارے آثار یاس کے ہیں پھر بھی امید دھوکا دے کر پرچائے جا رہی ہے۔

وحشتِ شورِ تماشا ہے کہ جوں نکہتِ گل
نمکِ زخمِ جگر بال فشانی مانگے

محبوب کے دیدار کے شور نے وحشت بپا کی ہوئی ہے۔ پھول کی خوشبو کی طرح زخمِ جگر کا نمک بھی پرواز کی چاہتا ہے۔ وحشت میں یہی ہوتا ہے کہ چار طرف جولانی کیجئے۔ نمکِ زخم کے پھیلنے اور فضا پر چھانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں تماشا کے لئے جدھر بھی جاؤں وہیں میرے زخمِ جگر پر یہ آ کر برس پڑے۔ دیدِ محبوب سے درد ہوتا ہی ہے۔

گر ملے حضرتِ بیدل کا خطِ لوحِ مزار
اسدؔ آئینۂ پردازِ معانی مانگے

پرداز: آرائش۔ آئینے یا شیشے پر بھی نقش و نگار بنائے جاتے ہیں۔ بیدل کی نازک خیالی مشہور ہے۔ اگر استاد (؟) کے لوحِ مزار کا کتبہ مل جائے تو اس سے معنی کے نقش و نگار بنانے کا آئینہ مانگے۔ دراصل دوسرے مصرع میں "آئینۂ پردازِ معانی" کی جگہ "آئینۂ پردازیِ معانی" کا موقع تھا۔

(١٧١)

آسی نے اس غزل کی شرح نہیں کی۔

ہم زباں آیا نظر فکرِ سخن میں تو مجھے
مردمک ہے طوطیِ آئینۂ زانو مجھے

شعر میں چند در چند رعایات ہیں۔ آئینے کے سامنے طوطی رکھ کر پیچھے سے کوئی شخص بولتا ہے تو طوطی اپنے عکس کو ہم زباں سمجھتی ہے۔ زانو پر سر رکھ کر غور کیا جاتا ہے اس لئے زانو فکر کی علامت ہے۔ زانو کو صفائی کی وجہ سے آئینے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس لئے آئینۂ زانو کہہ سکتے ہیں لیکن یہاں آئینۂ زانو سے مراد آئینۂ تخیل ہے۔ جب میں نے فکرِ سخن کی تو جو کچھ غور کیا وہی نظر

کے سامنے پڑ گیا گویا اے آنکھ کی پتلی تو نے ہم زبانی کی۔ آنکھ کی پتلی تخیل کے آئینے میں طوطی کا عکس بن کر میرے ساتھ ہم زبان ہو گئی۔ شعر میں آنکھ کی پتلی کو خطاب کیا ہے۔

باعثِ واماندگی ہے عمرِ فرصت جو مجھے
کر دیا ہے پا بہ زنجیرِ رمِ آہو مجھے

جیسے کسی بھاگتے ہوئے ہرن کے ساتھ کسی کو زنجیر کر دیا جائے تو وہ بھی تیزی سے بھاگتا جائے گا۔ میری عمر بھی اسی طرح تیزی سے اُڑی چلی جا رہی ہے۔ اسے فرصت یا لمحاتِ سکون کی ضرورت ہے اس کی تیزی سے مجھے تھکن ہو رہی ہے۔ شاید عمر تیز دوڑ کر قیام کی فرصت تلاش کر رہی ہے۔

خاکِ فرصت بر سرِ ذوقِ فنا اے انتظار
ہے غبارِ شیشۂ ساعت رمِ آہو مجھے

زمانے کے قطعۂ ارض پر میں ذوقِ فنائے موت کے انتظار میں ہوں۔ شیشۂ ساعت میں اس ڈبے سے اس ڈبے میں ریت میرے لئے اتنی تیزی سے گذر رہا ہے جیسے ہرن کے تیز بھاگنے سے اُڑتا ہو۔ ریت کا تیزی سے گزرنا نشانی ہے وقت یعنی عمر کے تیزی سے گزرنے کی۔ میں فنا ہونا چاہتا ہوں عمر تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ غبارِ شیشۂ ساعت: ریت گھڑی کا ریت

ہے یادِ مژگاں میں بر نشتر زارِ سودائے خیال
چاہیے وقتِ تپش، یک دست صد پہلو مجھے

یک دست: برابر، متصل۔ نسخۂ بھوپال میں اصلاً صحرائے خیال تھا جسے بدل کر سودائے خیال بنا دیا۔ خیال کا جنون نشتر زار ہے کیونکہ محبوب کی پلکوں کی یاد میں تڑپتا ہوں۔ اس تڑپ کے لئے ایک پہلو کافی نہیں سو پہلو چاہئیں تاکہ یاد کے نشتر اچھی طرح چبھ سکیں۔

کثرتِ جور و ستم سے ہو گیا ہوں بے دماغ
خوب رویوں نے بنایا عاقبت بدخو مجھے

حسینوں کے ستم برداشت کرتے کرتے میں چڑچڑا اور نازک مزاج ہو گیا ہوں۔ اچھے چہرے والوں نے آخر مجھے بد اخلاق بنا کر چھوڑا۔

اضطراب عمر بے مطلب نہیں آخر کہ ہے
جستجوئے فرصتِ ربطِ سرِ زانو مجھے

ربطِ سرِ زانو: دونوں زانوؤں کے سروں کا ملانا جو قیام کے وقت ہی ممکن ہے۔ چلنے میں

دونوں زانو الگ الگ رہتے ہیں۔ زانوؤں کا مستقل ربط مرنے ہی پر ممکن ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میری زندگی کی بے چینی بے مطلب نہیں کیونکہ میں ایسی فرصت چاہتا ہوں کہ دونوں زانوؤں کو ملائے رہوں۔

ربطِ سر و زانو ہوتا تو معنی کچھ اور ہوتے۔

چاہیے درمانِ ریشِ دل بھی تیغِ ناز سے
مرہمِ زنگار ہے وہ وسمۂ ابرو سے مجھے

تیغِ ناز ابرو کو کہا ہے۔ اسی نے دل میں زخم ڈالا ہے اسی سے زخمِ دل کا علاج ہونا چاہیے۔ اُس ابرو کی سیاہی میرے لئے مرہم کی طرح ہے۔ وہ ابرو میرے دل کی طرف ملتفت ہو جائے تو زخم بھر جائے۔ کیا غالب کے زمانے میں بھی ابروؤں پر سیاہی لگانے کا فیشن تھا۔

ساز ایمائے فنا ہے، عالم پیری اسد قامتِ خم سے ہے حاصل شوخیِ ابرو مجھے

اُنگلی کی طرح ابرو سے بھی اشارہ کیا جاتا ہے۔ محبوب کی ابرو شوخی سے مجھے فنا کا اشارہ کرتی ہے۔ بڑھاپے میں میرے قد کا جھکنا ابروئے محبوب کی طرح ہے گویا یہ بھی فنا کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ سازِ ایما: اشارے کا سامان۔

(۱۷۲)

فرصتِ آرامِ غش ہستی ہے بحرانِ عدم
ہے شکستِ رنگِ امکاں، گردشِ پہلو مجھے

بخار میں بہت بڑے تغیر کو بحران کہتے ہیں۔ اگر صحت کی جانب ہو تو بحرانِ تام جید اور ہلاکت کی طرف ہو تو بحرانِ تام ردی کہتے ہیں۔ اس شعر میں بحرانِ عدم سے مراد موخر الذکر بحران ہے۔ ہستی کے بعد بحرانِ عدم آجانا دراصل فرصت میں آرام کے مترادف ہے۔ شکستِ رنگِ امکاں: عالمِ امکاں کا بگڑنا یعنی ہستی کا ختم ہونا۔ ہستی کا رنگ اُڑ جانا میرے لئے کروٹ بدلنے کی طرح ہے اور بس۔ ہستی غش کے عالم میں ہے۔ اگر موت آگئی تو گویا ہستی کروٹ بدل کر آرام کرنے لگی۔

(۱۷۳)

دلِ بیمار از خود رفتہ تصویرِ نہالی ہے
کہ مژگاں ریشہ دارِ نیستانِ شیرِ قالی ہے

تصویرِ نہالی: بچھونے پر بنی تصویر۔ شیرِ قالی: قالین پر بنا شیر جو ناتوانی کی علامت ہوتا ہے۔ دونوں سے دل مراد ہے۔ ریشہ دار: محاورے میں مجروح کو کہتے ہیں لیکن یہاں لغوی معنی

میں لیا گیا ہے۔ میرا بیمار دل ہوش و حواس کھو چکا ہے بیماری کے سبب اتنا کمزور ہو کر بستر سے لگ گیا ہے کہ بچھونے پر بھی تصویر کا گمان ہوتا ہے۔ دل کو بچھونے کے قالین کا شیر سمجھئے۔ شیر نیستان میں رہتا ہے۔ میری پلکیں نیستان کی طرح ہیں۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔ ناتواں شیر کیلئے نیستان بھی دھان پان ہوگا۔ پلکیں نیستان کا ریشہ رکھتی ہیں یعنی نیستان کا ریشہ ہیں۔ مژگاں کو واحد استعمال کرنا جائز ہے اسی لئے اس کے ساتھ "ہے" کا استعمال کیا گیا ہے۔

سرورِ نشۂ گردش، اگر کیفیت افزا ہو

نہاں ہر گردبادِ دشت میں جامِ سفالی ہے

گردش : زمانے میں ٹکریں اور ٹھوکریں کھاتا۔ اگر گردش کا نشہ مت کرنے پر آئے تو جنگل کے ہر بگولے میں شراب کا پیالہ موجود ہے گردش کا شکار جنگلوں میں پریشان ہوگا وہاں بگولے سے سامنا ہوگا۔ بگولے میں ایک طرف گردشِ انسان سے مشابہت ہے تو دوسری طرف گردشِ جام ہے۔ خاک کا بنا ہوتا ہے اس لئے اسے مٹی کا پیالہ کہا۔

عروجِ نشہ ہے سر تا قدم، قدِ چمن رویاں

بجائے خود، وگرنہ سرو بھی مینائے خالی ہے

چمن رو : وہ حسین جن کا چہرہ چمن کی طرح ہوتا ہے۔ حسینوں کا قد اوپر سے نیچے تک مستی اور نشے سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ عروجِ نشہ کا لفظ خوب لکھا ہے۔ نشہ آمد کیفیت حسین انسان کے قد ہی میں ہے۔ ورنہ سرو جو حسنِ قد کی مثال ہے۔ کوئی نشہ نہیں پیدا کرتا۔ یہ بوتل سے مشابہ ہے لیکن محض خالی بوتل ہے۔

ہوا آئینہ، جامِ بادہ عکسِ روئے گلگوں سے

نشانِ خالِ رُخ، داغِ شرابِ رنگالی ہے

جام اکثر رنگین شیشے کا ہوتا ہے۔ محبوب کے سُرخ رنگ کے چہرے کے عکس سے آئینہ شراب کے جام کی طرح رنگین ہوگیا۔ ساتھ میں خال کے عکس سے یہ معلوم ہوتا تھا جیسے خیالی جام میں ایک جگہ شراب کا داغ لگا ہو۔ آسی نے آئینہ کو بھرا جام مانا ہے لیکن میری رائے میں خالی جام ہے تاکہ داغِ شراب دکھائی دے سکے۔ بھرے جام میں داغِ شراب بے معنی ہے۔

بہ پائے خامہ مُو طے رہ وصفِ کمر کیجے

کہ تارِ جادۂ سرمنزلِ نازک خیالی ہے

عرشی نے سر کے بعد وقفہ دیا ہے۔ اس طرح شعر کے معنی یہ ہوں گے۔

خامۂ مو: اس کے معنی مو قلم یا برش نہیں بلکہ ایک بال کو قلم بنالیا۔ کمر باریک ہے اس کا وصف بال کو قلم بنا کر لکھنے سے بیان ہوگا۔ کمر تک پہنچنے والا تار جیسا جادہ ہے۔ یہ جادہ بڑی نازک خیالی کا مقام ہے اس لئے بال کے قلم سے اس کا بیان ہوگا۔ پائے خامہ سے راستہ طے کرنا: قلم سے لکھ کر بیان کرنا۔ آسی نے سر منزل کو ایک لفظ مانا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں معنی ہوں گے۔ سر منزل: منزل، مقام۔ کمر کا وصف بال کے قلم سے لکھئے کیونکہ کمر نازک خیالی کی منزل کا تارِ جادہ ہے۔

۵ اسد اٹھنا قیامت قامتوں کا وقتِ آرائش   لباسِ نظم میں بالیدنِ مضمونِ عالی ہے

بڑا مشہور شعر ہے۔ خوش قد حسینوں کا آرائش کرتے وقت اٹھنا ایسا ہے جیسے شعر میں کوئی بلند مضمون ابھر رہا ہو۔ وقتِ آرائش کی جگہ بعدِ آرائش بہتر ہوتا۔

(۱۷۴)

بتانِ شوخ کا دل سخت ہوگا کس قدر یارب

مری فریاد کو کہسار سازِ عجز نالی ہے

عجز نالی: عاجزی کی وجہ سے فریاد کرنا۔ سازِ عجز نالی: ایسا ساز جس میں سے عاجزی بھری فریاد نکلے۔ کہسار میں آواز گونج کر واپس ہوتی ہے۔ میں نے پہاڑ پر جاکر نالہ و شیون کیا۔ اس کے جواب میں کہسار سے ایسی آواز آئی جیسے عاجزی کی وجہ سے یہ بھی فریاد کرنے پر مجبور ہو۔ کوہ پر تو میری فریاد کا اتنا اثر ہوا۔ شوخ بتوں کا دل کتنا سخت ہے کہ ان پر فریاد کا کوئی اثر نہ ہوا۔ دل کی سختی کی مناسبت سے بت کا لفظ خوب لائے ہیں۔ بُت لغوی معنی میں پتھر کی مورت ہے۔

نشانِ بے قرارِ شوق بجز مژگاں نہیں باقی

کئی کانٹے ہیں اور پیراہنِ شکلِ نہالی ہے

عاشق عشق میں بہت بے قرار رہا۔ بیمار ہوا۔ بستر پر پڑ گیا اور اتنا کاہیدہ ہوگیا کہ اب اس کی صرف پلکیں باقی رہ گئی ہیں۔ باقی جسم غائب۔ پلکیں اس لئے بچی ہیں کہ عاشق کو جلوۂ محبوب دیکھنے کی بڑی حسرت تھی۔ اس کے بچھونے پر ایک انسانی شکل بنی ہے اس نے جو پیراہن پہن رکھا ہے اس میں عاشق کی پلکیں کانٹے بن کر کھٹک رہی ہیں۔ خار پیراہن ایذا دینے والی شے کو کہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے خود عاشق کو شکلِ نہالی کہا ہو اور اسی کے پیراہن میں پلکیں کھٹک رہی

ہوں یعنی حسرتِ دید کی وجہ سے بے قراری ہو۔

جنوں کر، اے چمن تحریرِ درسِ شغلِ تنہائی
نگاہِ شوق کو، صحرا بھی، دیوانِ غزالی ہے

شغلِ تنہائی شاعری ہے۔ درسِ شغلِ تنہائی: شاعری کا درس یعنی اوراقِ شعر چمن تحریرِ درسِ شغلِ تنہائی: وہ شاعر جو دوسروں کے لئے تنہائی میں بیٹھ کر پڑھنے کے لئے باغ جیسے اشعار تصنیف کرتا ہے۔ اے شاعر جنوں اختیار کر۔ عشق کا شوق رکھنے والی نگاہ کے لئے جنگل بھی دیوانِ اشعار ہے۔ غزالی ایک شاعر ہے

سیہ مستی اہلِ خاک کو ابرِ بہاری سے
زمیں، جوشِ طرب سے جامِ لبریزِ سفالی ہے

بہار کے زمانے میں بادل زمین پر برسا۔ اہلِ زمین خوشی کے جوش میں ایسے مست ہو گئے جیسے زمین پر پانی نہیں برسا بلکہ مٹی کا کوزہ شراب سے بھر گیا۔ زمین کو جامِ سفال سے اور ابر کو سیہ مستی لانے والی شراب سے تشبیہ دی ہے۔

اسدؔ مت رکھ تعجب خرد ماغی ہائے منعم کا
کہ یہ نامرد بھی شیر افگنِ میدانِ قالی ہے

خرد ماغی کے معنی حمق کے علاوہ غرور اور اکڑنے بھی ہیں۔ شیر افگنِ میدانِ قالی: قالین کے میدان کا شیر افگن یعنی حفاظت سے بزم میں بیٹھ کر اکڑ دکھانے والا یا محض تقلوں میں دادِ شجاعت دینے والا۔ قالین رئیسوں کے یہاں ہی ہوتا ہے قالین پر شیر کی تصویر بھی بنی ہوتی ہے اس لئے رئیس کو قالین پر شیر پچھاڑنے والا کہنا بہت مناسب ہے۔ اسدؔ امیر کی اکڑ پر تعجب نہ کر کیونکہ یہ گھر میں قالین پر بیٹھ کر بڑا دلیر اور شجاع ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جی حضوریوں کے سامنے بڑی ڈینگیں ہانکتا ہے۔

(۱۷۵)

نشے سے، بے چمن، دودِ چراغِ کشتہ ہے
جام، داغِ شعلہ اندودِ چراغِ کشتہ ہے

نشے میں گویا شکم سے دماغ کی طرف ابخرات اٹھتے ہیں اس لئے دھوئیں سے اس کی تشبیہ برجستہ ہے۔ باغ میں جائے بغیر شراب پی جائے تو اس کا نشہ بجھائے جانے والے چراغ کے

دھوئیں کی طرح ہوگا اور جامِ چراغ کی لو سے پیدا شدہ داغ کی طرح ہوگا۔ داغ بھی اس چراغ کا جو بجھ گیا ہے۔ شعلہ اندود : شعلہ کا ملمع کیا ہوا۔

داغِ ربطِ ہم ہیں اہلِ باغ ، گر گل ہو شہید
لالہ چشمِ حسرت آلودِ چراغِ کشتہ ہے

اہلِ باغ ایک دوسرے کے ربط کی وجہ سے حسرت و یاس کا داغ رکھتے ہیں مثلاً اگر گل شہید ہو تو لالہ اس کی ہمدردی میں بجھے ہوئے چراغ کی چشمِ حسرت آلود کی طرح دکھائی دے گا۔ چراغ کی آنکھ خود چراغ کی کشادگی ہے آسی نے پہلے مصرع کے معنی میں لکھا ہے کہ اہلِ باغ ایک دوسرے سے رشک کرتے ہیں میری رائے میں ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں۔

شور ہے کس بزم کی عرضِ جراحت خانہ کا
صبح ایک زخمِ نمک سودِ چراغِ کشتہ ہے

محبوب کی محفل میں ایک کمرے میں بہت سے عاشقوں کو زخمی کیا گیا ہے۔ چنانچہ صبح بھی ایک زخم کی مانند ہے جس پر نمک چھڑکا ہوا ہے۔ شگاف کی وجہ سے صبح کو زخم سے تشابہ کیا ہے اور سفیدی کی وجہ سے نمک سے۔ چراغِ کشتہ کا زخم اس لئے کہا ہے کہ چراغ کے بجھنے کو کشتن کہتے ہیں۔ جب کسی کو قتل کیا جائے تو زخم بھی آئے گا۔ صبح کے زخم آنے کا ثبوت چراغ کا قتل ہے۔ چراغ کا بجھنا صبح کی دلیل ہے۔ "کس کے جراحت خانے کا شور" سے مراد محبوب کے قصائی خانے کا شور ہے۔ شور کے معنی نمکینی کے بھی ہیں لیکن یہاں مراد نہیں رعایتِ لفظی کی خاطر غالب نمک کے ذکر کے ساتھ شور کا لفظ اکثر لاتے ہیں۔

نامرادِ جلوہ ، ہر عالم میں حسرت گل کرے
لالہ، داغِ شعلہ فرسودِ چراغِ کشتہ ہے

جو محبوب کے جلوہ سے محروم رہا ہو وہ ہر عالم میں حسرت ظاہر کرتا ہے۔ لالہ اصلاً بجھے ہوئے چراغ کا وہ داغ ہے جو شعلے نے بنایا ہے۔ چونکہ چراغ کو محبوب کا جلوہ نصیب نہ ہوا اس لئے وہ مر کر بھی داغ ظاہر کر گیا۔ دوبارہ لالہ کے پردے میں ظاہر ہوا۔ لالہ بھی جلوۂ یار سے محروم ہے اور اس کے بھی داغ ہے۔ گل کردن فارسی محاورہ ہے جس کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں۔

ہو جہاں تیرا دماغِ نازِ مستِ بے خودی
خوابِ نازِ گل رخاں، دودِ چراغِ کشتہ ہے

بجھتے ہوئے چراغ کا دھواں پیچ و خم کھاتا ہوا ہوتا ہے۔ نیز یہ نحوست بلکہ قربِ مرگ کی نشانی ہے۔ جہاں تو ناز کے ساتھ بے خودی میں مست ہو وہاں دوسرے حسین اگر خوابِ ناز کر رہے ہوں تو وہ ایسا پریشان اور کھڑاتا ہوا محسوس ہو گا جیسے بجھے چراغ کا دھواں۔

ہے دلِ افسردہ داغِ شوخیِ مطلب اسدؔ
شعلۂ آخر فالِ مقصودِ چراغِ کشتہ ہے

میرے افسردہ دل کا مقصد شوخی کی وجہ سے مجھ سے دور دور رہتا ہے۔ جس کے نتیجے میں دل پر مایوسی کا داغ ہے۔ بجھے ہوئے چراغ کو آخر شعلے کی تلاش رہتی ہے۔ شعلہ نصیب ہو جائے تو چراغ روشن ہو جائے۔ میرا دلِ افسردہ چراغِ کشتہ ہے اور شعلہ مطلوب ہے۔

کسی نے لکھا ہے کہ میں نے شعلۂ چراغ سے فال لی کہ وہ آخر کار بجھ گیا اس لئے میں بھی شوخیِ مقصد کی وجہ سے داغ ہوں کیونکہ مجھے بھی اپنی بد انجامی نظر آ رہی ہے۔

میرے خیال میں یہ معنی چند وجوہ سے صحیح نہیں۔ دل کو افسردہ کہنا ظاہر کرتا ہے کہ شوخیِ مقصد یہ حاصل نہیں ہوئی۔ دوسرے یہ کہ شعلے کو چراغِ کشتہ کے مقصود کی فال نہیں بلکہ انجام کی فال کہہ سکتے ہیں۔

(۱۷۶)

آئینہ نفس سے بھی ہوتا ہے کدورت کش
عاشق کو غبارِ دل اک وجہِ صفائی ہے

آئینے اور دل میں مشابہت ہے۔ آئینہ پر سانس چھوڑا جائے تو وہ گندا ہو جاتا ہے دل کے آئینے میں غبار آ جائے تو اس کی صفائی کی اور زیادہ ضرورت ہے۔ غبارِ دل سے مُراد رنج ہے اس کی وجہ سے صفائی ہو جائے گی۔

ہنگامِ تصور ہوں دریوزہ گرِ بوسہ
یہ کاسۂ زانو بھی اک جامِ گدائی ہے

زانو اُلٹے پیالے کی طرح ہوتا ہے۔ زانو پر سر رکھ کر سوچا جاتا ہے۔ تصور کے وقت محبوب کے بوسے کی بھیک کی تلاش ہوتی ہے۔ اس طرح زانو کاسۂ گدائی ہو جاتا ہے۔

وہ دیکھ کے حسن اپنا مغرور ہوا غالبؔ
صد جلوۂ آئینہ اک صبحِ جُدائی ہے

اس نے آئینے میں اپنا حسن دیکھا اور مغرور ہوگیا۔ غرورِ حسن کے بعد اس نے مجھ کو دور دور رکھنے کی ٹھانی۔ آئینے میں اس کی وجہ سے سینکڑوں جلوے ہوگئے لیکن میرے لئے یہ سو جلوے صبحِ جدائی بن گئے۔

آسی اس شعر کے مبتدا و خبر کی ترتیب میں سہو کر گئے۔ لکھتے ہیں صبحِ جدائی سو آئینوں کا ایک آئینہ ہے۔ اسی آئینہ میں میرے محبوب نے اپنا حسنِ دلکش دیکھا جس سے وہ مغرور ہوگیا اور مجھ سے ملنے کیلئے اس کے دل میں انکار پیدا ہوا۔

(۱۷۷)

یوں بعدِ ضبطِ اشک پھروں گرد یار کے
پانی پیے کسو پہ کوئی جیسے وار کے

میں نے آنکھ میں آنسو ضبط کر لئے ہیں اور اس کے بعد یار کے چاروں طرف گھوم رہا ہوں ایسا لگتا ہے جیسے کوئی کسی چہیتے کے سر پہ پانی وار کر پی لے۔ کسی کے سر پہ پانی وار کر پینا اس بات کی نشانی ہے گویا ہم نے اس کی بلائیں اپنے سر لے لیں۔ محبوب کے گرد آنسو روک کر پھرنا اس لئے ضروری ہے کہ محبوب ہماری اشک افشانی پر آزردہ ہوتا۔

بعد از وداعِ یار، بہ خوں در تپیدہ ہیں
نقشِ قدم ہیں ہم کفِ پائے نگار کے

یار کے جانے کے بعد میں خون میں لوٹ رہا ہوں اور تڑپ رہا ہوں گویا یار کے سُرخ تلووں کا نقشِ قدم ہوں کیونکہ وہ بھی لوٹتا ہے اور سُرخیٔ کف کی وجہ سے خون میں لوٹتا ہے۔

ظاہر ہے ہم سے، کلفتِ بختِ سیاہ روز
گویا کہ تختۂ مشق ہیں خطِ غبار کے

تختۂ مشق: خوشخطی کی مشق کی تختی۔ خطِ غبار وہ خط ہے جس میں ہر حرف کے قالب میں نقطے نقطے بھرے رہتے ہیں۔ کلفتِ دل کو گرد سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہماری سیاہ روزی کی بدبختی ہماری شکل سے ظاہر ہے کیونکہ ہم خطِ غبار کی تحریر کی لوح ہیں جو تحریر کی وجہ سے سیاہ یعنی سیاہ بخت ہوتی ہے اور غبار کی وجہ سے دل میں غبار آلود۔

حسرت سے دیکھ رہتے ہیں ہم آب و رنگِ گل
مانندِ شبنم، اشک ہیں، مژگانِ خار کے

کانٹا پلک سے مشابہ ہوتا ہے اور اس کی اوس آنسو سے۔ ہم حسرت سے پھول کا آب ورنگ دیکھ رہے ہیں جیسے کانٹے کی شبنم بے چارگی سے آنسو بن کر پھول کو دیکھتی ہے۔

ہم مشقِ فکرِ وصل وغمِ ہجر سے اسدؔ
لائق نہیں رہے ہیں غمِ روزگار کے

ہمیں وصل کی فکر رہتی ہے اور موجودہ ہجر کا غم۔ عشق کے علاوہ کچھ اور نہیں سوجھتا غمِ روزگار کے لائق نہیں رہے یعنی روزگار کی طرف توجہ کی فرصت نہیں رہی۔

(۱۷۸)

بہ نقصِ ظاہری، رنگِ کمالِ طبع پنہاں ہے
کہ بہرِ مدعائے دل، زبانِ لال، زنداں ہے

جسم میں ظاہرا کوئی نقص ہو تو بھی اس کے اندر طبیعت کا کمال ہو سکتا ہے اگر کسی کی زبان گونگی ہو تو وہ دل کا مقصد ظاہر نہیں کر سکتا گویا مقصودِ دل گونگے پن کے زنداں میں ہے اس طرح دل کی بات دل میں محفوظ رہ گئی اور کامل رہی۔ اسی کی مثال پر شاعر نے کسی قدر شوخی سے مقصدِ دل کے اخراج نہ ہونے کو اس کے کمال کی علت قرار دیا۔

خموشی خانہ زادِ چشمِ بے پروانگاہاں ہے
غبارِ سرمہ، یاں گردِ سوادِ نرگستاں ہے

خانہ زاد: گھر میں پیدا ہوا غلام زادہ۔ حسین بے پروائی سے عاشقوں پر نگاہ کرتے ہیں۔ خموشی ان کی آنکھ کی غلام ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے۔ اس نرگس زار کے اطراف کی گرد سرمہ کا غبار ہے اس لئے یہاں خاموشی ہونی ہی چاہیئے۔ آنکھوں کو نرگستاں کہا جن کے سواد میں سرمہ لگایا جاتا ہے۔ خموشی کا تعلق دہن سے ہے لیکن نطق ہو کہ خاموشی دونوں کا اظہار آنکھ میں ہوتا ہے۔ حسین لوگ عاشقوں کے ساتھ خموشی کا برتاؤ پسند کرتے ہیں۔

صفائے اشک میں داغِ جگر جلوہ دکھاتے ہیں
پرِ طاؤس گویا، برقِ ابرِ چشمِ گریاں ہے

چمک کی وجہ سے جگر کے داغوں کو پرِ طاؤس سے مشابہ کیا ہے۔ داغِ جگر اکھڑ کر پورے کے پورے آنسوؤں میں بہہ کر آتے ہیں۔ یہ پرِ طاؤس رونے والی آنکھ کے بادل یعنی صاف آنسوؤں میں بجلی کی طرح چمکتا ہے۔

بہ بوئے زلفِ مشکیں ، یہ دماغِ آشفتہ رم ہیں
کرشاخِ آہواں ، دودِ چراغ آسا پریشاں ہے

اس کی زلفِ مشکیں کی خوشبو سونگھنے کے لئے ہرنوں کے دماغ رم پر عاشق ہو گئے ہیں یعنی ہر طرف دوڑتے پھرتے ہیں تاکہ خوشبو کو زیادہ از زیادہ سونگھا جائے۔ چونکہ دماغ آشفتہ ہے اور پاؤں تیزی سے بھاگ رہے ہیں اس لئے ہرن کے سینگ چراغ کے دھوئیں کی طرح پیچ و تاب کھا رہے ہیں ہل رہے ہیں پریشان ہیں۔ سینگوں کا ہلنا ایک طرف تیزیِ رم کا نتیجہ ہے تو دوسری طرف آشفتگیِ دماغ کا عکس۔

(۱۷۹)

گنجینۂ معنی میں اس غزل کے مطلع کا مصرعِ اوّل ہے ع جہاں زندانِ موجستانِ دل ہائے پریشاں ہے لیکن اختلافِ نسخ کے مطابق نسخۂ شیرانی میں اس مصرع کو بدل کر ع
تمام اجزائے عالم صیدِ دامِ چشمِ گریاں ہے۔ کردیا۔ ہم اصلاح شدہ مصرع کو ترجیح دیں گے۔

تمام اجزائے عالم صیدِ دامِ چشمِ گریاں ہے
طلسمِ شش جہت یک حلقۂ گردابِ طوفاں ہے

رونے کا مبالغہ ہے تمام دُنیا رونے والی آنکھ کے جال میں شکار کی طرح ہے۔ کائنات کا کارخانہ طوفان میں ایک بھنور کی طرح ہے۔ یہ طوفان آنسوؤں کا پانی بہنے سے پیدا ہوا۔
طلسمِ شش جہت : چھ اطراف یعنی کائنات

نہیں ہے مُردنِ صاحب دلاں جز کسبِ جمعیت
سویدا میں نفس ، مانندِ خط در نقطہ پنہاں ہے

. جمعیت اور دل جمعی پریشانی کے برعکس طمانیتِ قلب کو کہتے ہیں۔ شاعر نے لفظ جمعیت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ جمعیت کے لفظی معنی ہیں ایک گروہ کا جمع ہونا۔ خط نقطوں کا مجموعہ ہوتا ہے گویا کسی طرح ایک خط کو سکوڑ کر ایک نقطے میں سما سکتے ہیں۔ اسی طرح نفس یا سانس کا تصور تار یا خط کا ہے اور سویدا دل کا مرکزی نقطہ ہے۔ سانس کے خط کو اسی طرح دبا دبا کر سویدا میں سمایا جا سکتا ہے۔ یہ جمعیت ہوئی حالانکہ اس طرح سانس کا ایک نقطے میں بند ہونا موت بھی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اہلِ دل (عشاق ، عارف) کا مرنا دل جمعی حاصل کرنے کی واحد ترکیب ہے۔ اس طرح وہ سانس کو سکوڑ کر سویدا میں بند کر دیتے ہیں۔ یہ جمعیت کا

عمل ہوا۔ زندگی میں عارفوں کو سکون نصیب نہیں ہوتا اس لئے جب وہ سکون کا انتخاب چاہتے ہیں تو یہ کام کرتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے نتیجے میں ان کی جان جاتی رہتی ہے۔

غبارِ دشت وحشت سرمہ سازِ انتظار آیا
کہ چشمِ آبلہ میں طولِ میلِ راہ مژگاں ہے

وحشت کے جنگل میں یہ لمبی راہ پر چلے جاتے ہیں انتظار ہے کہ آخر کار محبوب تک پہنچ جائیں گے۔ چلتے چلتے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں۔ آبلہ آنکھ سے مشابہ ہے اور طویل راستہ سرمہ لگانے والی سلائی سے جو اس جنگل کا غبار چشمِ آبلہ میں لگا رہا ہے۔ راستے کی سلائی چشمِ آبلہ کیلئے پلکوں کا کام کر رہی ہے۔ انتظار میں پلکیں ایک سمت کو لگی رہتی ہیں۔ اس لئے ایک طرف راستے کی پلکیں انتظار کی علامت ہیں دوسری طرف غبارِ دشت نے انتظار کا سرمہ فراہم کیا ہے۔ نسخۂ عرشی میں راہ پر اضافت دی ہے جو نہیں ہونی چاہیے۔

زبس دوشِ رمِ آہو پہ ہے محمل تمنا کا
جنونِ قیس سے بھی شوخیِ لیلیٰ نمایاں ہے

مجنوں کو ہرنوں کی آنکھیں پسند تھیں کیونکہ ان میں لیلیٰ کی آنکھوں کی شوخی تھی۔ یوں ہرن جنگل میں ہوتے ہیں اور ان کا وجود قیس کی مجنونیت کی طرف اشارہ ہے۔ تمنا کا محمل ہرن کے رم (تیز روی) کے کندھے پر ہے یعنی تمنا ہاتھ نہیں آتی بھاگی جا رہی ہے۔ لیلیٰ بھی تو ہاتھ نہیں آتی۔ تمنا کا رمِ آہو کے ساتھ ہونا لیلیٰ کی شوخی ہے کیونکہ لیلیٰ اور چشمِ غزال میں مناسبت ہے۔

نقابِ یار ہے غفلت نگاہی اہلِ بینش کی
مژہ پوشیدنی ہا پردۂ تصویرِ عریاں ہے

لوگوں کی نگاہیں غافل ہیں اس لئے محبوب کو نہیں دیکھ پاتیں اور یہ غفلت یار کے چہرے کا نقاب بن گئی ہے۔ پلکوں کو چھپانا یعنی پلکوں کو صحیح جانب نہ ڈالنا کھلی تصویرِ یار کا پردہ ہے۔ پلکیں چق سے مشابہ ہوتی ہیں۔

اسد بندِ قبائے یار ہے فردوس کا غنچہ
اگر وا ہو تو دکھلا دوں کہ یک عالم گلستاں ہے

اسد یار کی قبا کا بند کھولا جائے تو اندر سے یار کا سینہ و شکم باغ جیسا نکل آئے گویا بند

جنت کی کلی ہے۔ کلی کھول کر پھول نظر آتا ہے اس کلی کے کھلنے سے پورا باغ نظر آئے گا۔ یک عالم گلستاں: باغ کی ایک پوری دُنیا، بہت سا گلستاں

(۱۸۰)

کجا مے؟ کو عرق؟ سعیِ عروجِ نشّہ رنگیں تر
خطِ رخسارِ ساقی، تا خطِ ساغر چراغاں ہے

شراب کہاں ہے اور عرق انگور کدھر ہے۔ ان کی ضرورت کسے ہے۔ مستی بڑھتی جا رہی ہے اور رنگین تر ہوتی جا رہی ہے۔ ساقی کے خطِ سبزہ سے لے کر خطِ ساغر تک نشّے کی سُرخی کے سبب روشنی ہو رہی ہے یعنی مستی کی فضا ہے۔ ایسے میں شراب کی کسے ضرورت ہے۔

رہا بے قدر دل، در پردۂ جوشِ ظہور آخر
گل و نرگس بہم، آئینہ و اقلیمِ کوراں ہے

پردۂ جوشِ ظہور: بھری پُری دُنیا۔ اتنی بھری دُنیا میں دل کی خوبیوں کی کسی نے قدر نہ کی۔ بہت سی نرگسوں کے بیچ ایک گلِ سرخ ہو تو نرگس کب اسے دیکھ پاتی ہے کیونکہ وہاں تو اندھوں کے دیس میں آئینے والی کیفیت ہے۔ آئینہ ہے لیکن اسے دیکھے کون۔ نرگس بھی کور چشم ہے۔ میرے دل اور ابنائے زماں کا بھی یہی عالم ہے۔ خود نوشت دیوان میں "آئینہ و اقلیم" کی بجائے "آئینہ در اقلیم" ہے اور یہ بہتر ہے۔

تکلف سازِ رسوائی ہے غافل، شرمِ رعنائی
دلِ خوں گشتہ، در دستِ حنا آلودہ عریاں ہے

رعنائی و زیبائی کے بعد شرمایا بھی جائے تو بھی رسوائی ہو ہی جاتی ہے۔ تمہارے دستِ حنائی نے میرے دل کو خون کیا ہے۔ حنا لگانے کے بعد تم ہزار شرماؤ لیکن اس کے رنگ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ تم نے کسی کے دل کو خون کیا ہے اور اس کے خون سے ہاتھوں پر رنگ آیا ہے اس طرح دستِ حنائی میں دلِ خوں گشتہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔
دوسرے مصرع میں دونوں پہلو ممکن ہیں۔ دل ہاتھ میں موجود نہیں ہاتھ کے رنگِ حنائی سے استنباط کیا جاتا ہے کہ کسی کے دل کو خون کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دل واقعی ہاتھ میں ہے۔ اگر محبوب اسے چھپانا بھی چاہے تو بھی ممکن نہیں۔

تماشا، سرخوشِ غفلت ہے باوصفِ حضورِ دل
ہنوز آئینہ، خلوت گاہِ نازِ ربطِ مژگاں ہے

محبوب آئینے کے سامنے بیٹھ کر آرائش کر رہا ہے۔ اس کی پلکوں کا تعلق آئینے کی خلوتِ گاہِ ناز سے ہے یعنی اس کی نظریں آئینے میں کھوئی ہوئی ہیں۔ دوسری طرف تماشائی عاشق بڑی محویت سے اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کے اس قدر خلوص کے باوجود محبوب کو اس کی طرف سے غفلت ہے۔ اس لئے غفلت سے پریشان ہو کر تماشائی بے ہوش سا ہوا جا رہا ہے۔

ممکن ہے غفلت کا تعلق محبوب سے نہ ہو خود تماشائی سے ہو۔ اس صورت میں سرخوشیِ غفلت کے معنی ہوں گے۔ ہوش و حواس رخصت ہو کر نشے کی سی کیفیت ہے۔ ابھی تو محبوب آرائش کے درمیان ہی ہے لیکن تماشائی کے ہوش پرواز کر گئے ہیں۔ جب وہ پوری آرائش کر کے عاشق کی طرف متوجہ ہوگا تو عاشق کی کیا کیفیت ہوگی۔

تکلف برطرف، ذوقِ زلیخا جمع کر ورنہ
پریشاں خواب، آغوشِ وداعِ یوسفستاں ہے

زلیخا نے تین بار حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا اور ہر بار بیداری پر انھیں ہاتھ سے کھو دیا۔ خواب پریشاں کھلا اور منتشر ہوتا ہے اس لئے آغوشِ وداع سے مشابہ ہے اس خواب نے یوسف کے متفرق کو وداع کر دیا۔ اے عاشق تو زلیخا کی سی لگن جمع کر تو یوسف سا محبوب حاصل کر سکتا ہے زلیخا کی طرح پریشاں خواب کو کافی سمجھے گا تو یوسف کو کھو بیٹھے گا اس قسم کا خواب زلیخا نے ناکتخدائی کے زمانے میں دیکھا تھا۔

اسدؔ جمعیتِ دل درکنارِ بے خودی خوشتر
دو عالم آگہی سامانِ یک خوابِ پریشاں ہے

اسدؔ دل جمعی بے خودی اور از خود رفتگی کے پہلو میں زیادہ اچھی طرح میسر آسکتی ہے عقل و علم تو کتنا بھی زیادہ کیوں نہ ہو ایک خوابِ پریشاں ہی دے سکتا ہے طمانیت نہیں۔

(۱۸۱)

عاشق نقابِ جلوۂ جانانہ چاہیئے
فانوسِ شمع کو پرِ پروانہ چاہیئے

فانوسِ شمع: فانوسیِ شمع یا پردہ داریِ شمع۔ شمع کے اوپر کانچ کا فانوس نہیں بلکہ

پروانے کے پر کا فانوس ہونا چاہیئے۔ محبوب کے جلوئے کا نقاب عاشق کو بن جانا چاہیئے۔

پیدا کریں دماغ تماشائے سرو و گل

حسرت کشوں کو ساغر و مینا نہ چاہیئے

جو حسرت نصیب مایوس لوگ ہیں۔ انھیں ساغر و مینا کا کیا کرنا ہے۔ جب دل ہی بجھا ہو تو شراب میں کیا لطف۔ ضرورت ہے کہ وہ طبیعت کو کشادہ و تازہ کریں، باغ میں جاکر سرو و گل کی بہار دیکھنے کی خواہش جاگ جائے تو کافی ہے۔ غمِ گیتی کے ساتھ شراب کی بجائے شگفتگیِ دل کے ساتھ فقدانِ شراب زیادہ پسندیدہ ہے۔

دیوانگاں ہیں حاملِ رازِ نہانِ عشق

اے بے تمیز گنج کو ویرانہ چاہیئے

نسخۂ عرشی میں یہاں پروانہ چھپا ہے جب کہ شرحِ آسی میں ویرانہ ہے۔ پروانہ طباعت کی غلطی معلوم ہوتا ہے۔ دیوانے عشق کا راز اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں۔ خزانہ ویرانے ہی میں دفن ہوتا ہے۔ دیوانے ظاہرا ویرانے سے کم نہیں۔ اس لیے رازِ عشق کے خزانے کی امانت کیلئے موزوں ہیں۔

ساقی بہارِ موسمِ گل ہے سرور بخش

پیماں سے ہم گزر گئے، پیمانہ چاہیئے

ساقی بہار نے سرور کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ اگرچہ ہم نے شراب نہ پینے کا پیماں کیا تھا لیکن ہم اس پیماں کو نظر انداز کرکے پیمانہ چاہتے ہیں۔

جادو ہے یار کی روشِ گفتگو اسد

یاں جز فسوں نہیں، اگر افسانہ چاہیئے

بعضے لوگوں کی بات چیت میں افسانے کا لطف ہوتا ہے۔ یار کے اندازِ گفتگو میں جادو ہے اگر افسانوی رنگ ڈھونڈھتے ہو تو نہ ملے گا سوا افسون و جادو کے۔ ظاہر ہے گفتگو میں افسانویت ہونے سے افسوں ہونا زیادہ فضیلت کی بات ہے۔

(۱۸۲)

ہاتھ پر گر ہاتھ مارے یار وقتِ قہقہہ

کرمکِ شب تاب آسا مہ پر افشانی کرے

قہقہہ کرتے وقت اگر یار میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارے تو چاند جگنو کی طرح پر لگا کر اڑے

جائے۔ کیوں؟ یار کے کفِ دست کی روشنی چاند سے زیادہ ہے ساتھ میں قہقہے کی شگفتگی شامل ہو جاتی ہے۔ ہاتھ مارنے میں آواز بھی نکلتی ہے ان سب سے چاند گھبرا جائے گا اپنا بے نوری کا احساس ہوگا اور یار کے مقابل سے بھاگ کھڑا ہوگا۔ چاند کو محبوب کے مقابلے میں محض کرکے شب تاب کہا ہے۔

وقت اس افتادہ کا خوش جو قناعت سے اسد
نقشِ پائے مور کو تختِ سلیمانی کرے

نقشِ پائے مور بہت چھوٹا اور ذلیل ہوتا ہے پھر خاک سے متعلق ہے اس عاجز و خاکسار کا وقت خوش ہے جو خاک نشینی پر قناعت کرکے اسے بادشاہی سمجھ لے۔ نقشِ مور اور تختِ سلیمان دو انتہا ہیں کم مائگی اور عظمت کی۔

(۱۸۳)

چشمِ خوباں مے فروشِ نشہ زارِ ناز ہے
سرمہ، گویا موجِ دودِ شعلۂ آواز ہے

حسینوں کی آنکھ ناز کے نشے کی شراب بیچ رہی ہے یعنی اپنے ناز سے نشے کی کیفیت پیدا کر رہی ہے۔ شراب بیچنے کیلئے آواز لگانا ضروری ہے۔ دوسرے مصرع میں حسین نازک خیالی کی معراج ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے لیکن شاعر نے اسی سرمے کو آواز کی علامت قرار دیا۔ شعلے پر کاجل پارا جاتا ہے۔ شعلۂ آواز آواز کی گرمی اور نغمگی کو کہتے ہیں۔ شاعر نے سرمے کو شعلۂ آواز کے دھوئیں کی موج قرار دیا یعنی آنکھ کا کاجل چراغِ آواز کی لَو پر پارا گیا ہے اس لئے مجسم آواز ہے۔ آواز کا ہے کی؟ مے ناز فروشی کی۔ یعنی سرمۂ چشم، اظہارِ ناز کے سوا کچھ نہیں۔

ہے صریرِ خامہ ریزش ہائے استقبالِ ناز
نامہ خود پیغام کو بال و پرِ پرواز ہے

ریزش: چھڑکاؤ۔ محبوب کو چٹھی میں کوئی پیغام لکھ رہے ہیں۔ قلم کی آواز گویا ناز کے استقبال کیلئے چھڑکاؤ کی آواز ہے۔ چونکہ نامہ کا تحریر کرنا ہی استقبالِ محبوب کے مرادف ہے اس لئے خود نامہ پیغام کو تیزی سے جانے کے بال و پر فراہم کرتا ہے۔ صفحۂ کاغذ کھلے ہوئے پروں سے مشابہ ہوتا ہے۔ استقبالِ ناز اسی وقت ہوگا جب صاحبِ ناز سامنے موجود ہو۔

اس لئے نامہ پیغام کو جلد از جلد حضورِ ناز میں لے جاتا ہے

سرنوشتِ اضطرابِ انجامیٔ الفت نہ پوچھ
نالِ خامہ خار خارِ خاطرِ آغاز ہے

نالِ خامہ: قلم کا ریشہ - خار خار: کسی خواہش کے پورا ہونے کے بارے میں اندیشہ و تردد - الفت کی تقدیر یا سرنوشت لکھی جا رہی ہے - تقدیر لکھنے والے قلم کا ریشہ آغازِ عشق کرنے والے دل کے لئے تردد کا کانٹا ہے یعنی سرنوشتِ عشق کی بسم اللہ ہی میں دل میں چبھنے والی بات آگئی ہے اس لئے انجامِ الفت میں کتنا اضطراب، یا تقدیر میں لکھا گیا ہے یہ نہ پوچھ - ابتدا تردد و اندیشہ سے ہے تو انتہا کمالِ اضطراب ہونی چاہیئے - خار خار محاورہ ہے - نالِ خامہ سے خار خار کا جواز پیش کرنا نازک خیالی ہے -

شرم ہے طرزِ تلاشِ انتخابِ یک نگاہ
اضطرابِ چشمِ برپا دوختہ غماز ہے

چشم بر چیزے دوختن کنایہ ہے کمالِ توجہ کردن سے - چشم برپا دوختہ: پاؤں پر سلی ہوئی آنکھ یعنی وہ آنکھ جو مسلسل پاؤں کی طرف (یعنی نیچے کی طرف) دیکھتی رہے - شرم میں محبوب کی آنکھ پاؤں کی طرف لگی رہتی ہے لیکن اس شرم میں یہ بے قراری ہوتی ہے کہ کوئی موقع ملے تو کنکھیوں سے آنکھ اٹھا کر ایک نگاہ عاشق پر یا سامنے کی طرف ڈال لی جائے گویا شرم ایک نگاہ کے انتخاب کی تلاش سے زیادہ کچھ نہیں - شرم جز ظاہرا نگاہ کی ضد ہے - اسے ہی شاعر نے جوئندۂ نگاہ بازی قرار دیا ہے -

نغمہ ہے کانوں میں اس کے نالۂ مرغِ اسیر
رشتۂ پا یاں نوا سامانِ بندِ ساز ہے

نوا سامانِ بندِ ساز کے معنی ہیں ساز کی آواز کو بند کرنے کا سامان مہیا کرنے والا یعنی ساز کو خاموش کرنے والا - اس طرح اس ترکیب میں نوا کے معنی سامان کے ہیں آواز کے نہیں - ستار یا رباب کو کسی تھیلی میں بند کر کے اس کے منہ کو رسی سے باندھ دیتے ہیں وہ بندِ ساز ہوا - پنچھی کو پاؤں میں رشتہ باندھ کر اسیر کیا ہوا ہے - محبوب کے یہاں گرفتار پرندے کی فریاد نغمے کی طرح ہے اور پرندے کے لئے پاؤں کا رشتہ ساز کو باندھنے کا رشتہ ہے یعنی اب پرندے کے لئے نغمہ کرنا ممکن نہیں -

٭٭٭

شوخیِ اظہار غیر از وحشتِ مجنوں نہیں
لیلیِ معنیٰ، اسدؔ، محمل نشینِ راز ہے

جیسے لیلیٰ محمل میں پوشیدہ ہوتی ہے اسی طرح معنیٰ راز کے پردے میں پوشیدہ ہیں۔ شاعر انھیں ظاہر کرنے کی شوخی کرتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مجنوں وحشت میں لیلیٰ کو محمل سے باہر لانا چاہے۔ مجنوں کی وحشت اور شاعر کی کوشش دونوں بڑی حد تک ناکام رہتی ہیں یعنی معنی پوری طرح راز سے باہر نہیں آتے۔

(۱۸۴)

خوابِ جمعیتِ مخمل ہے پریشاں مجھ سے
رگِ بستر کو ملی شوخیِ مژگاں مجھ سے

مخمل کے رویئں کا ایک سمت کو پڑے رہنا خوابِ مخمل کہلاتا ہے اور یہ گویا اس کی دل جمعی کی علامت ہے۔ میں جو اس پر لوٹا تو خود بھی جاگا کیا اور مخمل کے اطمینان بھرے خواب کو بھی درہم برہم کر دیا یعنی مخمل کے چھونے کا رُواں پریشان ہو گیا۔ رگِ بستر سے مراد تارِ بستر ہے۔ شوخیِ مژگاں سے مراد اگر محبوب کی مژگاں لی جائیں تو وہ عاشق کے دل میں چبھتی ہیں۔ تارِ بستر بھی مجھے اضطراب دے رہا ہے۔ اگر مژگاں سے مراد عاشق کی مژگاں ہوں تو جیسے بیداری کی وجہ سے وہ کھلی رہتی ہیں ویسے ہی تارِ بستر پریشان ہیں۔

کنجِ تاریک و کمیں گیریِ اختر شمری
عینک چشم بنا روزنِ زنداں مجھ سے

تاریک زنداں ہے۔ اس کے روزن پر آنکھ لگائے میں باہر آسمان کو دیکھ کر تارے گن رہا ہوں۔ چونکہ میری آنکھ روزن سے دور ہی نہیں ہوتی اس لئے روزن آنکھ کیلئے عینک بن گیا اختر شماری اکثر ہجر کی رات میں کی جاتی ہے۔

اے تسلّی، ہوسِ وعدہ فریب افسوں ہے
ورنہ کیا ہو نہ سکے نالہ بہ ساماں مجھ سے؟

فریب افسوں: افسونِ فریب دہ۔ مجھے یہ ہوس ہے کہ محبوب اپنا وعدہ پورا کرے۔ اس کا ایک گونہ یقین بھی ہے جس کی وجہ سے مجھے کسی قدر تسلّی ہے اور یہ ہوس اور یقین مجھے فریب دینے والے منتر کا کام کر رہے ہیں ورنہ میں نالہ کر کے ابھی محبوب کو آنے پہ مجبور کر سکتا تھا لیکن اس کے

ایفائے عہد کا فریب مجھے روکے ہے۔

بستن عہد محبت ہمہ نادانی تھا
چشم نکشودہ رہا عقدہ پیماں مجھ سے

چشم نکشودہ : وہ شخص جس کی آنکھ بند ہو کسی کے ساتھ محبت کا عہد باندھ لینا بے وقوفی تھا کیونکہ اس عہد کی گرہ، بند آنکھ کی طرح رہی کبھی کھل نہ سکی اُسلجھ نہ سکی۔

آتش افروزی یک شعلہ ایما تجھ سے
چشمک آرائی صد شہر چراغاں مجھ سے

تو ایک اشارہ کرتا ہے اور میں سو شہر چراغاں کر دیتا ہوں یعنی آگ لگا دیتا ہوں۔ یہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی ایک شعلہ فراہم کرے اور اس شعلے سے سینکڑوں چراغ جلائے جائیں۔ یار اپنی اداؤں سے یہ شعلہ بھڑکاتا ہے اور اس سے میں سینکڑوں داغ جلا کر چراغاں کرتا ہوں چشمک آنکھ کے اشارے کو کہتے ہیں۔ چراغ کی روشنی چشمک کی طرح ہوتی ہے۔ سو چراغاں کی چشمک آراستہ کرنا یعنی سو چراغ روشن کرنا۔

سے اے اسد، دسترس وصل تمنا معلوم ۔ کاش ہو قدرت برچیدن داماں مجھ سے

دسترس وصل تمنا : تمنا کی دسترس وصل۔ برچیدن داماں : دامن اکٹھا لینا ۔ اے اسد میری تمنا کو وصل کی قدرت تو ہو نہیں سکتی۔ کاش میرے پاس سے دامن اٹھانے کی قدرت ہو جائے۔ یعنی کاش تمنائے وصل میرے دل سے اپنا ڈیرہ اُٹھالے۔

(۱۸۵)

بسکہ حیرت سے زپا افتادۂ زنہار ہے
ناخن انگشت بتخال لب بیمار ہے

ایک محاورہ ہے : انگشت حیرت بہ دہن داشتن۔ حیرت کی کثرت دکھانے کا طریقہ ہے۔ دوسرا محاورہ ہے انگشت زنہار : غالب شخص کے روبرو پناہ چاہنے کے لئے انگشت شہادت اُٹھانا۔ ازپا افتادہ : عاجز بے ہوش۔ بتخال : بخار میں ہونٹوں پر چھالے پڑ جاتے ہیں جس کے بعد بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اب شعر کے معنی دیکھیے۔ عشق کے بیمار نے محبوب کے حسن کو دیکھا حیرت کی وجہ سے اُنگلی دانتوں میں دبائی۔ حیرت کی اتنی کثرت۔ اور شدت تھی کہ عاشق نے اس سے امان چاہی اور اس کی اُنگلی کا ناخن زنہار خواہی کی وجہ سے عاجز

ہو کر کھرے سے لپیٹ گیا۔ عموماً پاؤں سے گرنے پر زمین پر لوٹتے ہیں لیکن چونکہ اُنگلی دہن میں ہے اس لئے ناخن ہونٹوں پر لپیٹ گیا اور وہاں اس طرح جم گیا کہ بتمثالِ لب بیمار معلوم ہونے لگا۔ اس طرح ناخنِ انگشت کا ہونٹ پر ہونا حیرت، زنہار خواہی اور عاجزی تین باتوں کی علامت ہے۔

زلف سے شب درمیاں دادن نہیں ممکن دریغ

ورنہ صد محشر بہ رہنِ جلوۂ رخسار ہے

شب درمیاں: اس محاورے کے دو معنی ہیں رات کو درمیان میں دے کر کوئی وعدہ کرنا یعنی رات کی قسم کھانا دوسرے اتنی مسافت جسے طے کرنے میں رات درمیان میں آجائے شعر میں دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں (۱) ہم زلفِ محبوب سے شب درمیاں دے کر قول و قرار نہیں کر سکتے کہ وہ ہم سے قرب پر راضی ہو جائے۔ اگر زلف ہم سے مان جائے تو دیدارِ رخسار بھی نصیب ہو جائے گا اور اس رخسار کے جلوے میں سو محشر پوشیدہ ہیں یعنی قیامت کا جلوہ ہے (۲) رخسارِ محبوب تک رسائی کی مسافت میں زلف کی شب حائل ہے۔ اسے طے کرنا ممکن نہیں۔ اگر کر سکتے تو جلوۂ رخسار دیکھتے جو صد محشر بدوش ہے۔ پہلے معنی بہتر ہیں۔ زلف کی رعایت سے شب درمیاں کا محاورہ لائے ہیں۔

صد خیال آبادِ سودائے سرِ مژگانِ دوست

صد رگِ جاں، جادہ آسا، وقفِ نشتر زار ہے

محبوب کی حسین پلکوں کے سودا نے ایک شہر آباد کر دیا جو خیال آباد (یعنی خیال کا شہر ہے جس طرح شہر کی سڑکوں میں کانٹے پڑے رہتے ہیں اسی طرح خیال آباد میں رگِ جاں (ایک نہیں سینکڑوں) سڑکوں کی طرح ہیں جو نشتروں کے لئے وقف ہیں۔ نشتر ہے تصورِ مژگاں جو سڑک کے کانٹے کا قائم مقام ہے۔ یعنی محبوب کی پلکوں کے تصور میں رگِ جاں میں نشتر چبھ رہے ہیں۔

بسکہ ویرانی سے کفر و دیں ہوئے زیر و زبر

گردِ صحرائے حرم تا کوچۂ زنّار ہے

آسی نے اس شعر کے معنی میں ویرانی کا کوئی سبب نہیں دیا حالانکہ شاعر نے کفر و دیں کو بے وجہ ویران نہیں کہا۔ صحرا میں گرد اُڑنا ویرانی کی علامت ہے۔ کوچۂ زنّار: زنّار کا دائرہ یعنی خود زنّار۔ کعبے میں پہلے بُت رکھے تھے بڑی رونق تھی۔ بتوں کو وہاں سے نکال دیا گیا گویا کفر

میں ویرانی ہوگئی۔ ساتھ ہی خانۂ کعبہ سے بتوں کے نکلنے سے رونق جاتی رہی اس لئے صحنِ حرم ویران ہوگیا۔ اگر صحن حرم کو ایمان کی نشانی مان لیا جائے تو ایمان میں بھی ویرانی کا عالم ہوگیا۔ گویا حرم سے لے کر زنار دار بت پرستوں تک ویرانی ہی ویرانی ہے۔

اے سرِ شوریدہ، ذوقِ عشق و پاسِ آبرو!
جوشِ سودا کب حریفِ منّتِ دستار ہے

سر پر پگڑی بندھا ہونا آبرو کی علامت ہے۔ اے سرِ دیوانہ! عشق میں آبرو کا پاس کیا معنی؟ سودائیت کب دستار کے احسان کا بوجھ گوارا کرتی ہے۔

وصل میں دل انتظارِ طرفہ رکھتا ہے مگر
فتنہ تاراجِ تمنّا کے لئے درکار ہے

وصل میں تمنائیں پوری ہوجاتی ہیں اور انتظار ختم ہوجاتا ہے۔ شاعر نے مضمون پیدا کیا ہے کہ وصل میں بھی انتظار رہتا ہے اور وہ عجیب انتظار ہے۔ تمنّا کا ختم ہونا دو طرح ممکن ہے ایک تو یہ کہ وہ پوری ہوجائے دوسرے یہ کہ کوئی اتنا ستم کرے کہ مایوسی کی وجہ سے تمنا درہم برہم ہوکر ختم ہوجائے۔ عاشق کو انتظار ہے کہ وصل میں تمنا دوسری طرح ختم ہوگی۔ محبوب کوئی فتنہ بپا کرے گا دل کو انتظار ہے کہ دیکھیے کس فتنے کے ذریعے تمنا برباد ہوتی ہے۔

شعر کے ایک اور معنی ہوسکتے ہیں۔ ہماری زندگی میں ہر خوشی کے بعد کوئی مصیبت یا فتنہ ظاہر ہوتا ہے۔ وصل میں تمنا سرسبز و بالیدہ ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ دیکھیے ہماری کامرانی کو برباد کرنے کے لئے کون سا فتنہ ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی چین کے لمحات میں بھی ناگہانی آفات کا دھڑکا رہتا ہے۔

خانماں ہا، پائمالِ شوخیِ دعویٰ، اسدؔ
سایۂ دیوار سیلابِ در و دیوار ہے

کوئی اکڑ کر دعویٰ کرتا ہے کہ میری دیوار کو کوئی سیلاب نہیں گرا سکتا یہ دیوار ہمیشہ مضبوطی سے کھڑی رہے گی اور گھر کے اندر کا مال اسباب سلامت رہے گا۔ دراصل یہ دعویٰ یہ نخوت ہی انہدامِ خانہ کا باعث بنتی ہے اور خانماں کو برباد کرتی ہے۔ سایۂ دیوار استقامتِ دیوار کی نشانی ہے لیکن کب تک کبھی نہ کبھی سو پچاس سال میں سہی دیوار گرے گی ہی اور یہ سایۂ دیوار ہی سیلابِ دیوار ثابت ہوگا۔

سیلاب اور سایہ دونوں دیوار کی تہہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۱۸۶)

تغافل مشربی سے، ناتمامی لبکر پیدا ہے

نگاہِ ناز، چشمِ یار میں زنّارِ مینا ہے

زنّارِ مینا: بوتل نصف بھری ہو اور نصف خالی ہو تو خطِ مے کو زنّارِ مینا کہتے ہیں۔ تغافل شیوہ محبوب کی نگاہیں بھی سامنے جانے کی بجائے آنکھوں کے بیچ رُک جاتی ہیں۔ جس سے زنّارِ مینا کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ زنّارِ مینا علامت ہے بوتل کے پورا نہ بھرے ہونے کی جو ایک نقص ہے اس لئے نگاہِ تغافل بھی چشمِ یار کے لئے نقص ہے۔

تصرف وحشیوں میں ہے تصور ہائے مجنوں کا

سوادِ چشمِ آہو، عکسِ خالِ روئے لیلا ہے

وحشی جانوروں میں ابھی تک مجنوں کے خیالات کا غلبہ ہے۔ وحشیوں کا بہترین نمائندہ ہے ہرن۔ مجنوں کو ہرن کی آنکھیں لیلیٰ کی آنکھوں سے مشابہ نظر آتی تھیں اب بھی ہرن کی آنکھ کی سیاہی لیلیٰ کے خالِ رُخ کا عکس معلوم ہوتی ہے۔

محبت طرزِ پیوندِ نہالِ دوستی جانے

دویدن، ریشہ ساں، مفت رگِ خوابِ زلیخا ہے

خوابِ زلیخا: ناکتخدائی میں زلیخا کو خواب میں حضرت یوسف دکھائی دیے تھے زندگی میں آخر کار ان کی رفاقت نصیب ہو گئی۔ رگِ خواب ایک محاورہ ہے لیکن یہاں وہ مُراد نہیں ایک پیڑ کی دوسرے میں پیوند لگائی جاتی ہے تو ایک کا ریشہ دوسرے میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور دونوں ایک جان ہو جاتے ہیں۔ محبت بھی دوستی کے پودے کی پیوند لگانا جانتی ہے زلیخا کے خواب کی رگِ ریشہ کی طرح بڑی آسانی سے دوڑتی ہے اور اپنے مقصود یعنی محبوب سے جا ملتی ہے۔ مُفت بمعنی بغیر کسی دِقت کے۔

کیا یکسر گدازِ دل، نیازِ جوششِ حسرت

سویدا، نسخۂ تہ بندیِ داغِ تمنا ہے

تہ بندی: رنگ ریز اصل رنگ سے پہلے دوسرے رنگ کا استر لگاتے ہیں اسے تہ بندی کہا جاتا ہے۔ ہم نے حسرت کی خاطر دل کو بالکل پگھلا دیا۔ چنانچہ پگھلا ہوا سویدا داغِ دل کے لئے تہ بندی کی طرح ہے۔ سویدا کالا ہوتا ہے۔ دل پر یہ سیاہی لگائی گئی تاکہ اس کے اوپر داغِ

ناکامیِ تمنّا کا رنگ چڑھایا جا سکے۔ جس رنگ کا استر سویدا کی طرح سیاہ ہوگا وہ رنگ (داغ) خود کتنا سیاہ ہوگا۔

ہجومِ ریزشِ خوں کے سبب رنگ اُڑ نہیں سکتا
حنائے پنجۂ صیّاد، مُرغِ رشتہ برپا ہے

حسین صیّاد نے بہت سے پرندوں کا خون بہایا۔ اس کی وجہ سے ہاتھ کی مہندی کا رنگ نہیں اُڑ سکتا۔ خون سے لال ہوتا رہتا ہے چونکہ رنگِ حنا اُڑ نہیں سکتا اس کے معنی یہ ہوئے کہ خود حنا مُرغِ اسیر کی طرح ہے۔ مُرغِ رشتہ برپا: وہ چڑیا جس کے پاؤں میں رسّی بندھی ہو اور جو اُڑنے سے معذور ہو۔

اسدؔ گر نام والائے علی تعویذِ بازو ہو
غریقِ بحرِ خوں، تمثال در آئینہ رہتا ہے

غریقِ بحرِ خوں: لفظی معنی خون کے سمندر میں ڈوبنے والا مجازاً درد و مصیبت میں ڈوبا ہوا۔ اسدؔ اگر کوئی علی کے نام کا تعویذ بازو پر باندھے ہو تو بحرِ خوں میں ڈوبنے پر بھی اس طرح محفوظ رہے گا جیسے آئینے کے پانی میں عکس خشک رہتا ہے یعنی نامِ علی مصائب سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۱۸۷)

اثر سوزِ محبت کا، قیامت بے محابا ہے
کہ رگ سے سنگ میں تخمِ شرر کا ریشہ پیدا ہے

سوزِ محبت کا اثر بے نہایت ہے۔ اس نے پتھر کو بھی سوز میں مبتلا کر دیا۔ رگِ سنگ وہ ریشہ ہے جو تخمِ شرر کے پھوٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کسی بیج کو بویا جائے تو اس میں سے ریشہ نکلتا ہے۔ پتھر میں تخمِ شرر بویا گیا اور وہ پھوٹ کر رگِ سنگ کی شکل اختیار کر رہا ہے یعنی اس کی ہر رگ میں شرر کی آنچ بھر گئی ہے۔

نہاں ہے گوہرِ مقصود جیبِ خود شناسی میں
کہ یاں غوّاص ہے تمثال، اور آئینہ دریا ہے

مقصود کا موتی خود شناسی کی جیب (گریبان کے اندر کی جیب) میں موجود ہے۔ آئینے کو دریا سمجھئے۔ اس میں انسان کی شکل غوطہ خور ہے جو خود شناسی کا موتی لے آتی ہے۔ آئینے میں شکل دیکھنے سے اپنے بارے میں آگاہی ہو ہی جاتی ہے۔

عزیزو! ذکرِ وصلِ غیر سے مجھ کو نہ بہلاؤ
کہ یاں افسونِ خواب، افسانۂ خوابِ زلیخا ہے

افسونِ خواب: وہ منتر جسے پڑھنے سے حریف کو نیند آجائے یا بے ہوشی طاری ہوجائے
عزیزو! تم مجھے یہ کہہ کر نہ بہلاؤ کہ "محبوب تیری طرف توجہ نہیں کرتا تو اسے چھوڑ اور بہت سے حسین ہیں ان سے دل لگا کے بآسانی وصل نصیب ہوگا۔ دیکھتا نہیں کہ زلیخا نے ناکتخدائی میں حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا ان پر عاشق ہوئی لیکن بعد میں ایک غیر یعنی عزیزِ مصر سے شادی کی اور اس سے واصل ہوئی۔ تو بھی کسی دوسرے سے وصل کے لئے کیوں نہیں آمادہ ہوجاتا۔"
ہم سمجھ دو اپنے زلیخا اور خوابِ زلیخا کے قصے کو۔ اسے سننے سے تو مجھے نیند آتی ہے۔
دوسرے مصرع کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تم مجھے زلیخا کا قصہ غیر سے شادی کرنے کی مثال کے طور پر سنا رہے ہو مجھے خوابِ زلیخا کا قصہ تحریک ہے خواب لانے کی تاکہ میں کم از کم خواب میں محبوب کا دیدار کر سکوں۔

تصور بہرِ تسکین تپیدن ہائے طفلِ دل
بہ باغِ رنگ ہائے رفتہ، گل چینِ تماشا ہے

جیسے کوئی بچہ تڑپ رہا ہو اور اسے بہلایا جائے اسی طرح دل کو آرام دینے کے لئے تصور گزرے ہوئے رنگ و رونق کے باغ کی جھلکیاں دکھا رہا ہے یعنی ماضی میں محبوب کے ساتھ جو اچھے لمحے گزرے ہیں ان کی یاد کر کے دل کو بہلا رہا ہوں۔

بہ سعیِ غیر ہے، قطعِ لباسِ خانہ ویرانی
کہ تارِ جادۂ رہ، رشتۂ دامانِ صحرا ہے

قطعِ لباس سے یہاں نہ صرف کپڑے کا قطع کرنا بلکہ سینا بھی مراد لیا ہے گویا قطعِ لباس یعنی تیار ہوا لباس ہے۔ صحرا خانۂ ویران ہے۔ اس نے خانہ ویرانی کا لباس تیار کرانا چاہا۔ اس لباس کے دامن میں جادے کے تار نے دھاگے کا کام کیا۔ جادے کو تار سے تشبیہ دی اور پھر اس دھاگے سے جس سے دامن سیا جائے۔ چونکہ جادہ صحرا کے لئے غیر ہے اس لئے صحرا نے دامنِ خانہ ویرانی کی تیاری میں غیر سے مدد لی۔

مجھے شب ہائے تاریکِ فراق شعلہ رویاں میں
چراغِ خانۂ دل، سوزشِ داغِ تمنا ہے

سارا شعر رعایتِ لفظی کا کھیل ہے۔ روشن چہرے والے حسینوں کے فراق کی اندھیری رات میں داغِ تمنا کی جلن میرے دل کا چراغ بنی ہوئی ہے۔ شعلہ رو۔ سوزش۔ داغ اور چراغ میں رعایت ہے۔

؎ ترے نوکر ترے در پر اسدؔ کو ذبح کرتے ہیں ستم گر ناخدا ترس آشنا کش ماجرا کیا ہے؟

غالباً اسدؔ نے نوکروں سے کہہ کر دربان پر یہ ظاہر کر دیا ہوگا کہ وہ مجھ سے عشق کرتا ہے۔ وہ شعر یاد کیجئے۔

؎ گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

(۱۸۸)

بہ بزمِ مے پرستی حسرتِ تکلیف بے جا ہے
کہ جامِ بادہ اکفِ برلب بہ تقریبِ تقاضا ہے

بزمِ شراب میں شغلِ مے کرنے کی حسرت دل میں رکھنا مناسب نہیں۔ جامِ شراب تو بار بار تقاضا کر رہا ہے کہ مجھے پیو۔ اس نے اتنا تقاضا کیا کہ بولتے بولتے اس کے ہونٹوں پر جھاگ آ گئے۔ محض حسنِ تعلیل ہے۔

نشاطِ دیدۂ بینا ہے، کو خواب و چہ بیداری
بہم آوردہ مژگاں روئے بر روئے تماشا ہے

دیدۂ بینا: حقیقت نگر آنکھ۔ روئے بر روئے: رو برو۔ کیا خواب کیا بیداری ہر وقت حقیقت نگر آنکھ کیلئے خوشی ہی خوشی ہے کیونکہ وہ حقیقتِ عالم دیکھتی رہتی ہے۔ جب غور و خوض کیلئے پلکیں بند کر لی جاتی ہیں تو اصلیت کا چہرہ دکھائی دینے لگتا ہے۔ گویا دو پلکوں کا ملنا کسی قابلِ دید منظر سے رو برو ہونا ہے۔ بیداری میں تو تماشا دیکھا ہی جاتا ہے۔ خواب میں بھی تماشا دکھائی دیتا ہے۔ کسی کے رو برو ہونے میں ایک چہرہ اپنا ہوتا ہے ایک فریقِ مقابل کا دو پلکیں باہم ہو کر گویا دو چہرے آمنے سامنے ہو رہے ہیں۔

نگہ معمارِ حسرت ہا، چہ آبادی، چہ ویرانی؟
کہ مژگاں جس طرف وا ہو، بکف دامانِ صحرا ہے

حسرت ویران ہوتی ہے اس لئے صحرا حسرت کی نشانی ہے۔ نگہ حسرت کی تخلیق کرتی ہے آبادی ہو کہ ویرانہ۔ پلک کھول کر جدھر دیکھتے ہیں۔ دامنِ صحرا ہی دکھائی دیتا ہے یعنی آبادی بھی صحرا کی طرح بے رونق ہو گئی ہے اور یہ دنورِ حسرت کی وجہ سے ہے۔

نہ سووے آبلوں میں گر سرشکِ دیدۂ نم سے
بہ جولاں گاہِ نومیدی نگاہِ عاجزاں پا ہے

انیس کا ایک شعر یاد کیجئے۔

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑجائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

نگاہ کے پاؤں پیدا کرنا اور ان میں آبلے ڈالنا انیس سے بہت پہلے غالب باندھ چکے ہیں۔ عاجزوں کی نم آلود آنکھ کے آنسوؤں کو آبلوں سے مشابہ کیا ہے۔ پاؤں کا سونا مشہور بات ہے جس کی وجہ سے پاؤں چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ پاؤں میں آبلے ہوں تو بھی یہی کیفیت ہوتی ہے گویا آبلہ پائی پاؤں کا سونا ہی ہے۔ عاجزوں کی نگاہ میدانِ ناامیدی میں جامد ہو کر رہ گئی ہے۔ آنکھ کے آنسوؤں سے نگاہ کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں گویا اس کا پاؤں آبلوں میں سو گیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نگاہ کا پاؤں میدانِ ناامیدی سے چل کر باہر نکل سکتا تھا۔ یعنی اگر آنسو نہ بہائے جائیں کہ خواہ مخواہ قنوطی نہ ہوں تو امید کا چہرہ دکھائی دے سکتا ہے۔

بہ سختی ہائے قیدِ زندگی، معلوم آزادی
شرر بھی صیدِ دامِ رشتۂ رگ ہائے خارا سے

زندگی کی قید کی سختی سے آزادی ممکن نہیں۔ بظاہر شرر بہت آزاد اور فعال معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی سمت پتھر کی رگوں کے جال میں گرفتار ہے اس لئے حسبِ خواہش رہا نہیں ہو سکتا مرکب خیالی تشبیہ ہے لیکن موزوں ہے۔

اسد یاسِ تمنا سے نہ رکھ امیدِ آزادی
گدازِ ہر تمنا، آبیارِ صد تمنا ہے

تمنا پوری نہیں ہوتی نتیجہ ناامیدی ہے۔ اے اسد یہ نہ سمجھ کہ ایک تمنا پوری نہ ہوئی تو صبر کر کے بیٹھ جائیں آئندہ تو حالات معمول پر ہوں گے۔ نہیں تمناؤں کی ناامیدی سے رہائی اس لئے ممکن نہیں کہ ایک تمنا کا ختم ہونا اس کا پگھل کر ختم ہونا ہے پگھلنے سے جو پانی پیدا ہوتا ہے وہ سوئی تمناؤں کی آبیاری کر کے انھیں نشو و نما دیتا ہے اور وہ پگھل کر کچھ اور تمناؤں کو جنم دیں گی۔ یعنی ایک تمنا ختم ہوتی ہے تو دوسری تمنائیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ناامیدی کی ایک زنجیر ہے۔

(۱۸۹)

بہ ذوقِ شوخیِ اعضا تکلف بارِ بستر ہے

معاف پیچ و تابِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے

اعضا میں شوخی ابے چینی اور شرارت کی وجہ سے بستر پر تکلف ممکن نہیں بلکہ بے تکلفی سے لوٹا پوٹا جائے گا۔ اب اگر بستر کا ہر تار پیچ و تاب کھائے تو وہ قابلِ معافی ہے کیونکہ یہ صاحبِ بستر کے اضطراب کا نتیجہ ہے۔

معمائے تکلف ، سر بمہرِ چشمِ پوشیدن

گدازِ شمعِ محفل پیچشِ طومارِ بستر ہے

شعر کسی قدر اُلجھا ہوا ہے لیکن ذیل کی تفریح سے صاف ہو جائے گا۔

معما: چھپی ہوئی چیز۔ تکلف: اپنے اوپر تکلیف اُٹھانا۔ سر بہ مہر: مہر بند۔ سر بمہرِ چشم آنکھ کی مہر لگی ہوئی۔ طومار: لمبی دستاویز یا چٹھی۔ دستاویز کو تہ کر کے (پیچش کر کے) شمع کی مدد سے مہر کرتے ہیں۔ عاشق محفل میں بیٹھا رہا۔ شمع پگھلتی رہی گویا اس سے کسی نامے کو مہر کرنی ہے جب وہ پگھل کر ختم ہوگئی تو محفل برخاست ہوگئی اور عاشق نے اپنی آنکھوں پر مہر لگا لی یعنی آنکھیں بند کر کے بستر میں پوشیدہ ہوگیا۔ بستر کے اندر اس کی کیا کیفیت ہے وہ سب سے پوشیدہ ہے جس طرح کسی بند سر بہ مہر دستاویز کے مضمون کا کسی کو علم نہیں ہوتا۔ دراصل اس میں عاشق تڑپ رہا ہے یعنی بستر معمائے تکلف ہے تکلیف کو چھپانے کی چیز۔ بستر کو طومار سے تشبیہ دی

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ شمعِ محفل سے مُراد سونے کے کمرے کی شمع لی جائے اور پیچشِ طومارِ بستر سے مراد رات گذرنے پر بستر کا لپٹنا۔ عاشق جب تک بستر پر رہا شمع کو روشن رکھا صبح کو شمع پگھل کر ختم ہوئی۔ بستر لپیٹ دیا گیا اور عاشق کی تکلیف پوشیدہ رہی۔ اس نے اپنا بھید اپنی آنکھوں کی مہر لگا کر پوشیدہ رکھا۔ اس صورت میں سر بہ مُہر ہونے کی بجائے سر بکرہ بمعنی راز بھی ہو سکتا ہے۔ اس معنی میں قباحت یہ ہے کہ سوتے کے کمرے کی شمع کو شمعِ محفل نہیں کہنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ سر بہ مہرِ چشم پوشیدن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنکھیں بند کرلیں۔ یہ سونے سے پہلے کی کیفیت ہونی چاہیئے جبکہ رات کو گیارہ بارہ بجے ہوا ہوگا۔ صبح کے وقت بیدار ہونے کو سر بہ مہرِ چشم کہنا مناسب نہیں۔ ہاں سر بہ کرہ ممکن ہے۔ پہلے معنی زیادہ قرینِ قیاس ہیں۔

مژہ فرشِ رہ و دل ناتوان و آرزو مضطر
بہ پائے خفتہ سیرِ وادیٔ پُرخار بستر ہے

سوئے ہوئے پیر سے کسی وادی کی سیر کرنا اس وادی میں کسی ایک مقام پر رہ جانا ہے۔ ہم بستر پر پڑے ہیں پلکیں نیچے کو جھکی ہیں دل کمزور ہے آرزو مایوس اور بے چین ہے اس طرح بستر کی وادیٔ پُرخار کی سیر ہو رہی ہے یعنی بستر پر ہمیں آرام نہیں مل رہا بلکہ اضطراب ہی اضطراب ہے۔ بستر کو تارہائے بستر کی وجہ سے پُرخار قرار دیا ہے۔

(۱۹۰)

بہ پاسِ شوخیٔ مژگاں، سرِ ہر خار سوزن ہے
تبسّم برگِ گُل کو بخیۂ دامن نہ ہو جائے

سوئی کے دو کام ہوتے ہیں ایک ناخوشگوار یعنی چبھنا۔ دوسرا خوشگوار یعنی کپڑے سینا۔ یہاں دوسرا ہی پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ محبوب کی پلکیں اور کانٹا دونوں سوئی کی طرح ہوتے ہیں۔ پلکیں بھی چاکِ دامن کو سیتی ہیں یعنی شوریدگی میں آسودگی بخشتی ہیں۔ ان کی تقلید میں کانٹا بھی وہی کام کر رہا ہے۔ کلی نے تبسم کیا۔ اس کی پنکھڑیاں پھیل گئیں۔ یعنی دامن چاک ہو گیا۔ پاس میں کانٹا تھا۔ پنکھڑیاں کانٹے تک پہنچ گئیں۔ اب یہ ممکن ہے کہ محبوب کی پلکوں کا لحاظ کر کے کانٹا پھول کے چاک شدہ دامن میں بخیہ کر دے۔ پنکھڑیوں میں کانٹے کا چبھنا ناخوشگوار فعل ہے لیکن شاعر نے اسے خوشگوار بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

جراحت دوزیٔ عاشق ہے جائے رحم ڈرتا ہوں   کہ رشتہ تارِ اشکِ دیدۂ سوزن نہ ہو جائے

عاشق کا زخم سینے میں اس کو تکلیف ہوتی ہو گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ٹانکے لگانے والی سوئی کی آنکھ میں دھاگا آنسوؤں کا تار نہ بن جائے یعنی خود سوئی کو اس کے حالِ زار پر رونا نہ آنے لگے۔ زخم کے سینے کو جائے رحم کہنے کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہی سامنے کی کہ زخم کی خراب حالت کے پیشِ نظر ٹانکے لگانے سے درد ہو گا دوسری اور بہتر وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہمارے سرپھرے عاشق زخم کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے علاج سے دُکھی ہوتے ہیں اس لئے زخم کی سلائی ان پر بڑا ظلم ہے۔

غضب شرم آفریں ہے رنگ ریزی ہائے خود بینی
سفیدی آئینے کی پنبۂ روزن نہ ہو جائے

خوب شعر کہا ہے۔ شرم آفریں: حیا پیدا کرنے والی۔ رنگ ریزی ہائے۔ خود بینی: میک اپ کرنا۔ پنبۂ روزن: کمرے کے سوراخ میں کوئی عاشق جھانک کر نہ دیکھے اس لئے سوراخ میں روئی ٹھونس دی جائے۔ آئینے کے سامنے بیٹھ کر محبوب اپنے چہرے پر طرح طرح کے رنگ وغازہ لگاتا ہے اور اس کے بعد اسے چاہنے والوں کے سامنے ہونے سے حیا آنے لگتی ہے اس لئے کواڑوں کے چھید میں روئی ٹھونستا پھرتا ہے۔ اس طرح خود آرائی میں مدد دینے والے آئینے کی سفیدی روزن کی روئی بن جاتی ہے۔

(۱۹۱)

دل سراپا وقفِ سودائے نگاہِ تیز ہے
یہ زمیں، مثلِ نیستاں سخت ناوک خیز ہے

دل کو محبوب کی نگاہِ تیز کا مورد ہونے کا سودا ہے۔ جیسے بانسوں کا جنگل تیر پیدا کرنے والا ہوتا ہے اسی طرح میرا دل تیروں کا مقام ہے۔ محبوب کی نگاہ تیر کی طرح ہے چونکہ دل پر کڑی نگاہیں پڑتی ہیں اس لئے یہ ناوک زار ہے۔

ہو سکے کیا خاک دست و بازوئے فرہاد سے
بیستوں، خوابِ گرانِ خسروِ پرویز ہے

خسرو نے فرہاد سے کہا تھا کہ تو بیستوں کاٹ دے تو شیریں تیرے حوالے کردوں گا۔ فرہاد نے تراش دیا لیکن پھر بھی ناکام رہا۔ فرہاد کا دست و بازو کیا کرسکتا تھا۔ اس کی راہ میں بیستوں تھوڑا حائل تھا۔ در اصل سنگِ راہ تھا خسرو کا خواب گراں یعنی اس کی طرف سے غفلت کی گہری نیند۔ وہ اصل بیستوں تھا جو فرہاد کے دست و بازو سے کٹنے والا نہ تھا۔

ان ستم کیشوں کے کھائے ہیں زبس تیرِ نگاہ
پردۂ بادام یک غربالِ حسرت بیز ہے

ان ستم کیشوں: ظالم حسینوں۔ پردۂ بادام: بادام کا چھلکا جس میں بہت سے سوراخ ہوتے ہیں۔ بادام آنکھ کی پتلی سے مشابہ ہوتا ہے۔ حسینوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ بادام ان کی آنکھ کی برابری کر رہا ہے تو وہ بہت خفا ہوئے اور اس پر تیرِ نگاہ چلائے جس کے نتیجے میں اس کا چھلکا چھلنی کی طرح سوراخ سوراخ ہوگیا۔ ایسی چھلنی جو حسرت کو چھان رہی ہے یعنی جو حسینوں کے مقابلے میں اپنے نقص کو دیکھ کر مایوس ہے۔

خوں چکاں ہے جادہ، مانندِ رگِ سودائیاں
سبزۂ صحرائے اُلفت، نشترِ خوں ریز ہے

کسی کو سودا ہوتا ہے تو اس کی رگ میں نشتر سے فصد دے کر خون نکالتے ہیں۔ اُلفت کے جنگل کا راستہ بھی اسی طرح خوں چکاں ہے۔ اس جنگل میں جادے کے برابر جو سبزہ ہے وہ گویا نشتر ہے جو جادے کو فصد دے کر خون نکالتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبت میں خوں چکانی ہی خوں چکانی ہے۔

ہے بہارِ تیز رو، گلگونِ نکہت پر سوار
یک شکستِ رنگِ گل، صد جنبشِ مہمیز ہے

گلگوں: گھوڑا۔ شکستِ رنگ: رنگ اُڑنا۔ بہار بڑی تیزی سے چلی جاتی ہے۔ یہ خوشبو کے تیز گھوڑے پر سوار ہے۔ پھول کا رنگ جیسے ہی ذرا ٹوٹتا ہے یہ بہار کو مہمیز کا کام کرتا ہے۔ اور وہ اُڑنچھو ہو جاتی ہے پھول کے رنگ و رونق میں کمی آئی اور بہار غائب۔

(۱۹۲)

تر جبیں رکھتی ہے شرمِ قطرہ سامانی مجھے
موجِ گردابِ حیا ہے، چینِ پیشانی مجھے

چونکہ میری بساط میں محض ایک قطرہ ہے اس لئے اپنی کم مائگی پر میں شرمندہ رہتا ہوں میری پیشانی کا سکوڑ شرم و ندامت کے گرداب کی لہر ہے۔

تر جبیں، قطرہ سامانی، موج، گرداب میں تلازمہ ہے۔

شبنم آسا کو مجالِ سبحہ گردانی مجھے؟
ہے شعاعِ مہر، زنارِ سلیمانی مجھے؟

سلیمانی: ہیروں میں ایک خط ہوتا ہے جسے زنارِ سلیمانی کہتے ہیں۔ ان مہروں کی تسبیح کو تسبیحِ سلیمانی کہا جاتا ہے۔ شبنم کے قطرے تسبیح سے مشابہ ہوتے ہیں۔ لیکن شعاعِ مہر سے جلتے رہتے ہیں۔ شعر کے دو معنی ممکن ہیں (۱) شبنم کی طرح مجھے بھی تسبیح گردانی ممکن نہیں۔ تسبیحِ سلیمانی کا زنار میرے لئے شعاعِ مہر کی طرح ہے اور شعاعِ مہر کو کون گھما سکتا ہے اس لئے میں زنارِ سلیمانی کے سامنے سبحہ گردانی سے معذور رہ جاتا ہوں۔ (۲) شبنم سبحہ گردانی کرے اسے مبارک ہو۔ میں نہیں کر سکتا۔ میرے لئے تو شعاعِ مہر ہی زنارِ سلیمانی یعنی تسبیحِ سلیمانی ہے۔ میں شعاعِ

مہر کے مشاہدے ہی سے ادراکِ معرفت کر لیتا ہوں کسی اور تسبیح کی ضرورت نہیں۔

شعر کے دو معنی اس پر منحصر ہیں کہ مصرعِ ثانی میں "وہ ہے" کا مبتدا شعاعِ مہر کو مانا جائے کہ زنارِ سلیمانی کو۔ دوسرے معنی بہتر ہیں۔

بلبلِ تصویر ہوں بے تابِ اظہارِ تپش
جنبشِ نالِ قلم، جوشِ پرافشانی مجھے

بلبلِ تصویر اپنے دل کی تڑپ کو ظاہر کرنے کو بے چین رہتی ہے لیکن نہیں کر سکتی۔ وہی میرا حال ہے۔ قلم کے ریشہ کا چلنا میرے لئے پرواز کرنے کا جوش اور اُمنگ دیتا ہے لیکن نہیں کر سکتا یعنی اشعار میں اپنے دل کی کیفیت کو پوری طرح ظاہر نہیں کر سکتا۔ پہلے مصرع کی نثر ہوئی۔ (میں) بے تابِ اظہارِ تپش، بلبلِ تصویر ہوں۔

ضبطِ سوزِ دل ہے وجہِ حیرتِ اظہارِ حال
داغ ہے مہرِ دہن، جوں چشمِ قربانی مجھے

چونکہ میں نے سوزِ دل کو ضبط کیا ہے اس لئے اظہارِ حال کو حیرت ہے یعنی میں اظہارِ حال نہیں کر رہا ہوں۔ ضبط کی وجہ سے میرے جسم پر جو داغ نمایاں ہو گیا ہے وہ منہ کی مہر ہو گیا ہے یعنی میں کچھ بول نہیں رہا ہوں۔ یہ داغ ایسا ہے جیسے مذبوح جانور کی آنکھ کہ وہ کچھ بولتی نہیں لیکن اپنے اندر بہت کچھ رکھتی ہے۔

شوخ ہے مثلِ حباب از خویش بیروں آمدن
ہے گریباں گیر فرصت، ذوقِ عریانی مجھے

از خویش بیروں آمدن: از خود رفتہ ہونا۔ حباب کی طرح از خود رفتہ و برہنہ ہونے میں ایک شوخی ہے لیکن میرا ذوقِ عریانی فرصت سے شاکی ہے یعنی عمر اس قدر مختصر ہے کہ اس میں شوق کیونکر پورا کیا جائے۔ گریباں گیر ہونا: شکوہ کرنا۔ فرصت کی کمی زندگی کے آنی و فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ حباب کی زندگی بھی تو ایسی ہی مختصر ہے۔

وا کیا ہرگز نہ میرا عقدۂ تارِ نفس
ناخنِ بریدہ ہے تیغِ صفاہانی مجھے

صفاہان یا اصفہان کی تلوار مشہور ہے۔ اس تلوار نے میرے سانس کی گرہ کو نہ کھولا گویا تلوار میرے لئے کٹے ہوئے ناخن کی طرح نکمی ثابت ہوئی۔ انگلی میں لگا ہوا ناخن

گرہ کھولتا ہے۔ کاٹ کر پھینکا ہوا ناخن مردہ ہوتا ہے اس میں اور تلوار میں مشابہت ہے۔ سانس کی گرہ کھولنا یعنی سانس کو ختم کر دینا۔ شاعر کو شکوہ ہے کہ تلوار نے مجھے قتل نہیں کیا۔

ہوں ہیولائے دو عالم صورتِ تقریر اسد
فکر نے سونپی خموشی کی گریبانی مجھے

نسخۂ عرشی میں دو عالم کے بعد وقفے کا نشان ہے۔ میری رائے میں نہیں ہونا چاہیئے۔ ہیولا: ہیئتِ اولیٰ یعنی وہ مادہ جس سے کوئی چیز بنائی۔ دو عالم: بہت زیادہ یہاں یہ محض مقداری فقرہ ہے۔ دو عالم صورتِ تقریر: بہت زیادہ تقریر۔ گریبانی: صدری یا واسکٹ جیسا ایک لباس جس میں آستین اور دامن نہیں ہوتے اور جو قبا کے اوپر زیبائش کیلئے پہنا جاتا ہے۔ تقریر کا ہیولیٰ خاموشی ہوتا ہے کیونکہ تقریر سے پہلے خاموشی ہوتی ہے۔ شعر کے معنی ہیں کہ اے اسد میں بہت سی تقریر کا ہیولیٰ ہوں یعنی صلاحیت رکھتا ہوں۔ کثرتِ افکار نے مجھے خاموشی کی گریبانی دی ہے یعنی میں نے خاموشی کو اپنی زیبائش کی شے قرار دیا ہے۔ ورنہ جب میں بولنے پر آؤں گا تو بولتا ہی رہوں گا۔ چونکہ نطق کا مقام گریبان وصدر ہے اس لئے خموشی کو گریبانی کہا۔

(۱۹۳)

صبح نا پید اہے کلفت خانۂ ادبار میں
توڑنا ہوتا ہے رنگِ یک نفس ہر شب مجھے

رنگ شکستن کے معنی ہیں رنگ اڑ جانا۔ چونکہ چہرے کے رنگ اڑنے کے معنی رنگ کا سفید پڑ جانا ہیں اس لئے شاعر نے رنگ فق ہونے اور صبح ہونے میں ایک وجہِ اشتراک ڈھونڈلی۔ کہتے ہیں کہ بدبختی کے کلفت خانے میں صبح کہاں ہوتی ہے۔ میں ہر رات اپنے ایک سانس کا رنگ فق کر دیتا ہوں۔ میرے لئے صبح یہی شکستِ رنگِ نفس ہے۔ یعنی دوسروں کیلئے صبح خوشگوار شے ہو سکتی ہے۔ میرے لئے تو یہ زندگی کے کاہیدہ ہونے سے عبارت ہے۔

شوخیِ طالع سے ہوں ذوقِ معاصی میں اسیر
نامۂ اعمال ہے تاریکیِ کوکب مجھے

میں جو گناہوں کا شوقین ہوں یہ میری بدقسمتی کی وجہ سے ہے۔ میرا تارہ تاریک ہے جس کی وجہ سے میرا نامۂ اعمال بھی تاریک ہے قسمت کے تارے کی سیاہی بدنصیبی کی علت ہوتی ہے شاعر نے اسے شوخی سے گناہوں کے عمل کا موجب قرار دے دیا۔

زردنا پیدا و بے جا تہمتِ وارستگی
پردہ دارِ یاوگی ہے وسعتِ مشرب مجھے

وارستگی: آزادی، قید و بند سے رہا رہنا۔ یاوگی: یاوہ پن یعنی بیہودہ طریقے سے زندگی بسر کرنا۔ وسعتِ مشرب: مذہب کے معاملے میں فراخ نظر ہونا، سب عقائد کو احترام کی نظر سے دیکھنا۔ کچھ لوگ مذہبی رسوم کی شدت سے پابندی کرتے ہیں دوسرے لوگ سب مذاہب کو ارفع و اعلیٰ سمجھ کر کسی ایک مذہب کی رسوم پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ ان سے آزاد و وارستہ ہوتے ہیں۔ آخر الذکر روش تین گروہوں کی ہوتی ہے صوفیا، عشاق اور عیاش فاسق و فاجر کہتے ہیں۔ میں وسعتِ مشرب کے شیوہ پر عمل پیرا ہوں لیکن میرے اندر دردِ عشقِ مجاز کا نشان نہیں۔ میں کسی طرح صوفی یا قلندر نہیں اس لئے مجھ پر آزاد و وارستہ ہونے کا الزام رکھا جائے تو صحیح نہیں۔ دراصل میری وسیع المشربی میری بے ہودہ پر معاصی بسر اوقات پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہے۔

(۱۹۴)

اسد بہارِ تماشائے گلستانِ حیات
وصالِ لالہ عذارانِ سرو قامت ہے

مشہور شعر ہے۔ زندگی کے باغ کی بہار اسی میں ہے کہ حسینوں کے ساتھ وصال کرو۔ لالہ جیسے گال اور سرو جیسے قد والے حسین۔

(۱۹۵)

شوخیِ مضرابِ جولاں، آبیارِ نغمہ ہے
برگ ریزِ ناخنِ مطرب، بہارِ نغمہ ہے

تاروں پر دوڑنے والی مضراب کی تیزی نغمے کی آبیاری اور پرورش کرتی ہے مطرب کے ناخن کی خزاں نغمے کی بہار ہے۔ برگ ریز: خزاں آسی نے برگ ریز کے معنی دوڑ دھوپ لکھے ہیں جو درست نہیں۔ بہار اور برگ ریز میں تضاد ہے۔ چونکہ ستار وغیرہ بجانے سے ناخن کا قیمہ ہو جاتا ہے اس لئے اسے ناخن کی خزاں کہا۔

کس سے اے غفلت! مجھے تعبیرِ آگاہی ملے
گوش ہا سیمابی و دل بے قرارِ نغمہ ہے

سیمابی کے معنی بے قرار کے ہیں لیکن سیماب در گوش کے معنی بہرے کے ہیں۔ اے غفلت تجھے کون آگاہی کا بیان کرے۔ سب لوگوں کے کان بہرے ہیں اور دل نغمے کیلئے بے چین ہے۔ سننے کا خواستگار آگاہی نہیں دے سکتا وہ تو خود مدہوشی کا متلاشی ہے بہرے کان میری بات ہی نہیں سن سکتے۔ اس طرح کوئی آگاہی و دانش مندی کا امین نہیں۔

یہ یقینی ہے کہ گوش ہا سے مراد دوسروں کے کان ہیں۔ ممکن ہے دل سے اپنے دل کی طرف اشارہ ہو۔ میرا دل نغمہ سننے کو بے قرار ہے لیکن یہاں حال یہ ہے کہ لوگوں کی سماعت ہی بے کار ہے۔ ان میں ذوقِ موسیقی معلوم۔ پھر مجھے وہ کس طرح ہوش مندی عطا کر سکتے ہیں اس مفہوم میں سماع کو حقیقت شناسی کا وسیلہ مانا جائے گا۔ پہلے معنی بہتر ہیں کیونکہ دوسرے معنی میں پہلے مصرع کا مفہوم بخوبی چسپاں نہیں ہوتا یعنی دوسروں کے گوش اور دل کا مذکور ہے

سازِ عیشِ بے دلی ہے خانہ ویرانی مجھے
سیلِ یاں، کوکِ صدائے آبشارِ نغمہ ہے

کوک : سازوں یا مغنیوں کی ملی جلی آوازیں۔ میرے لئے گھر کے برباد ہونے میں بھی ایک عیش کا سامان ہے۔ وہ عیش ہے بے دلی اور مایوسی کا سیلاب آتا ہے جو گھر کو برباد کر دے گا۔ مجھے وہ راگ کے آبشار کی آواز کی طرح معلوم ہوتا ہے آبشارِ نغمہ بڑی اچھی ترکیب ہے۔ ساز کے معنی سامان ہیں۔

سنبلی خواں ہے یہ ذوقِ تارِ گیسوئے دراز
نالۂ زنجیرِ مجنوں، رشتہ دارِ نغمہ ہے

سنبلی : نوائے از موسیقی۔ سنبلی خواں : سنبلی گانے والا۔ اسی طرح کا ایک اور راگ "گل گیسو" ہوتا ہے جو بہارِ عجم کے بموجب ہندوستان کا راگ دھناسری ہے۔ مجنوں کو لیلیٰ کے لمبے بالوں کے تار کا ذوق ہے۔ اس کی زنجیر میں سے جو آواز پیدا ہو رہی ہے وہ راگ سنبلی گا رہی ہے۔ چونکہ مجنوں گیسو کا ذوق تھا اور سنبل گیسو سے مشابہ ہوتا ہے اس لئے راگ کا نام سنبلی رکھا۔ نالہ کو نغمہ کا رشتہ دار کہا سنبلی خواں، تار، نالہ اور نغمہ میں رعایت ہے اور دوسری طرف سنبلی تار و گیسو اور رشتہ میں رعایت ہے۔

شوخیِ فریاد سے ہے پردۂ زنبورِ گل
کسوتِ ایجادِ بلبل، خار خارِ نغمہ ہے

پردۂ زنبور: ایک مقامِ موسیقی ہے نیز جالی دار برقع کو کہتے ہیں۔ بلبل کی فریاد سے پھول، چھید ہو کر پردۂ زنبور کی طرح ہو گیا یعنی جالا بن گیا۔ بلبل نے یہ کپڑا ایجاد کیا ہے یہ اس کی فریاد کے نغمے سے خار خار ہے یعنی پریشانی میں مبتلا ہے۔ نغمہ اور موسیقی کے پردۂ زنبور میں رعایت ہے۔

غفلت استعداد، ذوق و مدعا غافل، اسدؔ
پنبۂ گوشِ حریفاں، پود و تارِ نغمہ ہے

اسدؔ کا ذوق، غفلت استعداد ہے یعنی صرف غفلت کی قابلیت رکھتا ہے۔ اسدؔ مدعا سے غافل ہے۔ یاروں کے کان میں راگ رنگ کا تار و پود غفلت کی روئی بن کر سما گیا ہے یعنی موسیقی کی وجہ سے غفلت میں مبتلا ہیں۔

غالبؔ نے ابراہیم ذوقؔ پر چند اشعار میں در پردہ طنز کیا ہے مثلاً

میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

میرا خیال ہے کہ مندرجہ بالا شعر میں ذوق سے مراد ابراہیم ذوقؔ ہے۔ اب شعر کے معنی دیکھئے۔ ذوقؔ صاحب، غفلت استعداد ہیں اور اسدؔ مدعا غافل۔ یاروں کے کان میں نغمہ نے روئی ٹھونس رکھی ہے۔

(۱۹۶)

خود فروشی ہائے ہستی بسکہ جائے خندہ ہے
ہر شکست قیمتِ دل میں صدائے خندہ ہے

انسان غفلت کے عالم میں اپنی ہستی یا اپنا ضمیر دوسروں کے ہاتھ بیچ دیتا ہے لیکن ایسا عمل ہنسنے کا مقام ہے آدمی خود کو فروخت کرتے وقت اپنی ذات کی قیمت جو گھٹاتا ہے وہ بھی افسوس کا مقام ہے "شکست" کے ایک معنی "قیمت کم کرنا" اور دوسرے معنی کسی چیز کا ٹوٹنا۔ ٹوٹتے وقت جو آواز آتی ہے اسے ہنسی کی آواز کہا ہے۔ قیمتِ دل سے مراد قیمتِ ہستی خود ہے۔

نقشِ عبرت در نظر ہا، نقدِ عشرت در بساط
دو جہاں وسعت، بقدرِ یک فضائے خندہ ہے

آدمی کے ہاتھ میں نقدِ عیش ہوا تو کیا؟ نقش عبرت بھی تو نظر میں ہے جس کی وجہ سے عیش بہت سکڑ اسکڑا مختصر ہو جاتا ہے۔ جسے ہم عیش کی بہت بڑی دُنیا اور عشرت کے بہت سے مواقع سمجھتے ہیں وہ اتنی مختصر ہے جتنی ایک ہنسی، ہنسی کی فضا زماں و مکاں دونوں کے اعتبار سے مختصر ہوتی ہے۔ دو جہاں کے ایک یہ بھی لطیف معنی ہو سکتے ہیں کہ اس زندگی اور اس دُنیا کا عیش اور اس کے بعد دوسری دنیا میں عبرت ناک انجام دونوں مل کر ایک ہنسی سے زیادہ نہیں۔ ہنسئے تو عیش ہے۔ ہنسی ختم ہوئی اور عیش ختم یعنی عبرت ہی عبرت

جائے استہزا ہے عشرت کوشی ہستی اسد

صبح و شبنم، فرصتِ نشو و نمائے خندہ ہے

زندگی میں عیش کی کوشش ہنسی کا مقام ہے۔ صبح کو شبنم گرتی ہے بظاہر عیش ہے لیکن اتنا مختصر جتنی دیر ہنسی کے بالیدہ ہونے اور ختم ہونے میں لگتی ہے۔ صبح کی خندہ سے مناسبت بھی ہے۔

میرا خیال ہے کہ صبح اور شبنم کو ایک ساتھ لے کر شبنم کو صبح کی عشرت کوشی کی علامت قرار دی جائے۔ آسی نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ لیا ہے۔ صبح خود عشرت کوشی ہے اور شبنم بھی عشرت کوشی۔ دونوں کو خندہ سے مشابہ کیا ہے۔ صبح تو خندہ ہے ہی شبنم چونکہ موتی جیسے دانتوں کی طرح ہے اس لئے یہ بھی خندہ ہے۔

(۱۹۷)

عجزِ دیدن ہا بہ نازِ و نازِ رفتن ہا بہ چشم

جادۂ صحرائے آگاہی شعاعِ جلوہ ہے

شعر میں فقروں کی مختلف ترتیب سے ذیل کے معنی نکل سکتے ہیں۔

(۱) شعر کی نثر ہے

عجزِ دیدن ہا، نازِ محبوب کے لئے جادۂ صحرائے آگاہی ہے۔ نازِ رفتن ہا، چشم عاشق کے لئے شعاعِ جلوہ ہے۔ عجزِ دیدن ہا سے مُراد جلوے کی تیزی کی وجہ سے عاشق کی آنکھ کا چکا چوند ہو جانا اور دیکھنے کے ناقابل ہو جانا۔ عاشق محبوب کا جلوہ دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اس سے محبوب کو اپنے حسن سے آگاہی ہوئی۔ محبوب کی رفتار کے ناز سے عاشق نے شعاعِ جلوہ دیکھی۔

(۲) شعر کی نثر ہے

عجزِ دیدن ہا (نازِ محبوب کے لئے) جادۂ صحرائے آگاہی و شعاعِ جلوہ ہے۔ نازِ رفتن ہا (چشمِ عاشق کے لئے) جادۂ صحرائے آگاہی و شعاعِ جلوہ ہے۔

یعنی محبوب نے مشاہدہ کیا کہ عاشق اسے دیکھنے کی تاب نہ لایا۔ اس سے محبوب کو اپنے حسن کی شدت سے آگاہی ہوئی اور اپنے جلوے کی کرن دکھائی دی۔ عاشق کی آنکھ نے رفتارِ محبوب کا ناز دیکھا تو اسے محبوب کی شدتِ حسن سے آگاہی ہوئی اور محبوب کے جلوے کی ایک کرن دکھائی دی۔

(۳) شعر کی نثر ہے

عجزِ دیدن ہا نازِ محبوب کے لئے بنا ہے اور نازِ رفتن ہا چشمِ عاشق کیلئے بنا ہے۔ اس امر سے آگاہی کا راستہ معشوق اور عاشق دونوں کے لئے شعاعِ جلوہ ہے۔ عاشق کو جلوۂ محبوب کا حریف ہونے میں ناکامی ہوتی ہے اور یہ عدمِ استطاعت ناز کا جی خوش کرنے کیلئے وجود میں آئی ہے۔ محبوب کی رفتار کا ناز عاشق کی آنکھ کے لئے وجود میں آیا۔ ان حقیقتوں سے آگاہی ہونا محبوب اور عاشق دونوں کو جلوۂ حقیقت کی کرن ہے۔ محبوب کو عاشق کے عجزِ دیدار سے آگاہی ہوئی۔ عاشق کو نازِ رفتنِ محبوب سے۔

اگر شعر کے چاروں اجزا کو ا۔ ب۔ ج۔ د قرار دیا جائے تو پہلی تشریح (ا ج) (ب د) ہے۔ دوسری (ا ج) (ا د) (ب ج) (ب د) ہے تیسری (ا ب) (ج د) ہے۔

اختلافِ رنگ و بو، طرحِ بہارِ بے خودی
صلحِ کل، گردِ ادب گاہِ نزاعِ جلوہ ہے

غالب کا ایک شعر ہے کہ

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

کچھ ایسا ہی مضمون مندرجہ بالا شعر میں ہے۔ اس میں اختلافِ رنگ و بو کو مذاہب کا اختلاف مان لیں تو شعر کا مضمون بہت اچھی طرح کھل کر سامنے آجائے گا۔ مختلف مذاہب کا اختلاف ہمیں اپنے مذہب کے بارے میں کٹر پن سے رہائی دلاتا ہے اور اس طرح اپنے

عقیدے سے پرے ہٹ کر دیکھنے کی بہار کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ نزاعِ جلوہ بمعنی جلوے کا پھیلاؤ۔ ادب گاہ: جائے ادب۔ ادب گاہِ نزاعِ جلوہ: محفلِ ادیان یا بارگاہِ مذاہب۔ تمام عقائد سے صلح کر لینا ادبستانِ جلوہ کی گرد ہے یعنی اس کے نواح میں پہنچ جانا ہے۔ مذاہب سے ہٹ کر اس شعر کے معنی یوں ہو سکتے ہیں کہ دُنیا میں طرح طرح کے مظاہر دیکھ کر آدمی اپنی ذات سے ہٹ کر سوچنا اور دیکھنا سیکھتا ہے۔ تمام مناظر اور مظاہر کو قبول کر لینا مظہرِ جلوۂ حقیقی کے سواد تک پہنچ جانا ہے۔ نزاعِ جلوہ کے معنی اختلافاتِ جلوہ کے بھی لیے جائیں تو بھی ادب گاہِ نزاعِ جلوہ کے معنی جلوہ کی نیرنگیوں کے اظہار کی محترم جگہ ہونگے

حسنِ خوباں لیکر بے قدرِ تماشا ہے اسد
آئینہ یک دستِ ردِّ امتناعِ جلوہ ہے

دستِ رد: انگشتِ رد کی طرح ہاتھ اٹھا کر اشارے سے کسی کام سے روکنا۔ آج کل حسینوں کے حسن کی بے قدری ہے۔ لوگ اس کا تماشا نہیں کرتے۔ آئینہ جو حسن کی آرائش کر کے جلوہ کی ہمت افزائی کرتا تھا اب حسینوں کو جلوہ کرنے سے روکتا ہے۔ یہ ایک ایسے ہاتھ کی طرح معلوم ہوتا ہے جو منعِ جلوہ فروشی کر رہا ہو۔

حسن کی بے قدری کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔

(۱۹۸)

تمثالِ جلوہ عرض کر، اے حسن کب تلک
آئینۂ خیال کو دیکھا کرے کوئی

اے حسن اپنے جلوہ کی تصویر ظاہر کر۔ محض تصور کا آئینہ کب تک جی بہلا سکتا ہے۔

(۱۹۹)

وحشت کہاں کہ بے خودی انشا کرے کوئی
ہستی کو لفظِ معنیِ عنقا کرے کوئی

انشا کرنا: تخلیق کرنا۔ اب وہ وحشت کہاں ہے کہ ہم اپنی ہستی کو بھلا کر بے خودی میں غرق ہو جائیں۔ بہتر ہے کہ ہستی کو فنا ہی کر دیں۔ لفظِ معنیِ عنقا: عدم کے مفہوم کو ظاہر کرنے والا لفظ۔

جو کچھ ہے محوِ شوخیِ ابروئے یار ہے
آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ دیکھا کرے کوئی

طاق پہ رکھنا : فراموش کر دینا۔ دُنیا میں ہر شخص اور ہر شے ابروئے یار کے حسن کے مشاہدے میں گم ہے۔ اب ہم آنکھوں کو دُنیا کی ہر شے کی طرف سے ہٹا لیں اور صرف ابروئے یار کو دیکھتے رہیں۔ ابرو کی تشبیہ طاق سے دی جاتی ہے۔ اس لئے شاعر کے ذہن میں یہ ہے کہ آنکھوں کو طاقِ ابروئے یار میں رکھ کر دیکھا کریں۔ چونکہ یہ شعر حقیقت میں ہے اس لئے آنکھوں کو بالائے طاق رکھ کر دیکھنے سے مُراد ہے کہ مظاہر کے پیچھے مشاہدۂ یار چشمِ بصیرت سے کیا جانا چاہیئے۔

عرضِ سرشک پر ہے فضائے زمانہ تنگ
صحرا کہاں کہ دعوتِ دریا کرے کوئی

آنسوؤں کو پیش کرنے کے لئے زمانے کی فضا ناکافی ہے۔ جنگل کی پہنائی ہو تو دعوتِ دریا کی جائے۔ آنسو دریا کی طرح ہیں۔ انھیں کیونکر اور کہاں بہایا جائے۔

خوانا نہیں ہے خط، رقمِ اضطرار کا
تدبیرِ پیچ و تابِ نفس کیا کرے کوئی

ہم نے ایک خط میں اپنے اضطرار کا حال رقم کیا ہے۔ اپنے سانس کی تڑپ کا بیان کیا ہے لیکن یہ خط پڑھنا مشکل ہے۔ ہم نے یہ خط محبوب کے پاس بھیجا ہے جب وہ اسے پڑھ ہی نہیں سکتا تو ہمارے پیچ و تاب کے علاج کی کیا تدبیر کرے گا۔

وہ شوخ اپنے حُسن پہ مغرور ہے اسدؔ
دکھلا کے اس کو آئنہ توڑا کرے کوئی

آئینے میں اس کا عکس نظر آئے گا۔ آئینے کو توڑنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) چونکہ وہ اپنے حُسن پر مغرور ہے اور آئینے میں اس کا ثانی دکھائی دے گا اس پر وہ جھنجھلا ئے گا۔ اس کی خوشنودی کے لئے آئینہ کو توڑ دیا جائے تاکہ اس کا مقابلہ کرنے والا آئینہ سلامت نہ رہے۔ (۲) وہ اپنے حُسن پر مغرور ہے۔ آئینے میں اس کا ثانی دکھا دیا جائے اور آئینے کو توڑ دیا جائے تاکہ اسے مآلِ حُسن معلوم ہو جائے اور اس کا دل عبرت پکڑے۔ اس طرح غرور شکنی بھی ہو جائے گی۔

(۲۰۰)

باغ تجھ بن گلِ نرگس سے ڈراتا ہے مجھے
چاہوں گر سیرِ چمن، آنکھ دکھاتا ہے مجھے

آنکھیں دکھانا محاورہ ہے جس کے معنی کسی کو ڈرانا تنبیہ کرنا ہیں۔ میں اگر باغ میں تیرے بغیر جاتا ہوں تو باغ مجھے گھور کر دیکھتا ہے۔ باغ کی آنکھیں نرگس کا پھول ہیں اس لئے باغ گلِ نرگس سے آنکھیں دکھاتا ہے۔

شورِ تمثال ہے کس رشکِ چمن کا یارب
آئنہ، بیضۂ بلبل نظر آتا ہے مجھے

جس طرح غالب کے یہاں بیضۂ طاؤس مستقبل میں ظاہر ہونے والی رنگینی و بہار کی علامت ہے اسی طرح بیضۂ بلبل آئندہ پیدا ہونے والے عاشق کی علامت ہے۔ آئینے کو دیکھ کر کس نے آرائش کی کہ اس رشکِ چمن کی تصویر کا شور ہے یہ آرائش کچھ عشاق پیدا کرے گی اسی لئے آئینے کو اس کا ذمہ دار قرار دیا۔ آئینہ سفید بھی ہے اس لئے اسے بیضۂ بلبل کہا۔

حیرتِ آئنہ انجام جنوں ہوں جوں شمع
کس قدر داغِ جگر شعلہ اٹھاتا ہے مجھے

آئنہ انجام: جس کا انجام صاف دکھائی دے۔ حیرتِ آئینہ انجامِ جنوں: جنوں کی حیرتِ آئینہ انجام یعنی جنوں کی وہ حیرت جس کا انجام واضح ہے۔ عشق میں پیدا شدہ داغِ جگر میرے اندر شعلے بلند کر رہا ہے۔ جنونِ عشق نے مجھے حیرت میں مبتلا کر دیا ہے اور مجھے اپنا انجام صاف دکھائی دے رہا ہے جس طرح شمع جنونِ عشق میں جلتی ہے اور اپنے انجام سے باخبر ہوتی ہے۔

میں ہوں اور حسرتِ جاوید، مگر ذوقِ خیال
بہ فسونِ نگہِ ناز ستاتا ہے مجھے

نسخۂ عرشی میں "حیرتِ جاوید" ہے جو سہوِ قرأت ہے یا سہوِ کتابت۔ یہاں حسرت کا مقام ہے۔ مجھے محبوب سے ملنے کی دائمی حسرت ہے۔ حسرت میں مستقل ٹھہراؤ ہوتا ہے اس لئے تڑپ نہیں ہوتی لیکن میرا عشق پیشہ خیال مجھے بہلاتا رہتا ہے کہ محبوب کی نگہِ ناز اکیسنہ ایک دن تیری طرف ضرور متوجہ ہوگی تو مایوس نہ ہو۔ اس طرح میرا تصور میرے اندر ایک بے قراری پیدا کرتا ہے۔
غالب کے خود نوشت دیوان میں "حسرتِ جاوید" درج ہے۔

حیرتِ فکرِ سخن سازِ سلامت ہے اسدؔ
دل پسِ زانوئے آئینہ بٹھاتا ہے مجھے

غالبؔ کے اشعار میں حیرت، عرض جیسے الفاظ اکثر محض بھرتی کیلئے آتے ہیں۔ اُنہیں حذف کر دیا جائے تو شعر کے معنی بہتر ہو جائیں۔ طوطی کو بولنا سکھانے کیلئے ایک آدمی آئینے کے پیچھے چھپ کر بولتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فکرِ شعر میرے لئے سلامتی کا سامان مہیا کرتا ہے کیونکہ میں آئینے کے پیچھے محفوظ بیٹھ کر بول رہا ہوں۔ سخن کے معنی شعر کے بھی ہیں بات کے بھی۔ آئینے کے پیچھے بیٹھنے والا شخص سخن یعنی بات کرتا ہے۔ زانو پر سر رکھ کر فکر کیا جاتا ہے۔ زانو صاف شفاف بھی ہوتا ہے اس لئے آئینہ کا زانو پیدا کیا اور یہ زانو فکرِ سخن کا ہوا۔ شاعری کے پردے میں کتنی سلامتی ہے کہ دل کی باتیں بے فکری سے کہہ دیجئے کوئی ملزم نہ گردانے گا۔ آئینے کے تعلق سے حیرت پیدا کی ہے آئینہ سخن کرنے والا دل ہے۔ دل کو صفائی کی وجہ سے آئینے سے تشبیہہ دیتے ہیں
زانوئے آئینہ فکرِ سخن ہے۔ شاعر طوطی پسِ زانوئے آئینہ ہے۔

(۲۰۱)

یاد رکھئے نازہائے التفاتِ اوّلیں
آشیانِ طائرِ رنگِ حنا ہو جائیے

شعر کا مخاطب عاشق ہے محبوب نہیں۔ غالبؔ رنگِ حنا کے اُڑنے کو طائر کے اُڑنے سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اب محبوب نے حنا لگانی بند کر دی ہے اور اس کا رنگِ حنا اُڑ گیا ہے بلکہ اب وہ حنائی کف والا محبوب ہمیں نظر ہی نہیں آتا۔ گویا جہاں تک ہمارا تعلق ہے طائرِ رنگِ حنا اُڑ چکا ہے۔ ہمارے قبضے میں نہیں لیکن اگر طائر آشیاں میں مقیم ہو تو یہ نہیں کہیں گے کہ طائر اُڑ کر غائب ہو گیا۔

اے عاشقو: محبوب نے تم پر شروع شروع میں جس التفات کے ساتھ ناز سے کار فرمایا تھا یعنی دستِ حنائی کے جلوے دکھائے تھے اس کی یاد کئے جاؤ اور اپنے ذہن کو طائرِ رنگِ حنا کا آشیانہ بنالو۔ رنگِ حنا خواہ مادی حیثیت سے تمہارے سامنے محفوظ نہ ہو لیکن کم از کم ذہنی حیثیت سے صرف تمہارے ہی پاس ہو۔

لطفِ عشق ہر یک اندازِ دگر دکھلائے گا — بے تکلف یک نگاہِ آشنا ہو جائیے۔

ہر ایک حسین سے عشق کرنے میں نئی نئی طرح کا لطف ہوگا اسلئے ہر حسین کے سامنے نگاہِ آشنا بن کر آئیے یعنی ہر ایک سے عشق جتائیے۔

داد از دستِ جفائے صدمۂ ضرب المثل
گر ہمہ افتادگی، جوں نقشِ پا ہو جائیے

اگر نقشِ پا کی طرح بالکل عاجز اور خاکسار ہو جائیں تو ہم عاجزی میں ضرب المثل ہو کر بدنام ہوں گے۔ ضرب المثل بننے کے صدمے سے ہم داد خواہ ہیں۔ لفظ ضرب المثل میں "ضرب" کے لفظ سے شاعر نے داد خواہی کا جواز پیدا کیا۔ یوں بھی بعض طبائع جگہ جگہ اپنے نام کا لیا جانا موجبِ آزار سمجھتی ہیں۔ یعنی خاکساری میں بھی آرام نہیں۔

وسعتِ مشرب، نیازِ کلفتِ وحشت اسد
یک بیاباں سایۂ بالِ ہما ہو جائیے

نیازِ کلفتِ وحشت: نیاز مندِ وحشت، ممنونِ وحشتِ عشق۔ یک بیاباں: سراسر بہت زیادہ۔ سایۂ بالِ ہما: بادشاہ۔ وسعتِ مشرب صرف عشق کی وحشت کے نیاز مند ہونے میں ہے۔ جنونِ عشق میں جنگل میں بھاگ دوڑ کیجئے اور بادشاہت حاصل کر لیجئے۔ عاشق سے زیادہ وسیع مشرب کون ہوگا۔ وسعتِ نظر اور دل کی فراخ دلی کی بدولت عاشق بادشاہ سے کم نہیں ہوتا۔

(۲۰۲)

حیرتِ تپیدن ہا، خوں بہائے دیدن ہا
رنگِ گل کے پردے میں آئنہ پر افشاں ہے

محبوب آئینے کے سامنے آیا تو اسے دیکھ کر آئینہ بسمل ہو گیا۔ محبوب نے اسے خوں بہا یہ دیا کہ اپنے رنگ کے عکس سے آئینے کو رنگِ گل میں بدل دیا۔

پھولوں کا رنگ جو ہر طرف دکھائی دیتا ہے یہ آئینہ ہی ہے جو حیرتِ حسنِ یار کی وجہ سے تڑپ رہا ہے اور اپنے پر جھاڑ کر ترکِ دنیا کر رہا ہے۔

اگر خوں بہا کے معنی محض "بہا" لے لئے جائیں تو یہ معنی ہوں گے کہ آئینے نے محبوب کو دیکھا حیرت سے تڑپ رہا ہے اور اس کے دیکھنے کی یہ قیمت ادا کر رہا ہے کہ رنگِ گل بن کر ترکِ دنیا کی تیاری کر رہا ہے۔ رنگِ گل بننے کا جواز تاثیرِ رنگینیٔ محبوب ہے۔

عشق کے تغافل سے ہرزہ گردیِ عالم
روئے شش جہت آفاق پشتِ چشمِ زنداں ہے

پشتِ چشم : تغافل کرنا۔ دو معنی ممکن ہیں۔ (۱) چونکہ عاشقوں نے دُنیا کی طرف سے غفلت اختیار کر رکھی ہے اس لئے دنیا ہرزہ گردی میں کھوئی ہوئی ہے۔ آفاق کی شش جہت کیا ہیں؟ رندوں کا تغافل (۲) چونکہ عشق نے حقیقت کی طرف سے غفلت اختیار کی ہوئی ہے اس لئے دُنیا میں ہرزہ گردی کر رہا ہے۔ آفاق کی رونق کاہے سے ہے؟ عاشقوں کی غفلت کی وجہ سے۔ غفلت جو انھیں اپنے محبوب سے ہے۔ دوسرے معنی غزلیہ روایات سے زیادہ نزدیک ہیں۔

وحشت انجمن ہے گل، دیکھ لالے کا عالم
مثلِ دودِ مجمرہا، داغ بال افشاں ہے

پھول وحشت کی انجمن ہے۔ ثبوت کے طور پر لالے ہی کو دیکھیے اس کا داغِ وحشت اس طرح مائلِ پرواز ہے جیسے انگیٹھی کا کالا دھواں۔ داغ اور دود وحشت کی نشانیاں ہیں۔

اے کرم نہ ہو غافل، ورنہ ہے اسدؔ بے دل
بے گہر صدف گویا، پشتِ چشمِ نیساں ہے

اے کرمِ خداوندی تو اسدؔ کی طرف سے غفلت نہ کر ورنہ اسد مایوس اور شکستہ دل رہ جائے گا۔ صدف موتی سے خالی ہو تو ابرِ نیساں کی پشتِ چشم سے مشابہ ہوتی ہے یعنی ابرِ نیساں کے تغافل اور چشم پوشی کی نشانی ہوتی ہے۔ اسدؔ کا خالی ہونا بھی تیرے تغافل کا غماز ہوگا۔ صدف کی مشابہت چشم اور پشتِ چشم سے ہے۔

(۲۰۳)

غم و عشرت، قدم بوسِ دلِ تسلیم آئیں ہے
دعائے مدعا گم کردگاں، لبریزِ آمیں ہے

دلِ تسلیم آئیں : وہ دل جو اپنی تقدیر کو تسلیم کئے ہیں۔ مدعا گم کردگاں : وہ لوگ جو دعا کے لئے کوئی مدعا نہیں رکھتے۔ جس دل نے حالات کو جوں کا توں قبول کر لیا وہ غم و عشرت سے متاثر نہ ہوگا۔ نہ اسے غم کا دھڑکا ہوگا نہ عشرت کی تمنا۔ دونوں اس کی قدم بوسی کریں گے اور وہ ان پر اعتنا نہ کرے گا۔ جو لوگ کوئی مدعا نہیں رکھتے ان کی دعا آمین سے لبریز ہے یعنی فوراً قبول ہوتی ہے۔ چونکہ ان کا کوئی مدعا ہی نہیں، اس لئے ان کی دعا کا قبول ہونا نہ ہونا

یکساں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حالات پر شاکر ہو جاؤ اور کوئی خواہش نہ کرو تو چین سے گزر جائیگی۔

تماشا ہے کہ ناموس وفا رسوائے آئیں ہے
نفس تیری گلی میں خوں ہو اور بازار رنگیں ہے

تیری گلی میں عاشق کی ذات کا خون ہوا۔ گلی کے باہر بازار تھا۔ گلی سے بہہ کر خون بازار میں گیا۔ بازار رنگین ہوا اور عشق کا راز رسوا ہو گیا۔ ہم آئین عشق کے خیال سے تیری گلی میں جا کر خوں ہوئے تھے۔ لیکن اس نے وفائے عاشق کی عزت ہی خاک میں ملا دی۔

ہمارا دیکھنا گر ننگ ہے سیر گلستاں کر
شرار آہ سے موج صبا داماں گل چیں ہے

اگر ہماری طرف دیکھنا تیرے لئے توہین و شرم کا باعث ہے تو کم سے کم باغ کی سیر تو کر سکتا ہے۔ ہماری آہوں نے موج صبا پر چنگاریاں چھوڑ کر مالی کا دامن جلا دیا ہے یعنی آہ کے شرر پھول جیسے معلوم ہوتے ہیں تو ان کی سیر کر۔

پیام تعزیت پیدا ہے انداز عیادت سے
شب ماتم ہے داماں دود شمع بالیں ہے

عیادت اور تعزیت کا فاعل کون ہے؟ آسی نے شمع کو قرار دیا ہے جو صحیح معلوم ہوتا ہے۔ سرہانے کی شمع اگرچہ ہماری مزاج پرسی کر رہی ہے لیکن اس کے دھوئیں میں شب ماتم چھپی ہوئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ اسے ہماری جاں بری کی امید نہیں اور عیادت کے بعد تعزیت کے لئے تیار ہے۔ عیادت کا فاعل محبوب یا دوسرے غم گسار بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ عیادت کے لئے شمع لے کر آئے۔ شمع کو سرہانے رکھ دیا۔ ان کے اس انداز سے تعزیت کی غمازی ہو گئی وہ خود شمع نہ لائے ہوں تو بھی شمع کا دھواں عیادت کو تعزیت کا پیش خیمہ قرار دینے کے لئے کافی ہے۔

نہیں جز حسن منت ناگوارا ہے طبیعت پر
کشاد عقدہ مجھ ناخن دست نگاریں ہے

ہم محبوب کے علاوہ کسی اور کی منت کا بوجھ نہیں لینا چاہتے۔ ہماری عقدہ کشائی محبوب کے حنائی ناخن ہی سے ہو سکتی ہے۔ عاشق کا واحد مسئلہ وصل محبوب ہوتا ہے اور وہ محبوب ہی پر منحصر ہے۔ بقیہ کسی اور کا احسان کیوں لیا جائے۔

ورنگ

نہیں ہے سرنوشتِ عشق غیر از بے دماغی ہا
جبیں پر بیری مدِ خامۂ قدرت خطِ چیں ہے

بے دماغی : نازک مزاجی، بے اعتنائی۔ تقدیر نے اپنے قلم سے پیشانیِ عشق پر جو نقش کھینچے وہ چینِ پیشانی بن گئے۔ پیشانی پر سکوڑ اسی وقت آتا ہے جب کوئی ناگوار بات ہو یا کسی گوارا شئے سے محروم رہ جائیں۔ عشق کی قسمت میں اس قسم کی مجبوری کی بے دماغی کے سوا اور کچھ نہیں۔

بہارِ باغ، پامالِ خرامِ جلوہ فرمایاں
حنا سے دست و خونِ کشتگاں سے تیغ رنگین ہے

باغ میں حسین ٹہل رہے ہیں۔ انھوں نے بہارِ باغ کو مات اور ماند کر دیا ہے۔ وہ سراپا رنگ بنے ہوئے ہیں۔ ہاتھ حنا سے رنگین ہیں اور تلوار مقتول عاشقوں کے خون سے رنگین ہے کیا وجہ ہے۔ دو اردو فقروں "حنا سے دست" "خونِ کشتگاں سے تیغ" کے درمیان فارسی عطف لانا مذموم ہے۔

بیابانِ فنا ہے بعدِ صحرائے طلب، غالبؔ
پسینہ توسنِ ہمت کا سیلِ خانۂ زیں ہے

سلوک کے راستے میں طلب کے بعد فنا کی منزل آتی ہے۔ ہمت کے گھوڑے نے جد و جہد کر کے صحرائے طلب کو طے کیا۔ اس جہد کی نشانی اس کا پسینہ ہے۔ یہی سیلاب بن کر زین کے گھر کو منہدم کر گیا یعنی خانۂ زیں میں سوار رہتا ہے گویا شدتِ شوق فنا کی منزل تک لے گئی۔ زین کے خم کو خانۂ زیں کہتے ہیں۔

(۲۰۴)

دیکھتا ہوں وحشتِ شوقِ خروش آمادہ سے
فالِ رسوائی، سرشکِ سر بہ صحرا دادہ سے

جوش و خروش پر تلی ہوئی وحشت کا زور ہو رہا ہے۔ آنسو اس کثرت سے بہہ رہے ہیں کہ جنگل کا رخ کیے ہوئے ہیں۔ وحشت بھی مجھے جنگل کی طرف لے جائے گی اور ان دونوں یعنی وحشتِ عشق اور اشک رواں سے رسوائی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ سر بہ صحرا دادہ : عازمِ صحرا

دام گر سبزے میں پنہاں کیجیے، طاؤس ہو
جوشِ نیرنگِ بہارِ عرضِ صحرا دادہ سے

بہارِ عرضِ صحرا دادہ: وہ بہار جو صحرا کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگر سبزے میں جال چھپا دیا جائے تو وہ بہار کی رنگا رنگی کے جوش سے طاؤس بن جائے گا۔ طاؤس خوش رنگ ہوتا ہے۔ دام کی غرض یہ تھی کہ طاؤس کو گرفتار کیجیے۔ جوشِ بہار اس قدر ہے کہ خود دام ہی طاؤس بن گیا۔

خیمۂ لیلیٰ سیاہ و خانۂ مجنوں خراب
جوشِ ویرانی ہے عشقِ داغ بیروں دادہ ہے

عشقِ داغ بیروں دادہ: وہ عشق جس نے داغ چھوڑے ہیں۔ داغ یاس و ناکامی کی نشانی ہے۔ عشق کے باعث جوشِ ویرانی ہے لیلیٰ کے خیمے میں ماتم کی سیاہی ہے اور مجنوں کا گھر برباد ہے یعنی عشق عاشق اور معشوق دونوں کو تباہ کر کے رکھتا ہے۔

بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ جس کو ہم اسدؔ
دیکھتے ہیں چشم از خوابِ عدم نکشادہ سے

آنکھ خوابِ عدم میں ہے اور ابھی اس نیند سے بیدار نہیں ہوئی۔ ہستی وہ تماشا ہے جو خوابِ عدم کے بیچ دکھائی دے رہا ہے یعنی ہستی کا کوئی وجود نہیں۔ انسان عدم کے عالم میں ہے جس میں ہستی ایک موہوم خواب ہے ؏

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

(۲۰۵)

منت کشی میں حوصلہ بے اختیار ہے
دامانِ صد کفن تہِ سنگِ مزار ہے

کسی کا زیرِ بارِ احسان ہونا کسے پسند ہے لیکن مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے۔ زندگی تو زندگی مرنے کے بعد بھی مرہونِ منت ہونے سے مفر نہیں۔ کفن کا دامن سنگِ مزار سے دبا ہے۔ یعنی کفن پہن کر مزار میں جانا ضروری ہے جو مزار کا احسان لینے کے مترادف ہے اس سے ثابت ہوا کہ بس مرگ بھی حوصلۂ انسان کو کسی کی منت کشی کرنی پڑتی ہے۔ پتھر کے نیچے دامن ہونا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں کسی کے سامنے مجبور ہونا۔

عبرت طلب ہے حلِ معمائے آگہی
شبنم، گدازِ آئینۂ اعتبار ہے

دُنیا کی حقیقت ایک راز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حیاتِ اشیا نہایت غیر معتبر اور مختصر

ہے۔ اس سے آگاہی ہو تو عبرت ہوگی۔ شبنم کیا ہے۔ اعتبارِ حیات کے آئینے کا پگھلاؤ یعنی اعتبار کا جاتے رہنا۔ اوّل اوّل حیات پر اعتبار کیا کہ یہ عرصے تک باقی رہے گی لیکن فنا کو دیکھ کر یہ اعتبار جاتا رہا۔ آئینۂ اعتبار پگھل گیا اور اوس کی شکل میں ظاہر ہوا یعنی اوس حیات کی غیر معتبری کی دلیل ہے شبنم کی پگھلے ہوئے آئینہ سے مشابہت ہے۔ آئینے سے آگہی ہوتی ہے۔

خجلت کشِ وفا کو شکایت نہ چاہیئے

اے مدعی، طلسمِ عرق بے غبار ہے

کسی نے وفا کی اور شرمندہ ہوا۔ شرمندگی سے پیشانی پر عرق آیا۔ سب تھا ہی محبوب کی شکایت کی لیکن اے شاکی یہ نہ چاہیئے۔ شرمندگیِ وفا اگر عرق سے مشابہ ہے تو شکایت غبار ہے۔ عرق کا بغیر غبار کے ہونا مستحسن ہے۔ طلسموں میں بعض اوقات غبار بھی ہوتا ہے لیکن عرقِ شرمندگیِ وفا کا طلسم ایسا ہے جس میں غبار کی گنجائش نہیں اسلئے شکایت نہ کر۔

کیفیتِ ہجومِ تمنا رسا اسؔد

خمیازہ ساغرِ رنجِ خمار ہے

اے اسؔد ہجومِ تمنا میں رسا ہونے کی کیفیت ہے یعنی بہت سی خواہشیں کیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ منزلِ مقصد برآری تک پہنچ گئیں۔ ہم انگڑائی جو لے رہے ہیں وہ فقدانِ مے ہی کی نشانی نہیں بلکہ وہ ایک پیالے سے مشابہ ہے جس میں خمار کے رنج کی شراب بھری ہے مانا کہ یہ خمار سے پیدا شدہ تکلیف کی شراب ہے لیکن ہے تو کسی طرح کی شراب۔ پھر یہ کیونکر کہیں کہ ہم شراب سے محروم ہیں، اس طرح شراب کی خواہش کرنا شراب تک رسائی کے مترادف ہو گیا۔

(۲۰۶)

زنجیر یاد پڑتی ہے جادے کو دیکھ کر

اس چشم سے ہنوز نگہہ یادگار ہے

میں راستے کو دیکھتا ہوں تو اس کی مشابہت سے نگہِ یار کی یاد آجاتی ہے، نگاہ سے چشمِ یار کی یاد آجاتی ہے اور چشمِ یار کے تصور سے وہ زمانہ یاد آجاتا ہے جب ہم چشم کی وجہ سے جنوں زدہ تھے اور ہمیں زنجیر پہنائی جاتی تھی گویا جادے کو دیکھ کر زنجیر یاد پڑتی ہے یا پھر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ چشمِ یار کے تصور سے ہمیں جنون کا اندیشہ ہوتا ہے اور وہ زنجیر یاد آجاتی ہے جو ہمیں پہنائی جانی چاہیئے۔ ع گس کو باغ میں جانے نہ دینا قیمہ آ ستم

آسی نے اس شعر کے معنی یوں لکھے ہیں۔

جادے سے مراد زنجیر کے گھِسنے کا نشان ہے جس طرح نشانِ زنجیر کو دیکھ کر زنجیر کی یاد آجاتی ہے اسی طرح نگاہِ یار کو دیکھنے سے چشمِ یار آجاتی ہے۔ (مجھے ان معانی پر یہ اعتراض ہے کہ نگاہ کے ساتھ ساتھ آنکھ بھی دکھائی پڑے گی۔ اس لئے نگاہ کو دیکھ کر آنکھ کا یاد آنا کیا معنی)

باقیاتِ غالب میں وجاہت علی سندیلوی یہ معنی لکھتے ہیں جس طرح راستہ دیکھ کر مجھے زنجیر یاد آجاتی ہے جو میں کبھی پہن کر چلا تھا اسی طرح اس کی آنکھ دیکھ کر مجھے اس کی وہ نگاہِ لطف یاد آجاتی ہے جو مجھ پر کبھی پڑی تھی۔

اس میں قباحت یہ ہے کہ دونوں مصرعوں کا تعلق مضبوط نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ شاعر نے کہا ہے کہ نگاہ چشم کی نشان دہی کرتی ہے نہ یہ کہ چشم نگاہِ لطف کی یاد دلاتی ہے۔

سودائی خیال ہے طوفانِ رنگ و بو

یاں ہے کہ داغِ لالہ دماغِ بہار ہے

سودائی خیال: میرا تصور جو سودائی یا دیوانہ سے مشابہ ہے۔ میرا خیال طوفانِ رنگ و بو بنا ہوا ہے یعنی میں بڑی بڑی بہاروں کا تصور کر رہا ہوں۔ حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ محض ایک داغِ لالہ دماغِ بہار کا عکس بنا ہوا ہے۔ یعنی بہار کی بساط اتنی کم ہے کہ وہ داغِ لالہ میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ اس سے زیادہ کا بہار کو دماغ ہی نہیں

آسی کے نزدیک اپنے خیال کو داغِ لالہ سے تشبیہ دی ہے۔ میرے خیال کے طوفانِ بہار بننے سے یہ انھونی بات ہوئی کہ تنہا داغِ لالہ پوری بہار کا دماغ بن گیا۔ سودا میں خون کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ داغِ لالہ بھی سیاہ ہوتا ہے۔ ایک مماثلت ہو گئی۔ ان معانی میں دوسرا مصرع پہلے مصرع کی تفسیر ہے۔ میرے پیش کردہ معنی میں دوسرا مصرع پہلے سے انحراف کرتا ہے۔

بھونچال میں گرا تھا یہ آئینہ طاق سے

حیرت شہیدِ جنبشِ ابروئے یار ہے

حیرت عشق کا خاصہ ہے جو حسنِ محبوب کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ جنبشِ ابرو آزردگی یا ناراضگی کی نشانی ہے۔ ابروئے یار کی جنبشِ خفگی دیکھ کر حیرتِ عشق کافور ہو گئی۔ ابرو طاق سے

مشابہ ہے حیرت آئینے سے اور ابروئے یار کی خفیف سی جنبش بھونچال سے تشبیہ مکمل ہوگئی۔

حیراں ہوں شوخیٔ رگِ یاقوت دیکھ کر
یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برار ہے

صحبت برآر ہونا: صحبت کا موافق آنا۔ یاقوت اپنی سُرخی کی وجہ سے آگ سے مشابہ ہے رگِ یاقوت خس سے۔ مجھے رگِ یاقوت کی شوخی اور ہمت پر حیرت ہوتی ہے کہ آگ اور تنکا ایک دوسرے کے ساتھ موجود ہیں۔

(۲۰۷)

بہ حلقۂ خمِ گیسو ہے راستی آموز
دہانِ مار سے گویا صبا نکلتی ہے

محبوب حلقۂ خمِ گیسو سے ہوا گزر کر اسے راستی آموزی کر رہا ہے۔ ایسی مثال ہے جیسے سانپ کے مُنہ سے ہوا نکل رہی ہو۔ سانپ میں پیچ وخم ہوتا ہے لیکن اس کے مُنہ سے ہوا کی دھار سیدھی نکلتی ہے۔ حلقۂ گیسو سے گزرنے سے ہوا کا بل بھی نکل جائے گا۔

برنگِ شیشہ ہوں یک گوشۂ دلِ خالی
کبھی پری مری خلوت میں آ نکلتی ہے

خالی بوتل کی طرح میں بھی ایک خالی دل کا گوشہ ہوں۔ کبھی کبھی مری خلوت میں کوئی حسین آجاتا ہے۔ دراصل حسین بہ نفس نفیس نہیں آتا بلکہ اس کا تصور آتا ہے۔ شیشے میں پری کو اُتارنا پُرانا مضمون ہے۔

اسدؔ کو حسرتِ عرضِ نیاز تھی دمِ قتل
ہنوز یک سخن بے صدا نکلتی ہے

اسدؔ کو حسرت تھی کہ قتل سے پہلے اپنے جذبۂ نیاز کا اظہار کردے لیکن نہ کرسکا۔ اس لئے قتل کے بعد بھی اس کی حسرت کی بات سنائی پڑتی ہے لیکن یہ بات آواز کے بغیر ہے دل کے کان ہی اسے سن سکتے ہیں۔ سخن کو مونث لانا خلافِ محاورہ ہے۔

(۲۰۸)

ہے انتظار سے شرر آبادِ رستخیز
مژگانِ کوہکن رگِ خارا کہیں جسے

فرہاد کی پلکیں شیریں کی آمد کے انتظار میں پتھرا گئی ہیں اور اب پتھر میں رگیں جو نظر آتی ہیں وہ دراصل فرہاد کی چشمِ منتظر کی پلکیں ہیں۔ رگِ خارا میں جو چنگاریاں چھپی ہوئی ہیں وہ قیامت کی چنگاریاں ہیں جو بے چین پلکوں کی کیفیت کی غماز ہیں۔

کس فرصتِ وصال پہ ہے گُل کو عندلیب
زخمِ فراق، خندۂ بے جا کہیں جسے

پھول کے کھلنے کو زخمِ فراق اور بے موقع ہنسی سے تشبیہہ دی ہے۔ اے بلبل پھول کو کب کسی سے وصال کی فرصت ہوئی تھی کہ اس کی یاد میں فراق کا کشادہ زخم لئے ہوئے ہے یہ زخم بے موقع ہنسی کی طرح بے جواز ہے۔

یارب ہمیں تو خواب میں بھی مت دکھائیو
یہ محشرِ خیال کہ دُنیا کہیں جسے

دُنیا کی کوئی حقیقت نہیں محض خیالی قیامت ہے۔ ہمیں تو خواب میں بھی اس سے سابقہ نہ پڑے تو اچھا ہے۔

(۲۰۶)

سر رشتۂ بے تابیِ دل، در گرہِ عجز
پرواز بہ خوں خفتۂ فریاد رسا ہے

خونِ خفتہ یا خفتن خوں: کسی کا وہ خون جو بحل کر دیا ہو، جس پر باز پرس نہ ہو۔ پرندے کو گرفتار کیا ہوا ہے۔ اسے قتل کرنے کا منصوبہ ہے۔ اس کا دل بے تاب ہے لیکن اس بے تابی کے رشتے میں عجز کی گرہ لگی ہوئی ہے یعنی بے تابیِ دل کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ صید کا خون بحل ہے۔ اس کی پرواز اسی متوقع قتل میں گم ہے جس کا قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن اس کی فریاد بہت بلند پرواز ہے یعنی صید کچھ عمل تو کر نہیں سکتا نالہ و فریاد خوب کر رہا ہے

یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں مصرعے آزاد جملے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں مصرع مل کر ایک جملہ ہوں یعنی دوسرے مصرع کے دونوں فقرے "سر رشتۂ بے تابیِ دل" کی صفات ہوں یعنی گرہِ عجز میں سر رشتۂ بے تابیِ دل، پرواز بہ خوں خفتہ ہے اور یہی سر رشتہ فریاد رسا ہے۔ دونوں طرح معانی یکساں رہتے ہیں۔

---

(۲۱۵)

پھونکتا ہے نالہ ہر شب صور اسرافیل کی
ہم کو جلدی ہے مگر تو نے قیامت ڈھیل کی

اسرافیل کا صور پھونکنا آمدِ قیامت کی نشانی ہے۔ ہمارا بلند بانگ نالہ ہر رات صورِ اسرافیل پھونکتا ہے۔ اے قیامت ہمیں جلدی ہے کہ تو آجائے لیکن تو دیر کر رہی ہے۔

کی ہیں کس پانی سے یاں یعقوب نے آنکھیں سفید
ہے جو آبی پیرہن ہر موج رودِ نیل کی

آنکھوں کا سفید ہونا بے نور ہونے کو کہتے ہیں۔ آنکھ کی سیاہی نور کی نشانی ہے۔ کوئی چیز سیاہ سے سفید ہو جائے تو گمان ہوتا ہے کہ پانی سے دھو پونچھ کر سیاہ کو سفید میں بدلا ہوگا۔ آنکھوں میں پانی اتر آنا بھی زوالِ بصارت کا باعث ہوتا ہے اس طرح پہلے مصرع کے بیان کا جواز ہو جاتا ہے۔ پیراہن آبی کرنا کنایہ ہے لباسِ ماتمی پہننے سے غالب پوچھتے ہیں کہ حضرت یعقوب کی آنکھ کی پتلی کس پانی سے دھل کر سفید ہو گئی تھی کہ دریائے نیل کی ہر موج ماتمی لباس پہنے ہے۔ چونکہ موج کا لباس واقعی آبی ہے اس لئے ماتمی ہوا۔ موج اس بات کا کفارہ ادا کر رہی ہے کہ پانی نے آنکھ کو سفید یا نابینا کیا تھا۔ چونکہ یوسف و یعقوب کا واقعہ مصر کے علاقے کا تھا اس لئے شاعر نے رودِ نیل کی تخصیص کی۔

آسی نے آبی کو ہلکے نیلے کے معنی میں لیا اور شعر کو محض لفظی اُلٹ پھیر قرار دیا کہ نیل کی ہر موج کا رنگ نیلا ہے تو یہ آنکھ کو سفید کیونکر کر سکتی ہے۔ بہارِ عجم کے مطابق پیراہنِ آبی ماتمی لباس کو کہتے ہیں۔

عرش پر تیرے قدم سے ہے دماغِ گردِ راہ
آج تنخواہِ شکستن ہے کلاہِ جبریل کی

محبوب کے قدم پڑنے سے گردِ راہ کا دماغ عرش پر پہنچ گیا۔ شکستن بمعنی عاجزی، خاکساری کم ارز ہونا۔ گردِ راہ شکستن کی نشانی ہے۔ گویا آج شکستن کی مزدوری میں کلاہِ جبریل ملتی ہے خاک میں شکستہ چیز کو قدمِ محبوب کے باعث کلاہِ جبریل کی سی بلندی حاصل ہو گئی۔

آسی نے تنخواہ کو سزاوار کے معنی میں لیا جس کا جواز نہیں۔ ان کے نزدیک چونکہ گردِ راہ عرش نشیں ہو گئی اس لئے کلاہِ جبریل توڑ ڈالنے کے قابل ہو گئی بے مصرف ہو گئی۔

مدعا در پردہ یعنی جو کہوں باطل سمجھ
وہ فرنگی زادہ کھاتا ہے قسم انجیل کی

اسلامی عقیدے کے مطابق انجیل منسوخ اور باطل صحیفہ ہے۔ وہ انگریز محبوب انجیل کی قسم کھاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا مدعا وہ نہیں جو الفاظ سے ظاہر ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ میری بات کو جھوٹ سمجھ۔

خیر خواہِ دید ہوں، از بہر دفع چشم زخم
کھینچتا ہوں اپنی آنکھوں میں سلائی نیل کی

چشمِ زخم: نظر لگانے والی آنکھ نظر کو دور کرنے کے لئے سیاہی یا نیل کا ٹیکہ لگا دیتے ہیں۔ آنکھ میں نیل کی سلائی پھیرنا اندھا کرنے کو کہتے ہیں۔ میں اپنی بصارت کا خیر خواہ ہوں اسے نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لئے نیل کا ٹیکا دینے کی بجائے آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر لی ہے یعنی بصارت ہی زائل کر دی۔ بصارت کو اس طرح کھو کر میں نے بصارت کی حفاظت کا بہترین راستہ نکالا۔ آسی نے اس شعر کے دو معنی لکھے ہیں۔ ایک تو مندرجہ بالا ہیں لیکن اس سے پہلے انہوں نے یہ معنی دئے ہیں "میں محبوب کے جمال کا خیر خواہ ہوں۔ اسے نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی آنکھوں میں نیل کی سلائی کھینچ لی ہے" یہ معنی صحیح نہیں کیونکہ نیل کا ٹیکہ خود اسی شخص کے لگایا جاتا ہے جسے محفوظ رکھنا ہے نہ کہ کسی دوسرے کے۔ آسی نے ثانی الذکر معنی کو ترجیح دی ہے جس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

نالہ کھینچا ہے، سراپا داغ جرأت ہوں اسد
کیا سزا ہے میرے جرم آرزو تاویل کی

میں نے نالہ کھینچنے کی جرأت کی ہے اور میں اس جرأت کی وجہ سے شرمندہ ہوں۔ میرے جرم نالہ کشی کی تاویل کی جا سکتی ہے کہ یہ اظہارِ آرزو ہے لیکن اس تاویل کے باوجود میں سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ کیا سزا تجویز کرتے ہو۔

(۲۱۱)

کیا ہے ترکِ دنیا کاہلی سے
ہمیں حاصل نہیں بے حاصلی سے

بے حاصلی: دل میں کوئی مدعا نہ رکھنا۔ ہم نے ترکِ دنیا زہد و پارسائی کے تحت نہیں

کیا بلکہ کاہلی کی وجہ سے۔ اسی لئے ترکِ مقصد جوئی سے ہمیں دُنیا و آخرت میں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

خراجِ دیہہِ ویراں، یک کفِ خاک

بیاباں خوش ہوں، تیری کاہلی سے

دوسرے مصرع میں "ہوں" واوٗ معروف سے صیغۂ واحد متکلم ہے یا واوٗ مجہول سے صیغۂ جمع غائب میں واحد متکلم کو ترجیح دے کر یہ معنی لیتا ہوں۔ ایک ویران گاؤں کا خراج محض ایک مٹھی خاک ہے یعنی کچھ نہیں دینا پڑتا۔ اے بیاباں میں تیری حکومت سے خوش ہوں کہ تو نے محض ایک ویران گاؤں پر عملداری کی اجازت دی اور کچھ محصول نہ لیا۔

آسی نے ہوں کا فاعل بیاباں کو قرار دیا ہے۔ "اے خدا بیاباں تیری حکومت سے خوش ہو سکتے ہیں کیونکہ انھیں خراج میں محض ایک کفِ خاک دینی پڑتی ہے۔" پہلے معنی اس لئے قابلِ ترجیح ہیں کہ غزل کی روایت کے مطابق عاشق ویرانہ پسند ہوتا ہے۔

پَرافشاں ہو گئے شعلے ہزاروں

رہے ہم داغ، اپنی کاہلی سے

کتنے شعلے پرواز کرنے لگے جو ترقی کی نشانی ہے۔ ہم کاہلی سے محض داغ ہی بنے رہے جو افسردگی کی علامت ہے یا ہم اپنی کاہلی کے ہاتھوں داغ ہیں یعنی کاہلی سے جل بھُن رہے ہیں۔

خُدا یعنی پدر سے مہرباں تر

پھرے ہم دربدر ناقابلی سے

خُدا باپ سے زیادہ مہربان ہے۔ ہم تلاشِ معاش میں دربدر تلاش کرتے پھرے یہ ہماری ہی نااہلیت ہے۔ شاید توکل کر کے بیٹھے رہتے تو وہ ہمیں دے دیتا۔

اسدؔ قربانِ لطفِ جورِ بیدل

خبر لیتے ہیں، لیکن بیدلی سے

لطف و جورِ بیدل: وہ لطف اور جور جو بیدل عاشق پر روا رکھا جائے۔ بیدل سے مُراد شاعر بیدل نہیں بلکہ عاشق مُراد ہے۔ حسین لوگ عاشق پر جس ادا سے بہ یک وقت لطف اور جور دونوں روا رکھتے ہیں آسد اس کے قربان جائے۔ وہ عاشق کی خبر لیتے ہیں اور یہ لطف و عنایت پر دال ہے لیکن وہ یہ خبر خلوصِ دل سے نہیں لیتے اور یہ جور ہے۔ شاعر نے یہاں بیدلی بددلی کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

(۲۱۲)

نگہ اس چشم کی افزوں کرے ہے ناتوانائی

پرِ بالش ہے وقتِ دید، مژگانِ تماشائی

محبوب کی آنکھ کی نگاہ ضعف بڑھاتی ہے۔ دیکھنے والے عاشق کی پلکیں تکیے میں بکھرے ہوئے پر کی طرح ہیں۔ پلک پر سے مشابہ ہوتی ہے۔ پرِ بالش یعنی بالش بیمار، ضعف کا سہارا ہوتا ہے۔ پلک کا پرِ بالش ہونا فرطِ ضعف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

شکستِ قیمتِ دل، آنسوئے عذرِ شناسائی

طلسمِ نا اُمیدی ہے خجالت گاہِ پیدائی

ہم محبوب کے پاس گئے اس نے پہچاننے سے غدر کر دیا۔ یہ غدر محض عذر ہی نہیں اس کے ماورا اور اس سے مزید ہمارے دل کی قیمت کا ٹوٹنا ہے۔ اس طرح ہمارے ظاہر ہونے کا مقام شرمندگی کا مقام ہے۔ اور نا اُمیدی کا طلسم ہے۔ اگر شناسائی کا تعلق محبوب سے نہ ہو کر عالم دوستوں سے ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ دُنیا میں ظاہر ہونا ہمارے لئے نا اُمیدی کا طلسم بن گیا کیونکہ سب نے ہم سے آشنا ہونے سے غدر کر دیا اور اس طرح ہمارے دل کی قیمت ختم کر دی۔

پرِ طاؤس ہے نیرنگِ داغِ حیرت انشائی

دو عالم دیدۂ بسمل، چراغاں جلوہ پیمائی

اس شعر میں الفاظ کی کثرت ہے اور پیتوں میں معنی چھپے ہوئے ہیں۔ شعر سے ذیل کے معنی برآمد ہو سکتے ہیں۔

دُنیا کی بوقلمونی دیکھ کر حیرت پیدا ہوتی ہے۔ اس حیرت کو تحریر کیا جائے تو پوری طرح کامیابی نہیں ہوتی اس لئے داغ ناکامی رہ جاتا ہے۔ حیرت انشائی کے اس داغ میں طرح طرح کے رنگ ہیں جن کی وجہ سے وہ پرِ طاؤس کی طرح رنگیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشاہدۂ عالم سے پیدا شدہ حیرت بڑی رنگین ہے۔ دو عالم غالباً اظہارِ کثرتِ مقدار کیلئے ہے غالب کے اشعار میں دیدۂ بسمل فرطِ حیرت کا مخزن ہوتا ہے۔ بوقلمونیِ عالم کو دیکھ کر انسانی حیرت سے بسمل ہو گیا ہے۔ اس کی آنکھیں جلوہ پیمائی کر رہی ہیں، اور اس سے چراغاں کا مزا مل رہا ہے۔ دوسرے مصرع کے معنی ہو سکتے ایک طرف بہت سے دیدۂ بسمل ہیں جو جلوے دیکھ کر چراغاں کا لطف لے رہے ہیں۔ اگر دو عالم کو استعارۃً کا صفت بنا مان کر لفظی معنی میں لیں تو کہیں

گے کہ دونوں عالم دیدۂ بسمل کی طرح حیرت سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور جلوہ پیمائی میں چراغاں کی کیفیت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیوں میں ہر چیز روشن اور چراغاں کی کیفیت ہے۔ پرِ طاؤس کے داغ روشن ہو کر چراغاں ہی کرتے ہیں۔

تحیر ہے گریباں گیرِ ذوقِ جلوہ پیرائی
ملی ہے جوہرِ آئینہ کو جوں بخیہ گیرائی

کسی کا گریباں پکڑنا شکایت کی غرض سے ہوتا ہے۔ ذوقِ جلوہ پیرائی آئینے کے سامنے آکر ظاہر ہوتا ہے۔ حیرت کا مقام آئینہ ہے۔ حیرتِ آئینہ نے محبوب کے ذوقِ جلوہ پیرائی کا گریباں پکڑا۔ اگر حیرت کا مرکز جوہرِ آئینہ کو قرار دیں تو کہہ سکتے ہیں کہ جوہرِ آئینہ میں بھی پکڑ اور گرفت کی وہ صفت پیدا ہو گئی جو مثلاً بخیہ میں ہوتی ہے۔ جوہر اور بخیہ میں مماثلت ہے۔ جوہر نے جلوۂ محبوب کی گریباں گیری کی۔

شرارِ سنگ سے پا در حنا گلگونِ شیریں ہے
ہنوز اے تیشۂ فرہاد عرضِ آتشیں پائی

پا در حنا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں پاؤں کا مجروح ہونا۔ آتشیں تیز روی کو کہتے ہیں۔ آسی نے ان محاوروں کے معنی نہ سمجھ کر مصرعِ اولیٰ میں شرر سے گھوڑے کے پاؤں کو حنا رنگ کر دیا اور آتشیں پائی کو آتش زیرِ پا سمجھ کر بے قراری کے معنی میں لے لیا جو صحیح نہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے فرہاد پتھروں پر تیرے تیشہ کی چوٹ سے جو شرارے نکل رہے ہیں ان سے شیریں کے گھوڑے کا پاؤں مجروح ہو گیا ہے کیا تو اب بھی اپنے تیشے کی تیز روی کو جاری رکھے گا۔ یا یہ کہ گھوڑے کا پاؤں زخمی ہو گیا ہے اور اے تیشے تجھے ابھی اپنی تیز روی کا نمونہ دکھانا باقی ہے۔ شرارے سے شیریں کے گھوڑے کے پاؤں کے زخمی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گھوڑا فرہاد کے پاس سے جانے کے ناقابل ہو گیا یعنی شیریں کوہکن کے پاس ٹھہر گئی۔ ظاہر ہے اس کی لگن کو دیکھ کر رک گئی ہے جسے شاعرانہ انداز میں شرارے سے گھوڑے کا پاؤں مجروح ہونا کہا گیا ہے۔ روایتاً شیریں بیستوں شکنی کے دوران فرہاد کے پاس گئی تھی اور اسے کام کرتے دیکھا تھا۔

نمودِ دستِ رد نے شانہ توڑا فرقِ ہدہد پر
سلیمانی ہے ننگِ بے دماغانِ خود آرائی

شانہ شکستن : خالف کرنا۔ شانۂ سرِ ہدہد : ہدہد کے سر کی کلغی۔ خود آرائی میں مست رہنے والے بے دماغ حسین حضرت سلیمان کی سی بادشاہت کو ٹھکراتے ہیں۔ انھوں نے سلیمانی کو ہاتھ سے رد کیا اور ان کا یہ انداز دیکھ کر سلیمان کا قاصد ہدہد خالف ہو گیا۔

جنوں افسردہ و جاں ناتواں اے جلوہ شوخی کر
گئی یک عمرِ خود داری بہ استقبالِ رعنائی

میں بڑا خود دار تھا لیکن میری ساری عمر رعنائیِ محبوب کے استقبال کیلئے انتظار میں کھڑے کھڑے گزر گئی۔ خدارا اے جلوۂ محبوب اب تو جلدی سے شوخی دکھا کیونکہ تیرے بغیر جنونِ عشق ٹھٹھر گیا ہے اور جاں مضمحل ہو گئی ہے۔ میں نے تیرے لئے اپنی خود داری کی بھی بازی لگائی۔

نگاہِ عبرت افسوں گاہ برق و گاہ مشعل ہے
ہوا ہے خلوت و جلوت سے حاصل ذوقِ تنہائی

میری نگاہ عبرت کے جادو کے زیرِ اثر ہے۔ وہ جلوت میں آتی ہے تو دنیا کی ہر چیز کو بے اصل سمجھ کر اس سے کنارہ کشی کرتی ہے گویا برق بن کر ان کے وجود کو ختم کر دیتی ہے اور مجھے تنہائی میں لے جانے پر مائل کرتی ہے۔ خلوت میں آتی ہے تو مشعل یا شمع بن کر خلوت کو منور کر دیتی ہے اور تنہائی پسند بنا دیتی ہے۔ اس طرح میں باہر جاؤں یا ایک گوشے میں رہوں عبرت مجھے تنہائی پسند بنائے ہوئے ہے۔

جنونِ بے کسی ساغر کشِ داغِ پلنگ آیا
شررِ کیفیتِ مے سنگ محوِ نازِ مینائی

بے کسی و تنہائی کے احساس نے جنون کی کیفیت پیدا کی اور جوشِ وحشت میں جنگل میں دوڑ لئے۔ وہاں چیتے کے داغ کو دیکھا تو اس نے ساغر کی طرح سرشار کر دیا۔ پتھر شراب کی بوتل کی طرح ہے اور پتھر کے شرر میں شراب کی کیفیت ہے یعنی جنون میں صحرا کی سب چیزیں داغِ پلنگ، سنگ، شررِ سنگ سب مجھے راس آ رہی ہیں۔ غالب نے ایک اور شعر میں داغِ پلنگ کو جام سے مشابہ کیا ہے۔

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
ہوا جامِ زمرد بھی مجھے داغِ پلنگ آخر

خدایا خوں ہو رنگِ امتیاز اور نالہ موزوں ہو
جنوں کو سخت بے تابی ہے تکلیفِ شکیبائی

اس وقت میں صبر کئے ہوں جس کی وجہ سے دوسروں میں ممتاز ہوں لیکن ضبط و قناعت کی تکلیف بے قراری پیدا کر رہی ہے کاش یہ رنگِ امتیاز جاتا رہے اور میں شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر نالہ کرنے لگوں۔ اس طرح بے قراری کو ٹھہراؤ تو آئے گا۔

خراباتِ جنوں میں ہے "اسد" وقتِ قدح نوشی
بہ عشقِ ساقیِ کوثر، بہارِ بادہ پیمائی

اسد شراب پیتے وقت شرابِ خانے میں شراب خواری کا مزا ساقیِ کوثر کے عشق ہی میں ہے۔

(۲۱۳)

بسکہ زیرِ خاک با آبِ طراوت راہ ہے
ریشے سے ہر تخم کا دلو اندرونِ چاہ ہے

فارسی محاورہ ہے دلو بہ سرِ چاہ رسیدن جس کے معنی ہیں کام تمام ہونا، عمر تمام ہونا یہ معنی انسان کے تعلق سے تھے۔ تخم کے ضمن میں یہ معنی مراد نہیں لئے جا سکتے بلکہ کامرانی مراد ہے۔ اس طرح شعر کے یہ معنی ہوں گے۔

تخم کو زیرِ خاک بویا جائے تو اس کی آب زیرِ زمیں سے رسم و راہ ہوتی ہے۔ تخم سے ریشہ پھوٹ کر نیچے کو جاتا ہے اور کنوئیں میں ڈول کی طرح پانی تھیا کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو کوئی خاک میں ملتا ہے وہ کامراں ہوتا ہے۔

عکسِ گل ہائے سمن سے چشمہ ہائے باغ میں
فلسِ ماہی آئینہ پردازِ داغِ ماہ ہے

باغ کے چشمے میں چمیلی کے پھولوں کا عکس پڑا تو پانی چاند کی طرح منور ہو گیا اس کے بیچ فلسِ ماہی یوں دکھائی پڑتا ہے جیسے چاند میں داغ۔ فلسِ ماہی آئینہ کی طرح منور اور صاف ہو گیا۔ فلس کا یہ آئینہ داغِ ماہ کے سامنے آ کر اسے آئینہ دکھانے لگا اس طرح داغِ ماہ پر فلس کی فوقیت ظاہر ہو گئی

واں سے ہے تکلیفِ عرضِ بے دماغی ہائے دل
یاں صریرِ خامہ، مجھ کو نالۂ جاں کاہ ہے

محبوب کی جانب سے مجھے اپنے دل کی نازک مزاجی بیان کرنے کی زحمت دی جا رہی ہے لیکن میرے لئے چٹھی لکھنا بڑا بار دہ ہے۔ قلم کی آواز جان کو کھانے والے نالے کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

٭

حسن و رعنائی میں دہم صد سرو گردن ہے فرق
سرو کے قامت پہ گل یک دامنِ کوتاہ ہے

حُسن و رعنائی ہر ایک کا نصیب نہیں۔ سینکڑوں سرو گردن میں تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا ہے اور اس سے حسن کا فرق ہو جاتا ہے۔ سرو پر پھول رکھ دیا جائے یا پھول کی بیل چڑھا دی جائے تو کوئی حسن نہ ہو گا کیونکہ سرو کی مناسبت سے پھول چھوٹا ہو گا جیسے کسی کا کپڑا چھوٹا ہو حُسن تناسب کا نام ہے۔ پہلے مصرع میں الفاظ ناکافی ہیں۔

رشک ہے آسائشِ اربابِ غفلت پر اسد
پیچ و تابِ دل، نصیبِ خاطرِ آگاہ ہے

عقلمند لوگ بے چین رہتے ہیں۔ غافلوں کے آرام و سکون پر رشک آتا ہے۔

(۲۱۴)

بسکہ چشم از انتظارِ خوش خطاں بے نور ہے
یک قلم، شاخِ گلِ نرگس، عصائے کور ہے

خوش خطاں: وہ حسین جن کا سبزۂ نورستہ خوشنما ہو۔ آنکھ حسینوں کا انتظار کر رہی ہے ان کا جلوہ دکھائی دے تو آنکھ میں نور آ جائے ورنہ بے نور چنانچہ باغ میں نرگس کی شاخ بھی حسینوں کو دیکھنے کی منتظر ہے۔ ان کے نہ آنے پر نرگس کی آنکھ بھی بے نور ہے اس لئے شاخِ نرگس اندھے کی لاٹھی کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

بزمِ خوباں بسکہ جوشِ جلوہ سے پُر نور ہے
پُشتِ دستِ عجز یاں ہر برگِ نخلِ طور ہے

حسینوں کی محفل میں ان کے جلوہ سے جو نور ہے وہ کوہِ طور میں کہاں چنانچہ شجرِ طور کا ہر پتہ ان کے مقابلے میں اتنا بے رونق ہے کہ عجز ظاہر کرنے والے ہاتھ کی پشت معلوم ہوتا ہے۔

ہوں تصور ہائے ہم دوشی سے بدمستِ شراب
حیرتِ آغوشِ خوباں، ساغرِ بلّور ہے

میں حسینوں سے ہم آغوشی کے تصور میں مست ہو رہا ہوں۔ ان کی آغوش میں پہنچ کر ان کے حُسن کو دیکھ کر حیران رہ جانے میں شراب کے بلوری ساغر کی کیفیت ہے۔ میں اس حیرت کا تصور کر رہا ہوں۔

ہے عجب مُردوں کو غفلت ہائے اہلِ دہر سے
سبزہ جوں انگشتِ حیرت در دہانِ گور ہے

مُردوں کی غفلت مثالی مانی جاتی ہے لیکن اُنھیں دُنیا داروں کی غفلت پر تعجب ہے
حیرت میں مُنہ میں اُنگلی دبالی جاتی ہے۔ مُردوں کی قبر سے جو سبزہ پھوٹ رہا ہے وہ دراصل قبر
کے مُنہ میں انگشتِ حیرت ہے۔

ہے زپا افتادگی ہی لغزشِ پیمائی مجھے
بے سخن ہے خالِ لب دانۂ انگور ہے

زپا افتادگی: عاجزی اور ضعف کے باعث گر پڑنا۔ بے سخن: لاریب۔ ایسے موقع پر
لاتے ہیں جب اس کے خلاف سخن کی گنجائش نہ ہو۔ میرے لئے ناتوانی میں گر پڑنا ہی نشہ میں
گرنے کی طرح ہے۔ کمزوری یا بیماری سے میرے ہونٹ پر جو دانہ پڑ گیا ہے وہ میرے لئے
دانۂ انگور ہے جو شراب کا منبع ہے۔

حسرت آبادِ جہاں میں ہے الم، غم آفریں
نوحہ گویا، خانہ زادِ نالۂ رنجور ہے

دُنیا میں الم مزید دُکھ پیدا کرتا ہے۔ بیمار کا نالہ موت کے بعد کے نوحے کو جنم دیتا ہے۔
یعنی ایک غم کے بعد اس سے سوا غم ہوتا ہے۔ نوحہ مرنے پر رونے کو کہتے ہیں۔ خانہ زاد: وہ
غلام جو گھر میں پیدا ہوا ہو یعنی جس کی ماں یا باپ یا دونوں اسی گھر میں غلام رہے ہوں۔

کیا کروں؟ غم ہائے پنہاں لے گئے صبر و قرار
دزد گر ہو خانگی تو پاسباں معذور ہے

میرے اندر جو غم چھپے ہوئے تھے وہ چین کو لے گئے۔ گھر والوں میں سے کوئی چور ہو جائے
تو پاسباں نہیں روک سکتا۔ دزدِ خانگی: وہ چور جو ہم خانہ ہو۔

جس جگہ ہو مسند آرا جانشینِ مصطفیٰ
اس جگہ تختِ سلیماں نقشِ پائے مور ہے

جانشینِ مصطفیٰ: حضرت علی۔ جہاں حضرت علی مسند آرا ہوں اس جگہ کا رتبہ اتنا بڑھ
جاتا ہے کہ چیونٹی کے پاؤں کا نقش جو نہایت حقیر ہوتا ہے تختِ سلیماں کا ہم رتبہ ہو جاتا ہے۔

وال سے ہے تکلیفِ عرضِ بے دماغی اے اسد
یاں صریرِ خامہ مجھ کو نالۂ رنجور ہے

یہ شعر بہ تبدیلِ ردیف پچھلی غزل میں آچکا ہے۔ محبوب کی طرف سے مجھے اپنی بے دماغی کو لکھ کر بھیجنے کی تکلیف دی گئی ہے یہاں یہ حال ہے کہ چٹھی لکھنا بار دہ ہے قلم کی آواز مریض کے نالے کی طرح ناگوار ہے۔

(۲۱۵)

اے خیالِ وصل نادر ہے مے آشامی تری
پختگی ہائے کبابِ دل ہوئی خامی تری

خیالِ خام اس خیال کو کہتے ہیں جو پورا ہونے والا نہ ہو۔ شراب کے ساتھ کباب کھایا جاتا ہے۔ اے خیالِ وصل تونے انوکھی طرح مے خواری کی۔ تو خام رہا جس کے اثر سے دل جل کر کباب ہوگیا اور پوری طرح جل گیا۔ شراب کون سی ہے یہ شاعر نے ظاہر نہیں کیا۔ غالباً خیالِ وصل سے جو نشے کی کیفیت ہوتی ہے اسی کو شراب کہا ہے۔

رچ گیا جوشِ صفا سے زلف کا اعضا میں عکس
ہے نزاکت جلوہ اے ظالم سیہ فامی تری

جسمِ ملیح کے سانولے رنگ کی تعلیل کی ہے۔ کہتے ہیں کہ اصلاً جلد کا رنگ نہایت صاف تھا صفائی کی زیادتی کی وجہ سے زلفوں کا عکس جلد میں رچ گیا اور جلد سیہ فام ہو گئی۔ اس سیہ فامی میں بھی بڑا نزاکت آمیز جلوہ ہے۔

برگ ریزی ہائے گل ہے وضعِ زر افشانی
باج لیتی ہے گلستاں سے گل اندامی تری

پھول کی جو پنکھڑیاں جھڑتی ہیں وہ تیرے اوپر سونا نچھاور کر رہی ہیں۔ تو پھول کی طرح نازک و حسین ہے اور تیری گل اندامی باغ سے اس طرح خراج لے رہی ہے

لبکہ ہے عبرت ادیب یادگی ہائے ہوس
میرے کام آئی دلِ مایوس ناکامی تری

عبرت ہوس کی بے ہودگیوں کو ادب آموزی کرتی ہے۔ میری ناکامی نے مجھے بھی ہوس سے باز رکھا اور اس طرح مجھے فائدہ پہنچا۔

ہم نشینی رقیباں گرچہ ہے سامانِ رشک
لیکن اس سے ناگوارا تر ہے بدنامی تری

اگرچہ تیرا غیروں کے پاس بیٹھنا بھی میرے لئے جائے رشک ہے لیکن مجھے اس سے زیادہ اس بات کا خیال ہے کہ اس رویے سے تیری بدنامی ہوتی ہے اس لئے تو رقیبوں کے پاس بیٹھنا ترک کر دے۔

سر بہ زانوئے کرم رکھتی ہے شرمِ ناکسی
اے اسدؔ بے جا نہیں ہے غفلت آرامی تری

نالائق آدمی دوسروں کے کرم پر تکیہ رکھتا ہے اس لئے اسدؔ تو نے غفلت میں آرام کیا تو غلط نہیں کیا۔ اہلِ جود وسخا تیرا خیال رکھیں گے۔

(۲۱۶)

ربطِ تمیزِ اعیاں، دُردِ مئے صدا ہے
اعمیٰ کو سرمۂ چشم، آوازِ آشنا ہے

اعیاں: عین کی جمع آنکھیں۔ اعمیٰ: اندھا۔ شاعر کے نزدیک آواز سے شناخت کامل چیز ہے اور آنکھوں سے پہچاننا پست تر۔ اگر آواز کو شراب مانا جائے تو عبارت کو اس کی تلچھٹ۔ اندھے کے لئے واقف کار کی آواز سب سے بڑی پہچان ہے۔ یہ سرمۂ چشم ہے یعنی آواز سُن کر اسے گویا آشنا کی صورت نظر آجاتی ہے۔ ربطِ تمیزِ اعیاں: آنکھوں سے دیکھ کر پہچاننے کا تعلق۔ خلاصہ یہ ہے کہ واقف کار کی آواز ہی سے شناخت کر لینا چاہیئے۔ اگر صورت دیکھ کر پہچانا تو یہ کمزور تعلق ہوا۔

موئے دماغِ وحشت، سر رشتۂ فنا ہے
شیرازۂ دو عالم، یک آہ نارسا ہے

موئے دماغ: کسی رئیس کا مصاحب جو ناک کا بال ہو۔ وحشت کا لاڈلا سر رشتۂ فنا ہے یعنی وحشت زدہ انسان کو فنا کی تمنا رہتی ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ اس کی تمنا نارسا رہتی ہے اور اسی سے دُنیا کا شیرازہ قائم ہے۔ ورنہ وحشت کا بس چلتا تو ساری دُنیا کا شیرازہ بکھیر کر سب کچھ فنا کر دیتی۔

دیوانگی ہے تجھ کو درسِ خرام دینا　　موجِ بہار، یکسر زنجیرِ نقشِ پا ہے

تجھے خرام سکھانے کی کوشش دیوانگی ہے۔ موجِ بہار یہی کرنا چاہتی ہے لیکن اس کی کیا حالت ہے۔ وہ ایک زنجیر کی طرح ہے جو اسی کے نقش پا میں پہنائی ہوئی ہے۔ چونکہ موجِ بہار نے تجھے خرام سکھانے کی دیوانگی کی تھی اس لیے اس کے پاؤں میں زنجیر پہنانا ضروری سمجھا گیا۔ وہ زنجیر خود موجِ بہار ہے۔

آسی نے مصرعِ ثانی کے معنی لکھے ہیں کہ اے محبوب تیرے نقوشِ پا کا سلسلہ زنجیر سے مشابہ ہے اور اس میں موجِ بہار کی کیفیت ہے۔

اس تاویل میں محبوب کے نقشِ پا کو زنجیر قرار دینا نامناسب ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ موجِ بہار کی تحقیر کر کے اسے محض نقشِ پا کی زنجیر سے مشابہ کیا جائے۔

پروانے سے ہو شاید تسکینِ شعلۂ شمع
آسائشِ وفا ہا، بے تابیٔ جفا ہے

پروانہ وفا کا نمائندہ ہے اور شعلۂ شمع جفا کا۔ وفا شیوہ عاشق آرام سے رہے تو جفا کار محبوب بے تاب رہتا ہے۔ شمع کا شعلہ مضطرب ہے۔ شاید پروانہ اس میں آ کر جلے تو اس شعلے کو چین آئے گا کیونکہ وفا پرست کی آسائش جاتی رہے گی۔

اے اضطرابِ سرکش، یک سجدہ وار تمکیں
میں بھی ہوں شمعِ کشتہ گر داغ خوں بہا ہے

تمکیں شوکت اور رکھ رکھاؤ کو کہتے ہیں۔ میرا اضطراب شمع کی طرح سرکش ہے۔ ضرورت ہے کہ میری تمکین ایک بار سجدہ کی شکل میں ظاہر ہو جیسا کہ شمعِ کشتہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جل کر خاک ہو جاتی ہے لیکن زندگی بھر سر فرو نہیں کرتی۔ آخر میں بجھ کر جب فرش پر محض اس کا داغ رہ جاتا ہے تو اس کی تمکیں سجدہ وار ہو جاتی ہے۔ یہی میں چاہتا ہوں میں بھی بجھی ہوئی شمع ہوں اور میرے قتل کی قیمت محض وہ داغ ہے جو میں لیے ہوں۔ "گر داغ خوں بہا ہے" یہ ٹکڑا شعر کے معنی کیلئے کوئی خاص مفید یا ضروری نہیں۔

نے حسرتِ تسلی، نے ذوقِ بے قراری
یک درد و صد دوا ہے، یک دست و صد دعا ہے

آج کل ہماری یہ حالت ہے کہ ہمیں کوئی درد نہیں نہ کوئی بے قراری ہے نہ کسی کی تسلی کی ضرورت ہے۔ ایک ذرا سا درد ہو تو سو دوائیں موجود ہیں۔ ایک ہاتھ اٹھائیں تو سو دعائیں

کر سکتے ہیں جو غالباً مستجاب ہوں گی۔ ایسی حالت میں بھی ایک بے کیفی ہو گی۔

دریائے مے ہے ساقی لیکن خمار باقی

تا کوچہ دادنِ موجِ خمیازہ آشنا ہے

کوچہ دادن: کسی کے لئے راستہ چھوڑنا۔ موجوں کے بیچ جو فاصلہ ہوتا ہے وہ کوچہ دینا ہوا اور اس کی مشابہت انگڑائی سے ہوئی جو خمار کی نشانی ہے۔ غالب نے موج کو بار بار انگڑائی سے تشبیہہ دی ہے۔ کہتے ہیں ساقی دریائے مے بھی ہو تو بھی ہمارا خمار باقی ہے۔ دریا کی موجیں میں انگڑائی کی شکل ہوتی ہے جو زوالِ نشہ کی علامت ہے۔

وحشت نہ کھینچ قاتل، حیرت تفس ہے بسمل

جب نالہ خوں ہو غافل تاثیر کیا بلا ہے

اے قاتل وحشت نہ دکھا۔ یہ طنز نہ کر کہ "تیرے نالے کی کیا تاثیر ہوئی"۔ بسمل حیرت زدہ ہو رہا ہے۔ جب اس کا نالہ ختم ہو گیا تو تاثیر کہاں سے آئے گی۔

بت خانے میں اسدؔ بھی بندہ تھا گاہ گاہے

حضرت چلے حرم کو، اب آپ کا خدا ہے

بُت خانے میں اسدؔ ایک وفا شعار تابع دار بندہ کی طرح کبھی کبھی نظر آجاتا تھا۔ اب یہ صاحب حرم کو جا رہے ہیں۔ اب خُدا ہی ان کا مالک ہے دیکھیے کیا رنگ پکڑیں۔

(۲۱۷)

گر یاس سر نہ کھینچے، تنگی عجیب فضا ہے

وسعت گہہ تمنا یک بام و صد ہوا ہے

سر کشیدن: سر بالا کردن، ظاہر ہونا۔ تنگی: حالات کا موافق نہ ہونا مثلاً تنگی معاش۔ تنگی کی فضا میں بڑا مزا ہے بشرطیکہ یاس شامل نہ ہو جائے۔ بے نوائی کے عالم میں تمنا کے وسیع میدان کی سیر کر سکتے ہیں۔ یہ ایسا بام ہے جس پر سینکڑوں قسم کی ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ تصور میں سینکڑوں تمنائیں ممکن ہیں اس لئے کسی قسم کی تنگی ہو اس میں ایک خوشگوار پہلو ہے۔

برہم زنِ دو عالم تکلیف یک صدا ہے

مینا شکستگاں کو کہسار خوں بہا ہے

شعر کے معنی بہت واضح نہیں۔ صدا کے لفظی معنی چاہ و کہسار وغیرہ کی آوازِ بازگشت

کہیں گو اب عام آواز کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ میناشکستن: کثرت سے شراب پینا جیسے پوری بوتل پی کر اسے پتھر پر کھینچ مارا جائے۔ ایک آواز دونوں دُنیا کو برہم کردیتی ہے اور وہ آواز میناشکنی کی ہے۔ بوتل پر بوتل چڑھا کر پھوڑ دینے والوں کو موگ مینا کا خوں بہا ہوتا ہے کہسار جہاں سے میناشکنی کی آواز کی صدائے بازگشت آتی ہے۔ ان نشے بازوں کے لئے دونوں دُنیا درہم برہم ہوتی رہی۔ تکلیف صدا: آواز کرنا۔

فکرِ سخن یک انشا زندانی خموشی

دودِ چراغ گویا، زنجیرِ بے صدا ہے

فکرِ سخن ایسی انشا ہے جو اسیرِ خاموشی ہے۔ انشا کے معنی تخلیق لیے جائیں تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ فکرِ سخن ایسا تخلیق کا کام ہے جو خاموشی کے ساتھ ہوتا ہے۔ رات کو چراغ جلا کر فکرِ شعر کی جاتی ہے اس طرح چراغ کا دھواں فکرِ شعر کی علامت ہوا۔ دودِ چراغ کی مشابہت زنجیر سے ہے لیکن بے آواز زنجیر سے کیونکہ تخلیقِ شعر کے عمل میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔

موزونیِ دو عالم، قربانِ سازِ یک درد

مصرعِ نالۂ نے، سکتہ ہزار جا ہے

سکتہ: شعر میں عدمِ موزونی سے مصرع کا ٹھہرنا یا ٹوٹنا۔ درد میں جو آواز نکالی جاتی ہے۔ اس پر دُنیا بھر کی موزوں آواز میں قربان ہو۔ بانسری کے نالہ کا مصرع یعنی نے نواز کا راگ بھی نغمۂ درد کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ نے کے راگ میں جگہ جگہ سکتہ معلوم ہوتا ہے۔

درسِ خرام تا کے خمیازۂ روانی؟

اس موجِ مے کو غافل، پیمانہ نقش پا ہے

غافل تو خرام کا طریقہ سکھانا چاہتا ہے لیکن کب تک اسے روانی کی انگڑائی بنائے رہے گا جو نشے کا فقدان ظاہر کرتی ہے۔ محبوب کا خرام موجِ مے کی طرح ہے جس کا نقشِ پا پیمانہ ہے۔ پیمانہ ملا۔ تب چال میں نشہ آئے گا اور محبوب کی چال سے مشابہت ہوگی۔ شعر کے مخاطب کے تعین کی ضرورت نہیں۔

گردش میں لا تجلی، صد ساغرِ تسلی

چشمِ تحیر آغوش، مخمورِ ہر ادا ہے

اے تجلیِ یار، سکون بخشنے والے سو ساغر گردش میں لا چونکہ حیران آنکھ تیری ہر ادا سے مخمور ہو گئی

ہے۔ مخمور ہونا بے قراری کی کیفیت ہے اس لئے نشہ بخش ساغر کی ضرورت ہے۔

یک برگ بے نوائی صد دعوتِ نیستاں
طوفانِ نالۂ دل تا موجِ بوریا ہے

بے نوائی کے معنی بے سامانی اور بے آوازی دونوں ہیں اور غالب نے دونوں مراد لئے ہیں۔ برگ: سامان۔ جیسے کوئی مفلس بہت سے مہمانوں کی دعوت کردے ویسے ہی میں نے (جس کے پاس بے آوازی اور سکوت کا سامان ہے) سینکڑوں نیستانوں کی دعوت کردی ہے نیستان چونکہ نے کا مخزن ہیں اس لئے نالہ زار ہیں۔ میرا دل نالے کر رہا ہے اور اس کے نالوں کا طوفان موجِ بوریا تک ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں اول تو یہ کہ بوریا خود نے سے یعنی بانس سے بنتا ہے دوسرے یہ کہ یہ افلاس کی نشانی ہے اس طرح دونوں معنی میں بوریا بے نوائی کی علامت ہے مراد یہ ہے کہ وسائل کچھ نہیں اور خواہشیں بہت ہیں جس کا انجام نالہ و فغاں کے سوا کیا ہوتا۔

اے غنچۂ تمنا یعنی کفِ نگاریں
دل دے تو ہم بتا دیں مٹھی میں تیری کیا ہے

محبوب نے رنگین ہتھیلی میں دل بند کیا ہوا ہے۔ اسے شاعر غنچۂ تمنا کہتا ہے۔ اے کفِ نگاریں اگر تو ہمارا دل واپس دے دے تو ہم بتا دیں کہ تیری مٹھی میں کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ میرا دل ہے اور کیا ہوتا۔

ہر نالۂ اسدؔ ہے مضمونِ داد خواہی
یعنی سخن کو کاغذ احرامِ مدعا ہے

اسدؔ کا ہر نالہ داد و فریاد کے مضمون پر مشتمل ہے یعنی اسدؔ کی بات یا شعر کے لئے کاغذ مقصد کا احرام ہے۔ حاجی کسبِ ثواب کے لئے کپڑے کا احرام باندھتے ہیں۔ ایرانی رسم کے مطابق کاغذ کا لباس پہننا کسی کے خلاف داد خواہی کی نشانی مانا جاتا ہے۔ سخن کا کاغذ پہننا بھی اسی لئے احرامِ مقصد ہوا۔ احرام باندھنا بمعنی قصد کرنا۔ احرامِ مدعا: مدعا کے حصول کا مقصد کرنا۔

(۲۱۸)

ضبط سے جوں مردمک اسپند اقامت گیر ہے
مجمرِ بزمِ فسردن دیدۂ نخچیر ہے

ہمارے ضبط اور افسردگی کا یہ حال ہے کہ انگیٹھی میں سپند کا دانہ جائے تو وہ بھی نہیں

چٹخنا بلکہ مذبوح جانور کی پتلی کی طرح ٹھہرا رہتا ہے۔ افسردہ لوگوں کی بزم میں انگیٹھی شکار کیے ہوئے جانور کی آنکھ کی طرح بے حس و حرکت ہے اور اس میں سپند پتلی کی طرح جامد ہے یہ سب ضبطِ غم کی وجہ سے ہے۔

آشیاں بندِ بہارِ عیش ہوں ہنگامِ قتل
یاں پرِ پروازِ رنگِ رفتہ، بالِ تیر ہے

قتل کے وقت یوں مغموم نہیں میرا رنگ پرواز نہیں کر گیا میں تو عیش کی بہار فرض کر کے آشیاں بندی کر رہا ہوں کیونکہ قتل سے بڑی بہار اور عیش کون سا ہو سکتا ہے۔ رنگِ رفتہ کا پر میرے لئے تیر کے پر کی طرح ناگوار ہے اس لئے میں نے رنگ کو اڑنے ہی نہیں دیا۔ جس طرح بالِ تیر آکر تیر چبھاتا ہے اسی طرح رنگ کا اڑنا میرے لئے ناپسندیدہ ہے۔ بالِ تیر: سوفارِ تیر کے پر

ہے جہاں فکرِ کشیدن ہائے نقشِ روئے یار
ماہتاب، ہالہ پیرا گردۂ تصویر ہے

گردۂ تصویر: مصوّر کا خاکہ۔ جہاں دوست کے چہرے کی تصویر بنانے کی فکر کی جائے گی وہاں ہالے والا چاند تصویر کے خاکے کا کام دے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چہرۂ یار کے سامنے چاند سادہ کاغذ کی طرح بے رنگ ہے۔

وقتِ حسن افروزیِ زینت طرازاں بجائے گل
از نہالِ شمع پیدا، غنچۂ گلگیر ہے

گلگیر وہ قینچی جس سے شمع کا گل کاٹا جائے۔ غالباً شمع کے گل کی رعایت سے غالب نے غنچہ پیدا کیا ہے۔ زینت طرازاں: زینت و آرائش کرنے والے حسین۔ حسین لوگ جس وقت حسن کی رونق بڑھا رہے ہوں تو شمع میں گل نہیں پیدا ہوتا بلکہ قینچی کے لئے غنچہ پیدا ہوتا ہے۔ گل تو جلی ہوئی بتی کو کہتے ہیں۔ حسینوں کے اثر سے بجائے گل کے پھول کا غنچہ کیوں نہ پیدا ہو۔ پیڑ و ڈال پر غنچے پیدا ہوتے ہی ہیں۔ نہالِ شمع میں غنچہ پیدا ہوا اور ڈالی کی قینچی کی طرح گل گیر نے غنچہ کاٹا۔

گریے سے بندِ محبت میں ہوئی نام آوری
لختِ لختِ دل، نگینِ خانۂ زنجیر ہے

نسخۂ عرشی میں "مکینِ خانہ" ہے لیکن خود نوشت دیوان میں "نگینِ خانہ" ہے اور یہی صحیح قرات ہے۔ میں عشق میں رو دیا۔ دل کے ٹکڑے آنسوؤں کے ساتھ نکلے میری بڑی ناموری

ہوئی کہ بڑا سچا عاشق ہے۔ خانۂ خاتم میں نگین پر نام کھدا رہتا ہے جو مہر کا کام دیتا ہے۔ میں زنجیر بند تھا۔ میرے لختِ دل خانۂ زنجیر میں یوں بیٹھ گئے جیسے خانۂ خاتم میں نگینِ مہر۔ اس طرح میرے لختِ دل نے نگینِ مہر کی طرح میری شہرت کا کام کیا۔

ریزشِ خونِ وفا ہے جرعہ نوشی ہائے یار یاں گلوئے شیشۂ مے قبضۂ شمشیر ہے

یار کے لئے وفاداروں کا خون بہانا شراب کے گھونٹ پینے کی طرح ہے اس کے لئے تلوار کا قبضہ شراب کی بوتل کی گردن ہے یعنی اسے خون بہانے میں شراب نوشی کی سی لذت ملتی ہے۔

جو بہ شامِ غم چراغِ خلوتِ دل تھا اسدؔ وصل میں وہ سوز شمعِ مجلسِ تقریر ہے

سوز کے بعد اضافت نہ چاہیئے۔ سوزِ عشق ہجر کی رات میں دل کی تنہائی میں چراغ کی طرح روشنی کئے ہوئے تھا۔ یہ سوز دلوں کو روشن کرتا ہے۔ وصل میں بھی سوز مجلس تقریر کی شمع ہے یعنی میں محبوب کے سامنے بڑی سوز بھری بات چیت کر رہا ہوں۔ اسی سوز کی بدولت میری گفتگو میں تابندگی ہے۔

(۲۱۹)

ذوقِ خود داری خرابِ وحشتِ تسخیر ہے
آئینہ خانہ مری تمثال کو زنجیر ہے

میری تصویر شیشے کے فریم میں جڑ دی گئی (یا میرا عکس آئینے میں نظر آرہا ہے) میری خودداری کو یہ پسند نہیں۔ رہ رہ کے یہ وحشت ہوتی ہے کہ آئینے نے مجھے تسخیر کر کے اپنے اندر اُتار لیا اس لئے مجھے اس صورتِ حال سے وحشت ہوتی ہے اور چاہتا ہوں کہ تصویر آئینے یا شیشے کے قبضے سے نکل آئے۔

ذرہ دے مجنوں کے کس کس داغ کو پروازِ عرض
ہر بیاباں یک بیاباں حسرتِ تعمیر ہے

مجنوں کے دل پر کئی داغ تھے جو دور ہونا چاہتے تھے۔ مجنوں کا جسم خاک ہو کر ذرات میں بدل گیا۔ چنانچہ خاک کے ایک ذرے کے حصے میں مجنوں کے کئی کئی داغ آئے ہیں۔ ذرۂ خاک کس کس داغ کو عرض کا موقع دے۔ ہر داغ زبانِ حال سے فریادی ہے کہ مجھے سنوار کر پیش کرو۔ چونکہ بیاباں کے ہر ذرے میں مجنوں کے داغ موجود ہیں اس لئے پورا بیاباں بلکہ ایک ہی بیاباں کیوں، ہر بیاباں شدت سے حسرتِ تعمیر کا ملجا ہے۔ یک بیاباں حسرت بمعنی بہت

زیادہ حسرت۔

میکشِ مضموں کو حسنِ ربطِ خط کیا چاہیئے
لغزشِ رفتارِ خامہ، مستیِ تحریر ہے

جس کے دماغ میں مضامین کی ریل پیل ہو اسے لکھتے وقت حسنِ تحریر کا کب خیال رہتا ہے۔ قلم کے چلنے میں لغزش (یعنی بدخطی) میں بھی مستیِ تحریر کی کیفیت ہے۔

خانمانِ جبریانِ غافل از معنی خراب
جب ہوئے ہم بے گنہ، رحمت کی کیا تقصیر ہے

جبریاں: وہ لوگ جو انسان کو ہر فعل میں مجبور مانتے ہیں۔ غافل از معنی: اندرونی حقیقت سے ناواقف۔ ہم پر نزولِ رحمت نہیں ہوا۔ نظریۂ جبر پر عقیدہ رکھنے والے کہتے ہیں کہ دیکھئے انسان کے ہر فعل کی ذمہ داری تو خدا پر ہے۔ پھر بے چارے غالب کو اس کے اعمال کے باعث کیوں گنہگار مانا گیا اور اس پر رحمتِ الٰہی کیوں نہ نازل ہوئی۔ یہ لوگ حقیقت سے واقف نہیں۔ جب ہم بے گناہ ہیں تو رحمت کیوں نازل ہو۔ اس کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ جبری خواہ مخواہ شکوہ کرتے ہیں ان کا خانماں خراب ہو۔

چاہیے گر جنت، جز آدم وارثِ آدم نہیں
شوخیِ ایمانِ زاہد سستیِ تدبیر ہے

زاہد اگر جنت چاہتا ہے تو اسے جاننا چاہیئے کہ آدم کا وارث آدم ہی ہو سکتا ہے جنت آدم کی میراث ہے اس لئے ہمیں جنت میں داخلہ تو ملنا ہی ہے۔ زاہد اپنے ایمان کی تیزی جو دکھارہا ہے یہ تدبیر کی سستی ہے۔ اسے خاموش بیٹھ رہنا چاہیئے۔ جنت تو ہر اولادِ آدم کا حق ہے ہی۔

شب دراز و آتشِ دل تیز یعنی مثلِ شمع
مہ ز سر تا ناخنِ پا، رزقِ یک شب گیر ہے

شب گیر: نالۂ شب گیر۔ وہ نالہ جو آدھی رات کے بعد سے کیا جائے۔ رات لمبی ہے دل کی آگ تیز ہے وہ اتنی اونچی ہے کہ چاند تک پہنچ رہی ہے۔ ایک نالۂ شبگیر بلند ہوگا اور چاند کو سر سے پاؤں تک آگ میں لپیٹ لے گا۔ جیسے شمع کو شعلہ کھا جاتا ہے اس طرح چاند کو جلتا ہوا نالہ کھا لے گا۔

[illegible]

آب ہو جاتے ہیں ننگِ ہمتِ باطل سے مرد
اشک پیدا کر اسدؔ گر آہ بے تاثیر ہے

اگر ہمت کامیاب نہیں ہوتی یعنی باطل رہ جاتی ہے تو مرد شرم سے آب ہو جاتے ہیں اگر آہ نے تاثیر نہیں کی تو آب ہو کر آنسو پیدا کر۔ وہ کارگر ثابت ہوں گے۔

(۲۴۰)

یہ سرنوشت میں میری ہے اشک افشانی
کہ موجِ آب ہے ہر ایک چینِ پیشانی

میری قسمت میں اتنا آنسو بہانا لکھا ہے کہ آنسوؤں کی وجہ سے میری پیشانی لعرقِ آب رہتی ہے اور میرے ماتھے کی ہر شکن موجِ آب معلوم ہوتی ہے۔

جنونِ وحشتِ ہستی یہ عالم ہے کہ بہار
دکھے ہے کسوتِ طاؤس میں پرافشانی

ہستی کے قالب میں آکر وحشت خیزی کا ایسا زور ہو رہا ہے کہ بہار طاؤس کے بال و پر میں ظاہر ہوئی اور پرواز کر رہی ہے۔ طاؤس کی رنگینی کے پیشِ نظر اسے مجسم بہار قرار دیا۔ طاؤس صحرائی پرندہ ہے اس لیے اسے وحشت کی نشانی مانا۔

لبِ نگار میں آئینہ دیکھ آبِ حیات
بہ گم رہی سکندر ہے محوِ حیرانی

آبِ حیات نے محبوب کے ہونٹوں کا آئینہ دیکھا تو اسے نظر آیا کہ ان ہونٹوں میں جو حیات بخشی ہے اس کے مقابل خود اس میں (یعنی آبِ حیات میں) کوئی بھی صفت نہیں اس لئے وہ سکندر کی اس گمراہی پر حیران ہوا کہ وہ لبِ نگار کو چھوڑ کر اور کہیں آبِ حیات کی تلاش میں کیوں گیا

نظر بہ غفلتِ اہلِ جہاں ہوا ظاہر
کہ عید خلق پہ حیراں ہے چشمِ قربانی

مذبوح کی پتلی ٹھہر جاتی ہے جسے غالبؔ شدتِ حیرت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ عید قرباں میں مذبوح کی آنکھ اہلِ جہاں کی اس غفلت پر حیراں ہے کہ ہستی کا انجام دیکھتے ہوئے عید اور خوشی کا کیا موقع ہے۔

کہوں وہ مصرعِ برجستہ وصفِ قامت میں
کہ سرو ہو نہ سکے اس کا مصرعِ ثانی

میں محبوب کے طویل قد کی تعریف میں ایسا مصرع کہوں کہ سرو بھی اس کا مصرعِ ثانی نہ ہو سکے یعنی سرو قامت یار ہی سے نہیں بیانِ قامت یار سے بھی فروتر ہے۔

اسدؔ نے کثرتِ دل ہائے خلق سے جانا
کہ زلفِ یار ہے مجموعۂ پریشانی

چونکہ لوگوں کے اتنے سارے دل ہیں اور یہ ضروری ہے کہ وہ اس کی زلف میں اُلجھے ہوں گے اس سے اسدؔ نے نتیجہ اخذ کیا کہ یار کی زلف پریشانی کا مجموعہ ہے۔

(۲۲۱)

بے خود زبسکہ خاطرِ بے تاب ہو گئی
مژگانِ باز ماندہ رگِ خواب ہو گئی

رگِ خواب: بہارِ عجم کے مطابق ہر شخص کے بدن میں بعض مقامات ہوتے ہیں کہ انھیں پکڑنے سے یک گونہ بے ہوشی آتا ہے۔ یہی رگِ خواب ہے۔ میری بے تاب طبیعت فرطِ بے تابی سے بے خود و بے ہوش ہو گئی۔ نیند نہ آنے سے جو پلکیں کھلی تھیں وہ رگِ خواب یعنی بے ہوشی آور رگیں بن گئیں۔ رگ خاب کو پکڑ کر دبایا جائے تو بے تابی ہوتی ہے۔

آسی نے رگِ خواب کے محاورے کو صحیح نہیں سمجھا۔ شعر کے معنی لکھتے ہیں کہ "میرا دل چونکہ بہت بے قرار ہے اسی وجہ سے میری رگِ خواب بھی مژگانِ باز ماندہ بن گئی ہے یعنی یہی حالتِ خواب بھی بیداری بن گئی ہے۔ رگِ خواب ایک اصطلاح ہے جس سے سلسلۂ خواب، یا عالمِ خواب مراد ہے۔"

موجِ تبسمِ لبِ آلودہ مسی
میرے لئے تو تیغِ سیہ تاب ہو گئی

سیہ تاب: صیقل شدہ لوہے پر لیمو کا عرق لگا کر آگ پر سینکتے ہیں تو سیاہی آجاتی ہے اسے سیہ تاب کہتے ہیں۔ مسی آلودہ لب کی موجِ تبسم مجھے اتنی خوشگوار معلوم ہوئی اور اس نے مجھے اتنا تڑپایا جیسے کوئی سیاہ رنگ کی تلوار۔

رخسارِ یار کی جو کھلی جلوہ گستری | زلفِ سیاہ بھی شبِ مہتاب ہو گئی

یار کے گالوں کا جلوہ جو پھیلا تو کالی زلفیں چاندنی راتوں کی طرح نیم نورانی ہوگئیں۔

بیدادِ انتظار کی طاقت نہ لا سکی؟

اے جانِ برلب آمدہ بے تاب ہو گئی؟

اے ہونٹوں پر آئی ہوئی جان تو انتظار کی تکلیف کی تاب نہ لاسکی اور لبیں اسی سے بدامین بے تاب ہو کر ہونٹوں پر چلی آئی؟

غالب زبسکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک۔

آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہو گئی

غالب۔ آنکھوں میں آنسو یہاں تک سوکھ گئے ہیں کہ آنسو کی بوند نایاب موتی کی طرح ہو گئی

(۲۲۱)

ہر رنگِ سوز، پردۂ یک ساز ہے مجھے

بالِ سمندر، آئینۂ ناز ہے مجھے

ساز کا پردہ آواز پیدا کرتا ہے۔ مجھے ہر طرح کا سوز، جلن، غم خوشگوار معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ نغمۂ نالہ پیدا کرتا ہے۔ آگ میں رہنے والے سمندر کا بازو میرے لئے جاستے ناز ہے کیونکہ اس میں سوز کی انتہا ہے اور وہ میرے دل میں نغمہ اُکسائے گا۔ آئینۂ ناز سے مراد ناز کا دکھانے والا، آئینہ دارِ ناز ہے۔

طاؤسِ خاک حسنِ نظر باز ہے مجھے

ہر ذرہ چشمکِ نگہِ ناز ہے مجھے

ذراتِ خاک کو طاؤس سے تشبیہہ دی کیونکہ بعض اوقات ان میں ابرق کی سی چمک ہوتی ہے۔ حسنِ نظر باز: نظر ڈالنے والا حسین۔ خاک کے ذرے میرے لئے ایسے حسین کی طرح ہیں جو نگاہِ ناز سے اشارے کر رہا ہے۔

آغوشِ گل ہے آئینۂ ذرہ ذرہ خاک

عرضِ بہار، جوہرِ پرواز ہے مجھے

پرواز: تمہید، اُٹھان۔ جوہرِ پرواز: داغ بیل ڈالنے کا جوہر۔ خاک ہر چیز کا مادہ ہے اس لئے یہ ابتدائی جوہر ہوا۔ چونکہ ذرۂ خاک کو آئینہ کہا ہے اس لئے جوہر کا تصور پیش کیا۔ خاک کے یکدار ذرے آئینے کی طرح ہیں، میرے لئے یہ آغوشِ گل کی مانند ہیں اس طرح جوہرِ خاک میرے

لئے بہار کا منظر پیش کرتا ہے۔

ہے بوئے گل غریب تسلّی گہہ وطن
ہر جزوِ آشیاں، پرِ پرواز ہے مجھے

وطن تسلّی و راحت کی جگہ ہے۔ بوئے گل کا اور میرا ایک ہی وطن ہے، باغ میں میرا آشیاں تھا۔ بوئے گل وطن سے باہر اجنبی کی طرح آئی ہے اور مجھے وطن اور آشیاں کی یاد دلاتی ہے۔ آشیاں میں بوئے گل ایک جزوِ لاینفک تھی آشیاں کا ہر جزو مجھے وہاں واپس لوٹنے کیلئے پرِ پرواز عطا کرتا ہے اس لئے بوئے گل بھی مجھے آشیاں کی طرف جانے کیلئے اُکساتی ہے۔

ہے جلوۂ خیال، سویدائے مردمک
جوں داغ، شعلہ، سرِ خطِ آغاز ہے مجھے

سرِ خط: سرمشق، دیباچے کے علاوہ اس تحریر کو بھی کہتے ہیں جو مشقِ خط کیلئے لکھی جائے۔ سویدائے مردمک سے مراد آنکھ کی پتلی کا تِل ہے۔ چونکہ شعلہ جل بجھ کر داغ کی شکل پکڑ لیتا ہے۔ اس سے غالب نے خیال پیدا کیا کہ آنکھ کا تِل وہ داغ ہے جو خیال کے شعلے سے پیدا ہوا ہے خیال کی چمک آنکھوں میں دکھائی دیتی ہے۔

وحشت بہارِ نشّہ و گل ساغرِ شراب
چشمِ پری شفق کدۂ راز ہے مجھے

وحشت میرے لئے مستی کی بہار ہے۔ صحرا میں سیر کرتے ہوئے پھول جو نظر آتے ہیں وہ جامِ شراب ہیں۔ پری کی آنکھ راز کی رنگین دنیا ہے۔ پری کا تعلق جنوں آفرینی سے ہے۔ ساتھ ہی پری سے مراد حسینہ ہے۔ حسین آنکھ میں کیا کیا راز بھرے رہتے ہیں۔ شفق کدہ رنگین آنکھ کو کہیں گے۔ شفق خوش منظر ہوتا ہے اس لئے خوشنما آنکھ بھی شفق کدہ ہو جائے گی۔ وحشت، گل اور چشمِ پری تینوں چیزوں میں صحرائیت مشترک ہے۔

فکرِ سخن بہانۂ پردازِ خامشی
دودِ چراغ سرمۂ آواز ہے مجھے

چونکہ شاعر رات کو شعر کہتا ہے اس لئے غالب کے یہاں دودِ چراغ فکرِ سخن کی علامت ہے فکرِ سخن میرے لئے خامشی اختیار کرنے کا بہانہ ہے۔ چراغ کا دھواں میرے لئے سرمہ بن گیا جسے کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے۔ یعنی میں فکرِ شعر میں اتنا کھویا رہتا ہوں کہ لوگوں سے بات چیت

بھی نہیں کرتا۔ ہے خامہ فیضِ بیعتِ بیدلؔ بکف، اسدؔ
یک نیستاں قلمروِ اعجاز ہے مجھے

بیعت کسی کے ہاتھ پر کی جاتی ہے۔ یک نیستاں، کثرتِ مقدار ظاہر کرنے کی ترکیب ہے میرے ہاتھ میں قلم جو ہے وہ بیدل سے بیعت کرنے کی نشانی ہے۔ یہ میرے لئے اعجاز کی عملداری کی دُنیا ہے۔ یعنی قلم سے میں اعجاز کی مملکت پیدا کرتا ہوں۔

(۲۲۴)

نگاہِ یار نے جب عرضِ تکلیفِ شرارت کی
دیا ابرو کو چھیڑا اور اس نے فتنے کو اشارت کی

نگاہِ یار نے ابرو کو چھیڑ کر شرارت کی تکلیف دی۔ ابرو نے فتنے کو اشارہ کیا اور پھر فتنے کا بازار گرم ہوگیا۔

روانی موجِ مے کی، گر خطِ جام آشنا ہووے
لکھے کیفیت اس سطرِ تبسم کی عبارت کی

تبسم کو موج اور لہر سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہاں سطر سے مشابہ کیا ہے۔ موجِ شراب کی روانی اگر جامِ شراب کے خط سے واقف ہوجاوے تو دونوں مل کر محبوب کے تبسم کا بیان لکھ سکتے ہیں یعنی تبسمِ محبوب میں موجِ مے اور خطِ جام دونوں کی کیفیت ہے۔

شہِ گل نے کیا جب بندوبستِ گلشن آرائی
عصائے سبز دے نرگس کو دی خدمت نظارت کی

نظارت: نگہبانی۔ نظر رکھنا۔ وزارت کا عہدہ، ریاست جموں و کشمیر میں کلکٹری کو نظارت کہتے تھے۔ چونکہ نرگس کی تشبیہ آنکھ سے ہے اس لئے اسے ناظر کا عہدہ دیا۔ گل بادشاہ نے جب باغ کی آرائش کا انتظام کیا تو نرگس کو سبز شاخ یا عصا دے کر ناظر کے عہدے پر تعینات کیا۔

نہیں ریزشِ عرق کی اب اسے ذوبانِ اعضا ہے
تب خجلت سے نے یہ نبضِ رگِ گل میں حرارت کی

ذوبان: جب بیماری طول کھینچتی ہے اور موت پاس آجاتی ہے تو ہڈیاں پگھل کر معدے کو رطوبت بہم پہنچانے لگتی ہیں جس کا نتیجہ دستوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھول نے محبوب کو دیکھا تو شرمندگی سے اس پر بخار کی کیفیت طاری ہوگئی۔ یہ حرارت اس کی نبض میں اس حد تک سمائی

کر اسے پگھلا کر رطوبت جاری کر دی۔ یہ عرقِ گل نہیں ٹپک رہا بلکہ زبان ہے۔ پھول کا عرق نکالنے کی تاویل ہے۔

زبس نکلا غبارِ دل بہ وقتِ گریہ آنکھوں سے
اسدؔ کھائے ہوئے سرمے نے آنکھوں میں بصارت کی

غم، شکوہ، گھٹن کو غبار سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ یہ نکل جائے تو نظر وسیع اور کشادہ ہو جاتی ہے۔ غبار کی مماثلت سرمے سے بھی ہے سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے لیکن آنکھوں میں لگانے سے روشنی بڑھتی ہے۔ ہم نے غبارِ غم کا سرمہ کھایا ہوا تھا جس کی وجہ سے گم سم رہتے تھے یہ غبار دل میں جاگزیں ہو گیا تھا۔ ہم روئے تو آنکھوں کی راہ یہ غبار نکلا نہ صرف یہ کہ آواز کھُل گئی۔ بلکہ یہ سرمہ آنکھ میں لگنے سے نظر بھی روشن تر ہو گئی۔

(۲۲۴)

خدایا دل کہاں تک دن بہ صد رنج و تعب کاٹے
خمِ گیسو ہو شمشیرِ سیہ تاب اور شب کاٹے

سیہ تاب: لوہے پر عرقِ لیمو لگا کر سینکنے سے سیاہ رنگ آجاتا ہے۔ ایسی تلوار کو شمشیرِ سیہ تاب کہیں گے دن سے مُراد دن رات یعنی ایام ہیں۔ خدایا دل رنج و الم کے ساتھ کس طرح وقت گزارے خصوصاً شبِ فراق کتنا محال ہو جاتا ہے۔ کاش محبوب کے خمِ گیسو میسّر آجائیں وہ کالی تلوار بن کر رات کو کاٹ دیں یعنی وہ گیسو میرے پاس ہو جائیں اور میں وصل کی خوشی میں رات گذار سکوں۔ دن اور شب کا تضاد ارادی ہے۔

کریں گر قدرِ اشکِ دیدۂ عاشق خود آرایاں
صدف دندانِ گوہر سے بہ حسرت اپنے لب کاٹے

خود آرا حسین آرائش کیلئے موتیوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر عاشق کے آنسوؤں کی قدر کریں تو صدف موتیوں کے دانت سے اپنے ہونٹ کاٹے۔ دانتوں سے ہونٹ کاٹنا افسوس کے عالم میں ہوتا ہے۔ اگر حسین آنسوؤں کی قدر کریں تو صدف کو معلوم ہو کہ آنسو اس کے موتیوں سے زیادہ بیش بہا ہیں۔

دریغا وہ مریضِ غم کہ فرطِ ناتوانی سے
بہ قدرِ یک نفس جادہ بہ صد رنج و تعب کاٹے

سانس کا سلسلہ ایک راستہ ہے۔ اس غم کے مریض پر افسوس ہے جو ایک سانس بھر کا راستہ

سو رنج و مصیبت سے کاٹے یعنی جسے ایک سانس لینا بھی بڑی مصیبت ہو۔

یقیں ہے آدمی کو دست گاہِ فقر حاصل ہو
دمِ تیغِ توکل سے اگر پائے سبب کاٹے

سبب: رسّی، وہ چیز جو دوسری چیز کے ملنے کا ذریعہ ہو۔ اگر آدمی توکل کی تلوار سے اشیا کو حاصل کرنے کے ذریعوں کو کاٹ دے تو فقر کی قدرت حاصل ہو جائے گی یعنی اشیائے عالم حاصل کرنے کی جدّ و جہد نہ کرے وسیلے فراہم نہ کرے بلکہ توکل کر کے بیٹھ جائے تو فقر کی دولت حاصل کرے گا۔ سبب کی رسّی کو توکل کی تلوار کی دھار سے کاٹنا برجستہ تشبیہ ہے۔

اسد مجھ میں ہے اس کے بوسۂ پا کی کہاں جرأت
کہ میں نے دست و پا باہم بہ شمشیرِ ادب کاٹے

میں نے ادب کی تلوار سے اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے ہیں اس لئے میں اس کے بوسۂ پا کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ ادب کی پابندی کی وجہ سے میرے ہاتھ پاؤں کسی بے ادبی کیلئے راضی نہیں ہو سکتے۔

(۲۲۵)

ہوا جب حسن کم، خط بر عذارِ سادہ آتا ہے
کہ بعد از صافِ مے ساغر میں دُردِ بادہ آتا ہے

جب حسن میں کمی ہو جاتی ہے تو حسینوں کے صاف گالوں پر خط نکلنے لگتا ہے جس طرح دردِ شراب میں صاف شراب کے بعد تلچھٹ آتی ہے۔ خط کو دُرد سے تشبیہہ دی ہے۔

نہیں ہے مزرعِ الفت میں حاصل غیر پامالی
نظر دانہ، سرشکِ بر زمیں افتادہ آتا ہے

عشق کی کھیتی میں پامالی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ زمین پر گرنے والا آنسو ہی اس کھیتی کا دانہ ہے۔ کاشتکاری میں دانہ زمین میں گر کر پامال ہوتا ہے۔ زمین پر گرنے والا آنسو بھی اس کی طرح پامال ہوتا ہے اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ دوسرے مصرع کی نثر ہو گی سرشکِ بر زمیں افتادہ دانہ نظر آتا ہے۔ ترتیبِ الفاظ میں تعقید ہے۔

محیطِ دہر میں بالیدن از ہستی گزشتن ہے
کریاں ہر اک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے

دُنیا کے سمندر میں بڑھنا زندگی سے گزرنے کے معنی رکھتا ہے جیسے حباب سمندر میں پیدا

ہو کر بڑھتا ہے اور بڑھتے ہی ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح جو انسان پیدا ہوتا ہے اس کی بالیدگی میں موت پوشیدہ ہے۔

دیارِ عشق میں جاتا ہے جو سوداگری ساماں
متاعِ زندگانی ہا بہ غارت دادہ آتا ہے

سوداگری ساماں: تجارت پیشہ یعنی سوداگر۔ متاعِ زندگانی ہا: کئی زندگیوں کی کمائی یا زندگی کی متاع۔ عشق کے ملک میں جو تجارت کرنے جاتا ہے وہ زندگی کی پونجی لٹا دیتا ہے یعنی جان دے دیتا ہے یا زندگی بھر کی کمائی لٹا دیتا ہے۔

اسد وارستگاں باوصفِ ساماں بے تعلق ہیں
صنوبر گلستاں میں با دلِ آزادہ آتا ہے

اسد آزاد لوگ (فقیر منش) دنیوی سامان کے باوجود اس سے بے تعلق رہتے ہیں مثلاً صنوبر میں پتے وغیرہ ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اس کا دل آزاد ہوتا ہے۔ اردو روایات میں سرو و صنوبر کو آزاد باندھتے ہیں۔

(۲۲۶)

بہ فکرِ حیرتِ رم، آئینہ پردازِ زانو ہے
کہ مشکِ نافہ تمثالِ سوادِ چشمِ آہو ہے

زانو فکر کی علامت ہے کیونکہ زانو پر سر رکھ کر غور کیا جاتا ہے۔ آئینہ حیرت کی نشانی ہے۔ اس شعر میں مشک نافہ بہ شکم آہو کا ذکر نہیں بلکہ شکمِ آہو سے جدا نافے کا مذکور ہے۔ مشک نافہ ہرن کی آنکھ کی سیاہی کی تصویر ہوتا ہے۔ ہرن کی آنکھ کو رم کی فکر رہتی ہے۔ مشک نافے کی خوشبو بھی تیزی سے اڑتی جاتی ہے اس طرح مشکِ نافہ رم کی فکر یا حیرتِ رم کی فکر میں آئینہ بہ زانو ہے یعنی محوِ فکر و محوِ حیرت ہے۔ مشک نافے کے آئینہ بہ زانو ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ بظاہر کوئی وجہ تشبیہ موجود نہیں۔

ترحم میں ستم کوشوں کے ہے سامانِ خوں ریزی
سرشکِ چشمِ یار، آبِ دمِ شمشیرِ ابرو ہے

آب کے معنی پانی بھی ہیں اور تلوار وغیرہ کی دھار بھی۔ یہ شعر معنی کی اسی دو رنگی پر مبنی ہے۔ ظالموں کے رحم میں بھی خوں ریزی کا سامان ہوتا ہے۔ محبوب کسی پر رحم کھا کر آنکھ سے آنسو بہائے تو وہ آنسو کا پانی نہیں بلکہ شمشیرِ ابرو کی آب ہے یعنی اس سے ابرو میں اور بانکپن اور کاٹ آجائے گی

کرے ہے دست فرسودِ ہوس وہم توانائی

پرِ افشاندہ در کنجِ قفس تعویذِ بازو ہے

دست فرسود: وہ سامان جو استعمال میں لانے کے بعد برباد کر دیا گیا ہو۔ ہوس کسی سامان کو استعمال کر کے ختم کر دے تو اس سے صاحب ہوس کی توانائی کا شائبہ ہوتا ہے۔ کنجِ قفس میں ہوسِ پرواز ہوئی۔ جد و جہد میں کچھ پر جھاڑ دئے ان سے مرغِ قفس کی توانائی ظاہر ہوئی۔ بازو پر تعویذ بندھا ہو تو یہ بھی طاقت کا اظہار کرتا ہے اس طرح جھڑے ہوئے پر تعویذِ بازو کی طرح مظہرِ قوت ہیں۔

ہوا چرخِ خمیدہ ناتواں بارِ علائق سے

کہ ظاہر پنجۂ خرشید دستِ زیرِ پہلو ہے

مفہوم کا زور ناتوانی پر ہے علائق پر نہیں چنانچہ دوسرا مصرع ناتوانی کی تائید میں ہے۔ تعلقات کے بوجھ سے آسمان خمیدہ اور ناتواں ہو گیا۔ کمزور آدمی بالخصوص وہ مزدور جو بوجھ سے لدا ہو ہاتھ کو پہلو پر رکھ کر سہارا دیتا ہے۔ آسمان نے بھی پنجۂ خرشید سے ہاتھ زیرِ پہلو رکھا ہوا ہے یعنی کمر کو سہارا دے رہا ہے۔

اسدؔ تا کے طبیعت طاقتِ ضبطِ الم لاوے؟

فغاں دل بر پہلو نالۂ بیمارِ بد خو ہے

اسد طبیعت کب تک ضبطِ الم کی طاقت پیدا کرے۔ ہم ضبط نہیں کر سکتے اور فغاں کرنے پر مجبور ہیں۔ میرے پہلو کے ساتھ ساتھ فغاں کرنے والا دل لگا ہوا ہے اور یہ ایسا ناگوار معلوم ہوتا ہے جیسے ہر وقت چلانے والا بد مزاج بیمار۔

(۲۲۷)

خبر نگہہ کو نگہہ چشم کو عدو جانے

وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو جانے

تو اس طرح جلوہ ریزی کر کہ نہ مجھے اور نہ تجھے معلوم ہو نہ میرے اعضا کو۔ خبر نگہہ کو نہ بتائے اور نگہہ کو معلوم ہو تو چشم کو نہ بتائے جس طرح دشمنوں سے بات چھپائی جاتی ہے اس طرح خبر نگہہ سے اور نگہہ چشم سے راز رکھے۔ جلوہ غیر محسوس روحانی طریقے پر منعکس ہو جائے۔

نفس بہ نالہ رقیب و نگہ بہ اشک عدو
زیادہ اس سے گرفتار ہوں کہ تو جانے

تو مجھے جتنا پھنسا ہوا سمجھتا ہے میں اس سے کہیں زیادہ پھنسا ہوا ہوں۔ سانس سے نالہ کیا جاتا ہے اور آنکھ یا نگاہ کے مقام سے آنسو بہائے جاتے ہیں لیکن میرا سانس نالے کا دشمن ہے اور نگہ آنسو کی دشمن گویا ایک کش مکش کا عالم ہے۔

بہ کسوتِ عرقِ شرم قطرہ زن ہے خیال
مُباد، حوصلہ معذورِ جستجو جانے

قطرہ زن: دوڑتا ہوا۔ ہمارا خیال دراصل جامد ہو کر رہ گیا ہے لیکن ایسا ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اسے شرم کی وجہ سے جو پسینہ آ رہا ہے وہ اس عرقِ شرم کے لباس میں قطرہ زن ہے۔ قطرہ زن کے لفظی معنی قطرہ ٹپکانے والا اور مجازی معنی دوڑنے والا ہے۔ شعر اسی لفظی اُلٹ پھیر پر مبنی ہے۔ ہمارا خیال عرقِ شرم کے پردے میں دوڑ رہا ہے تاکہ حوصلہ اسے جستجو کے باب میں معذور نہ سمجھے۔ یعنی خیال دراصل معذور ہے لیکن عرقِ شرم بہا کر یہ ظاہر کر رہا ہے کہ بڑی دوڑ دھوپ کی ہے۔

جنوں فسردۂ تمکیں ہے، کاش عہدِ وفا
گدازِ حوصلہ کو پاسِ آبرو جانے

آسی نے تمکین کو محبوب سے منسوب کیا ہے میرے خیال میں عاشق کی تمکین کا ذکر ہے۔ محبوب نے کہا کہ تمہارے جنوں سے تمہاری اور میری آبرو پر حرف آتا ہے۔ اگر مجھ سے وفا کرنا چاہتے ہو تو عہد کرو کہ حوصلے سے کام لو گے اور تمکین یعنی استقلال برقرار رکھو گے۔ ہم اسی طرح رہ رہے ہیں لیکن اس تمکین نے جنوں کو افسردہ کر دیا ہے۔ کاش محبوب سے باندھا ہوا عہدِ وفا حوصلے کو پگھلا کر ختم کر دینے کو نشانِ آبرو جانے تاکہ ہم کھل کر جنوں کی داد دیں۔

نہ ہووے کیونکہ اسے فرض قتلِ اہلِ وفا
لہو میں ہاتھ کے بھرنے کو جو وضو جانے

جو خون میں ہاتھ بھرنے کو اتنا اچھا کام سمجھتا ہو جیسے وضو کرنا وہ اہلِ وفا عاشقوں کو قتل کرنا بھی نماز کی طرح فرض جانے گا۔

زباں سے عرضِ تمنائے خامشی معلوم | گرہ خانہ براندازِ گفتگو جانے

خانہ برانداز: گھر لٹانے والا، محبوب۔ زباں سے خامشی کی عرضِ تمنا معلوم ہے۔ یعنی ہماری خاموشی زبان سے کام نہیں لے گی۔ خامشی کی عرضِ تمنا یعنی میری خاموشی کے نیچے بھی تمنا کا اظہار گی۔ ہاں وہ خانہ براندازِ گفتگو (یعنی بہت بولنے والا محبوب) ہماری خاموشی ہی سے اظہارِ مطلب مجھ لے تو سمجھ لے۔ آسی نے اس شعر کے معنی یوں لکھے ہیں۔

"یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کبھی میری خاموشی زبان سے تمنا کرے گا بس اب تو اسی طرح کام چل سکتا ہے کہ وہ خانہ برانداز میری خامشی کو بھی گفتگو سمجھ لے"۔ میں خانہ برانداز پر اضافت لگانا بہتر سمجھتا ہوں۔ اپنی خامشی کا تضاد اس کی شگفتہ بیانی سے کیا ہے۔

مسیحِ کشتۂ اُلفت ببر علی خاں ہے

کہ جو اسدؔ، تپشِ نبضِ آرزو جانے

معلوم نہیں ببر علی خاں کون بزرگ ہیں۔ بہر حال عشق کے مارے کے جاں بخش مسیح یہ ہیں جو آرزو کی نبض سے تڑپنے سے واقف ہیں۔

(۲۲۸)

دیکھ تری خوئے گرم، دل بہ تپش رام ہے

طائرِ سیماب کو شعلۂ رگِ دام ہے

تیری گرم مزاجی کو دیکھ کر میرے دل نے طے کیا کہ ایسے غضب ناک محبوب سے رجوع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ دور رہ کر تڑپا جائے۔ چنانچہ دل اب بے قراری سے راضی ہو گیا ہے۔ یہ تڑپنے والا دل سیماب کے پرندے کی طرح ہے اور اس کی گرم طبیعت شعلہ۔ سیماب شعلے سے دور رہنا چاہتا ہے۔ میرے دل کا طائرِ سیماب تمہارے شعلہ مزاج کو تارِ دام مان کر اس سے گریزاں ہے۔

آسی نے دوسرے معنی لکھے ہیں اور وہ بھی ممکن ہیں۔ تیری خوئے گرم دیکھ کر میرا دل مطیعِ تپش ہو گیا ہے گویا طائرِ سیماب شعلہ کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ طائرِ سیماب دل ہے اور دامِ شعلہ اس کی خوئے گرم،

میرے معنی کے مطابق دل اس کی خوئے گرم سے گریزاں ہے اور آسی کے مطابق اس پر راضی ہو گیا ہے۔

شوخیِ چشمِ حبیب فتنۂ ایام ہے

قسمتِ بختِ رقیب گردشِ صد جام ہے

محبوب کی آنکھ کی شوخی زمانے میں فتنہ بپا کرنے والی ہے اس کے باوجود جہاں تک رقیب کا تعلق ہے اس کی قسمت گردشِ صد جام سے بہرہ ور اور کامراں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چشمِ حبیب کا فیض ہوگا۔ قسمتِ بخت میں ایک لفظ زائد ہے۔

جلوۂ بینش پناہ، بخشے ہے ذوقِ نگاہ

کعبۂ پوشش سیاہ، مردمک احرام ہے

محبوب کا جلوہ بینائی کو پناہ دیتا ہے عاشقوں کو نگاہ کرنے کا ذوق دیتا ہے۔ یہ جلوہ سیاہ پوشش والا کعبہ ہے جس کی زیارت کرنے کے لئے چشمِ عاشق پتلی کا احرام باندھ کر جا رہی ہے۔ جلوہ کو سیاہ پوش ماننے کا سامان کہاں سے پیدا کیا جائے۔ غالباً بینش پناہی سے۔ بینش آنکھ سے نکلتی ہے جو سیاہ ہوتی ہے۔ بہت سے لوگوں کی بینائی کا مرجع ہونے کی وجہ سے جلوہ بھی سیاہ پوش ہو گیا۔ چونکہ کعبے کا غلاف سیاہ ہوتا ہے اس لئے جلوہ کو بھی غالب نے زبردستی سیاہ پوش کر دیا۔ عاشق کی مردمک احرام ہے کس کا احرام؟ نگاہ یا بینش کا جو اس کعبے میں حج کے لئے جا رہی ہیں۔

کو نفس وجہ غبار، جراُتِ عجز آشکار

در تپش آبادِ شوق، سرمہ، صدا نام ہے

ہم عشق میں بہت تڑپ رہے ہیں۔ دل میں بڑا غبار بھرا ہے۔ سوچتے ہیں محبوب سامنے آئے تو قوتِ تنفس سے کام لے کر خوب خوب بولیں اور غبارِ شکوہ اگل دیں۔ لیکن کہاں کا نفس گفتگو اور کہاں کا غبار۔ عجز و معذوری کی جراُت ظاہر ہے۔ یعنی ہے ہی نہیں۔ عشق کے تپش زار میں سرمہ صدا کے نام سے چلتا ہے۔ سرمہ کھانا خاموشی ظاہر کرتا ہے۔ دل میں غبار ہے تو وہ سرمہ ہوا جو خاموشی پر مجبور کرے گا۔ اسی کو صدا کہنا چاہو تو کہہ لو۔

غفلتِ افسردگی تہمتِ تمکیں نہ ہو

ہے ہمہ خوابِ گراں، حوصلہ بدنام ہے

تمکیں: استقلال، ضبط۔ اس میں اندیشہ یہ ہے کہ عاشق کو عشق سے عاری سمجھ لیا جائے اور اس کے حوصلے پر حرف آئے۔ کہتے ہیں میں افسردگی اور مایوسی کی وجہ سے غفلت کے عالم میں ہوں خلق اسے ضبط نہ سمجھ بیٹھے جو جوشِ عشق کی کمی ظاہر کرتا ہے۔ اے غفلت یا بے ہوشی کی گہری نیند تیری وجہ سے میرا حوصلہ بدنام ہے۔ اٹھ اور ذرا شور شرابہ کر تاکہ مجھے بھی اوّل درجے کا عاشق مانا جائے۔

بزم، وداعِ نظر، یاس، طرب نامہ بر
فرصتِ رقصِ شرر، بوسہ بہ پیغام ہے

دُنیا کی محفل کیا ہے۔ اتنی مختصر اور آنی وفانی ہے کہ محفل میں آنا وداعِ نظر ہے یعنی یہاں سے نظر وداع ہونے والی ہے۔ یہاں طرب نامہ لے جانے والا کون ہے؟ یاس یعنی یاس ہی یہاں کی طرب ہے۔ زندگی رقصِ شرر کی مہلت رکھتی ہے جیسے چنگاری نکلتی ہے اور فوراً بجھ جاتی ہے وہی عالم ہے۔ بوسہ بہ پیغام: غیر کی وساطت سے حصولِ مقصود یا کنایہ از امرِ محال۔ زندگی محض پیغام کا بوسہ ہے محبوب کا بوسہ نہیں یعنی محض خالی خولی چیز ہے جس میں کا طرح کی نہیں۔

گریہ طوفاں رکاب، نالۂ محشر عناں
بے سروساماں اسدؔ، فتنہ سرانجام ہے

جو اسدؔ بظاہر بے سروساماں نظر آتا ہے وہ ایسا گریہ رکھتا ہے جو طوفاں رکاب ہے، اور اس کے پاس ایسا نالہ ہے جو محشر عناں ہے۔ اس طرح اسد بڑا فتنہ برپا کرنے والا ہے۔
طوفاں رکاب: جس کی رکاب میں طوفاں ہو۔ محشر عناں: جو محشر جیسی عناں رکھتا ہو یا محشر کی عناں اپنے قبضے میں رکھتا ہو۔

(۲۲۹)

کاوشِ دزدِ حنا، پوشیدہ افسوں ہے مجھے
ناخنِ انگشتِ خوباں، نعلِ واژوں ہے مجھے

نعلِ واژوں: مویشیوں کے چور اپنے ہمراہ ایسے اُلٹے بنے ہوئے نعل لاتے ہیں جو مویشی کے کھروں پر پہنا دئے جائیں اور وہ چلے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخالف سمت کو گیا ہے۔ اس لئے نعلِ واژوں کسی کام کو اس طرح کرنے کو کہتے ہیں کہ دوسروں کو اس کا سراغ نہ مل سکے۔
دزدِ حنا: مہندی لگانے میں کسی حصے میں سفید ہی رہ جانا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ناخن سفید رہ گیا ہے۔ دزدِ حنا کی کاوش و کوشش میرے نزدیک کسی چھپے ہوئے جادو کی نشاندہی کرتی ہے حسینوں کی اُنگلی کا ناخن الٹی نعل کی طرح ہے تاکہ عشاق کو گمراہ کرے اور عشاق کی ان ہاتھوں تک رسائی نہ ہو سکے۔

ریشۂ شہرت دوانیدن ہے رفتن زیرِ خاک
خنجرِ جلاد، برگِ بید مجنوں ہے مجھے

بیدِ مجنوں کے پتے چرے ہوئے اور آشفتہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے مجنوں کہتے ہیں۔ نیز ان پتوں کا رُخ زمین کی طرف کو ہوتا ہے۔ اپنے عجیب نام کی وجہ سے بیدِ مجنوں مشہور ہے۔ کہتے ہیں جلاد کا خنجر مجھے زیرِ خاک پہنچا دے گا اور شہید ہونے سے میں مشہور ہو جاؤں گا جیسے مائل بہ خاک ہونے سے بیدِ مجنوں مشہور ہو گیا۔ بیدِ مجنوں کا باریک پتہ خنجر سے مشابہ بھی ہوتا ہے کوئی بھی ریشہ زیرِ خاک ہی دوڑایا جاسکتا ہے۔ شہرت کا ریشہ بھی اسی صورت میں پھیلے گا اور بالیدہ ہوگا۔

ساقیا دے ایک ہی ساغر میں سب کو مَے کہ آج
آرزوے بوسۂ لب ہائے میگوں ہے مجھے

ساقی مجھے محبوب کے شراب آلودہ ہونٹوں کے بوسے کی آرزو ہے۔ آج تو سب کو ایک ہی پیالے سے شراب پلا۔ ظاہر ہے کہ مجھ سے پہلے محبوب کو پیالہ دیا جائیگا۔ اس کے بعد اسی پیالے میں میں پیوں گا تو کنارِ ساغر میں اس کے ہونٹوں کے لمس کا اثر ہوگا۔ اس طرح بالواسطہ میرے ہونٹ اس کے ہونٹ سے مل سکیں گے۔

ہو گئے باہم دگر جوشِ پریشانی سے جمع
گردشِ جامِ تمنا، دورِ گردوں ہے مجھے

میری پریشانی سے دونوں یکجا ہو گئے۔ دورِ گردوں تو میرے خلاف گھومتا ہی تھا۔ جامِ تمنا نے بھی دورِ گردوں کے قرب سے وہی رنگ اختیار کیا اور وہ بھی مجھ سے بچ کر گردش کرتا رہا۔

دیکھ لی جوشِ جوانی کی ترقی بھی کہ اب
بدر کی مانند کاہش روز افزوں ہے مجھے

جوانی کو ترقی کی فصل مانا جاتا ہے میں نے جوشِ جوانی کو بھی دیکھ لیا۔ نقطۂ عروج کے بعد مسلسل زوال ہونے لگتا ہے۔ بدر یعنی پورا چاند روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ جوشِ جوانی سے مجھے کیا خوشی کیونکہ اس کے بعد روز روز میرے قویٰ مضمحل ہوتے جا رہے ہیں۔

غنچگی ہے، بر نفس پیچیدنِ فکر اے اسد
واشگفتنہاے دل در رہنِ مضموں ہے مجھے

جب میں فکرِ شعر میں پیچ و تاب میں غرق ہوتا ہوں تو طبیعت غنچے کی طرح بند ہوتی ہے۔ جب مضمون کو ادا کر دیتا ہوں تو دل کھل جاتا ہے۔ گویا دل کا کھلنا مضمون کو دوسروں کے

پاس ارمغاں کر دینے ہی میں ہے۔

(۲۴۰)

دلا عبث ہے تمنائے خاطر افروزی

کہ بوسۂ لبِ شیریں ہے اور گلو سوزی

گلوسوزی: بہت میٹھی چیز کو کھانے کے بعد کی کیفیت۔ چونکہ میٹھے کے بعد گلے میں پیاس لگتی ہے اس لئے گلو سوزی کہا گیا۔ لفظی معنی گلے کا جلنا ہیں جو غیر مستحسن حالت ہے۔ اے دل طبیعت کے خوش ہونے کی تمنا فضول ہے۔ محبوب کے میٹھے ہونٹوں کا بوسہ لینے کے بعد بھی راحت نہ ملے گی بلکہ مٹھاس کے سبب گلو سوزی ہو گی۔ گلو سوزی یعنی گلے کا جلنا دل افروزی کا موجب نہیں ہو سکتا۔

طلسمِ آئینہ، زانوئے فکر سے ہے غافل

ہنوز حسن کو ہے سعیِ جلوہ اندوزی

زانو پر سر رکھ کر فکر کیا جاتا ہے۔ زانو اور آئینے کا تعلق ہے کیونکہ زانو پر آئینہ رکھتے ہیں۔ آئینہ فکر پیدا کرنے والے زانو کی طرح ہے جس کے سہارے حسین لوگ اپنی دل کشی کو بڑھانے کی فکر کر رہے ہیں۔ آرائش کے وقت آئینہ دیکھ کر جلوہ افزائی کی کوشش کی جاتی ہے اس کوشش کو زانوئے فکر قرار دیا جائے۔

ہوئی ہے سوزشِ دل بسکہ داغِ بے اثری

اُگی ہے دودِ جگر سے شبِ سیہ روزی

دودِ جگر: آہ۔ سیہ روزی: مصیبت زدگی۔ سوزشِ دل کا محبوب پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ بے اثری سے داغ ہے یعنی صدمہ زدہ ہے۔ جگر کے دھوئیں نے آفت زدگی کی رات پیدا کر دی ہے یعنی ہماری آہ بے اثر ہے اور ہم رنج و قلق میں گزار رہے ہیں۔

بہ پرفشانیِ پروانۂ چراغِ مزار!

کہ بعدِ مرگ بھی ہے لذتِ جگر سوزی

میں چراغِ قبر پر جلنے والے پروانے کے پر جھاڑنے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرنے کے بعد بھی مجھے جگر سوزی کی لذت کا احساس ہے۔ ظاہر ہے کہ پروانے کے جلنے سے جگر سوزی کی یاد تازہ ہو جاتی ہو گی۔

تپش تو کیا نہ ہوئی مشق پرفشانی بھی
رہا میں ضعف سے شرمندۂ نو آموزی

چاہیئے یہ تھا کہ میں خوب پرواز کرتا اور تڑپتا بے قرار ہوتا لیکن ضعف کی وجہ سے یہ حال ہوا کہ اُڑنا شروع کیا تھا اور بس نو آموزی ہی کی حالت رہی۔ پرفشانی میں کامل نہ ہو سکا۔

اسد ہمیشہ پئے کفش پائے سیم تناں
شعاعِ مہر سے کرتا ہے چرخ زردوزی

اسد جانتا ہے جیسے بدن والوں کی جوتی کیلئے آسمان سورج کی کرنوں سے زردوزی کرتا رہتا ہے۔ آسمان اور سورج کو سیم تنوں کی ملازمت میں دکھایا ہے۔

(۲۳۱)

محوِ آرامیدگی سامان بے تابی کرے
چشم میں توڑے نمکداں تا شکرخوابی کرے

آنکھ میں نمکداں توڑنا: آنکھ میں نمک چھڑکنا جس سے درد پیدا ہوگا۔ شکرخوابی: میٹھی نیند۔ اذیت پرست عاشق الٹی طبیعت کا ہوتا ہے۔ اسے درد میں آرام ملتا ہے۔ اسی زاویۂ نظر سے کہتا ہے کہ جو آرام کرنا چاہتا ہے وہ بے تابی کے لوازم اکٹھا کرے۔ آنکھ میں بہت سا نمک جھونک لیا جائے تو میٹھی نیند آئے گی۔ نیند آئے یا نہ آئے دل کو تو اطمینان ہوگا کہ ہم آزارکش ہیں۔

آرزوئے خانہ آبادی نے ویراں تر کیا
کیا کروں، گر سایۂ دیوار سیلابی کرے

میں نے گھر کو جتنا بھی آباد کرنا چاہا اتنا ہی ویران ہوا۔ دیوار بنائی جاتی ہے تاکہ گھر کا احاطہ ہو لیکن میرے لئے سایۂ دیوار نمی پیدا کرکے دیوار کی بیخ کنی کرنے والا سیلاب ثابت ہوا۔ کیا کروں اگر میری آبادی میں بربادی پوشیدہ ہو۔

نغمہ ہا وابستۂ یک عقدۂ تارِ نفس
ناخنِ تیغِ بتاں شاید کہ مضرابی کرے

تیغ ناخن سے مشابہ ہوتی ہے اور ناخن مضراب کی طرح تار کو چھیڑتا ہے۔ میرے سانس کے تار میں ایک گرہ پڑی ہے جس میں بہت سے نغمے بند ہیں۔ بتوں کی تلوار اس تار پر مضراب

بن جائے تو خوب ہو۔ تلوار سے تارِ نفس کو چھیڑا جائے گا تو نتیجہ موت ہوگا۔ شاعر کی مایوسی اس حد تک ہے کہ اپنی جان دے کر ہی نغمہ پیرا ہو سکتا ہے۔

صبح دم وہ جلوہ ریزِ بے نقابی ہو اگر
رنگِ رخسارِ گلِ خورشید، مہتابی کرے

مہتابی: رنگ کا شکستہ ہونا۔ اگر وہ محبوب صبح کے وقت بے نقاب ہو کر جلوہ دکھائے تو سورج کے گال کا رنگ شکستہ ہو جائے۔ آسی نے گلِ خورشید کے معنی سورج مکھی کا پھول لئے ہیں لیکن اس سے جلوہ کی کوئی خاص برتری ظاہر نہیں ہوتی۔ سورج ہی مراد ہے۔ مہتابی کے معنی انھوں نے چاندنی پھیلنا لکھے ہیں۔ یہاں یہ مراد نہیں۔ مہتابی کے ایک معنی رنگ کے شکستہ ہونے کے ہیں اور یہاں اسی کا اطلاق ہوتا ہے۔

زخم ہائے کہنۂ دل رکھتے ہیں جوں مردگی
اے خوشا، گر آبِ تیغِ ناز تیزابی کرے

دل کے پرانے زخموں میں مردہ ہونے کی سی کیفیت آچلی ہے کیا اچھا ہو اگر محبوب کی تیغِ ناز کی آب تیزاب کا سا کام کرے۔ تیزاب سے میل کٹتا ہے۔ آب تیغ زخموں پر تیزاب بن کر گرے۔ ظاہر ہے کہ تیزاب، زخم کو اور شدید کر دے گا۔ ہاں مردگی ختم ہو کر زخم میں جلن پیدا ہو جائے گی۔ آب اور تیزاب کے اشتراک پر اس شعر کی بنیاد قائم ہے۔

بادشاہی کا جہاں یہ حال ہو غالب تو پھر
کیوں نہ دلّی میں ہر اک ناچیز نوابی کرے

جب بادشاہ ہی اتنا کم استطاعت ہو تو پھر دلّی میں چھوٹے موٹے لوگ خود کو نواب کہنے لگیں تو کیا عجب ہے۔

(۲۳۲)

صبح سے معلوم آثارِ ظہورِ شام ہے
غافلاں، آغازِ کار، آئینۂ انجام ہے

صبح سے شام کے ظہور کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ہر کام کے آغاز میں اس کے انجام کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگر لوگ نہیں دیکھ پاتے تو وہ غافل ہیں۔

بسکہ ہے صیاد راہِ عشق میں محوِ کمیں
جادۂ رہ سربسر، مژگانِ چشمِ دام ہے

عشق کے راستے میں صیاد گھات لگائے ہے۔ اس علاقے میں راستے کی لکیر، جال کے حلقے کی رسی ہے جو گرفتار کرنے کے درپے ہے۔ مژگانِ چشمِ دام سے مراد جال کے حلقے کے تار ہیں

بسکہ تیرے جلوۂ دیدار کا ہے اشتیاق
ہر بتِ خورشید طلعت آفتابِ بام ہے

آفتابِ لبِ بام زوال آمادہ آفتاب کو کہتے ہیں۔ آفتابِ بام میں بھی وہ اشارہ مضمر ہے۔ تیرے جلوۂ دیدار کے اشتیاق میں سورج سے چہرے والے حسین بام پر کھڑے ہیں تاکہ تو گزرے تو دیکھ سکیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ تو تمام حسینوں سے زیادہ حسین ہے۔

مستعدِ قتلِ یک عالم ہے جلادِ فلک
کہکشاں موجِ شفق میں تیغِ خوں آشام ہے

شاعر نے یہ دکھایا ہے کہ دُنیا میں ہر طرف انسان کیلئے سامانِ آزار ہے۔ جلادِ فلک، مریخ تارے کو کہتے ہیں۔ جلادِ فلک دُنیا بھر کو قتل کرنے پر تیار ہے۔ دن اور رات کے ملتے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شفق کی ہلکی سُرخی موجود ہوتی ہے اور کہکشاں بھی دھندلا دھندلا نظر آتا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر شاعر نے کہا کہ کہکشاں خون پینے والی تلوار کی طرح ہے۔ چونکہ شفق کی وجہ سے اس میں سُرخی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ خون بہانے کی شائق ہے۔ کہکشاں اور شفق کا اجتماع مناسب نہیں۔

کیا کمالِ عشق، نقص آبادِ گیتی میں ملے
پختگی ہائے تصور، یاں خیالِ خام ہے

دُنیا نقص کی جگہ ہے۔ یہاں عشق بھی کس طرح کامل ہو سکتا ہے۔ یہاں کسی تصور کی پختگی ایسا خیال ہے جو پورا نہیں ہو سکتا۔

ہو جہاں وہ ساقیِ خورشید رو مجلس فروز
واں اسدؔ، تارِ شعاعِ مہر، خطِ جام ہے

جہاں وہ سورج کے چہرے والا ساقی مجلس کی رونق بڑھا رہا ہو وہاں سورج کی کرن خطِ جام بن جاتی ہے یا خطِ جام سورج کی کرن کی طرح ہوتا ہے۔ شعاعِ مہر کو خطِ جام کہتے

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کیف آور ہو گئی ہے۔ خطِ جام کو شعاعِ مہر کہا جائے تو ساقی کی خورشید روئی کا تماشہ ہے۔

(۲۳۳)

اے خوشا وقتے کہ ساقی یک خمستاں وا کرے
تار و پودِ فرشِ محفل، پنبۂ مینا کرے

دوسرے مصرع میں مبتدا اور خبر کی مختلف ترتیبوں سے دو معنی نکلتے ہیں۔ کیا اچھا وقت ہوگا جب ساقی متعدد خم کھول دے گا اور فرشِ محفل کے تار و پود (تانا بانا) کو پنبۂ مینا کی طرح تر کر دے گا یا پنبۂ مینا اس کثرت سے نکال کر فرش پر ڈالے گا کہ اس روئی ہی سے فرشِ محفل بچھ جائے گا۔ پہلے معنی مرجح ہیں کیونکہ خم کھولنے کا ذکر ہے مینا کا نہیں۔ پنبۂ مینا: صراحی میں ڈاٹ کی روئی۔

گر تبِ آسودۂ مژگاں تصرف وا کرے
رشتۂ پا شوخیِ بالِ نفس پیدا کرے

آسودۂ مژگاں: وہ شخص جس کے دل میں محبوب کی پلکیں آرام کرتی ہیں۔ تبِ آسودۂ مژگاں: وہ بخار جو محبوب کی پلکوں کے عاشق کو ہو۔ تصرف وا کرنا: قبضہ چھوڑنا، گرفت ختم کرنا۔ رشتۂ پا: واضح نہیں کہ کون سا رشتہ مراد ہے۔ بخار میں ٹونے کے طور پر ہاتھ میں رشتہ باندھتے ہیں اور کچھ افسوں پڑھتے ہیں۔ ممکن ہے پاؤں میں بھی رشتہ باندھتے ہوں۔ رشتۂ پا کے دوسرے معنی قیدی پرندے کے پاؤں کی رسّی ہے۔ تیسرے دور از کار معنی نارو کی بیماری کے ہیں جس میں پاؤں میں ایک رشتہ جیسا کیڑا نکلتا ہے۔ یہاں آخر الذکر کا موقع نہیں کیونکہ پہلے مصرع میں تب کا ذکر ہے مژگاں اور رشتہ میں رعایت ہے۔ شعر کے معنی یہ ہوئے۔ کوئی شخص محبوب کی پلکوں کا منظورِ نظر ہے اسے اگر بخار آیا ہو اور وہ بخار اپنی گرفت ختم کر کے دفع ہو جائے تو مریض کا رشتۂ پا سانس کی طرح ہمہ تازگی و ہمہ شوخی ہو جائے گا۔ یہ اثر ہے محبوب کی پلکوں سے تعلق کا۔

گر دکھاؤں صفحۂ بے نقشِ زنگِ رفتہ کو
دستِ زُدا اسطرِ تبسم یک قلم انشا کرے

زنگِ رفتہ: جو زنگ چلا گیا ہے۔ ایک زمانے میں میرے صفحۂ خاطر کا صفحۂ حیات پر زنگ تھا۔ اب وہ جاتا رہا ہے اور صفحہ سادہ ہو گیا ہے۔ اگر میں اس صفحے کو دکھاؤں تو

دستِ رَد اس پر تبسم کی سطر کھ دے گا۔ دست رَد : کسی چیز کو رَد کرنے کا اشارہ کرنے والا ہاتھ دستِ رَد مسکرا کر یہ کہتا ہے کہ اب یہ رنگِ رفتہ تمھیں دوبارہ نہیں ملے گا اور تمھارا صفحہ بے نقش و بے رنگ رہے گا۔ یعنی ماضی میں ہماری زندگی میں جو رونقیں تھیں اب ان کے ملنے کا امکان نہیں۔

جو عزا دارِ شہیدانِ نفس دزدیدہ ہو
نوحۂ ماتم بہ آوازِ پرِ عنقا کرے

نفس دزدیدہ : سانس بند کر لینے والا۔ جن شہیدوں نے دم سادھ لیا ہے اور سانس بند کر لیا ہے ان کے ماتم کرنے والے کو پرِ عنقا کے ہلنے کی آواز کے ساتھ نوحہ کرنا چاہیئے۔ پرِ عنقا کی آواز معدوم ہوگی۔ اس سے ظاہر ہے کہ سکوت زدہ شہیدوں کے ماتم میں نوحہ بھی خموشی سے کیا جانا چاہیئے۔

حلقۂ گردابِ جوہر کو بنا ڈالے تنور
عکس اگر طوفانیِ آئینۂ دریا کرے

طوفانی : طوفان لانے کا کام۔ آئینۂ دریا : وہ آئینہ جو دریا ہے یعنی دریا کے مانند ہے دریائے آئینہ۔ واضح ہو کہ طوفانِ نوح ایک بوڑھی کے تنور سے نکلا تھا۔

محبوب کا چہرہ اتنا بھبوکا ہے کہ اگر اس کا عکس آئینے میں طوفان لے آئے تو جوہرِ آئینہ جو بھنور سے مشابہ ہے تنور کی طرح تپنے لگے گا۔ چونکہ جوہر دھبوں کی شکل کا ہوتا ہے اس لئے اسے دریائے آئینہ کے گرداب سے تشبیہ دی۔ شعلۂ رخسار کے اثر سے اس بھنور میں آگ کی کیفیت پیدا ہو جائیگی۔

یک درِ بروئے رحمت بستہ دورِ شش جہت
نا اُمیدی ہے خیالِ خانہ ویراں کیا کرے

چھ سمتوں کے گھماؤ نے رحمتِ خدا کے مُنہ پر دروازہ بند کر دیا ہے یعنی گردشِ زمانہ نے مجھے رحمت سے محروم کر رکھا ہے۔ میں نا اُمید ہوں۔ خانہ ویران آدمی کا خیال کیا تدبیر کرے کہ درِ رحمت پھر سے کھُل سکے۔

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

جب ہم نے جام و سبو توڑ دیا یعنی استطاعتِ عیش کوشی گنوا دی تھی تو شراب کی بارش بھی ہونے لگے تو ہمیں کیا ملیں۔

ناتوانی سے نہیں سر در گریبانی اسد
ہوں سراپا یک قلم تسلیم اجو مولا کرے

میر گریبان میں سر ڈالنا کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ مرضئ مولا کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے ہے۔

(۲۳۴)

بہار تعزیت آبادِ عشق، ماتم ہے
کہ تیغِ یار ہلالِ مہِ محرم ہے

عشق کا دیار تعزیت کا دیار ہے۔ وہاں کی بہار یہی ہے کہ ماتم ہوتا رہے۔ کیونکہ وہاں تیغ یار ہلال کی طرح ہے جو نئے مہینے کی ابتدا کی علامت ہوتا ہے۔ وہاں کا ہلال ماہ محرم ہی کا ہلال ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں قتل و ماتم ہی کا دور دورہ رہتا ہے۔

بہ رہنِ ضبط ہے، آئینہ بندیِ گوہر
وگرنہ بحر میں ہر قطرہ، چشمِ پُرنم ہے

سمندر میں ہر قطرہ آنسو کی طرح رقیق ہے لیکن جس قطرے نے ضبط کیا اور صدف میں ٹھہر گیا وہ موتی بن کر آئینے کی سی آب پا گیا۔ موتی اور بقیہ قطرات آب میں ضبط ہی کا فرق ہے۔

چمن میں کون ہے طرز آفرینِ شیوۂ عشق
کہ گل ہے بلبلِ رنگین و بیضہ شبنم ہے

باغ میں عشق کا چلن کرنے کا ذمہ دار کون ہے۔ ظاہرا محبوب یعنی پھول ہی ہو سکتا ہے لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ پھول خود ایک رنگین بلبل کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ مشابہت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ پھول پر قطرۂ شبنم اس بلبل کے انڈے کی طرح ہے۔ بلبل عاشق ہوتی ہے۔ پھول بلبل نما ہونے کی وجہ سے عاشق ٹھہرا پھر وہ محبوب کون ہے جو عشق آفریں ہے۔

اگر نہ ہووے رگِ خواب صرفِ شیرازہ
تمام دفترِ ربطِ مزاج درہم ہے

رگِ خواب انسان کی اس رگ کو کہتے ہیں جسے دبایا جائے تو بے ہوشی طاری ہو جائے شاعر تو ہمیشہ اذیت اور موت کو سکون اور علاماتِ زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ کہتا ہے اگر رگِ بے ہوشی آڑے آ کر انسان کو بے ہوش نہ کر دے تو مزاج کا پورا دفتر درہم برہم ہو جائے۔ یعنی ہوش کے عالم میں آدمی کی طبیعت پریشان اور منتشر رہتی ہے۔ تمام جسم کو ایک حالت کے تحت لانے والی رگِ غشی ہے۔ آسی رگِ خواب کو محض نیند کے معنی میں سمجھے اور معنی لکھ گئے کہ نیند سے آدمی کا مزاج بہتر ہو جاتا ہے لیکن اس طرح یہ شعر ہوا کہ مسئلۂ طب۔

اسد بر نازکیِ طبعِ آرزو انصاف

کہ ایک وہمِ ضعیف و غمِ دو عالم ہے

اسد آرزو کرنے والی طبیعت کی نازکی کو نظر میں رکھ کر انصاف کرو کہ ایک کمزور تصور پر دُنیا بھر کا غم ڈال دیا گیا ہے۔ آرزو کرنے والی طبیعت بہت نحیف اور ذکی الحس ہوتی ہے نازکیِ طبعِ آرزو اور وہمِ ضعیف دونوں شعر کہنے والے سے متعلق ہیں۔

(۲۳۵)

غدارِ یار نظر بندِ چشمِ گریاں ہے

عجب کہ پرتوِ خور، شمعِ شبنمستاں ہے

محبوب کا حسین گال عاشق کی آنسو بھری آنکھ میں اسیر ہے۔ گال سورج کے عکس یعنی دھوپ کی طرح ہے چشمِ گریاں شبنم کدہ ہے۔ دھوپ شبنم زار کو ختم کر دیتی ہے۔ اس سے تعاون نہیں کرتی۔ تعجب کی بات ہے کہ گال کی دھوپ آنکھوں کے شبنمستاں میں شمع بن کر رونق افزا ہے۔

ہجومِ ضبطِ فغاں سے مری زبانِ خموش

بہ رنگ بستۂ زہراب دادہ پیکاں ہے

بزنگ دادہ: زنگ دیا ہوا۔ اسی معنی میں بہ رنگ بستہ ہوگا۔ زنگ بست کے معنی پکے زنگ کے ہیں۔ بہ زنگ بستہ: زنگ بر بستہ، زنگ پر لائی ہوئی یعنی زنگی ہوئی۔ میں نے بہت ضبطِ فغاں جو کیا ہے تو میری خاموش زبان کا وہ زنگ ہوا ہے جو زہر میں بجھے ہوئے پیکاں کے لگنے سے ہو۔ زہر کے اثر سے بے حس و حرکت اور سبز ہو جائے گی وہی زنگ اب چڑھ گیا ہے۔

قبائے جلوہ فزا ہے لباسِ عریانی

بہ طرزِ گل، رگِ جاں مجھ کو تارِ داماں ہے

عریانی کا لباس یعنی عریانی جلوہ بڑھانے والی قبا ہے۔ پھول کی طرح میرے لئے بھی میری رگِ جاں ہی دامن کا تار ہے اس کے علاوہ کوئی دامن مجھے پسند نہیں۔ پھول کا جسم اور دامن ایک ہی ہوتا ہے یہی کیفیت میری ہے۔ میری رگِ جاں ہی کو تارِ لباس سمجھ لو۔

لب گزیدۂ معشوق ہے دلِ افگار

کہ بخیہ جلوہ آثارِ زخمِ دنداں ہے

لب گزیدہ: لفظی معنی دانت سے کاٹے ہوئے ہونٹ کے ہیں۔ محاورے میں افسوس
میں ہونٹ کاٹتے کے ہیں۔ میرا زخمی دل محبوب کا دانتوں سے کاٹا ہونٹ ہے کیونکہ اس پر بخیہ
جو کی گئی ہے وہ دانتوں کے زخم جیسی معلوم ہوتی ہے۔ محبوب کو یہ افسوس ہوا ہوگا کہ زخم
دل میں ٹانکے لگائے گئے ہیں اس لئے زخمی دل (افسوس میں کاٹے ہوئے ہونٹ کی طرح قرار
پایا۔ یہاں لب گزیدہ لغوی اور مجازی دونوں معنی میں آیا ہے۔

کشودِ غنچۂ خاطر عجب نہ رکھ غافل
صبا خرامیِ خوباں، بہار ساماں ہے

تو سمجھتا ہے کہ دل کی کلی کھل ہی نہیں سکتی لیکن حسینوں کا ہوا میں ٹہلنا بہار لے آتا
ہے۔ اس لئے عاشق کے دل کی کلی کھل جانے کے بارے میں کوئی حیرت اور تذبذب نہ رکھ۔

فغاں کہ بہرِ شفائے حصولِ ناشدنی
دماغ نازکشِ منّتِ طبیباں ہے

آسی نے "شفائے حصول" لکھا ہے جس سے معنی بہت صاف ہو جاتے ہیں۔ فریاد کہ
شفا کیلئے اور ناممکن چیز (شفا) کے حصول کیلئے دماغ طبیبوں کے احسان اٹھاتا ہے۔
ناشدنی: وہ چیز جو ہونے والی نہیں۔
متنِ مطبوعہ سے ایک اور دور کے معنی نکلتے ہیں۔ ناشدنی: نا ہونے کے لائق یعنی موت
موت کا حصول شاعر کے نزدیک شفا ہے۔ فریاد کہ موت کے حصول کے لئے دماغ کو طبیبوں کا
ناز اٹھانا پڑتا ہے۔ توہم پرست طبائع موت کا نام لینے کی بجائے کچھ ایسے کہیں گی کہیں
ناشدنی نہ ہو جائے یعنی موت نہ آجائے۔ طبیبوں پر طنز ہے اور مایوسی بھی ہے کہ علاج کا نتیجہ
مرگ کے سوا کچھ نہیں۔

طلسمِ منّتِ یک خلق سے رہائی دی
جہاں جہاں مرے قاتل کا مجھ پہ احساں ہے

میرے قاتل کا مجھ پر دنیا بھر کا احسان ہے کہ اس نے مجھے جان سے گزار کر خلق کے
احسان سے رہائی دلائی۔ جہاں جہاں احسان: بہت زیادہ احسان۔

جنوں نے مجھ کو بنایا ہے مدعی میرا
ہمیشہ ہاتھ میں میرے مرا گریباں ہے

جنوں نے مجھے کو میرا دشمن بنا دیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ ایک شخص اپنے دشمن کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسے چاک کرنا اور لڑنا جھگڑنا چاہتا ہے، میں خود اپنا گریباں پھاڑنے کی فکر میں رہتا ہوں۔

اسد کو زیست تھی مشکل اگر یہ سن لیتا
کہ قتلِ عاشقِ دل دادہ تجھ کو آساں ہے

اسد کو اگر یہ خبر مل جاتی کہ تو عاشق کا قتل آسانی سے کر دیتا ہے تو اسے جینا مشکل ہوتا زندگی مسرت کی امید پر گزار سکے گا۔

(۲۳۶)

شفق بہ دعویٔ عاشق گواہِ رنگیں ہے
کہ ماہ دزدِ حنائے کفِ نگاریں ہے

دزدِ حنا: حنا کے بیچ میں کوئی بے رنگ دھبا رہ جانا۔ شفق کے بیچ میں چاند ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حنا کے بیچ میں دزدِ حنا۔ حنا کس کی؟ محبوب کے رنگین ہاتھ کی۔ اب شاعر نے دزدِ حنا کے مجازی معنی کے ساتھ لغوی معنی بھی مراد لے کر کہا کہ عاشق نے دعویٰ کیا ہے کہ چاند محبوب کی حنا چرا لے گیا ہے۔ شفق نے اس دعوے کی تائید کی یعنی چاند واقعی دزدِ حنا ہے۔ شعر کے معنی دزدِ حنا کے دو معنوں پر منحصر ہیں۔ دوسری زبان میں ایسے شعر کا ترجمہ کیا جائے تو مہمل ہو کر رہ جائے گا۔

عیاں ہے پائے حنائی برنگ پرتوِ خور
رکاب، روزنِ دیوارِ خانۂ زیں ہے

خانۂ زیں محاورہ ہے۔ زین کی گول ساخت کیلئے۔ رکاب خانۂ زین کی دیوار میں سوراخ کی طرح ہے۔ سوراخِ دیوار سے دھوپ چھن کر آتی ہے۔ محبوب کا حنائی پاؤں رکاب میں دھوپ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

جبینِ صبحِ امید فسانہ گویاں پر
درازیٔ رگِ خوابِ بتاں، خطِ چیں ہے

کچھ لوگ یہ فسانہ کہتے ہیں کہ حسین ہمیشہ محوِ تغافل نہیں رہیں گے اور عشاق کی طرف توجہ کریں گے۔ انھوں نے ان کے التفات کی امید لگا رکھی ہے اور ان کی جبینِ صبح

اُمیدِ لطف بتاں ہے لیکن بتوں کا مسلسل غافل رہنا ان رجا پرستوں کے لئے باعثِ آزردگی ہے۔ رگِ خواب ان کی جبین پر سکوڑ کا نشان بن گئی ہے۔ یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ حسین آخر کار مہربان ہوں گے انھیں غالب نے فسانہ گو کہا ہے۔ رگِ خواب یہاں تغافل کے معنی میں ہے

ہوا نشانِ سوادِ دیارِ حُسن عیاں
کہ خطِ غبارِ زمیں خیزِ زلفِ مشکیں ہے

محبوب کا خط، سیاہ زلف کا اُٹھایا ہوا غبار ہے جو زمیں سے بلند ہوتا ہے۔ اس کے معنی دیارِ حسن کے نواح کی نشانی آگئی۔ خط کو غبارِ زمینِ حُسن سے تشبیہ دی اور زلف کو کسی سوار سے۔

(۲۳۷)

جوہرِ آئینہ ساں مژگاں بہ دل آسودہ ہے
قطرہ جو آنکھوں سے ٹپکا سو نگہ آلودہ ہے

جس طرح جوہرِ آئینہ آئینے کے بطن میں جا ہوتا ہے اسی طرح محبوب کی پلکیں میرے دل میں آرام سے بیٹھی ہیں۔ دل سے نکل کر جو آنسو میری آنکھ سے ٹپکتا ہے وہ محبوب کی نگاہوں سے آلودہ ہوتا ہے۔ چونکہ دل میں پلکیں ہیں اس لئے نگاہیں بھی ہوں گی۔

دام گاہِ عجز میں سامانِ آسائش کہاں
پُرفشانی بھی فریبِ خاطرِ آسودہ ہے

دُنیا عاجزی کی جگہ ہے یہاں آرام کہاں۔ پر جھاڑنا یعنی تعلقاتِ دنیوی کو کم کرنا بھی دل کا ایک فریب ہے اور کچھ نہیں۔ پہلے مصرع میں آسائش سے انکار کر کے دوسرے مصرع میں دل کو آسودہ کہنا تناقض ہے۔ شاید دلِ آسودہ مراد نہیں بلکہ وہ دل جو آسودگی کی تلاش میں ہے۔

آسی اور وجاہت علی سندیلوی نے پُرفشانی سے مراد پرواز یعنی جد و جہد کی ہے کہ جد و جہدِ آسائش سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا کچھ حاصل نہیں۔ پُرفشانی ایک محاورہ ہے جس کے معنی ترکِ علائق کرنا ہیں اور عجز کے ساتھ یہ معنی بہت مناسب ٹھہرتے ہیں۔

اے ہوس، عرضِ بساطِ نازِ مشتاقی نہ مانگ
جوں پرِ طاؤس، اکسیر داغِ مُشک اندودہ ہے

داغ پر مشک چھڑکنا داغ کو اندمال سے باز رکھ کر تازہ رکھنے کے معنی میں ہے۔

لفظی معنی مشک چھڑکی ہوئی یعنی سیاہ۔ پرِ طاؤس بھی دیکھنے میں شکیں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اے ہوس۔ فرطِ اشتیاق کی بساطِ ناز کی نمائش کی اجازت نہ مانگ طاؤس کے پر کی طرح ابھی تک داغِ شوق بالکل تازہ ہے۔ یعنی اپنے شوق سے کہا ہے کہ اظہار کی ہوس نہ کر۔

ہے ریا کا رتبہ بالاتر تصوّر کردنی
تیرگی سے داغ کی مہ سیم میں اندودہ ہے

ریاکاری کا رُتبہ اُونچا سمجھنا چاہیئے۔ چاند میں داغ کی سیاہی سے چاندی میں تانبے کا میل ہوگیا ہے اس کے باوجود اس ریاکار کا مقام کتنا اُونچا ہے۔

کیا کہوں پرواز کی آوارگی کی کشمکش
عافیت سرمایۂ بال و پرِ نکشودہ ہے

پرواز میں آوارہ گردی کی جاتی ہے اور کشمکش اور پریشانی ہوتی ہے۔ آرام صرف بال و پر نہ کھولنے میں ہے۔ گھر میں عافیت سے بیٹھے رہیئے۔

ہے سوادِ خط پریشاں موئی اہلِ عزا
خامہ میرا شمعِ قبرِ کشتگاں کا دودہ ہے

دودہ: چراغ یا شمع کا کاجل۔ میرے خط کی سیاہی ماتم کرنے والوں کے پریشاں بال ہیں اور میرا قلم مقتولین کی شمعِ قبر سے پاری ہوئی سیاہی ہے یعنی میری تحریر میں عزا و ماتم کے سوا کچھ نہیں۔

جس طرف سے آئے ہیں آخر اُدھر ہی جائیں گے۔ مرگ سے وحشت نہ کر راہِ عدم پیمودہ ہے

موت سے کیا ڈرنا۔ عدم کا راستہ ایک بار پہلے کا طے کیا ہوا ہے۔ اُدھر ہی سے آئے تھے۔ اُدھر ہی جائیں گے۔

پنبۂ مینائی ہی رکھ لو تم اپنے کان میں
مے پرستاں، ناصحِ بے صرفہ گو بے ہودہ ہے

مے خوارو! ناصح بے کار بے ہودہ باتیں کرتا ہے۔ تم صراحی کی روئی کان میں رکھ لو تا کہ اس کی باتیں سنائی نہ دیں۔ خود نوشت دیوان میں "مینائے مے" بہتر قرأت ہے۔ معنی میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

کثرتِ انشائے مضمونِ تحیّر سے اسدؔ
ہر سرِ انگشت نوکِ خامۂ فرسودہ ہے

میں نے حیرت کے مضمون اس کثرت سے لکھے ہیں کہ قلم کی نوک کی طرح انگلیوں کے سرے بھی گھس گئے۔ مبالغہ ہے۔

(۲۳۸)

بہر پرورد دل سراسر لطف گستر سایہ ہے
پنجۂ مژگاں بہ طفلِ اشک دستِ دایہ ہے

پلک پنجے سے مشابہ ہوتی ہیں۔ طفلِ اشک کے لئے یہ دایہ کے ہاتھ کی طرح مہربان ہیں پرورش کے معاملے میں یہ مہربانی کرنے والے سائے کی طرح ہیں۔ آنسو کو طفل سے تشبیہ دی ہے۔

فصلِ گل میں دیدۂ خونیں نگاہانِ جنوں
دولتِ نظارۂ گل سے شفق سرمایہ ہے

جنون کی وجہ سے جن لوگوں کی آنکھیں خونیں رہتی ہیں۔ فصلِ گل میں پھولوں کو دیکھ کر شفق سے دامن بھر لیتی ہیں۔ آنکھ کا خونیں ہونا تکلیف کی نشانی ہے اور شفق رنگ ہونا رنگینی و آسودگی کی۔

شورشِ باطن سے یاں تک مجھ کو غفلت ہے کہ آہ
شیونِ دل یک سرودِ خانۂ ہم سایہ ہے

دل کے ہنگامے کی وجہ سے مجھ پر اتنی غفلت اور عدمِ آگاہی طاری ہے کہ اپنے دل کا شور پڑوسی کے گھر کا گانا معلوم ہوتا ہے یعنی اب میں اپنی ذات اور غیر میں فرق نہیں کرپاتا یا میرا دل بھی میرے لئے غیر معلوم ہوتا ہے۔

کیوں نہ تیغِ یار کو مشاطۂ اُلفت کہوں؟
زخم مثلِ گل سراپا کا مرے پیرایہ ہے؟

میں محبوب کی تلوار کو اُلفت کی آرائش کرنے والی مشاطہ کیوں نہ کہوں۔ اس نے میرے جسم پر زخم لگایا اور وہ پھول کی طرح میرے جسم کا زیور معلوم ہو رہا ہے۔

اے اسدؔ آباد ہے مجھ سے جہانِ شاعری
خامہ میرا تختِ سلطانِ سخن کا پایہ ہے

اے اسدؔ شاعری کی دُنیا میری وجہ سے آباد ہے میرا قلم شاعری کے بادشاہ (یعنی خود شاعری) کے تخت کا پایہ ہے یعنی جہاں میں ہوں وہی ملکِ سخن کا پایۂ تخت یا

(۲۳۹)

دار السلطنت ہے۔

چشمِ گریاں بسملِ شوقِ بہارِ دید ہے
اشک ریزی عرضِ بالِ افشانیٔ اُمید ہے

ہماری آنکھ کو بہارِ دیدار کا شوق ہے اور اسی شوق کی ماری رو رہی ہے۔ آنسو بہانا دراصل اُمید کے پروں کا کھلنا ہے یعنی آنسو دیدِ دوست کی اُمید اور آرزو ظاہر کرتے ہیں۔

دامنِ گردوں میں رہ جاتا ہے ہنگامِ وداع
گوہرِ شب تاب، اشکِ دیدۂ خورشید ہے

سورج جب آسمان سے وداع ہوتا ہے تو رونے لگتا ہے۔ اس کے آنسو آسمان کے دامن میں رہ جاتے ہیں اور وہی رات کو چمکنے والے تارے ہیں۔ تاروں کو گوہرِ شب تاب کہا ہے۔

رتبۂ تسلیم خُلّت مشرباں عالی سمجھ
چشمِ قربانی، گلِ شاخِ ہلالِ عید ہے

خُلّت: محبت۔ جو محبت مشرب ہیں اور رضائے خداوندی کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہیں ان کا مرتبہ اونچا سمجھ۔ عیدِ قرباں کے دن ذبیحہ الیاہی اُلفت شیوہ ہے جو محبت میں جاں بحق تسلیم کرتا ہے۔ اس کی آنکھ کو ہلالِ عیدِ قرباں کی ٹہنی کا پھول سمجھو۔ ہلال کا مرتبہ بلند ہے اس لئے اس کے پھول کا بھی عالی ہوگا۔

کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشمکش
اے خوشا رندے کہ مُرغِ گلشنِ تجرید ہے

تعلقاتِ دنیوی میں پریشانیوں کے سوا کچھ نہیں۔ وہ رند بہت مزے میں ہے جو مجرد ہے جس کے کوئی رشتہ دار نہیں۔ مُرغِ گلشنِ تجرید: اکیلے پن کے باغ کی بُلبل۔ مجرّد عموماً غیر شادی شدہ کو کہتے ہیں۔

کثرتِ اندوہ سے حیران و مضطر ہے اسد
یا علی! وقتِ عنایات و دمِ تائید ہے

اسد غموں کی کثرت سے حیران و بے قرار ہے یا علی اس پر عنایات اور اس کی مدد کرنے کا وقت ہے۔

(۲۴۰)

فرصت آئینۂ صد رنگ خود آرائی ہے
روز و شب یک کفِ افسوس تماشائی ہے

فرصت: زندگی کا عرصہ۔ زمانِ حیات محبوبِ حقیقی کی طرح طرح سے خود آرائی کا آئینہ ہے لیکن حیات بہت مختصر ہے رات اور دن تماشائی یعنی انسان کے کفِ افسوس ہیں۔ افسوس میں دونوں ہاتھ ملتے ہیں۔ رات کو ایک ہاتھ کہا اور دن کو دوسرا ہاتھ۔

وحشتِ زخمِ وفا دیکھ کہ سرتا سرِ دل
بخیہ جوں جوہرِ تیغ آفتِ گیرائی ہے

وفا کی وجہ سے دل میں زخم لگا۔ اس میں ٹانکے لگائے گئے لیکن وہ شدید درد پیدا کر رہے ہیں۔ جس طرح جوہرِ تیغ یعنی خود تیغ زخم کے لئے آفت ہوتی ہے اسی طرح ٹانکے دل کو پکڑ کر کس رہے ہیں اور آزار دے رہے ہیں۔ جوہر دھبّے یا خطوط کی شکل میں ہوتا ہے۔ بخیہ کی جوہر سے مماثلت ہے۔ گیرائی: پکڑ۔

شمع آسا چہ سرِ دعویٰ و کو پائے ثبات؟
گلِ صد شعلہ بہ یک جیبِ شکیبائی ہے

ہم کیا دعویٰ استقامت کریں اور ہمیں پائے ثبات کہاں ہے۔ ہمارے صبر کے دامن میں سو شعلوں کے پھول بھرے ہوئے ہیں۔ یعنی زندگی میں ہم صبر بھی کریں تو بھی شعلے ہمیں پھونک دیتے ہیں۔ ہماری حالت شمع جیسی ہے کہ وہ کوئی بلند بانگ دعویٰ کرے تو غلط ہے اسے بھی پائے ثبات نہیں اور اس کے دامن میں بھی شعلہ بھرا ہے۔ شمع کی صورت میں گل کے معنی پھول کی بجائے شعلہ کی جلی ہوئی سیاہی ممکن ہے۔

نالہ خونیں ورق و دل گلِ مضمونِ شفق
چمن آرائے نفس وحشتِ تنہائی ہے

وحشتِ تنہائی نے نفس کو چمن بنا دیا ہے۔ نالہ خون کے رنگ کا ہے اور دل شفق کے مضمون کا پھول ہے یعنی دل میں رنگینیاں بھری ہیں۔ تنہائی کی وحشت نے پورے وجود کو باغ کے انداز پر ڈھال دیا ہے۔

بوئے گل فتنۂ بیدار و چمن جامۂ خواب | وصل بر رنگِ جنوں کسوتِ رسوائی ہے

جنوں میں کپڑے پھٹے بھی ہوتے ہیں اور ان میں جا بجا خون بھی لگا ہوتا ہے جس کی وجہ سے لباس چمن بن جاتا ہے۔ اس پوشاک کے ساتھ رات کو وصل فرمایا۔ ظاہر ہے سیج پر پھول بچھائے گئے ہوں گے اس لئے کپڑوں میں بوئے گل بس گئی۔ صبح اٹھ کر باہر گئے تو خواب کی پوشاک چمن کی طرح گل بوٹے والی (خون کے دھبوں سے) ہے اور اس میں سے بوئے گل نکل رہی ہے جو فتنہ بن کر سارا راز افشا کر رہی ہے۔ اس طرح رنگ جنوں کے اوپر وصل کیا جائے تو لباس رسوائی بن جائے گا۔

شرم، طوفانِ خزاں رنگ طربِ گاہِ بہار
ماہتابی بہ کفِ چشمِ تماشائی ہے

ماہتابی: ایک قسم کی آتش بازی، ایک رنگ سفید مائل بہ زردی، شکستہ رنگ۔ اسے طرب گاہِ بہار کے طوفانِ خزاں رنگ یعنی اے بہارِ خزاں رنگ تجھے شرم آنی چاہیئے کہ دیکھنے والی آنکھ کو بس پھیکے رنگ کی ایک مہتابی میسر ہے یا چشمِ تماشائی کا رنگ مہتابی کی طرح پھیکا ہے۔ نسخۂ احمدیہ میں دوسرا مصرع "گلِ مہتاب کفِ چشمِ تماشائی ہے" تھا یعنی چشمِ تماشائی محض گلِ چاندنی ہے جو ایک چھوٹا سا سفید پھول ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ بہار میں بہار والی بات نہیں

باغِ خاموشیِ دل سے سخنِ عشق اسدؔ
نفسِ سوختہ، رمزِ چمن ایمائی ہے

نفسِ سوختہ: کنایہ ہے خموشی سے، دل کی خاموشی ایک باغ کی طرح ہے جس میں سے عشقیہ شاعری پھوٹ رہی ہے۔ میرا خاموش سانس ایک رمز ہے جو چمن آفرینی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ چمن شعر و سخن سے پیدا کیا جائے گا۔

(۲۴۱)

نوائے نغمۂ الفت اگر بے تاب ہو جاوے
پرِ پروانہ، تارِ شمع پر مضراب ہو جاوے

تارِ شمع: شمع کا دھاگا جو اوپر سے جلایا جاتا ہے۔ پروانہ خاموشی سے شمع پر گر کر جل جاتا ہے۔ اگر محبت کی سوئی ہوئی آواز بے تاب ہو جائے تو پرِ پروانہ جلتے ہوئے تارِ شمع پر گر کر مضراب بہ تارِ ساز کا کام کرے گا اور تارِ شمع سے آواز پیدا ہوگی یعنی شمع محبت کا جواب دیگی۔

اگر وحشت عرق افشانِ بے پرواخرامی ہو
بیاضِ دیدۂ آہو کفِ سیلاب ہو جاوے

اگر ہم وحشت میں بے پروائی کے ساتھ بھی چلیں تو اتنا تیز چلیں گے کہ ہمارے پسینے سے سیلاب کا عالم ہوگا اور ہرن کی آنکھ کی سفیدی سیلاب کا جھاگ بن جائے گی۔ ہرن کا رم وحشت مشہور ہے۔ ہمارے معمولی رم کے آگے ہرن ماند پڑ جائے گا۔ اگر تیز روی کریں تو خدا معلوم کیا حال ہو۔

زبس طوفانِ آب و گل ہے غافل کیا تعجب ہے
کہ ہر یک گرد بادِ گلستاں گردابِ ہو جاوے

شاید یہ شعر غالب نے برسات کی پہلی تیز بارش کے موقع پر کہا ہوگا۔ پانی اور مٹی کا ایسا طوفان ہے کہ ممکن ہے باغ میں آنے والا ہر بگولا پانی کا بھنور بن جائے۔ گرد باد میں مٹی ہے بارش کی شدت سے وہ گرداب میں بدل جائے تو کیا تعجب ہے۔

اثر میں یاں تنک اے دستِ دعا دخلِ تصرف کر
کہ سجدہ قبضۂ تیغِ خمِ محراب ہو جاوے

محرابِ مسجد کو تلوار سے تشبیہ دی اور سجدہ کو اس کے قبضے سے۔ اے دعا مانگنے والے ہاتھ! اثر پر یہاں تک قابو پائے کہ دعائیہ سجدہ محرابِ کعبہ پر حاوی ہو جاوے۔ محراب سجدہ کے ہاتھ میں ہو یعنی سجدہ تاثیر پر قابض ہو۔

برنگِ گل اگر شیرازہ بندِ بے خودی رہیے
ہزار آشفتگی مجموعۂ یک خواب ہو جاوے

پھول متعدد پنکھڑیوں کی وجہ سے آشفتہ ہے لیکن شیرازہ بند ہے۔ ساتھ ہی بے خود و مست معلوم ہوتا ہے۔ اگر پھول کی طرح ہم بھی بے خود رہیں یعنی اپنی ذات کا زیادہ احساس نہ رکھیں تو ہزار پریشانیاں بھی ہمیں خوابِ راحت بن کر رہیں گی۔

اسدؔ باوصفِ مشقِ بے تکلف خاک گردیدن
غضب ہے اگر غبارِ خاطرِ احباب ہو جاوے

اسدؔ نے بے تکلف خاک ہو جانے کی مشق کی ہے یعنی نہایت عاجزی اختیار کی ہے۔ غضب ہے اگر اس کے باوجود دوستوں کے دل میں رنج کا غبار پیدا کرنے کا باعث ہو جائے۔

(۲۴۲)

تا چند نازِ مسجد و بت خانہ کھینچئے

جوں شمع، دل بہ خلوتِ جانانہ کھینچئے

کب تک دیر و حرم کے چکر میں رہیں۔ جس طرح خلوت میں شمع جلی ہوتی ہے اسی طرح ہم دل کو محبوبِ حقیقی کی خلوت میں لے جائیں یعنی صرف محبت کے راستے کو اختیار کرلیں۔

بہزاد، نقشِ یک دلِ صد چاک عرض کر

گر زلفِ یار کھینچ نہ سکے، شانہ کھینچئے

دوسرے مصرع کے دو معنی ہیں۔ بہزاد، چاک چاک دل کی تصویر بنا۔ (۱) دلِ صد چاک زلفِ محبوب میں پھنسا ہے۔ یار کی زلفوں کو پکڑ کر کھینچ اور ان میں سے دل کو نکال لے۔ اگر زلف کو کھینچنا ممکن نہ ہو تو اس میں شانہ کر، دل نکل آئے گا۔ پھر اس کی تصویر بنانا۔

(۲) دلِ صد چاک سے مشابہ دو چیزیں ہیں زلفِ یار اور شانہ دونوں دل کی طرح چاک ہیں۔ اگر زلف کی تصویر بنانا مشکل ہو تو شانہ کی تصویر کھینچ دے۔ دلِ چاک شدہ کی نمائندگی ہو جائے گی۔

راحت کمین شوخیٔ تقریبِ نالہ ہے

پائے نظر بہ دامنِ افسانہ کھینچئے

کمین: کمین یا گھات میں بیٹھنے والا۔ پاؤں دامن میں کھینچنا: ترکِ آمد و شد کرنا راحت قربِ نالہ کی گھات میں بیٹھی ہے یعنی راحت نالے میں بدلا چاہتی ہے۔ دُنیا میں حقیقت یہی ہے کہ راحت نالے تک لے جاتی ہے۔ اس لئے اب یہی صورت رہ گئی ہے کہ نظر کو افسانے میں کھو دیجئے وہاں راحت باقی رہتی ہے۔ واقعہ کی دُنیا میں راحت نالے کا قرب تلاش کرتی رہتی ہے۔ دامنِ افسانہ میں پائے نظر کھینچنا: خیالی دُنیا میں رہنا۔

زلف پری بہ سلسلۂ آرزو رسا

یک عمر دامنِ دلِ دیوانہ کھینچئے

دامن کھینچنا: باز رکھنا۔ حسین محبوب کی زلف آرزو کے سلسلے کے برابر پہنچی ہوئی ہے۔ آرزو کبھی اس سے دور نہیں ہو سکتی۔ دل زلف کے پاس جاتا رہے گا اور دیوانۂ عشق رہے گا۔ عمر بھر اسے عشق سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہو۔ پر تماشے کے سامنے سے دل کے دیوانہ ہونے کا جواز ہو جاتا ہے۔

یعنی دماغِ غفلتِ ساقی رسیدہ تر
خمیازۂ خمار سے پیمانہ کھینچیے

دماغِ رسیدہ : نشے میں ڈوبا ہوا دماغ۔ ساقی کے دماغ میں ہم سے تغافل کا نشہ اور زیادہ بھر گیا ہے۔ اب خمار میں لی جانے والی انگڑائی کا پیمانہ پینے پر قناعت کیجیے۔ خمار نشے کا عدم ہے۔ خمار میں انگڑائی لی جاتی ہے۔ اسی کو نشہ مان کر رہ جایئے۔

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچیے

محبوب عاجزی سے نہیں مانتا زبردستی اس کے دامن کو کھینچا جائے۔

کرتے ہوئے تصورِ یار آتی ہے حیا
کیا فائدہ کہ منتِ بیگانہ کھینچیے

یار کا خیال کرتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ تصورِ یار غیرِ یار ہے بیگانہ ہے ہم بیگانے کا احسان کیوں لیں۔

ہے ذوقِ گریہ، عزمِ سفر کیجیے اسدؔ
رختِ جنونِ سیل بہ ویرانہ کھینچیے

رخت بہ ویرانہ کھینچیے : ویرانے کی طرف چلے جایئے۔ صائب کا شعر ہے۔

پیش از آں کز سیل گردد دست و پائے سعی تنگ
رختِ خود را بیروں از یں ویرانہ می باید کشید

اسدؔ اگر رونے کا شوق ہو رہا ہے تو سفر کا ارادہ کیجیے۔ آپ کا رونا سیلاب لانے کے مترادف ہے، اپنے سیل بہانے کے جنون کا سامان لے کر ویرانے میں چلے جایئے۔ بستی کو آپ کے گریے کی تاب نہیں۔

(۲۴۳)

دامانِ دل بہ وہمِ تماشا نہ کھینچیے
اے مدعی خیالتِ بے جا نہ کھینچیے

دامان کھینچنا : پرہیز کرانا، باز رکھنا۔ مدعی سے مراد ناصح محبوب دشمن یا خود اپنی ذات ہو سکتی ہے۔ تمہیں یہ خیال ہے کہ دل حسنِ یار کا تماشا کر رہا ہے۔ اسے اس کام سے باز

دیکھنے کی کوشش نہ کرو۔ اس کوشش میں تمھیں بے کار شرمندگی ہوگی۔ یہ دل باز آنے سے رہا

گل سر بہ سر اشارۂ جیبِ دریدہ ہے
نازِ بہار جز بہ تقاضا نہ کھینچیے

پھول صاف یہ اشارہ کر رہا ہے کہ بہار کے پھیر میں آ کر مجھے دامن پھاڑنا پڑا۔ اب تم بہار کا ناز نہ اٹھاؤ۔ اگر بہ شدت تقاضا ہو تو دوسری بات ہے، بہار کے قرب کو تیار ہو جاؤ گو دامن تو پھاڑنا ہی پڑے گا۔ غالب کا ایک بعد کا شعر ہے۔

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل
کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے

پرواز، آشیانۂ عنقائے ناز ہے
بالِ پری بہ وحشتِ بے جا نہ کھینچیے

عنقا ایک مہیب موہوم پرندہ ہوتا ہے، مُراد ہے بلاؤں سے۔ بال کھینچنا: پرواز کرنا۔ بالِ پری کے لئے مشہور ہے کہ جو اس کے سائے میں آجاتا ہے اسے جنون ہو جاتا ہے یاں پرواز سے مُراد اپنی پرواز نہیں بلکہ پری کی پرواز ہے۔ وحشت کی وجہ سے پری کو مائل پرواز نہ کیجیے۔ وہ بظاہر ناز سے بھری ہے لیکن دراصل عنقا کی طرح بلائے جاں ہے۔ اس پر کی پرواز بلاؤں کا آشیانہ ہے یعنی پری کا پرواز کرنا تمہارے لئے بلاؤں کے آشیانے میں داخلے کے برابر ہے۔

پرواز کو آشیانے سے تشبیہ دینا مناسب نہیں۔ کیا پرواز کے بعد اضافت ہونی چاہیے اس صورت میں معنی ہوں گے کہ پری کو پرواز پر مائل نہ کیجیے کیونکہ پری کا پرواز کرنا دراصل اس کے آشیانے کا پرواز کرنا ہے اور جب اس کا آشیانہ نہ بچے گا تو وہ سب کے سروں پر اپنا جنوں پرور سایہ ڈالتی پھرے گی۔

حیرت حجابِ جلوہ و وحشت غبارِ چشم
پائے نظر بہ دامنِ صحرا نہ کھینچیے

نظر کے پاؤں کو صحرا کے دامن میں نہ لے جاؤ یعنی وحشتِ عشق میں صحرا نوردی نہ کرو۔ صحرا میں جا کر حیرت بڑھے گی یا وحشت۔ حیرت محبوب کے جلوے پر پردہ بن جاتی ہے اور وحشت آنکھ کا غبار بن کر یار کو دیکھنے اور پہچاننے سے روکتی ہے۔ بہتر یہ

ہے کہ ہوش میں رہو اور کسی اور طریقے سے دیدِ یار کی سعی کرو۔

واماندگی بہانہ و دل بستگی فریب
دردِ طلب بہ آبلۂ پا نہ کھینچیے

آبلۂ پا کی حد تک دردِ طلبِ عشق نہ اُٹھاؤ۔ پاؤں میں آبلہ پڑنا بہت زیادہ جولانی کی نشانی ہے۔ دل لگانا فریب ہے اور اس سلسلے میں صحرانوردی کرکے تھکنا ایک بہانہ ہے جھوٹ ہے۔ ایسا کوئی کرتا ہے، تمھیں بہکانے کو کہہ دیا ہے کہ عشق میں دوڑ دوڑ کر تھک جاؤ دل لگاؤ۔ نہ طلب کے چکر میں پڑو نہ پاؤں میں آبلہ کا درد پاؤ۔

گر صفحے کو نہ دیجیے پردازِ سادگی
جز خطِ عجز نقشِ تمنا نہ کھینچیے

پردازِ سادگی: سادگی کی نقش کاری یا آرائش کرنا۔ بہتر یہ ہے کہ صفحہ کو سادہ رہنے دو۔ اگر اس پر رضامند نہ ہو اور کوئی نقش ہی کھینچنا ہے تو تمنا کا نقش نہ بناؤ عجز و مجبوری کی لائن بناؤ یعنی زندگی میں کوئی تمنا نہ کرکے عاجز و خاکسار رہو۔

دیدارِ دوستانِ لباسی ہے ناگوار
صورت بہ کارخانۂ دیبا نہ کھینچیے

تلبیس اور لباس کے لفظی معنی ہیں دوسروں سے اپنا مکر و عیب پوشیدہ رکھنا۔ اس لئے دوستِ لباسی سے مُراد مکار دوست جو دل سے دوست نہ ہوں۔ مجھے ظاہری دوستوں کی صورت دیکھنا بھی ناگوار ہے۔ ان کی صورت دیبا کے کارخانے میں دیبا پر بھی نہ بناؤ۔ لباسی اور دیبا میں رعایت ہے۔ یا یہ کہ دیبا پر صورتیں نہ بناؤ یہ لباسی دوست ہیں۔ مجھے ان بے خلوصوں کا دیکھنا بھی پسند نہیں۔

ہے بے خمار نشۂ خونِ جگر اسدؔ
دستِ ہوس بہ گردنِ مینا نہ کھینچیے

خونِ جگر کے نشے میں کبھی اُتار نہیں ہوتا۔ شراب کی بوتل کی طرف ہوس کا ہاتھ نہ بڑھاؤ۔ ہمیشہ خونِ جگر میں سرشار رہو یعنی ہمیشہ آلام و مصائب میں مست رہو۔

(۲۴۴)
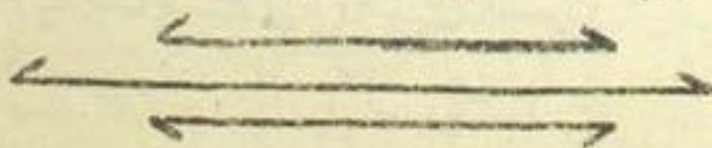
زلفِ سیہ افعی، نظرِ بد قلمی ہے
ہر چند خطِ سبز و زمرد رقمی ہے

قلمی: چادر جس پر دھاریاں بنی ہوتی ہیں۔ افعی کے دم سے چادر جل سکتی ہے۔ افعی کے سامنے زمرد کو کیا جائے تو روایتاً افعی اندھا ہو جاتا ہے۔ محبوب کی سیہ زلف افعی کی طرح ہے اور حریف کی نظرِ بد قلمی چادر کی طرح ہے۔ حالانکہ اس چادر پر سبز و زمرد دھاریاں رقم ہیں اور زمرد سے افعی اندھا ہو جاتا ہے اس کے باوجود نظرِ بد محض ایک چادر ہے جو حریفِ دمِ افعی نہیں ہو سکتی اور اس کے سانس سے جل جائے گی۔

ہے مشقِ وفا، جانتے ہیں، لغزشِ پا تک
اے شمع تجھے دعوئ ثابت قدمی ہے

اے شمع تجھے دعویٰ ہے کہ تو عشق میں ثابت قدم ہے اور وفا کو ترک کر کے فرار نہیں ہوگی۔ ہم سب جانتے ہیں تیری وفا کی مشق لغزشِ پا نہ ہونے تک ہے۔ جیوں ہی تیرا پاؤں ڈگمگانے لگا تو میدان چھوڑ دے گی۔ ثابت قدمی صرف ہمیں کو زیب دیتی ہے۔ خود نوشت دیوان میں پہلا لفظ "ہے" کی بجائے "ہم" ہے اس طرح صریحاً شمع پر اپنی فوقیت ظاہر کی ہے کہ ہم لغزشِ پا میں بھی وفا سے مُنہ نہیں موڑتے۔

ہے عرضِ شکست آئینۂ جرأتِ عاشق
جز آہ کہ سرِ لشکرِ وحشت علمی ہے

عاشق کی جرأت کا آئینہ پکار پکار کر شکست کی عرض کر رہا ہے یعنی ٹوٹنا اس کا مقسوم ہے سوائے آہ کے کہ وہ وحشت کے جھنڈے والے لشکر کی سپہ سالار ہے یعنی وحشت کا علم لئے ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاشق محبوب کے سامنے کسی جرأت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ ہاں آہ اس کا ہتھیار ہے۔ اگر پہلے مصرع میں مبتدا و خبر کو اُلٹ دیا جائے تو یہ معنی ہوں گے۔ اظہار و اعترافِ شکست عاشق کی جرأت کا آئینہ دار ہے، سوائے آہ کے کہ وہ عرضِ شکست نہیں۔

لیکن یہ معنی اتنے موزوں نہیں کیونکہ اظہارِ شکست کو جرأت قرار دینے کا جواز نہیں۔ اس کے مقابلے میں چونکہ آہ کو مستثنیٰ کیا ہے اس لئے وہ جرأت کے سوا کچھ اور یعنی بزدلی ہوئی لیکن اسے سرِ لشکرِ وحشت کیا ہے اس لئے اسے غیر جگری کیونکر مانا جائے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ دوسرے معانی

تشفّی بخش نہیں۔

واماندۂ ذوقِ طربِ وصل نہیں ہوں

اے حسرتِ بسیار، تمنّا کی کمی ہے

میں وصل کی لذّت سے تھکا ہوا نہیں یعنی مجھے وصل کی لذّت کا کوئی خاص حصّہ نہیں ملا حسرت بہت ہے کہ لذّتِ وصل ملے۔ لیکن کامرانی کیوں نہیں ہوئی؟ میری تمنّا نے کمی یعنی چوک کی ہے۔ کمی یہاں کمی مقدار کے معنی میں نہیں بلکہ سعی وعمل میں پیچھے رہنے کے معنی میں ہے۔ بسیار اور کمی میں تضاد ہے۔

وہ پردہ نشیں اور اسد آئینۂ اظہار

شہرت چمن فتنہ و عنقا ارمی ہے

وہ پردہ نشیں ہے اور اسد اظہارِ عشق کا آئینہ ہے یعنی اسد کی حالت سے اس کا عشق آئینہ کی طرح واضح ہے چنانچہ وہ بطور عاشق کے شہرت پا گیا ہے۔ شہرت فتنے کا چمن ہے لیکن یہ فقدانِ بہشت ہے یعنی شہرت ایسا مقام ہے جہاں فتنہ کا باغ لگا ہے لیکن یہ باغِ ارم نہیں۔ جنّت یہاں عنقا یعنی معدوم ہے۔ ظاہر ہے رسوائیِ عشق سے فتنے ملتے ہیں عیشِ بہشت نہیں۔

(۲۴۵)

بسکہ سودائے خیالِ زلف، وحشت ناک ہے

تا دلِ شب، آبنوسی شانہ آسا چاک ہے

محبوب کی زلف کے تصوّر کا سودا بہت وحشت پیدا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کالی رات پر بھی یہی اثر ہوا۔ رات کو زلفِ یار کا سودا ہو گیا اس کا دل آبنوس کی کنگھی کی طرح چاک چاک ہو گیا ہے۔

یاں فلاخن باز، کس کا نالۂ بے باک ہے؟

جادہ، تا کہسار، موئے چینیِ افلاک ہے

فلاخن: گوپھن جس میں رکھ کر پتھر غنیم پر پھینکتے ہیں۔ موئے چینی: چینی کے برتن میں ٹوٹنے کا بال۔ دور ایک پہاڑ دکھائی دیتا ہے اس پر راستہ چڑھ کر اُوپر تک چلا گیا ہے۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک چینی کا ظرف ہے جس میں اس جادۂ کوہ سے بال پڑا ہوا ہے۔ کس کے نالے نے پتھر پھینک کر آسمان میں بال ڈال دیا۔ فلاخن، کہسار اور چینی میں رعایت ہے۔ جو نالہ کہسار میں چینی کے برتن کی طرح بال ڈال دے وہ کتنا قاتل ہو گا۔

ہے دو عالم صید، اندازِ نشۂ دُلدل سوار

یاں خطِ پرکارِ ہستی، حلقۂ فتراک ہے

دو عالم صید: دونوں دنیاؤں کو صید کرنے والا۔ شہِ دلدل سوار: حضرت امام حسین۔ خطِ پرکارِ ہستی: ہستی کے پرکار سے کھینچا ہوا دائرہ یعنی پوری ہستی۔

حضرتِ امام حسین کا انداز دونوں دنیاؤں کو شکار کرنے والا ہے۔ پوری ہستی ان کے فتراک کے حلقے میں اسیر ہے۔ اگر صید پر اضافت پڑھی جائے تو متن ہوگا۔ ع

ہے دو عالم، صیدِ اندازِ شہِ دلدل سوار

اور معنی ہوں گے کہ دونوں عالم حضرت کے انداز کے شکار ہیں۔ معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

خلوتِ بال و پرِ قمری میں واکر راہِ شوق

جادۂ گلشن، برنگِ ریشہ زیرِ خاک ہے

قمری سرو کی عاشق ہے نیز کفِ خاکستر یعنی تودۂ خاک ہے۔ ریشہ خاک کے نیچے جاکر پھولتا ہے۔ باغ کے جادے نے قمری کے بال و پر میں جاکر راہِ شوق بنائی۔ جس طرح ریشہ زیرِ خاک ہوتا ہے اسی طرح قمری کے بال و پر میں راہِ شوق زیرِ خاک ہوگئی۔ چونکہ قمری کو سرو تک جانے کا شوق ہے اسلئے اس کے شوق کی راہ باغ کا راستہ قرار دی جاسکتی ہے۔ "واکر" کو خطابیہ بھی مانا جاسکتا ہے اور "واکر کے" مان کر دوسرے مصرع سے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے۔

عیش گرمِ اضطراب و اہلِ غفلت سرد مہر

دورِ ساغر، یک گلستاں برگ ریزِ تاک ہے

یک گلستان برگ ریز: بہت ساری خزاں۔ یک گلستاں کثرتِ مقدار ظاہر کرنے کیلئے لائے ہیں۔ شعر کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔

(۱) عاشقوں کی خواہشِ عیش وصل تڑپا رہی ہے لیکن غفلت شعار محبوب سرد مہری سے کام لے رہے ہیں۔ اس طرح عشاق کیلئے خزانِ تاک ہی دورِ ساغر ہے یعنی ان کے مقدر میں جام نہیں تاک کی بیل کی خزاں ہے۔ بیل سے پتے جھڑنے کو وہ ساغر کی گردش سمجھ سکتے ہیں۔

(۲) سامانِ عیش تڑپ رہے ہیں کہ لوگ ان سے استلذاذ کریں۔ لیکن اہلِ دنیا غفلت میں پڑے ہیں اور آلاتِ عیش سے سرد مہری برت رہے ہیں۔ دورِ ساغر ناقدری کی وجہ سے خزانِ تاک بن کر رہ گیا ہے۔ غزل کی روایات کے پیشِ نظر پہلے معنی بہتر ہیں۔

عرضِ وحشت پر ہے نازِ ناتوانی ہائے دل

شعلہ بے پردہ، عینِ دامنِ خاشاک ہے

دامن میں جو چین یا شکن بنے ہوتے ہیں وہ زیبائش دامن ہوتے ہیں اور ان پر ناز کیا جا سکتا ہے۔ دل کی کمزوری وحشت کے اظہار پر ناز کرتی ہے کیونکہ وحشت ایک قسم کی طاقت ظاہر کرتی ہے۔ گویا تنکے کی چینِ دامن یعنی فخر و ناز کی چیز شعلہ ہے۔ کمزور دل کو تنکا اور وحشت کو شعلہ قرار دیا۔ شعلۂ بے پردہ: وہ شعلہ جو ظاہر ہے پوشیدہ نہیں۔ چونکہ شعلہ خاشاک کو جلا دیتا ہے اس کی مماثلت پر وحشت بھی دلِ ناتواں کو جلا پھونک دے گی۔

ہے کمندِ موجِ گل، فتراکِ بے تابی اسدؔ
رنگ یاں بوسے سوارِ توسنِ چالاک ہے

موجِ گل کو کمند کہا اور اسے بے تابی کا فتراک قرار دیا یعنی گل کے پاس بے تابی ہی بے تابی ہے کیونکہ رنگِ گل بوئے گل کے چالاک گھوڑے پر سوار ہے اس کے معنی ہوئے رنگِ گل بھی موجِ گل کی طرح منتشر ہو رہا ہے۔ تیزی سے بھاگا جا رہا ہے۔ جب پھول کا رنگ اور بو تیزی سے بھاگ رہے ہیں تو گل کا خاتمہ نزدیک ہے۔ اسے بے تابی ہونی ہی چاہیئے۔ اس کی کمند یا فتراک کسی کو کیا اسیر کرے گی وہ تو خود بے چین ہے۔

(۲۲۶)

مژہ پہلوئے چشم، اے جلوۂ ادراک باقی ہے
ہوا وہ شعلہ داغ اور شوخیٔ خاشاک باقی ہے

جلوۂ ادراک: عقل و فہم کا جلوہ، جلوۂ محبوبِ حقیقی مراد ہو سکتا ہے۔ اے جلوے آنکھ کے پہلو میں پلک سلامت ہے۔ آنکھ شعلہ تھی لیکن جل بجھ کر سیاہ داغ رہ گئی۔ پلک محض خاشاک تھی لیکن شوخیٔ مزاج کی وجہ سے وہ بدستور باقی ہے۔ یہ حیرت کی بات ہے۔ شعر میں لفظ ادراک حشو ہے۔

چمن میں کچھ نہ چھوڑا تو نے غیر از بیضۂ قمری
عدم میں بہر فرقِ سرو مشتِ خاک باقی ہے

بیضۂ قمری سے قمری پیدا ہوگی جو ہنوز عدم میں ہے۔ قمری مشتِ خاک ہے۔ فرقِ سرو: سرو کا سر۔ قمری سرو پر بیٹھتی ہے۔ یہ واضح نہیں کہ شعر میں کس سے خطاب کیا گیا ہے۔ چمن میں بیضۂ قمری کے سوا کچھ نہیں بچا۔ چمن سے دوسری طرف عدم ہے وہاں ایک مشتِ خاک یعنی قمری انتظارِ تولید میں موجود ہے۔ گویا سرو کیلئے باغ میں کچھ نہیں اور عدم آباد میں بھی کیا ہے۔ محض ایک مشتِ خاک جسے قمری کہتے ہیں۔
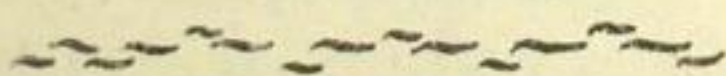
گدازِ سعیِ بینش، شست وشوئے نقشِ خودکامی
سراپا شبنم آئیں، یک نگاہِ پاک باقی ہے

نقشِ خودکامی: خود غرضی کا نقش۔ خودکامی کے نقش کی شستہ وشو کی جائے یعنی اس کی اصلاح اور تزکیہ کیا جائے تو وہ بصارت کا گداز کرنے والا ہو جائے گا۔ جس طرح دل گداز کے معنی دل کو نرم و رقیق کرنے والے کے ہیں اسی طرح کوششِ بینائی کا گداز ہونا نظر میں وسعت، بے غرضی اور دوسروں سے ہمدردی پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کسی میلی چیز کو دھویا جائے تو ایک پاک صاف شکل نکل آتی ہے اسی طرح نقشِ خودغرضی کی صفائی کی گئی تو شبنم کی طرح ایک پاک صاف نگاہ باقی رہ گئی۔ مطلب پرستی کا میل کٹ گیا۔

ہوا ترکِ لباسِ زعفرانی دل کشا لیکن
ہنوز آفت نسب یک خندہ یعنی چاک باقی ہے

لباسِ زعفرانی کو آسی نے رنگینی کی علامت مانا ہے۔ میرے نزدیک یہ لباس درویشی کی طرف اشارہ ہے۔ درویشی میں لباس کی وجہ سے رشتۂ علائق رہتا ہے۔ ہم نے اسے ترک کر دیا۔ اس سے ہماری طبیعت کھلی اور دل کشائی کی وجہ سے ہم نے خندہ کیا۔ یہ خندہ یعنی چاکِ گریباں سے مشابہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ابھی ہم نے لباس کو پوری طرح تلف نہیں کیا۔ اس کی ایک نشانی یعنی چاک باقی رہ گیا ہے۔ یہ خندہ آفتوں کی جڑ یا آفت زادہ ہے۔ یعنی ترکِ علائق تو ٹھیک ہے لیکن اس پر فخر کیا جائے یا خوشی کی نمائش کی جائے تو یہ پُر آفت ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ خندہ روا نہیں۔

چمن زارِ تمنا ہو گیا صرفِ خزاں لیکن
بہارِ نیم رنگِ آہِ حسرت ناک باقی ہے

تمنا کے باغ میں خزاں آ گئی۔ حسرت سے بھری ہوئی آہ پر بہار ہے لیکن اس کی بہار کیا۔ اس میں صرف تھوڑی سی رنگینی ہے۔ آہ کی بہار بہار و خزاں کے بین بین ہے۔

نہ حیرت چشمِ ساقی کی، نہ صحبت دورِ ساغر کی
مری محفل میں، غالب، گردشِ افلاک باقی ہے

چشمِ ساقی میں حیرت ہوتی ہے جو بہت خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ میرے مقدر میں نہ چشمِ ساقی ہے نہ دورِ ساغر بلکہ محض گردشِ فلک ہے اور ظاہر ہے آسمان کی گردش میرے لئے موجبِ

بدبختی ہی ہوگی۔

(۲۴۷)

شکلِ طاؤس، گرفتار بنایا ہے مجھے

ہوں وہ گلدام کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے

گلدام: لفظی معنی چھوٹا دام لیکن محض دام کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ طاؤس کے نقش ونگار کو جال قرار دیا۔ جو اس کے سبز رنگ میں پوشیدہ ہے۔ طاؤس اپنے ہی دام میں گرفتار ہے۔ کہتے ہیں میں بھی اسی کی طرح گرفتار ہوں۔ اور میں بھی ایسا جال ہوں جو سبزے میں پوشیدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اپنے لئے سبزہ کہاں سے لایا جائے۔ آسی لکھتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان میں طاؤس کے سے نقش ونگار کہاں ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اپنے آپ کو گلدام بتایا ہے اور گلدام کے لغوی معنی اگرچہ چھوٹے جال یا مطلق جال کے ہیں مگر اس لحاظ سے کہ اس میں گل کا لفظ موجود ہے کہہ سکتے ہیں کہ وہ جال جو پھولوں کے واسطے یا پھولوں سے بنایا ہو۔ اور اسی صورت میں طاؤس سے اس کی تشبیہ صحیح ہوگی یعنی میں گلدام ہوں کہ سبزہ پر بچھا ہوں اور طاؤس کی طرح گرفتار ہوں۔

اس تقادیل سے تشفی نہیں ہوتی۔ میری رائے میں شعر کے معنی یہ ہیں سبزے سے مراد ظاہری خوش حالی وشادابی ہے۔ میں طاؤس کی طرح گرفتار ہوں۔ ظاہراً میں خوش اور خوش حال ہوں لیکن دراصل اس خوشحالی کے پیچھے بہت سی قیود، پابندیاں اور دل تنگیاں ہیں جو میرے لئے ایک جال ہیں لیکن دوسروں کو نظر نہیں آتیں۔

پرِ طاؤس تماشا نظر آیا ہے مجھے

ایک دل تھا کہ بہ صد رنگ دکھایا ہے مجھے

پرِ طاؤس میں چونکہ داغ ہوتے ہیں اس لئے اسے دل سے مشابہ کیا۔ پرِ طاؤس میں مجھے خوب تماشا نظر آیا۔ یہ عاشق کا دلِ داغ دار تھا جو طرح طرح کی شکلوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔

عکسِ خطِ تا سخنِ ناصحِ دانا سرسبز

آئنہ بیضۂ طوطی نظر آیا ہے مجھے

بیضۂ طوطی سے کچھ عرصے کے بعد طوطی نکلتی ہے جو سخن سنج ہوتی ہے۔ لوہے کے آئینے میں جوہر اور زنگار کو طوطی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ غالب نے آئینے کو بیضۂ طوطی قرار دیا ہے۔ ناصح انھیں نصیحت کرتے آئے۔ سامنے آئینہ لگا تھا اس میں ناصح صاحب کے خطِ سبز

کا عکس دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر میں ناصح بولنے لگے گویا یہ عکس طوطی، نما طوطی سخن سنج بن گیا۔ اس طرح آئینہ بیضۂ طوطی ہو گیا جس میں سے تھوڑی دیر بعد شیریں مقالی ہونے لگی۔ ناصح صاحب تو نصیحت کر رہے ہوں گے اور غالب آئینے میں ان کی داڑھی دیکھ کر سوچ رہے ہوں گے کہ طوطی سخن سنج ہے۔ خط، دانا، سر سبز، بیضۂ طوطی میں رعایت ہے۔

سنبلستانِ جنوں ہوں، ستم نسبتِ زلف
موکشاں خانۂ زنجیر میں لایا ہے مجھے

سنبلستان: باغ۔ زلف کی رعایت سے سنبلستان اور موکشاں کے الفاظ لائے۔ میں جنوں کا باغ ہوں۔ چونکہ میں کسی کی زلف کا عاشق کہا جاتا ہوں اور یہ میں نے بڑا ستم کیا ہے اس لئے یہ مجھے بالوں سے گھسیٹ کر لایا اور زنجیر کے خانے میں بند کر دیا۔

گرد باد، آئینۂ محشرِ خاکِ مجنوں
یک بیاباں دلِ بے تاب اٹھایا ہے مجھے

آئینۂ محشر سے آفتابِ قیامت مُراد لیا جاتا ہے لیکن یہاں لفظی معنی ہی کافی ہیں۔ مجنوں کی خاک گرد باد کی شکل میں بھرتی ہے۔ گویا گرد باد خاکِ مجنوں پر جو قیامت ٹوٹی ہے اس کا آئینہ ہے۔ اس گرد باد نے میرے اندر بہت سا دلِ بے تاب اٹھایا ہے۔ یک بیاباں دلِ بے تاب: دلِ بے تاب کی شدت ظاہر کرتا ہے۔ مجنوں کا حشر دیکھ کر مجھے اس لئے بے تابی ہوئی ہوگی کہ جب مجنوں کا یہ حشر ہوا تو ان کا بھی یہی حال ہوگا۔ یا پھر مجنوں کی ہمدردی کی وجہ سے بے تابی کا پورا جنگل اٹھ کھڑا ہوا۔

حیرتِ کاغذِ آتش زدہ ہے جلوۂ عمر
تہِ خاکسترِ صد آئینہ پایا ہے مجھے

خاکسترِ آئینہ اس راکھ کو کہتے ہیں جس سے آئینہ صاف کیا جائے لیکن یہاں یہ مُراد نہیں غالب کا ایک مشابہ شعر یہ ہے۔

برنگِ کاغذِ آتش زدہ، نیرنگِ بے تابی
ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یک تپیدن پر

شعر کے معنی یہ ہیں:۔ عمر کا جلوہ کاغذِ آتش زدہ کی طرح ہے۔ کاغذ کو آگ لگائی جائے تو ایک لمحے میں راکھ ہو جائے گا۔ جلوۂ عمر اتنا ہی مختصر ہے۔ اس جلوے کے آخر میں مجھے ایسے

راکھ کے نیچے پایا گیا جو صد آئینہ دار ہے جس میں سو آئینے دکھائی دے رہے ہیں۔ جلا ہوا کاغذ اپنے نقوش سلامت رکھتا ہے اور مختلف حصوں سے مختلف آرزوؤں اور حسرتوں کا بیان کرتا ہے۔ خاکسترِ صد آئینہ سے مراد آئینے کو جلا کر حاصل کی ہوئی راکھ نہیں کیونکہ آئینہ جل کر راکھ نہیں ہو سکتا۔ خاکسترِ صد آئینہ سے مراد وہ خاکستر ہے جو صد آئینہ نما یا صد آئینہ دار ہو۔ چونکہ کاغذِ سوختہ کو آئینہ کہا اس لئے اسے حیرت زدہ بھی کہا۔ مرنے کے بعد جلوۂ عمر کے اختصار پر حیرت ہو سکتی ہے۔

لالہ و گل بہم آئینۂ اخلاقِ بہار
ہوں میں وہ داغ کہ پھولوں میں بسایا ہے مجھے

داغ علامت ہے حسرت و ناکامی کی۔ لالہ میں داغ ہوتا ہے دوسرے پھولوں میں نہیں ہوتا۔ عموماً حسرت زدہ لوگ تاریک و افسردہ ماحول میں رہتے ہیں رنگ و بو کی بزم میں انھیں بار نہیں ملتا۔ بہار اتنی خوش اخلاق ہے کہ اس نے لالہ جیسے داغ خوردہ شخص کو پھولوں کے ساتھ جگہ دی ہے۔ یہ بات بہار کے اخلاق کا آئینہ ہے۔ میں بھی داغ خوردہ شخص ہوں۔ متوقع تھا کہ مجھے مایوسوں اور محروموں کے زمرے میں رکھا جاتا لیکن مجھے اس کے برعکس حسینوں کے بیچ رہنے کا موقع دیا گیا ہے یہ ماحول کا مجھ پر احسان ہے۔

دردِ اظہارِ تپش کسوتیِ گل معلوم
ہوں میں وہ چاک کہ کانٹوں سے سلایا ہے مجھے

پھول میں بہت سی پنکھڑیاں ہوتی ہیں یعنی وہ دل چاک ہے اس لئے اس کے دل میں تپش یعنی تڑپ بھی ہوگی۔ میری تڑپ کے اظہار کا درد بر لباسِ گل کہاں سامنے آسکتا ہے یعنی میری تڑپ پھول کی شکل میں ظاہر نہیں ہوگی۔ میں وہ چاک ہوں جسے کانٹوں سے سیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کانٹوں سے سینے میں مزید اذیت ہوگی۔

بے دماغِ تپش و عرضِ دو عالم فریاد
ہوں میں وہ خاک کہ ماتم میں اڑایا ہے مجھے

مجھے تپش نے بے دماغ یعنی نازک مزاج یا کڑھا ہوا کر رکھا ہے۔ میں فریاد ہی فریاد پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں وہ خاک ہوں جو ماتم کرنے والے اڑاتا ہے گویا میں تپش و فریاد و خاکِ ماتم ہوں۔

جامِ ہر ذرّہ ہے سرشارِ تمنّا مجھ سے
کس کا دل ہوں کہ دو عالم میں لگایا ہے مجھے

جو میری خواہش ہے وہی ہر ذرّے کی ہے۔ گویا میری تمنّا کی شراب سے اِن کا جام لبریز ہے۔ میں کس عاشق کا دل ہوں کہ مجھے دو عالم سے وابستہ کیا ہوا ہے یہ بھی ہمہ من لست قسم کا مضمون ہے۔ ساری دُنیا کے دل میں تمنائیں میری ہی دی ہوئی ہیں میری ہی تقلید میں ہیں۔

جوشِ فریاد سے لوں گا دیتِ خواب اسدؔ
شوخیِ نغمۂ بیدلؔ نے جگایا ہے مجھے

دیت : خوں بہا۔ بیدل کی شاعری کی شوخی نے مجھے جگا دیا اور میں اسی انداز سے فکرِ سخن کرنے لگا۔ میری نیند کشتہ ہو گئی اس کا خوں بہا میں جوشِ فریاد سے لوں گا یعنی زور زور سے نالہ کروں گا۔ جو شعر تخلیق پائیں گے وہ ہمہ فریاد ہوں گے۔

آسی لکھتے ہیں میرے عالمِ خواب کا جوشِ فریاد نے خون کر دیا اب میں اسی سے اپنی نیند کا خوں بہا لوں گا گویا کہ میں پڑا سو رہا تھا کہ مجھے مرزا بیدل کے شوخ نغمے نے بیدار کر دیا۔ یعنی میں بے خبر تھا مگر مجھے طرزِ کلامِ بیدل نے ہوشیار کیا۔

میرے نزدیک جگانے کی ذمہ داری جوشِ فریاد پر نہیں نغمۂ بیدل پر ہے۔ جوشِ فریاد کی شکل میں خوں بہا لیا جائے گا۔

(۲۴۸)

جنوں رسوائیِ وارستگی؟ زنجیر بہتر ہے
بہ قدرِ مصلحت دل بستگی تدبیر بہتر ہے

اے جنوں میں ترکِ تعلق کی بدنامی لوں؟ اس سے تو زنجیر بہتر ہے۔ وارستگی کے لئے ضرورت ہے کہ عشق سے بھی ہاتھ اُٹھایا جائے۔ میں اس کی بجائے عشق کا جنوں لیکر زنجیر بند ہونا پسند کروں گا۔ مصلحت کے تقاضے کے مطابق دل لگا لینا چاہیئے اور زندگی کرنے کے لئے یہ بہتر تدبیر ہے بہ نسبت ترکِ علائق کے۔

خوشا خود بینی و تدبیر و غفلت نقد اندیشہ
بہ دینِ عجز اگر بدنامیِ تقدیر بہتر ہے!

بعض طبائع عجز و خاکساری و معذوری کا دین اختیار کرتی ہیں۔ ان کی ناکامی سے تقدیر

بدنام ہوتی ہے لیکن وہ تدبیر پر اس رسوائیِ تقدیر کو ترجیح دیتے ہیں۔ تقدیر کی بدنامی ہے تو کہیں اچھی تدبیر ہے خواہ اس میں خود بینی کا الزام آئے خواہ خیال کی متاع محض غفلت ہو یعنی خیال اور عمل دراصل غفلت ہو لیکن یہ سب تقدیر کو بدنام کرنے سے تو بہتر ہے۔

غفلت نقد اندیشہ: وہ اندیشہ جو غفلت کا نقد لئے ہے۔

کمالِ حسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہو
تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

اگر کمالِ حُسن تغافل پر منحصر ہے تو تیری تصویر تجھ پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ تغافل رکھتی ہے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ اگر تیرے شعارِ حیات میں صرف تغافل ہی کمالِ حُسن کی نشانی ہے تو ہمارے لئے تجھ سے تیری تصویر بہتر ہے کہ وہ تغافل نہیں کرتی اور ہماری طرف دیکھنے کو تیار ہے۔

دلِ آگاہ تسکین خیز بے دردی نہ ہو یارب
نفس آئینہ دارِ آہِ بے تاثیر بہتر ہے

ہماری آہ سے محبوب پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہمارا سانس آہِ بے تاثیر کئے جائے تو یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ دل آہ کرنا بند کردے اور بے درد محبوب کو تسکین ہوجائے کہ اس نے کسی کو ستا نہیں رکھا۔ دل اگر آگاہ اور سمجھ دار ہو تو فوراً دیکھ سکتا ہے کہ آہ کا کوئی اثر نہیں اس لئے آہ نہ کرنی چاہیئے لیکن شاعر خدا سے دعا مانگتا ہے کہ کہیں دلِ آگاہ ایسا نہ کرنے لگے ورنہ ظالم کے ضمیر کو سکون ہوجائے گا۔

خدایا چشم تا دل درد ہے' افسونِ آگاہی
نگہ حیرت سوادِ خوابِ بے تعبیر بہتر ہے

خوابِ بے تعبیر: خوابِ پریشاں، خوابِ وحشت ناک۔ آگاہی اور سمجھ آنکھ میں ہوتی ہے یا دل میں۔ دُنیا اور زندگی کا حال دیکھتے ہوئے عقل مندوں کو تکلیف ہی ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے ہوش مندی نے چشم و دل میں درد پیدا کیا ہوا ہے اس سے بہتر ہے کہ نگہ خوابِ دیوانگی کے سواد میں حیران گھومے یعنی نگہ ایسی باتیں دیکھے اور دل ایسی باتیں سوچے کہ جن کا کوئی نتیجہ نہیں۔ دُنیا سے بیزاری کی انتہا ہے کہ ہوش اور سوجھ بوجھ سے رہنے کو موجبِ تکلیف قرار دیتے ہیں۔

درد لِ جوہرِ آئینہ، جوں برگِ حنا خوں ہے

تماں، نقشِ خود آرائی، حیا تحریر بہتر ہے

حسینو تم آئینے کے سامنے اطمینان سے بیٹھ کر کھلم کھلا خود آرائی کرتے ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ جوہرِ آئینہ کے بھی دل ہے جو تمہیں دیکھ کر عشق میں خون ہو گیا ہے۔ جس طرح حنا کی پتی میں سرخ رنگ چھپا رہتا ہے اور دکھائی نہیں دیتا اسی طرح جوہرِ آئینہ کا بھی دل ہے اور اس میں خون ہے (یعنی وہ کشتہ ہونے کی وجہ سے خون ہو گیا ہے) چونکہ جوہر دل والے عاشق کی طرح ہے اس لئے تم آئینے سے شرماؤ اور خود آرائی کے نقش کو حیا کے ساتھ تحریر کرو۔

تمنا ہے، اسد قتلِ رقیب اور شکر کا سجدہ

دعائے دل، بہ محرابِ خمِ شمشیر بہتر ہے

اسد میری تمنا ہے کہ رقیب قتل ہو جائے اور میں شکر کا سجدہ کروں۔ دعا کو محرابِ مسجد کے نیچے مانگنے سے بہتر ہے کہ محرابِ خمِ شمشیر کے نیچے مانگی جائے یعنی یہ کہ شمشیر رقیب کا کام تمام کردے۔

(۲۴۹)

دریوزۂ ساماں ہا، اے بے سروسامانی

ایجادِ گریباں ہا، در پردۂ عریانی

اے بے نوائی کی حالت تو زبانِ حال سے سازو سامان کی بھیک مانگ رہی ہے عریانی در پردہ لباس و گریباں کی آرزو ہے یعنی عریانی آخر کار طرح طرح کے ملبوسات پر جا کر ختم ہوگی اس لئے بے سروسامانی پر فخر نہیں کرنا چاہیئے۔

تمثالِ تماشا ہا، اقبالِ تمنا ہا

عجزِ عرقِ شرمے، اے آئینہ، حیرانی

مندرجہ بالا اوقاف نسخۂ عرشی کے ہیں۔ ان کے مطابق شعر کا مطلب یہ ہوگا۔ اے آئینہ اگر تیرے اندر بہت سے تماشوں کی تصویریں دکھائی دیتی رہیں تو یہ تیری تمناؤں کا اقبال اور کامرانی ہے اگر تو حیران ہو کر گم سم بیٹھا رہے۔ میرے نزدیک شعر کی بہتر قرات یہ ہے۔

تمثالِ تماشا ہا، اقبالِ تمنا ہا

عجزِ عرقِ شرمے اے آئینہ حیرانی

اے آئینے کی حیرانی تمثالوں کا تماشا کرنا اور اقبال کی تمنا کرنا اپنی عاجزی، بے
نوائی اور کم مائگی کی یاد دلاتا ہے۔ یہ شرم و عجز کا پسینہ ہے اس لئے تماشائے تمثال اور
تمنائے اقبال سے در گزر کر۔

دعوائے جنوں، باطل، تسلیم، عبث حاصل
پروازِ فنا، مشکل۔ میں، عجزِ تن آسانی

اس شعر میں بھی بیزاری کا مضمون ہے۔ جنونِ عشق کا دعویٰ کرنا جھوٹ ہے۔
مرضیِ الٰہی کے آگے تسلیم کر لی جائے تو یہ بھی عبث حاصل ہے یعنی اس کا کچھ حاصل نہیں۔
فنا کی پرواز یعنی روح کو جانبِ عرش پرواز کرانا مشکل ہے۔ مجبوراً میں عاجزی و معذوری
کی وجہ سے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا ہوں تن آسان ہو گیا ہوں۔ جیسے بھی زندگی گزر
رہی ہے گزار رہا ہوں۔

بیگانگیِ خوہا، موجِ رمِ آہو ہا
دامِ گلۂ الفت، زنجیرِ پشیمانی

محبوب ہم سے بیگانگی کا شیوہ جو برتتا ہے وہ ہرنوں کے رم کی طرح ہے یعنی حسینوں
کا قاعدہ ہی ہے کہ چاہنے والوں سے دور بھاگیں۔ اب میں اگر محبوب سے گلہ کروں تو یہ
دامِ پشیمانی کی زنجیر بن جائے گا کیونکہ اس سے کچھ حاصل تو ہوگا نہیں الٹا مجھی کو پشیمان
ہونا پڑے گا۔ یعنی میں نے شکوے کا دام محبوب پر ڈالا وہ پشیمانی کی زنجیر بن کر مجھے ہی
باندھنے لگا۔

پروازِ تپش رنگے، گلزار ہمہ تنگے
خوں ہو قفسِ دل میں، اے ذوقِ پر افشانی

میری رائے میں رنگے اور تنگے کی بجائے رنگی اور تنگی ہونا چاہیئے۔ پرواز تپش
رنگ ہے یعنی اڑنے سے بے قراری ہوتی ہے۔ باغ تنگی ہی تنگی ہے۔ یہاں دل گھٹتا
ہے۔ اے پرواز کے ذوق تو دل کے پنجرے ہی میں خون ہو کر رہ جا کیونکہ تجھے آسودہ کرنے
کا کوئی موقع نہیں۔

سنگ آمد و سخت آمد، دردِ سرِ خودداری
معذورِ سبکباری، مجبورِ گرانجانی

سبک ساری : ذلت ۔ خود داری در دِ سر ثابت ہوئی ۔ سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ ہوگیا زمانے نے میری کمر توڑ دی ہے لیکن میں دوسروں کے سامنے سبک سر جانے سے معذور ہوں کیونکہ خود داری کے منافی ہے اور میں گراں جانی یعنی سخت جانی سے مجبور ہوں ۔ مصائب کی وجہ سے مجھے زندہ رہنا مشکل ہے ۔ بڑی مشکل میں ہوں۔

"مجبورِ گراں جانی" کے معنی اگر یہ لئے جائیں کہ "میں گراں جانی کے لئے مجبور ہوں" تو شاعر کی پریشانی ہلکی ہو جاتی ہے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ "میں گراں جانی اختیار کرنے سے مجبور ہوں۔ یعنی گراں جانی میرے بس کی نہیں" تو شاعر کی دُبدھا تیز ہو کر سامنے آتی ہے۔

گلزارِ تمنا ہوں، گلچینِ تماشا ہوں

صد نالہ اسد، بلبل در بندِ زباں دانی

میں تمناؤں کا باغ ہوں اور تماشائے گلشن سے گل چینی کر رہا ہوں لیکن محض تمنا کرنا یا دیکھنا کافی نہیں۔ وصلِ گل کو جی چاہتا ہے اور یہ نہ ملنے سے اسد صد نالہ ہو گیا ہے۔ طرح طرح سے فریاد کر رہا ہے۔ وہ زباں داں شاعر ہے اور اس زبان دانی یا طلاقتِ لسانی کی قید میں ہے کس طرح؟ طرح طرح سے فریاد کرنے پر مجبور ہے۔ جو الفاظ پر قادر ہو وہی تو اپنی خواہش کو سو طرح سے ظاہر کر سکتا ہے۔

(۲۵۰)

گریہ سرشاریِ شوقِ بہ بیاباں زدہ ہے

قطرۂ خونِ جگر، چشمکِ طوفاں زدہ ہے

شوق بہ بیاباں زدہ : شوق جو بیاباں کا مقصد رکھتا ہے ۔ چشمک زدن : آنکھ سے اشارہ کرنا ۔ چشمکِ طوفاں زدہ : طوفاں کی آنکھ کے اشارے کا ورغلایا ہوا ۔ گریہ شوقِ صحرانوردی کی سرشاری کی نشانی ہے یعنی ہم اتنے آنسو بہانا چاہتے ہیں کہ بیاباں کو بھی لپیٹ میں لے لیں۔ خونِ جگر کا قطرہ طوفاں کا اشارہ یافتہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ باہر نکل کر طوفاں بپا کرے۔

گریہ بے لذّتِ کاوش نہ کرے جرأتِ شوق

قطرۂ اشکِ اول بر صفِ مژگاں زدہ ہے

گریہ جب تک کاوش نہ کرے عشق کے شغل کی جرأت نہیں کر سکتا ۔ آنسو کی بوند کیا ہے؟ اس کے پردے میں دل پلکوں کی صف کا حریف ہے یعنی آنسو اور گریہ کاوشِ دل ہیں۔

بے تماشا نہیں جمعیتِ چشمِ بسمل
مژہ فالِ دو جہاں خوابِ پریشاں زدہ ہے

چشمِ بسمل میں پریشانی کی جگہ جمود اور ٹھہراؤ آجاتا ہے جو ایک طرح کی جمعیت ہے۔ یہ ظاہری سکون پرلطف و دلچسپ ہے۔ بسمل کو عمر بھر طرح طرح کے خواب پریشاں دکھائی دیا کیے۔ ان کی بنا پر فال گویوں نے طرح طرح کی پیشین گوئیاں کیں، تعبیریں کیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فال بھی خوش آئند نہ رہے ہوں گے۔ بسمل کی پلکوں پر ان وحشت آمیز خوابوں کے تمام فال جمع ہو گئے ہیں۔ ان فالوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ خواب پریشاں دیکھنے والے کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بہر تقدیر آنکھوں میں یا پلک پر طرح طرح کے فالوں کا اجتماع دلچسپ منظر ضرور ہے۔

فرصت آئینہ و پروازِ عدم تا ہستی
یک شرر بالِ دل و دیدہ چراغاں زدہ ہے

فرصت: وقت۔ عدم سے ہستی تک کی پرواز ایک شرر کی چمک کی طرح ہے۔ شرر کیسا جس نے دل و دیدہ کے پروں میں چراغاں کر رکھا ہے۔ یعنی پروں میں آگ لگا رکھی ہے وقت ایسا آئینہ ہے جس میں انسان کی عدم سے ہستی کی پرواز اور اس کا آتش بر بال ہونا دکھائی دیتا ہے شعر میں زندگی کے بارے میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ اول تو یہ اتنی مختصر ہے جیسے شرر کی چمک دوسرے یہ کہ اس میں بازوئے پرواز میں آگ لگی ہے یعنی یہ سراسر درد ہے۔ بالِ دل و دیدہ چراغاں زدہ، ایک توصیفی فقرہ ہے جو شرر کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ نثر ہوگی فرصت آئینہ (ہے) اور پروازِ عدم تا ہستی یک بالِ دل و دیدہ چراغاں زدہ شرر ہے۔

درسِ نیرنگ ہے کس موجِ نگہ کا یارب
غنچہ صد آئینہ زانوئے گلستاں زدہ ہے

غنچہ نے زانوئے گلستاں پر سو آئینے رکھے ہوئے ہیں۔ وہ کیا دیکھ اور سوچ رہا ہے۔ کون سی نگاہ کی موج اسے درسِ نیرنگ دے رہی ہے۔ اور وہ آئینہ میں ان کا مشاہدہ کر رہا ہے غالباً موجِ نگہ خالق کی نگہ ہے جو غنچے کو نیرنگیوں سے واقف کر رہی ہے۔ نیرنگ کا تعلق خود غنچے سے ہے۔ موجِ نگہ سے نہیں۔

اس شعر کے ایک اور دور کے معنی بھی ممکن ہیں۔ "آئینہ زانو" سے کنایہ ہوتا ہے محبوب غنچہ باغ کے سو حسینوں کا تقرب کھائے ہوئے ہے یعنی سو حسینوں کے حسن پر فریفتہ ہے۔ ہر کس کی

موجِ نگہ کے نیرنگ کا درس لے رہا ہے۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا یہ دور کے معنی ہیں۔ دوسرے مصرع میں سَو حسینوں کا ذکر ہے اور پہلے میں کس نگہ سے محض ایک حسین کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے یہ تشریح زیادہ برجستہ نہیں۔ پہلی تشریح ہی بہتر ہے۔

سازِ وحشت رقمی ہا کہ بہ اظہارِ اسدؔ
دشت و ریگ آئینۂ صفحۂ افشاں زدہ ہے

صفحۂ افشاں زدہ: وہ کاغذ جس پر سنہرے روپہلے چھینٹے بنائے ہوں جو زیبائش کیلئے ہوتا ہے۔ اسدؔ کے محاورے میں جنگل اور ریت کاغذِ افشاں زدہ کی طرح ہے یعنی اسے جنگل اور ریت بہت خوشگوار معلوم ہوتا ہے یہ وحشت کی تخلیق کا سامان ہے۔ صفحے کی رعایت سے رقم لائے ہیں۔ صحرائے ریگ زار کو خوش آئند سمجھنا ابتدائے وحشت ہے۔

(۲۵۱)

خوابِ غفلت، بہ کمیں گاہِ نظر پنہاں ہے
شام، سائے میں بہ تاراجِ سحر پنہاں ہے

نظر کو گھات لگانے کی جگہ کہا ہے جس کے پیچھے خوابِ غفلت چھپ کر ہمارے ہوش پر حملہ کیا چاہتا ہے یعنی غفلت ہمیشہ تاک میں رہتی ہے کہ ہمارے ہوش و عقل جاتے رہیں گویا رات سائے میں چھپ کر صبح کو برباد کرنے کی فکر میں ہے۔

دو جہاں، گردشِ یک سبحۂ اسرارِ نیاز
نقدِ صد دل بہ گریبانِ سحر پنہاں ہے

اسرارِ نیاز: وہ راز و نیاز کی باتیں جو عاشق محبوب سے کرتا ہے۔ چونکہ نیاز کی راز بھری باتوں کو تسبیح سے تشبیہہ دی ہے اس لئے اس کی رعایت سے دوسرے مصرع میں سو دلوں کا ذکر کیا ہے۔ تسبیح میں سو دانے ہوتے ہیں۔ سو دل، عاشقوں کے دل ہیں جو نیاز سے بھرے ہیں۔ دونوں دُنیا کیا ہیں ایک تسبیحِ نیازِ عاشق کی گردش چنانچہ صُبح اپنے گریباں یعنی پیرہن میں نقدِ صد دل لئے ہے جو محبوب کے حضور پیش کرنے ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ دُنیا محبوبِ حقیقی کے حضور اظہارِ نیاز کے سوا کچھ نہیں۔

خلوتِ دل میں نہ کر دخل بجز سجدۂ شوق
آستاں میں صفتِ آئینہ در پنہاں ہے

دل کی تنہائی میں جب بھی تو داخل ہو شوق کا سجدہ کرتا ہوا جا ورنہ داخل نہ ہو۔ تو کہے گا اس میں جانے کا دروازہ تو ہے نہیں۔ دراصل ہے جس طرح آئینہ بظاہر ایک چوکھٹ یا دروازے کا چوکھٹا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے خانے میں عکس کے داخلے کیلئے در ہوتا ہے اسی طرح آستانِ دل میں نفوذ کا در پوشیدہ ہے۔

فکرِ پروازِ جنوں ہے، سببِ ضبط نہ پوچھ
اشک، جوں بیضہ، مژہ سے تہِ پر پنہاں ہے

بیضہ تہہ بال ہونا : انڈے کو پروں کے نیچے رکھ کر سیتا۔ ہم سے ضبطِ اشک کا سبب نہ پوچھ اشک وہ انڈا ہے جو پلک کے پروں نے اپنے نیچے چھپایا ہوا ہے۔ چونکہ پروں کے نیچے انڈے کو چھپا کر سیتے ہیں جس کے بعد اس میں سے بچہ نکل کر اڑتا ہے اس لئے ہمیں یہی فکر ہے کہ بیضہ اشک کا بچہ پرواز نہ کر جائے۔ آنسو کا اڑنا اس کا خشک و معدوم ہو جانا ہے۔ آنسو خشک ہوئے تو جنوں بھی پرواز کر جائے گا۔ اس لئے ہم آنسوؤں کو ضبط کئے ہوئے ہیں تاکہ یہ باہر نکل کر ختم نہ ہو جائیں۔

چونکہ رونے سے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے اس لئے ضبط کرنا جنوں کو زندگی اور بالیدگی دیتا ہے۔

ہوش، اے ہرزہ درا! تہمتِ بے دردی چند؟
نالہ، در گردِ تمنائے اثر پنہاں ہے

ہرزہ درا : بے ہودہ باتیں کرنے والا۔ تہمتِ بے دردی : یہ تہمت کہ میرے دل میں درد و سوز نہیں ہے۔ اے معترض بے ہودہ باتیں نہ کر مجھ پر یہ تہمت نہ لگا کہ چونکہ میں نالہ نہیں کرتا اس لئے میرا دل دردِ عشق سے خالی ہے۔ میرا نالہ تمنائے اثر کی دھول میں چھپا ہوا ہے یعنی میں نالہ اس لئے نہیں کرتا کہ اس میں کوئی تاثیر نہیں۔ تمنا کر رہا ہوں کہ اثر پیدا ہو جائے۔ فی الحال اس ناکام تمنا نے نالے کو روکا ہوا ہے۔

وہمِ غفلت، مگر احرامِ فسردن باندھے
ورنہ، ہر سنگ کے باطن میں شرر پنہاں ہے

احرام باندھنا : نیت یا قصد کرنا۔ احرام فسردن باندھنا : مرجھا کر غائب ہو جانے کی تیاری کرنا۔ غفلت، کس کے لئے آیا ہے حسن کے لئے یا عشق کیلئے؟ شعر کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) اگر محبوب کو یہ وہم ہو کہ لوگ حسن کا مذاق نہیں رکھتے اس کی طرف سے غفلت برتتے

ہیں تو اس بدگمانی کو ختم ہو جانا چاہیئے۔ ہر پتھر کے اندر شرر پوشیدہ ہے اور ہر انسان کے دل میں جذبۂ عشق ہے۔ وہ رنگ دکھا کر رہے گا۔ دل، ہمیں جو یہ وہم ہے کہ محبوب ہماری طرف سے غفلت برتتا ہے اب اسے غائب ہو جانا چاہیئے کیونکہ ہر پتھر کے دل میں چنگاری ہوتی ہے۔ ہمارے دل میں وہ آنچ ہے کہ اثر ہو کر رہے گا اور غفلت کا قلع قمع ہو جائے گا۔

وحشتِ دل ہے اسدؔ، عالم نیرنگِ نشاط
خندۂ گل بر لبِ زخمِ جگر پنہاں ہے

اسدؔ دل کی وحشت میرے لئے نشاط کی رنگارنگی کی دنیا ہے۔ زخمِ جگر کے ہونٹوں میں خندۂ گل کی کیفیت ہے یعنی میرے لئے درد و الم ہی میں راحت ہے۔

(۲۵۴)

کلفت، طلسم جلوۂ کیفیتِ دگر
زنگار خوردہ آئنہ، یک برگِ تاک ہے

کلفت کو زنگ سے اور دل کو آئینے سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ رنج و کلفت میں ایک اور قسم کی کیفیت کا جلوہ ہے۔ خوشی کا نشہ اور ہوتا ہے رنج کا اور۔ زنگ لگا ہوا آئینہ انگور کے سرخی مائل پتے کی طرح ہوتا ہے۔ انگور آخرکار شراب اور نشے کا باعث بنتا ہے اس لئے زنگ خوردہ آئینے سے بھی کسی نشے کی امید کر سکتے ہیں اور یہ زنگ خوردہ آئینہ، دلِ کلفت زدہ ہے۔ وجہِ شبہ نہایت کمزور ہے۔ برگِ تاک سے شراب نہیں بنتی اور زنگ کھائے ہوئے آئینہ کو برگِ تاک کہنے کا بھی جواز نہیں کیونکہ انگور کا پتہ سرسبزی کی حالت میں سبز ہوتا ہے۔ افسردگی کی حالت میں زنگ کے رنگ کا ہو جاتا ہے۔

ہے عرضِ جوہرِ خط و خالِ ہزار عکس
لیکن ہنوز دامنِ آئینہ پاک ہے

ہزاروں تصویروں کے خط و خال آئینے پر پیش کئے جاتے ہیں لیکن آئینے کا دامن پاک صاف ہے۔ یہ آئینے کی پاک طینتی کی دلیل ہے۔ عرض اور جوہر میں رعایت ہے۔

ہوں خلوتِ فسردگیِ انتظار میں
وہ بے دماغ جس کو ہوس بھی تپاک ہے

بے دماغ: آزردہ و دل شکستہ۔ میں ایسا بے دماغ ہوں کہ کوئی کسی ہوس کو پیشِ نظر رکھ کر بھی بات کرے تو میں اسے تپاک اور گرم جوشی مانتا ہوں۔ اب میں تنہا پڑا ہوں اور انتظار کی افسردگی کے عالم میں ہوں۔ یعنی اگر مخلص اور پرجوش دوست نہیں ملتا تو کم از کم ہوس پیشہ غرض مند ہی مل جاتا لیکن میں تنہا ہوں۔

(۲۵۳)

نظر پرستی و بے کاری و خود آرائی

رقیبِ آئنہ ہے حیرتِ تماشائی

حسن بے کار بیٹھا بیٹھا اپنی خود آرائی کیا کرتا ہے۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر نظر بازی کرتا ہے۔ آئینہ اور عاشق تماشائی دونوں جلوۂ حسن کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے رقیب ہیں۔

زخود گزشتنِ دل، کارواں حیرت ہے

نگہ غبارِ ادب گاہِ جلوہ فرمائی

از خود رفتہ اور بے خود ہو جانا قافلۂ حیرت کا گزرنا ہے یعنی شدتِ حیرت کی نشانی ہے عاشق کی نگاہ جلوۂ محبوب کے محترم مقام کا غبار ہے۔ نگہ کو غبار قرار دینا عجز کی وجہ سے ہے

بچشم در شدہ مژگاں، ہے جوہرِ رگِ خواب

نہ پوچھ نازکیِ وحشتِ شکیبائی

رگِ خواب: وہ رگ جسے پکڑنے سے بے ہوشی طاری ہو جائے۔ آنکھ کے اندر پلک کا بال ٹوٹ کر گر جائے تو کھٹک پیدا کرے گا۔ شکیبائی ضبط کے معنی میں ہے۔ ضبط کی وجہ سے طبیعت میں اتنی وحشت اور نازک مزاجی پیدا ہو گئی ہے کہ ذرا سی ناگوار بات سے بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے مثلاً پلک کا بال آنکھ کے اندر جا پڑے تو رگِ خواب بن جاتا ہے یعنی ہم پر غش طاری ہو جاتا ہے۔

خرابِ نالۂ بلبل، شہیدِ خندۂ گل

ہنوز دعویِ تمکین و بیمِ رسوائی؟

میں بلبل کا نالہ سن کر بے حال ہو جاتا ہوں۔ پھول کی ہنسی دیکھ کر ڈھیر ہو جاتا ہوں۔ طبیعت حسن و عشق سے اتنی متاثر ہوتی ہے اس کے بعد تمکنت کا دعویٰ اور رسوائی کا اندیشہ

رکھتا کیا معنی رکھتا ہے۔

شکستِ سازِ خیال آک سوے گریوۂ غم

ہنوز نالہ پرافشانِ ذوقِ رعنائی!

گریوہ: ٹیلا پشتہ۔ پرافشانِ ذوقِ رعنائی: حسنِ رعنا کو دیکھنے کے شوق میں پرواز کرکے تلاش کرنا۔ خیال کا باجا ٹوٹ گیا ہے۔ اس غضب کی شکست ہے کہ غم کے پشتہ سے اُس طرف جا پڑا ہے۔ یعنی غم سے بھی پرے کی کیفیت ہے لیکن ہمارا عشق باز نالہ اب بھی رعنائیوں کے ذوق میں بلند ہو رہا ہے۔ یعنی ہماری حالت اتنی خستہ ہو گئی ہے کہ غم سے بھی آگے کی منزل میں پہنچ گئے ہیں لیکن ابھی تک حُسن کے شوق میں نالہ و فغاں کر رہے ہیں۔

ہزار قافلۂ آرزو بیاباں مرگ

ہنوز محملِ حسرت بہ دوشِ خود رائی

آرزو کے ہزار قافلے جنگل میں جا کر مر گئے لیکن ابھی تک ہم خود رائی و خود سری سے کام لے کر طرح طرح کی حسرتیں کئے جا رہے ہیں۔ محملِ حسرت کا خود رائی کے دوش پہ ہونا یعنی خود رائی کے سہارے حسرتیں کرنا۔ کہنا یہ چاہا ہے کہ ہزاروں آرزوئیں ناکام ہو گئیں اس کے باوجود ہم نا مجبوری سے مزید آرزوئیں کئے جا رہے ہیں۔ بیاباں مرگ: وہ جو بیابان میں جا کر مرے اور اس کا حال کسی کو معلوم نہ ہو۔

وداعِ حوصلہ، توفیقِ شکوہ عجزِ وفا

اسد ہنوز گمانِ غرورِ دانائی؟

اسد تیری یہ حالت تو ہو گئی کہ حوصلہ جاتا رہا۔ شکوہ کرنے کی توفیق ہو گئی یعنی موقع آگیا اور وفا عاجز و مجبور ہو گئی۔ اب بھی تجھے دانائی کا دعویٰ اور غرور ہے۔

(۲۵۴)

کوشش ہمہ بے تاب ترددشکنی ہے

صد جنبشِ دل، یک مژہ برہم زدنی ہے

مژہ برہم زدن یا بہم زدن: پلک جھپکانا جو راحت اور تردد شکنی کی علامت ہے۔ ہماری کوشش تفکرات کو دور کرنے کے لئے بے چین ہے چنانچہ دل سو بار دھڑکتا تڑپتا ہے تاکہ ایک بار پلک جھپکنے کا چین نصیب ہو سکے جنبشِ دل کوشش بے تاب کی نمایندہ ہے

پلک جھپکنا تشویش میں کمی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

گو حوصلہ پامردِ تغافل نہیں لیکن
خاموشیِ عاشق، گِلۂ کم سخنی ہے

پامرد: باہمت۔ گو ہمارے حوصلے کو اس کے تغافل کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں یعنی تغافل کا شکوہ کرنے کی جرأت نہیں لیکن عاشق کی خاموشی ہی محبوب کی کم سخنی کا گِلہ ہے۔ کم سخنی نتیجہ ہے تغافل کا۔

دی لطفِ ہوا نے بہ جنوں طرفہ نزاکت
تا آبلہ، دعوائے تنک پیرہنی ہے

ہوائے بہار نے جنوں کو اتنا نازک طبع بنا دیا کہ بارِ لباس بھی گوارا نہیں۔ آبلے تک کا کم لباسی کا مطالبہ ہے۔ آج کل بھی حسین اور نازک خواتین کم سے کم لباس پہنتی ہیں جنوں نے بھی یہی کیا۔ آبلے کا لباس پتی ہو سکتی ہے وہ بھی آبلے کو برداشت نہیں۔ یا پھر اس کی کھال ہی اس کا پیرہن ہے اور وہ اسے دور کر کے کھل جانا چاہتا ہے۔

رامش گرِ اربابِ فنا، نالۂ زنجیر
عیشِ ابد، از خویش بروں تاختنی ہے

رامش گر: مغنی۔ از خویش بروں تاختن: بے خود یا بے ہوش ہونا۔ فنا پسند عاشقوں کیلئے ان کو باندھنے والی زنجیر کی جھنکار مغنی کا نغمہ ہے اور ہوش سے گزر جانا ابد الآباد کا عیش ہے۔

از بسکہ ہے محو بہ چمن تکیہ زدن ہا
گل برگ، پرِ بالشِ سروِ چمنی ہے

تکیہ زدن: بھروسہ یا سہارا رکھنا۔ پھول کی پنکھڑی باغ کا تکیہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ دوسرے کا سہارا لینے کا کیا نتیجہ نکلا خود اسے سرو کے تکیے کا پر بنا لیا گیا یعنی یہ اڑ کر سرو کی جڑ میں جا پڑی۔ دوسروں کا سہارا تکنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے تم پر غالب آ جاتے ہیں۔

آئینہ و شانہ، ہمہ دست و ہمہ زانو
اے حسن مگر حسرتِ پیماں شکنی ہے

شانہ ہمہ دست ہے اور آئینہ ہمہ زانو ہے یعنی تیرا ہاتھ بڑے زوروں میں شانہ

کرنے میں محو ہے اور زانو آئینہ کو جگہ دیے ہوئے ہے لیکن ہمیں یہی حسرت ہے کہ ہم نے ضبط کا وعدہ کیا تھا۔ کاش ہمیں اسے توڑ سکتے اور تیرے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر سکتے

فریاد" اسد "بے نگہی ہائے بتاں سے
سچ کہتے ہیں واللہ کہ اللہ غنی ہے

بے نگہی: بے التفاتی ۔ اسد بتوں کی بے التفاتی سے فریاد۔ سچ کہا ہے کہ صرف اللہ غنی اور رئیس ہے وہی دوسروں کو دے سکتا ہے۔ بتوں سے کوئی اُمید نہیں کہ وہ دوسروں کو نواز سکیں۔ اللہ اور بتوں میں تضاد ہے۔

(۲۵۵)

کاشانۂ ہستی کہ برانداختنی ہے
یاں سوختنی اور وہاں ساختنی ہے

خانہ برانداختن: گھر کو لُٹا دینا، برباد کردینا۔ ہستی کا مکان برباد کرنے کے لائق ہے یہاں اسے جلا دیجیے اور دوسری دُنیا میں بنا لیجیے۔ یعنی اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے۔ اس طرح زندگی موجبِ آزار ہے۔

ہے شعلۂ شمشیرِ فنا، حوصلہ پرواز
اے داغِ تمنّا، سپر انداختنی ہے

فنا کی تلوار کی آنچ حوصلہ دکھا رہی ہے یعنی وار کیا چاہتی ہے۔ اے ناکام تمنا کے داغ شکست مان لینے کا وقت آگیا ہے۔ سپر ڈالنا: ہار ماننا داغ کو شعلے کے سامنے ہار مان ہی لینی چاہیے۔ ابھی تمنا پوری نہیں ہوئی کہ موت آگئی۔

جز خاک بہ سر کردنِ بے فائدہ حاصل؟
ہر چند بہ میدانِ ہوس تاختنی ہے

ہر چند ہوس کے میدان میں دوڑنا ضروری ہے لیکن اس سے بے فائدہ سر پر خاک ڈال لینے کے سوا اور کیا حاصل ہوگا۔ اپنے سر پر خاک ڈالنا پراشیانی یاسیکی کی نشانی ہے۔

اے بے ثمراں، حاصلِ تکلیفِ دمیدن
گردن، بہ تماشائے گل، افراختنی ہے

اے وہ لوگو کہ پھل تو تمہاری قسمت میں ہے نہیں تو نے محنت کرکے پودوں کو سرسبز

کیا۔ اور ان پر پھول کھل گئے تو تمہیں کیا حاصل ہوا؟ صرف یہی کہ گردن کو اونچا کرنے کی زحمت کرو اور پھول کو تاکو۔

ہے سادگیِ ذہن، تمنائے تماشا
جائے کہ اسد، رنگ چمن باختنی ہے

رنگ باختن: رنگ اُڑنا۔ اے اسد جس جگہ باغ کا رنگ اُڑنے والا ہے وہاں تماشا اور جلوہ کی تمنّا کرنا ذہن کی سادہ لوحی ہے۔ دُنیا ایسا ہی باغ ہے جس کا رنگ ایک نہ ایک دن اُڑ جاتا ہے۔ پھر یہاں خواہشِ تماشا سے کیا حاصل۔

(۲۵۶)

گلستاں، بے تکلف پیش پا افتادہ مضموں ہے
جو تو باندھے کفِ پا پر حنا آئینہ موزوں ہے

حنا باندھنا یا حنا بستن، حنا لگانا۔ یہ عورتوں کیلئے مخصوص ہے۔ مردوں کیلئے حنا مالیدن کہتے ہیں۔ اے محبوب اگر تو پاؤں پر حنا لگائے اور کوئی اسے گلستاں سے تشبیہ دے تو یہ بہت سامنے کی بات ہوگی۔ اسے آئینہ قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔

بہارِ گل، دماغِ نشۂ ایجادِ مجنوں ہے
ہجومِ برق سے چرخ و زمیں یک قطرۂ خوں ہے

دماغِ نشۂ ایجاد: نشۂ ایجاد سے بھرا ہوا دماغ۔ فصلِ بہار مجنوں کے نشۂ ایجاد سے مست دماغ کا کرشمہ ہے۔ مجنوں سے مراد انساں ہے۔ بہارِ گل، دنیا کی رونق ہے۔ دُنیا کی بہار انسان کے نشۂ ایجاد کے دماغ کی دین ہے۔ انسان ایجاد کرتا ہے اس پر برق گر کر خون بہا دیتی ہے۔ اس طرح دُنیا میں ہر طرف برق ہی برق ہیں اور ہر طرف ان کی خوں ریزی ہے۔ زمین اور آسمان ایک قطرۂ خوں معلوم ہوتے ہیں۔ یہی اس دُنیا کی بہار اور رونق ہے۔ اگر انسان ایجاد و اختراع نہ کرے تو فنا کہاں سے آئے۔ ایک چیز کے مٹنے کے بعد دوبارہ ایجاد کی جاتی ہے اور دوبارہ اس پر برق گرتی ہے۔

ہجومِ گریہ سوئے دل، خوشا سرمایۂ طوفاں
بر انگشتِ حسابِ اشک، ناخن نعلِ واژوں ہے

انگشتِ حساب: وہ اُنگلی جس کے پوروں پر گن گن کر حساب لگائیں۔ انگشتِ حسابِ اشک: وہ اُنگلی جو آنسوؤں کا حساب لگاتی ہو یعنی جس سے آنسو پونچھا جائے۔ نعلِ واژوں:

مویشیوں کے چور مویشیوں کے پاؤں میں اُلٹی نعل پہنا کر لے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور مخالف سمت کو گیا ہے۔ اس طرح نعل واژوں کے معنی کسی کو گمراہ کرنا۔ دل کی طرف آنسوؤں کا ہجوم ہے۔ طوفان آنے والا ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔ آنسوؤں کا حساب رکھنے والی اُنگلی کا ناخن خشک ہے اسے علم ہی نہیں کہ پل میں کیا ہو جائے گا۔ اسی کا سوکھا ناخن نعلِ واژوں کی طرح گمراہ کر رہا ہے۔ انگشت کی مشابہت حیوان کے نعلِ سم سے ہے۔

عدم، وحشت سراغ، و ہستی آئینہ بندِ رنگینی
دماغِ دو جہاں پر سنبل و گل یک شبِ خوں ہے

نسخۂ عرشی میں شبیخوں چھپا ہے جو صحیح نہیں۔ شب خوں چاہیئے۔ شبِ خوں اور شبخوں بغیر اضافت دونوں طرح صحیح ہے۔ شعر میں بہار کی تاثیر دکھائی ہے پھولوں سے دُنیا رنگین ہو جاتی ہے لیکن عاشقوں کے دماغ پر اس کا مخصوص اثر ہوتا ہے فصلِ بہار فصلِ وحشت بھی ہوتی ہے عدم اور ہستی دونوں میں بہار کا ردِ عمل ہے۔ عدم کے حصے میں وحشت آئی ہے اور ہستی نے رنگینی اور آئینہ بندی کی ہوئی ہے۔ یعنی دونوں عالموں کے دماغوں پر پھولوں نے شب خون مار کر قبضہ کر لیا ہے رعایت یہ ہے کہ سنبل کی مشابہت شب سے اور گل کی خون سے ہے۔ اس طرح سنبل و گل کی مشابہت شبِ خوں سے ہوئی۔

تماشا ہے علاجِ بے دماغی ہائے دل، غافل
سویدا مردمِ چشمِ پری، نظارہ افسوں ہے

بے دماغی: نازک مزاجی بے زاری۔ پری روایتاً اپنے سائے سے یا شاید اپنے دیدار ہی سے انسان کو جنوں کر دیتی ہے لیکن بعض افسونوں سے پری پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں دل کی بے زاری کا علاج دُنیا کی سیر اور مشاہدہ کرنا ہے۔ جنوں زدہ دل اگر پری کی آنکھ کی تپلی ہے تو دُنیا کا نظارہ افسوں ہے جو چشمِ پری کے جنوں کا تدارک کر سکتا ہے۔ ایک اور ملتا جلتا شعر ہے۔

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

~~~

فنا کرتی ہے زائل سر نوشتِ کلفتِ ہستی
سحر از بہرِ شست و شوئے داغِ ماہ صابون ہے
~~~

سرنوشت کلفت : سرنوشت پر کلفت ۔ مرنے کے بعد زندگی کی غم زدہ تقدیر سے رہائی ہو جاتی ہے۔ صبح چاند کے داغ کو اس طرح دھو دیتی ہے جیسے کپڑے کے داغ کو صابن دھو دے۔ صبح موت ہے۔ چاند زندگی ۔ صبح نے چاند کی کلفت دور کر دی ۔ نہ مرض رہا نہ مریض

اسدؔ ہے آج مژگانِ تماشا کی حنا بندی

چراغانِ نگاہ و شوخیِ اشکِ جگر گوں ہے

حنا بندی : شادی سے پہلے لڑکی کی حنابندی کا جشن ۔ اسدؔ آج نظارہ کرنے والی پلکوں کی حنابندی ہے۔ خونِ جگر کے رنگ کے آنسو پلکوں پر آکر شوخی دکھائیں گے اور خوشی میں نگاہ چراغاں کرے گی یعنی نگاہ روشن ہو گی۔ پلکوں پر خون کے آنے کو حنابندی قرار دیا ہے۔

(۲۵۷)

گدائے طاقتِ تقریر ہے، زباں تجھ سے

کہ خامشی کو ہے پیرایۂ بیاں تجھ سے

اس غزل میں عموماً خدا سے خطاب کیا گیا ہے۔ زبان تجھ سے تقریر کی صلاحیت کی بھیک مانگتی ہے۔ خاموشی کو بیان کا زیور تجھی سے ملتا ہے۔

فسردگی میں ہے فریادِ بے دلاں تجھ سے

چراغِ صبح و گلِ موسمِ خزاں تجھ سے

بے دل لوگ افسردگی کے عالم میں تجھی سے فریاد کرتے ہیں۔ صبح کا چراغ اور موسمِ خزاں کا پھول افسردہ و بے رنگ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں تجھ سے فریاد کر رہے ہیں کہ انھیں رونق تازہ عطا کر۔

بہارِ حیرتِ نظارہ سخت جانی ہے

حنائے پائے اجل، خونِ کشتگاں تجھ سے

پایہ حنا لبستن : پاؤں کا بیکار و معطل ہونا۔ پا در حنا : پاؤں کا مجروح ہونا۔ اس طرح حنائے پا سے مراد پاؤں کو چلنے سے باز رکھنے والی شے ہے۔

نظارہ کرنے والی کی شدتِ حیرت اس کی سخت جانی کا موجب ہوتی ہے یعنی اس کی جان نہیں نکلنے دیتی۔ اے محبوب تیرے کشتے یا زخمی حیرتِ نظارہ میں گم ہیں۔ ان کا خون موت کے پاؤں کیلئے حنا بن گیا ہے یعنی موت کو چلنے سے باز رکھتا ہے اور موت ان تک نہیں آ سکتی۔ اس لئے وہ سخت جانی سے گذار رہے ہیں۔

پری بہ شیشہ و عکسِ رُخ اندر آئینہ
نگاہِ حیرتِ مشاطہ، خوں فشاں تجھ سے

اے محبوبِ حقیقی تو نظر تو نہیں آتا لیکن موجوداتِ عالم میں تیرا عکس ہے۔ یہ ایسی بات ہوئی جیسے پری شیشہ میں بند ہو اور اس کے چہرے کا عکس آئینے میں دکھائی دے۔ حیرت کی بات ہے۔ مشاطہ کی نگاہ اس اعجوبے پر حیرت کے مارے خوں ٹپکا رہی ہے۔

یہ معنی وہ ہیں جو آسی اور وجاہت علی صاحبان نے بیان کئے ہیں۔ پہلے مصرع کے ایک اور معنی ہو سکتے ہیں۔ "و" محض تشبیہ کیلئے ہے۔ اے محبوب آئینے کے اندر تیرے چہرے کا عکس اتنا حسین ہے کہ شیشے میں پری معلوم ہوتی ہے۔ تیری زیبائی کو دیکھ کر مشاطہ کی حیرت آمیز نگاہیں خوں فشاں ہو رہی ہیں۔ خوں فشانی غالباً پسندیدگی کی وجہ سے ہے۔ اس طرح شعر مجاز میں ہوا۔ میرے نزدیک یہی تشریح بہتر ہے۔

طراوتِ سحر ایجادیٔ اثر یک سو
بہارِ نالہ و رنگینیٔ فغاں تجھ سے

اثر میں طراوتِ صبح بھی ہوتی ہے۔ یہ تاثیر تیری ہی وجہ سے ہے۔ اور یہ تو بڑی بات ہے نالہ و فغاں کی بہار بھی تیرے ہی دم سے ہے۔ تیرے ہی عشق میں نالے کئے جاتے ہیں تو یہی ان نالوں میں اثر لاتا ہے۔

چمن چمن گل آئینہ در کنارِ ہوس
اُمید محوِ تماشائے گلستاں تجھ سے

آسی نے اس شعر کے یہ معنی لکھے ہیں۔

ہر چیز پر تیرا لطف و کرم عام ہے۔ اِدھر ہوس کی آغوش میں تو نے سینکڑوں چمن بھر دیئے ہیں اور اِدھر اُمید کی نظر کے سامنے تو نے ایک باغ لگا دیا ہے اور اس کو چمنستان کا تماشائی بنا دیا ہے۔

وجاہت علی نے اسی قسم کے معنی لکھ کر اضافہ کیا ہے اس شعر میں ایک بلیغ طنز بھی پوشیدہ ہے۔ ہوس پرستوں کو تو نے چمن کے چمن بخش دیئے ہیں لیکن میری اُمید جو کہ محض تجھ سے وابستہ ہے صرف دور سے چمن کا تماشا کر رہی ہے اور اس کی لطف اندوزی سے ہنوز محروم ہے۔ لیکن شعر میں کنارِ ہوس میں گل نہیں بلکہ گل آئینہ رکھے ہیں۔ میری رائے میں ہوس

اور اُمید دونوں ایک ہی شخص سے وابستہ ہیں اور وہ شاعر یا عاشق ہے۔ گلِ آئینہ: آئینہ جو پھولوں کی طرح ہے۔ ہوس کے پہلو بہ پہلو آئینہ کے کئی باغ بھرے ہوئے ہیں یعنی عاشق کی ہوس اپنے پاس کئی آئینے رکھتی ہے کہ تو آکر ان میں اپنا منہ دیکھ لے (شاید خود آرائی کے وقت) اور عاشق کو اُمید ہوتی ہے کہ وہ آئینے میں باغ کا تماشا دیکھے گا یعنی عکس رخ سے بہار کی کیفیت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ تماشائے گلستاں ابھی وجود میں نہیں آیا۔ صرف اس کی اُمید ہے یعنی مستقبل میں متوقع ہے۔ اسی کیلئے ہوس آئینے لئے پھرتی ہے۔

نیاز پردۂ اظہارِ خود پرستی ہے

جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے آستاں تجھ سے

نیاز دکھانا، دراصل تجھ سے اپنے وجود کو علیحدہ کرنا ہے اور یہ امتیاز ایک طرح کی خود پرستی ہے۔ اس طرح نیاز خود پرستی پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہے ورنہ میری جبین بھی تیرے دم سے ہے اور تیرا آستاں تو تیرا ہے ہی۔ ہمیں اپنے وجود کی نمائش کا موقع ہی کیا ہے

بہانہ جوئی رحمت، کمیں گرِ تقریب

وفائے حوصلہ و رنجِ امتحاں تجھ سے

تو ہی امتحاں کی تکلیف دے رہا ہے ہمارا حوصلہ وفا کر رہا ہے اور ساتھ دے رہا ہے یہ تیرا ہی فیض ہے۔ تیری رحمت بہانہ ڈھونڈھ رہی ہے کہ کسی تقریب سے ہمیں نواز دے۔

اسدؔ طلسمِ قفس میں رہے، قیامت ہے

خرام تجھ سے، صبا تجھ سے، گلستاں تجھ سے

تو نے صبا اور گلستاں کو پیدا کیا لوگوں کو خرام کی اجازت دی لیکن اسدؔ قفس میں بند رہے غضب ہے۔

(۲۵۸)

حکم بے تابی نہیں اور آرمیدن منع ہے

بادجودِ مشقِ وحشت ہا رمیدن منع ہے

ہر چیز پر پابندی ہے۔ تڑپنے کی اجازت نہیں اور آرام کرنا بھی منع ہے۔ وحشت کی بہت سی مشق کی ہے لیکن بھاگ دوڑ ممنوع ہے۔

شرم، آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں ہے

آب گردیدن روا لیکن چکیدن منع ہے

آسی نے اس شعر کے یہ معنی لکھے ہیں۔

"شرم نے طوفان کی پیشانی کو آئینۂ حیرت بنا دیا ہے اور وہ نہایت ہی شرمندہ ہے کیونکہ قانونِ عشق یہ ہے کہ آب ہو جائے لیکن چکیدن کی صورت پیدا نہ ہو" ان کے علاوہ ایک اور معنی ممکن ہیں۔ آئینہ برپیشانی بستن : ایران کی ایک رسم ہے کہ تولید کے وقت زچہ کی پیشانی پر آئینہ باندھتے ہیں۔ آئینہ بر پیشانی کے معنی کسی چیز کا ظاہر ہونا۔ شرم طوفان کی پیشانی کیلئے آئینہ تراش رہی ہے۔ یعنی طوفان سے کچھ ظاہر ہونے والا ہے اور یہ ہے کہ شرم سے پانی پانی ہو جانا روا ہے لیکن آنسو ٹپکانا منع ہے۔ اس لئے زور کا طوفان آئے گا۔ ترشح کی شکل نہیں ہوگی۔ لیکن اس تشریح میں شرم کے کوئی معنی ہی نہ ہوئے۔ نسخۂ شیرانی میں پہلا مصرع یوں بنا دیا گیا۔ ع

شرم آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں بہا

عرشی اختلافِ نسخ میں نوٹ لکھتے ہیں کہ "بہا" شاید "تھا" ہے۔ میری رائے میں یہ ممکن نہیں کیونکہ اس صورت میں شرم کے ساتھ "تھی" آنا چاہیئے تھے۔ بہا سے معنی نکل سکتے ہیں اور یہی بہتر ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

شرم آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں بہا
آب گردیدن روا لیکن چکیدن منع ہے

جبہۂ طوفاں بہا: وہ پیشانی جو طوفان کی قیمت رکھتی ہے یعنی جو خواص اور تاثیر میں بالکل طوفان ہے۔ شرم سے پانی پانی ہونا محاورہ ہے۔ یاد رہے کہ طوفان بھی پانی پانی ہوتا ہے۔ چکیدن یا ٹپکنا ایک طرف اشک باری کیلئے آسکتا ہے تو دوسری طرف پیشانی پر شرم کی بوندیں آنے کے لئے۔ کہتے ہیں کہ شرم نے میری طوفان جیسی پیشانی پر آئینہ باندھ دیا ہے یعنی میری پیشانی ایک بات کا اظہار کر رہی ہے۔ وہ بات یہ اصول ہے کہ "بالکل پانی بن جانا جائز ہے۔ بوند بوند ہو کر ٹپکنا ممنوع ہے" اس سے معلوم ہوا کہ شرم میں میری پیشانی چند بوندیں ہی نہیں بلکہ طوفان کا طوفان خارج کرے گی۔ تاکہ "آب گردیدن" کا اطلاق ہو سکے۔

اس شعر میں "آئینہ" پیشانی کی تشبیہ کیلئے نہیں ہو سکتا۔ محبوب کو آئینہ پیشانی کہتے ہیں لیکن عرقِ شرم والی پیشانی کو آئینہ سے تشبیہ نہیں دے سکتے

بے خودی فرماں روائے حیرت آبادِ جنوں
زخم دوزی جرم و پیراہن دریدن منع ہے

جنوں کو حیرت آباد کہا ہے کیونکہ مجنوں ہر چیز کو حیرت سے دیکھتا ہے۔ جنوں کے ملک میں بے خودی اور از خود رفتگی کا راج ہے اس لئے اچھے برے کسی بھی کام کی طرف توجہ نہیں۔ زخم کھلا ہے تو اس میں ٹانکے لگانے کا ہوش نہیں۔ پیراہن ثابت ہے تو اس کے پھاڑنے کی اجازت نہیں۔ جوشِ جنوں میں زخم دوزی غیر مطبوع ہے اور پیراہن کو چاک کرنا نہایت مستحسن لیکن شدتِ بے خودی کی وجہ سے پیراہن دریدن جیسا ضروری کام نہیں کر پا رہے۔

مژدۂ دیدار سے رسوائیِ اظہار دور
آج کل شب چشم کو کب تک پریدن منع ہے

چشم پریدن: آنکھ کا پھڑکنا ہلنا۔ مجھے محبوب کے دیدار کی خوش خبری ملی ہے چاہتا ہوں اس خبر کی تشہیر نہ ہو اور یہ کسی پر ظاہر نہ ہو۔ کسی آنکھ کو اس طرف دیکھنے کی اجازت نہیں حد یہ ہے کہ تاروں کی آنکھ کو بھی پھڑکنا یا ادھر دیکھنا ممنوع ہے۔

بیم طبعِ نازکِ خوباں سے، وقتِ سیرِ باغ
ریشۂ زیرِ زمیں کو بھی دویدن منع ہے

پیڑوں اور پھولوں کے ریشے زمین کے نیچے دوڑتے اور بڑھتے ہیں لیکن حسین جب باغ کی سیر کو آتے ہیں تو ان کی نازک طبیعت کے ڈر سے باغ میں کوئی بھی بھاگ دوڑ کی جرأت نہیں کر سکتا حتیٰ کہ زیرِ زمیں بھی۔

یار معذورِ تغافل ہے، عزیزاں شفقتے!
نالۂ بلبل بہ گوشِ گل شنیدن منع ہے

عزیزو، یار تغافل کے لئے مجبور ہے۔ ذرا اس پر مہربانی کرو۔ پھول کے کان میں بلبل کے نالے کی آواز نہیں پہنچتی (کیونکہ پھول کا کان سماعت کر ہی کہاں سکتا ہے) اس کی مشابہت پر محبوب ہماری فریاد نہیں سن سکتا۔ پھول کان سے مشابہ ہوتا ہے۔

مانعِ بادہ کشی نادان ہے لیکن اسدؔ
بے ولائے ساقیِ کوثر کشیدن منع ہے

شراب پینے سے روکنے والا نادان ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ساقیِ کوثر حضرت علی کی محبت کے بغیر پینا منع ہے یعنی ساقیِ کوثر ہی پلائے تو پیو۔

مرگی

(۲۵۹)

قتلِ عشاق نہ غفلت کش تدبیر آوے
یارب آئینہ بہ طاقِ خمِ شمشیر آوے

پہلے زمانے میں آئینہ طاق میں رکھتے تھے جس کے آگے حسینائیں آرائش کرتی تھیں کہتے ہیں قتلِ عشاق تدبیر کی غفلت میں مبتلا نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ حسینوں کی غفلت کی وجہ سے قتل نظر انداز ہو جاوے۔ کیا اچھا ہو اگر آرائش کا آئینہ خمِ شمشیر کے طاق میں رکھا ہو۔ جب وہ آرائش کیلئے آئینہ طلب کریں خمِ شمشیر سامنے آجائے اور وہ بگے ہاتھوں عاشقوں کا کام تمام کر دیں۔ خمِ شمشیر کو طاق سے تشبیہ دی ہے۔

بالِ طاؤس ہے رعنائیِ ضعفِ پرواز
کون ہے داغ کہ شعلے کا عناں گیر آوے

رعنائی: نازکی کے سبب سے سست رہنا، خوشنمائی۔ شعلہ بہت کمزوری کے ساتھ پرواز کرتا ہے لیکن خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اپنی رعنائی کی وجہ سے وہ طاؤس کے پر کی طرح خوش رنگ ہے۔ شعلے کا نیلا رنگ داغ کی طرح ہے یہی داغ شعلے کو تیز رفتاری سے روک رہا ہے۔ یہ کاہے کا داغ ہے؟ عناں گیر ہونا: کسی سوار کی لگام پکڑ کر مانعِ سفر ہونا۔ داغ مایوسی یا حسرت کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے قوتِ عمل سلب ہو جاتی ہے گویا وہ عناں گیر ہوتا ہے۔ شعلے میں سستیِ پرواز سے نزاکت تو پیدا ہو گئی لیکن یہ کمزوری ہے کس وجہ سے؟

اگر مصرعِ اولےٰ کا مبتدا و خبر بدل دیا جائے تو یہ معنی ہو سکتے ہیں ' طاؤس کے پر میں ضعفِ پرواز کی وجہ سے ایک رعنائی و زیبائی آگئی ہے۔ طاؤس شعلے کی طرح تیزی سے پرواز کر سکتا تھا لیکن اس کے داغوں نے اس کی عناں پکڑ رکھی ہے۔ یہ کاہے کا داغ ہے؟ اسے کون سی مایوسی ہے جس کی وجہ سے اس کے قویٰ میں ضعف آگیا ہے۔

پہلے معنی بہتر ہیں۔

عرضِ حیرانیِ بیمارِ محبت معلوم
عیسیٰ آخر بہ کفِ آئینۂ تصویر آوے

بہ کفِ آئینۂ تصویر: ہاتھ پر آئینۂ تصویر لئے ہوئے۔ آئینۂ تصویر: تصویر پر شیشے کا فریم یا آئینے پر بنائی ہوئی تصویر۔ آئینہ اور تصویر دونوں حیرانی کی علامت ہیں نیز آئینہ

تصویر میں کسی حسین کی تصویر ہونی چاہیئے۔ بیمارِ محبت اپنی حیرانی و پریشانی تو طبیب سے کیا بیان کرے گا۔ بہتر ہوگا کہ طبیب یا عیسیٰ ہاتھ میں آئینۂ تصویر لے کر آوے جس سے بیمار کی بیماری کی وجہ یعنی کسی حسین سے محبت نیز حیرت دونوں باتیں ظاہر ہو جائیں اور بیمار کو کچھ کہنے کی ضرورت نہ رہے۔

ذوقِ راحت اگر احرامِ تپش ہو، جوں شمع
پائے خوابیدہ، بہ دل جوئیٔ شبگیر آوے

پائے خوابیدہ: سویا ہوا پاؤں۔ شب گیر: آدھی رات کے بعد اٹھ کر سفر پر جانے والا
ذوقِ راحت اگر بے قراری کا ملبوس بنے تو رات میں سفر کرنے والے کی تسکین کیلئے اس کا پاؤں سو جائے تاکہ وہ مسلسل چلنے کے عذاب سے راحت پا سکے۔ شمع رات بھر جلتی ہے گویا ایک شبگیر کی طرح محوِ سفر ہے لیکن اس کا پاؤں ٹھہرا رہتا ہے یعنی سوئے ہوئے پاؤں کی طرح ہے۔ ذوقِ راحت مسافرِ شب گیر کو پائے خوابیدہ کے ذریعے آرام پہنچا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا تشریح میں احرام کے معنی محض ملبوس یا پردہ دار کے لئے گئے ہیں۔ احرام باندھنے کے معنی قصد یا نیت کرنے کے ہوتے ہیں۔ غالب نے اگر اس شعر میں محض احرام کو احرام بستن کے معنی میں لیا ہے تو شعر کے معنی بالکل الٹ جائیں گے۔ ذوقِ راحت اگر تڑپنے یا پریشان کرنے کا ارادہ کرے تو رات میں چلنے والے مسافر کا پاؤں سُلا دے۔ پاؤں کا سونا بظاہر آرام ہے کہ چلنے سے نجات دلاتا ہے لیکن در اصل تکلیف دہ ہے۔ جس طرح شمع کا پاؤں سویا ہوتا ہے (کیونکہ وہ رات بھر پاؤں پر کھڑی رہتی ہے) اس کے باوجود وہ جلتی ہے

اس بیاباں میں گرفتارِ جنوں ہوں کہ جہاں
موجۂ ریگ سے دل پائے بہ زنجیر آوے

میں جنوں کے باعث ایسے بیاباں کی جولانی میں اسیر ہوں جہاں ریت کی موجوں نے پاؤں ہی کو نہیں دل کو بھی بہ زنجیر کر دیا ہے یعنی جہاں اس شدت سے ریت اُڑتی ہے کہ چلنا پھرنا ناممکن ہے اور دل پریشان رہتا ہے۔

وہ گرفتارِ خرابی ہوں کہ فوارہ نمط
سیل، صیادِ کمیں خانۂ تعمیر آوے

کمیں خانہ: کمیں گاہ۔ صیادِ کمیں خانۂ تعمیر: وہ صیاد جو تعمیر کو گرفتار کرنے کی کمیں گاہ

میں مکیں ہو۔ فوارہ بنائیے اس کے ساتھ ساتھ سیلِ آب بھی وجود میں آئے گا۔ میری تعمیر کی بھی یہی صورت ہے کہ عمارت بننے کے ساتھ ہی سیل اس کی بنیاد کو بہالے جانے کیلئے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح میں فوارے کی طرح ہوں کہ تخریب میری تعمیر کے ساتھ ملزوم ہو گئی ہے۔

سرِ معنی بہ گریبانِ شقِ خامہ، اسدؔ
چاکِ دل، شانہ کشِ طرّۂ تحریر آوے

سر بہ گریباں: فکر یا شرمندگی کے باعث سر نیچا کرنا۔ یہاں فکر و ملال ملحوظ ہے۔ قلم کے شگاف کو گریبان سے تشبیہہ دی ہے۔ دوسرے مصرع میں دل چاک چاک کو شانے سے اور تحریر کی سطر کو زلف سے تشبیہہ دی ہے۔ ہماری تحریر میں معنی کا سر قلم کے شگاف میں جھکا ہے یعنی معانی بہت ملال آمیز ہیں۔ چاکِ دل تحریر کی زلفوں کو سنوار رہا ہے یعنی تحریر میں زورِ بیاں پیدا کر رہا ہے۔ گویا ہماری تحریر یا شاعری کا سرمایہ ملال اور دل شکنی ہی ہیں۔

(۲۶۰)

تا چند، نفس غفلتِ ہستی سے بر آوے
قاصد، تپشِ نالہ ہے، یارب! خبر آوے

سانس غفلتِ ہستی سے دوچار ہے یعنی ہستی ہمارے سانس (جو علامتِ حیات ہے) کی طرف سے غفلت برتنا چاہتی ہے۔ سانس کہاں تک اس سے بازی لے جاوے۔ اس نے نالے کی تڑپ کو ہستی کے پاس بطورِ قاصد بھیجا ہے تاکہ وہ ہستی کی خبر لائے یعنی ہمارے سانس پر ہمیشہ ہستی کے فقدان کا گمان ہوتا ہے۔ جب ہم نالہ کریں تو ہستی کے آثار نظر آتے ہیں۔

ہے طاقِ فراموشی، سودائے دو عالم
وہ سنگ کہ گلدستۂ جوشِ شرر آوے

طاقِ فراموشی: وہ طاق جس پر کسی چیز کو رکھ کر بھول جائیں۔ گلدستۂ جوشِ شرر: پتھر میں سے بہت سی چنگاریاں نکلنا۔ لڑکے کسی کے سر میں اس زور سے پتھر کھینچ کر ماریں کہ شرر نکلنے لگیں تو یہ پتھر دونوں دُنیا کے ہر قسم کے سودا کو بھلا دے گا

درد، آئنہ کیفیتِ صد رنگ ہے، یارب
خمیازہ، طرب ساغرِ زخمِ جگر آوے

آئنہ کیفیت: آئینے کی سی کیفیت رکھنے والا۔ طرب ساغر: ساغرِ طرب۔ درد طرح طرح

کے زنگوں کا آئینہ ہے یعنی بڑی خوش گوار چیز ہے۔ کاش ہماری انگڑائی زخمِ جگر کا ساغرِ طرب بن جائے۔ تمنا نے کو ساغر سے تشبیہ دینا عام بات ہے۔ یہ زخمِ جگر کا ساغر بنانا چاہتے ہیں اور اس ساغر کو طرب آمیز قرار دیتے ہیں گویا ان کے لئے درد میں سو رنگ پائے جاتے ہیں۔ اور انگڑائی میں زخمِ جگر کا نشہ ملانا چاہتے ہیں۔

جمعیتِ آوارگیِ دید نہ پوچھو
دل تا مژہ آغوشِ وداعِ نظر آوے

آوارگیِ دید: دید کا ہر طرف پھرنا۔ آغوشِ وداع: کسی کو وداع کرتے وقت بغل گیر ہونا۔ شعر نے یہ اچھوتا خیال پیش کیا ہے کہ نظارے کے لئے نظر ڈالنے سے پہلے جسم کے اندر نظر کو وداع کیا جاتا ہے۔ دل سے لے کر پلک تک کا مقام ایک آغوشِ وداع ہے جو باہر جانے والی نظر کو رخصت کر رہا ہے۔ ہماری دید کی کثرتِ سیر کے بارے میں نہ پوچھئے۔ دل سے آنکھوں تک نظریں پھیلی ہوئی ہیں ایک مجمع ہے۔ انھیں باہر بھیجنے کے تکلفات برتے جا رہے ہیں۔

اے ہرزہ دوی منتِ تمکینِ جنوں کھینچ
تا آبلہ محمل کشِ موجِ گہر آوے

ہرزہ دوی: بے مقصد ادھر اُدھر بھاگنا۔ تمکین: استقلال۔ اے آوارہ گردی تو جنون کی متانت اور استقلال اختیار کر۔ قدرے دوا دوی دھیمی کر دے تا کہ آبلہ موجِ گوہر کا محمل چلا سکے یعنی موجِ گوہر کو معرضِ وجود میں لائے۔ اگر جولانی کم کر دی جائے گی یا چند سے ختم کر دی جائے گی تو پاؤں میں سلسل کئی آبلے محفوظ رہ جائیں گے جو موجِ گوہر جیسے معلوم ہوں گے۔ اگر ہرزہ دوی جاری رہی تو آبلہ گوہر نہ بن پائے گا۔ ہرزہ دوی ایسے مقصد بھاگ دوڑ کرنا ہے۔ تمکینِ جنوں کسی سودے کو لے کر بیٹھ جانے کو کہیں گے۔

زاہد، کہ جنوں سبحۂ تحقیق ہے، یا رب
زنجیریِ صد حلقۂ بیرونِ در آوے

سبحۂ تحقیق سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ محاورہ ہے تو اس کا ذکر کسی لغت میں نہیں۔ میں نے قاضی عبدالودود سے ملاقات کے دوران اس ترکیب اور شعر کے معنی دریافت کئے۔ انھوں نے کہنی سبحۂ تحقیق سے عدمِ واقفیت کا اظہار کیا۔ اس کے معنی ہیں کہ یہ کوئی محاورہ نہیں۔ ظاہرا یہ تحقیق سبحہ کا مقام ہے لیکن شعر کا وزن اسے قبول نہیں کرتا۔ ممکن ہے غالب نے

یہاں سبحہ کی تحقیق "لکھنا چاہا ہو اور [illegible] "ہو" حذف ہو گیا ہو۔ اس سے شعر کا وزن بھی برقرار [illegible] ہے اور معنی بھی صاف ہو جاتے ہیں۔ خود نوشت دیوان میں "سبحہ تحقیق" لکھا ہے سبحہ پر ہمزۂ اضافت نہیں جس سے "کی" کی گنجائش رہتی ہے۔ بہرحال شعر کے معنی یہ ہوئے۔ "زاہد کو یہ جاننے کا جنون ہے کہ لوگ سبحہ گردانی کرتے ہیں یا نہیں یعنی رسوم دیں کے پابند ہیں کہ نہیں؟ اس لئے وہ زنجیرِ در کھٹکا کر دریافت کرتا پھرتا ہے۔ کاش وہ زنجیروں میں بندھ کر ہمارے سامنے آئے۔ زنجیر کون سی؟ حلقۂ بیرونِ در کی جسے کھٹکا کر وہ دروازہ کھلواتا ہے اور محتسب کی طرح تحقیق کرتا ہے۔ سبحہ کی رعایت سے صد حلقۂ بیرونِ در کا لفظ لائے ہیں کیونکہ سبحہ میں سو دانے ہوتے ہیں۔

وہ تشنۂ سرشارِ تمنا ہوں کہ جس کو
ہر ذرہ بہ کیفیتِ ساغر نظر آوے

میں تمناؤں سے لبریز اور سرشار ہوں لیکن کوئی تمنا پوری نہیں ہوتی اس لئے بالکل تشنہ ہوں۔ مجھے ہر ذرہ ساغر کی طرح دکھائی دیتا ہے یعنی میں ہر ذرے اور ہر چیز پر للچائی ہوئی نظر ڈالتا ہوں۔

تمثالِ بتاں گر نہ رکھے پنبۂ مرہم
آئینہ بہ عریانیِ زخمِ جگر آوے

اگر بتوں کا عکس مرہم کا پھاہا نہ رکھے تو آئینہ زخمِ جگر کی طرح ننگا دکھائی دے یعنی حسینوں کے عکس کے بغیر آئینہ ایک زخم کی طرح رہ جائے گا۔

ہر غنچہ، اسد، بارگہِ شوکتِ گل ہے
دل فرشِ رہِ ناز ہے، بے دل اگر آوے

بارگہ: شاہی خیمہ۔ ہر غنچہ بادشاہِ گل کی شوکت کا خیمہ ہے یعنی گل کی خوش آمدید کی منزل ہے۔ اسی کی مماثلت پر میرا دل حضرت بے دل کے استقبال کیلئے فرشِ راہ ہے جس پر وہ ناز سے چل کر آئیں۔ دل کی مشابہت غنچے سے ہے اور غنچے کی بارگاہ سے۔

(۲۶۱)

چار سوئے عشق میں صاحب دکانی مفت ہے
نقد ہے داغِ دل اور آتش زبانی مفت ہے

چارسو: وہ بازار جس میں چاروں طرف دکانیں ہوں۔ عشق کے بازار میں صاحبِ دکان ہونے کے لئے کوئی پیسہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ داغ دل کی نقدی مل جاتی ہے اور محبوب کی آتش زبانی مفت ہاتھ آتی ہے۔ آتش زبانی: تیز زبانی۔ بظاہر نقد اور مفت کے اجتماع سے یہ گمان ہوتا ہے کہ داغ دل نقد دے کر ہاتھ آتا ہے لیکن آتش زبانی مفت میں مل جاتی ہے لیکن یہ معنی صحیح نہ ہوں گے۔ اگر داغِ دل کو نقد دے کر خریدا گیا تو صاحب دکانی مفت کہاں ہوئی۔ نقد سے مراد پونجی ہے۔ حسینوں سے نقدِ داغِ دل اور آتش زبانی بے قیمت مل جاتے ہیں۔ انہیں سے دکان سجا کر بیٹھ جائیے۔

زخمِ دل پر باندھیے حلوائے مغزِ استخواں
تندرستی فائدہ اور ناتوانی مفت ہے

دل کے زخم پر اپنی ہڈیوں کے گودے کا حلوا باندھیے۔ صحت ہو جائے گی اور عاشقوں کی مرغوب خصوصیت ناتوانی مفت میں ہاتھ آجائے گی۔ ہڈیوں سے مغز نکال لینے کے بعد جو حالت ہوگی ظاہر ہے۔

نقدِ رنجم تا بہ کے از کیسہ بیروں ریختن
یعنی اے پیرِ فلک، شامِ جوانی مفت ہے

از کیسہ بیروں ریختن: تلف کرنا۔ مفت: رائگاں۔ میں اپنے کیسے سے غم کی پونجی کب تک باہر پھینکتا رہوں اے آسمان میری شامِ جوانی تو رائگاں رہی۔ یعنی روپیہ خرچ کرتا رہا حاصل کچھ نہ ہوا۔ مراد یہ ہے کہ میں کب تک رنجیدہ رہوں میری جوانی کی شام عیش و طرب کی بجائے رنج کی نذر ہو کر برباد ہو گئی۔

گر نہیں پاتا درونِ خانہ، ہر بیگانہ، جا
بر درِ نکشودۂ دل پاسبانی مفت ہے

آسی نے اس شعر سے مماثل دو فارسی اشعار دئے ہیں جو مفیدِ مطلب ہیں۔

وقت عرفی خوش کہ نکشو دند چوں در بر منش
بر درِ نکشودہ ساکن شد درِ دیگر نہ زد
(عرفی)

بز حق را می رہی رہ در حریمِ دل چرا
می کنم بیگانہ راہبان این منزل چرا
(صائب)

خانہ سے مراد دل ہے۔ محبوبِ حقیقی کے علاوہ غیر اگر میرے دل میں داخل نہیں ہو سکتا
تو دل کے بند دروازے پر پاسبانی کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی مرفہ نہیں ہوتا۔ اس کی اجازت
ہے کہ اُمید میں در کے باہر کھڑا رہے

چونکہ بالائے ہوس پہ ہر قبا کوتاہ ہے
بر ہوس ہائے جہاں دامن فشانی مفت ہے

بالا : قد۔ دامن فشانی : دامن جھاڑنا، خود کو دور رکھنا۔ چونکہ ہوس کے جسم پر ہر قبا
کوتاہ آتی ہے یعنی کتنی بھی خواہشیں پوری کر دی جائیں۔ ہوس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا اس لئے
دُنیا کی چیزوں کی ہوس سے دامن اُٹھا لینے میں کوئی خسارہ نہیں۔ دامن فشانی ناز کرنے کو
بھی کہتے ہیں اس صورت میں دوسرے مصرع کے معنی ہوں گے کہ دُنیا کی ہوسوں پر ناز کرنا بیکار ہے

یک نفس، ہر یک نفس، جاتا ہے قسطِ عمر میں
حیف ہے ان کو جو سمجھیں زندگانی مفت ہے

عمر ایک اُدھار ہے جو قسطوں میں ادا کیا جا رہا ہے۔ ہر سانس لیتے وقت ایک سانس
قسط کے طور پر واپس کیا جا رہا ہے۔ ایک روز یہ قسط پوری ہو جائیں گی۔ ان پر افسوس ہے
جو سوچیں کہ زندگی مفت میں حاصل ہو گئی۔

مال و جاہ و دست و پائے زر خریدہ ہیں اسد
پس بہ دل ہائے دگر راحت رسانی مفت ہے

مال و جاہ اور ہاتھ پاؤں بغیر روپے کے ہاتھ آ گئے ہیں۔ پس اگر ان کی مدد سے دوسرے
دلوں کو راحت پہنچائیں تو یہ مُفت کا سودا ہوا۔ اس میں دریغ نہ کرنا چاہیئے۔

(۲۶۲)

بے تابیِ یادِ دوست، ہم رنگِ تسلّی ہے
موجِ تپشِ مجنوں، محمل کشِ لیلیٰ ہے

یادِ دوست میں بے تاب ہونا تسلّی سے کسی قدر مشابہ ہے کیونکہ اس میں دوست
کی یاد شامل ہے۔ مجنوں کی بے قراری لیلیٰ کا محمل کھینچ لے آتی ہے۔ وہ واقعی محمل کو لائے کہ نہ
لائے تصوّر میں تو لیلیٰ کو ضرور لے آتی ہے۔ اسی سے کچھ چین مل جاتا ہے۔

کلفتِ کثرتِ ہستی، بدنامِ دو رنگی ہے
یاں تیرگیِ اختر، خالِ رخِ زنگی ہے

دو رنگی، تلوّن، منافقت، ظاہر و باطن میں فرق ہونا۔ مشہور ہے کہ زندگی کے مصائب کبھی شدید ہوتے ہیں کبھی خفیف۔ لیکن میری صورت میں ایسا کچھ نہیں۔ یہاں شروع سے آخر تک ایک ہی حالت رہتی ہے۔ حبشی کے چہرے کا تل نہایت کالا ہوتا ہے۔ میری قسمت میں سیاہی ہی سیاہی ہے۔ میں دو رنگی کا شکار نہیں۔

دیدن ہمہ بالیدن، کردن ہمہ افسردن
خوشترز گل و غنچہ، چشم و دلِ ساقی ہے

بہارِ عجم کے مطابق کردن کے بہت سے معنی ہیں جن میں سے ایک گرفتن بھی ہے۔ یعنی پکڑنا، برتنا۔ پہلا مصرع گل و غنچہ کے بارے میں ہے۔ کہ دیکھنے میں یہ بالیدگی اور شادابی سے بھرے ہیں لیکن انہیں پکڑا جائے تو بالکل مرجھا جاتے ہیں۔ ان گل و غنچہ سے ساقی کی آنکھ اور دل بہتر ہیں کہ وہ دیکھنے میں بھی بالیدہ ہیں اور ان پر ہاتھ رکھا جائے تو بھی شگفتہ رہیں گے۔ آنکھ کی مشابہت غنچہ سے اور دل کی پھول سے ہے۔

وہمِ طربِ ہستی، ایجادِ سیہ مستی
تسکیں دہِ صد محفل، یک ساغرِ خالی ہے

دنیا میں خوشی کا وہم شدید غفلت کا زائیدہ ہے۔ ہستی خوشی کا ساغر نہیں خالی ساغر ہے لیکن دنیا کی سینکڑوں محفلیں غلط فہمی کی وجہ سے اسی سے محظوظ ہیں۔

زندانِ تحمل میں مہمانِ تغافل ہیں
بے فائدہ یاروں کو فرقِ غم و شادی ہے

ہم پر جو کچھ گزرتا ہے خاموشی سے برداشت کرتے ہیں۔ خالق نے ہماری طرف سے تغافل اختیار کیا ہوا ہے گویا ہم تحمل کرنے کے زنداں میں ہیں۔ ایسی حالت میں کیا غم اور کیا خوشی۔ لوگوں نے بے کار فرق کر رکھا ہے۔

ہو وے نہ غبارِ دل تسلیم زمیں گیراں
مغرور نہ ہو، ناداں، سرتا سر گیتی ہے

زمیں گیر: وہ چیز جو زمیں سے نہ اٹھے جیسے سیل زمین گیر، داغِ زمیں گر۔ یہاں متوکل خاک

نشینوں کی ذات مراد ہے۔ سرتا سر گیتی : پوری دنیا۔

اے ناداں تیرے دل میں توکل کر کے ایک قطعۂ خاک پر بیٹھ رہنے والوں کی طرف سے غبار ہے۔ تو انھیں حقیر سمجھ کر ان کی طرف سے کدورت رکھتا ہے لیکن تیرا غبارِ دل انھیں قبول نہ ہوگا۔ غبار اڑنے والی چیز ہے اور وہ ایک جگہ جمے بیٹھے ہیں اس لئے غبار ان پر نہ ٹھہرے گا۔ تو غرور نہ کر۔ دنیا میں ایک تو ہی نہیں۔ اس سرے سے اس سرے تک پوری دنیا موجود ہے اگر غبارِ دل مخاطب مغرور کے دل سے متعلق نہیں بلکہ خود زمیں گیروں کے دل کا غبار ہے تو شعر کے معنی یہ ہوں گے، زمیں گیر حضرات اپنے دلوں میں غبار قبول نہیں کرتے۔ یعنی ان کے دل رنج و شکوہ کی گرد سے پاک رہتے ہیں۔ تو انھیں حقیر سمجھ کر خود پر غرور نہ کر کیونکہ پوری دنیا بھری پڑی ہے۔

رکھ فکرِ سخن میں تو معذور مجھے غالب

یاں زورق خود داری، طوفانیِ معنی ہے

زورق : چھوٹی کشتی۔ طوفانیِ معنی : شکارِ طوفانِ معنی۔ تو مجھے فکرِ شعر سے معذور رکھ کیونکہ میری خود داری کی کشتی معنی کے طوفان سے ڈانوا ڈول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعر کہنے سے پیٹ تو بھرتا نہیں۔ اس کا نتیجہ ہے معاشی پریشانی جس سے خود داری خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ دوسرے مصرع کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ خود داری کی کشتی معنی پر طوفان لے آئی ہے، کیونکہ کشتی طوفان نہیں لا سکتی۔

(۲۶۳) اگر گل حسن و الفت کی بہم جوشیدنی جانے

پرِ بلبل کے افسردن کو دامن چیدنی جانے

دامن چیدنی : دامن اٹھانا۔ رخصت ہو جانا۔ اگر پھول کو حسن و عشق کی باہمی گرم جوشی میں عقیدہ ہو تو وہ بلبل کے پروں کو پھیکا ہوتا دیکھے یعنی بلبل کو نحیف ہوتے یا جان سے جاتے دیکھے تو اس کی ہمدردی میں وہ بھی دنیا سے رخصت ہو جائے۔

فسونِ حسن سے ہے، شوخیِ گلگونہ آرائی

بہار اس کی کفِ مشاطہ میں بالیدنی جانے

گلگونہ : غازہ، ابٹن۔ گلگونہ میں خود کوئی حسن نہیں ہوتا وہ تو حسن کے اثر سے خوشنما ہو جاتا ہے، جب آرائش کرنے والے ہاتھ میں آتا ہے تب اس کی بہار بالیدہ ہونے لگتی ہے جب

حسن کے چہرے پر لگ جاتا ہے تو اس میں شوخی آجاتی ہے۔

نوائے بلبل و گل، پاسبانِ بے دماغی ہے
بہ یک مژگانِ خوباں، صد چمن خوابیدنی جانے

بے دماغی : بے زاری، چڑچڑاپن۔ بلبل اور گل کی باہم بات چیت بے زاری کی فضا کو دور رکھتی ہے یعنی عاشق اور محبوب کا ساتھ رہنا ماحول کو خوش گوار بناتا ہے۔ حسینوں کی ایک پلک میں سو باغوں کو سویا ہوا سمجھو یعنی حسینوں کی آنکھ ہزار رونق پیدا کرنے کی موجب ہے دوسرے مصرع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حسینوں کی پلک کا ایک بار سونا سو باغوں کا سونا یا غائب ہو جانا ہے کیونکہ حسین بیدار رہیں تو عاشق ان سے بات چیت کر کے اپنی بے دماغی دور کرتے ہیں۔ وہ سو گئے تو اتنی دیر کو معاملاتِ حسن و عشق سرد پڑ گئے۔

نہے شب زندہ دارِ انتظارستاں کو وحشت ہے
مژہ پھچک میں مہ کی سوزن آسا چیدنی جانے

شب زندہ دار : رات کو بیدار رہنے والا۔ پھچک : دھاگے کی گولی۔ کتنے اچھے ہیں وہ لوگ، جو انتظارِ یار میں رات بھر جاگتے رہتے ہیں اور وحشتِ عشق سے پلک کو چاند میں اس طرح چبھا دیتے ہیں۔ جیسے پھچک میں سوئی کو لگا دیا ہو۔ یعنی رات کو جاگ کر چاند کو گھورتے رہتے ہیں۔

خوشا مستی کہ جوشِ حیرتِ اندازِ قاتل سے
نگہ، شمشیر میں، یوں جوہر آرامیدنی جانے

شمشیر میں جوہر آرام کرتے رہتے ہیں۔ بعض بسمل بھی ایسے ہوتے ہیں جن کو شہادت اور شمشیرِ شہادت پسند ہوتی ہیں۔ ان کی نظروں کو تلوار کی دید سے آرام ملتا ہے۔ نگاہیں شمشیر میں جوہر کی طرح رہ جاتی ہیں۔ ایسی مستی کتنی اچھی ہے کہ جس میں بسمل، قاتل کے انداز کو دیکھ کر حیرت سے محو ہو جائے۔

جفا شوخ و ہوس گستاخِ مطلب ہے، اگر عاشق
نفس، در قالبِ خشتِ لحد، دزدیدنی جانے

جفا شوخ : وہ شخص جو شوخی سے جفا طلبی کرے۔ ہوس گستاخ : گستاخ ہوس یعنی ہوس کی وجہ سے گستاخی پر مائل۔ ہوس گستاخِ مطلب : اپنے مطلب کو پورا کرنے کی ہوس

میں گستاخ یعنی اپنا مطلب اور ہوس پورا کرنے کا شوقین۔ نفس دزدیدن = سانس بند کرنا۔ سانس اپنے قالب میں بند کیا جاتا ہے لیکن شاعر نے قبر کی اینٹ کے قالب میں بند کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس جگہ قالب دو معنی میں ہے۔ شاعر کے تعلق سے جسم کے معنی میں اور اینٹ کے تعلق سے سانچے کے معنی میں قالبِ خشتِ لحد سے خو دلحد مراد ہے۔ مطلب ہوا یہ مانا کہ عاشق جفا کی خواہش کرتا ہے اور اپنا مطلب پورا کرنے پر جیا رکھے رہتا ہے لیکن اسے قبر میں جاکر سانس بند کر لینے کو بھی تیار رہنا چاہیئے یعنی فنا پر آمادہ رہنا چاہیئے۔

نوائے طائرانِ آشیاں گم کردہ آتی ہے

تماشا ہے کہ رنگِ رفتہ برگر دیدنی جانے

غالب رنگِ رفتہ کو طائر سے تشبیہہ دیا کرتے ہیں۔ اس شعر میں کہتے ہیں کہ جو پرندے آشیاں سے اُڑ گئے تھے ان کی آواز آرہی ہے۔ غالباً وہ واپس آرہے ہیں۔ عجیب تماشا ہے کہ اُڑا ہوا رنگ واپس آئے۔ پرندوں کو رنگِ پریدہ سے تشبیہہ دی ہے۔

نسخۂ عرشی میں دوسرے مصرع میں "تماشائے" دیا ہے جب کہ نسخۂ شیرانی میں "تماشا ہے" درج ہے۔ آسی نے "تماشائے" لکھ کر بڑے لطیف معنی نکالے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ پرندے آشیاں سے اُڑ جاتے ہیں تو کم از کم دُور سے ان کی آواز تو سنائی دیتی رہتی ہے۔ میرے رنگِ رفتہ کا پتہ ہی نہیں۔ تماشائے یعنی ایک تماشا۔ تماشا بمعنی جلوۂ محبوب۔ اے دوست تو اپنا ایک ہی جلوہ دکھا دے تاکہ میرا رنگِ رفتہ واپس آنے پر مائل ہو۔

"تماشا ہے" کا متن بعد کا ہے اس لئے مرجح ہے۔ اس سے صرف وہی معنی نکلتے ہیں جو میں نے دیے ہیں۔

اسد جاں نذرِ الطافے کہ ہنگامِ ہم آغوشی

زبانِ ہر سرِ مو، حالِ دل پرسیدنی جانے

میری جان، محبوب کی اس مہربانی کی نذر ہو کہ ہم آغوشی کے وقت اس کے ہر بال اور روئیں کی زبان میرا حالِ دل پوچھتی دکھائی دیتی ہے۔ یعنی اس کا دل میرے دل سے مل جاتا ہے۔

(۲۹۴)

سوختگاں کی خاک میں ریزشِ نقشِ داغ ہے

آئنہ و نشانِ حال، شُلِ گلِ چراغ ہے

ریزش : چھڑکنا ، بکھرنا۔ حال : حالت ، " زمانۂ موجودہ " مراد نہیں۔ عشق میں جلے ہوؤں کی خاک میں ان کے داغ کے ذرے بھی بکھر کر ملے ہوئے ہیں۔ جس طرح گلِ چراغ کا پتہ دیتا ہے کہ چراغ جلتا رہا تھا اسی طرح داغ کے ٹکڑے ان کی حالت کی نشاں دہی کرتے ہیں کہ وہ جل جل کر داغ کھایا کئے۔

لطفِ خمارِ مئے کو ہے در دلہا ہم دگر اثر

پنبۂ شیشۂ شراب، کف بہ لبِ ایاغ ہے

خمار : نشے کے اُتار کی حالت نیز نشے کا بقیہ۔ موخر الذکر معنی میں نشہ ہی کا مفہوم دیتا ہے اور اس شعر میں یہی معنی مراد معلوم ہوتے ہیں۔ شعر کے معنی ہوئے۔ دو شخص اگر مل بیٹھ کر شراب پئیں تو نشے کا اثر دونوں کے دل میں ہوتا ہے اور ایک دوسرے کیلئے مفاہمت پیدا ہوتی ہے۔ صراحی کے مُنہ پر جو روئی لگی رہتی ہے وہ لبالب پیالے کی سطح پر آیا ہوا جھاگ ہے کس طرح ؟ پنبہ ہٹاکر پیالے میں شراب اُلٹی جائے گی ' پیالہ بریز ہوگا اور اس پر سفید جھاگ آئیں گے۔ شاید روئی کے کچھ ریشے بھی شراب کے ساتھ چلے آتے ہوں اس طرح براہِ راست یا بالواسطہ شراب کی روئی پیالے کے جھاگ کا باعث بنی جس طرح بوتل اور پیالے میں ہم آہنگی ہے اسی طرح دو شراب پینے والوں کے دلوں میں ہوتی ہے۔

اگر خمار کے معنی فقدانِ نشہ لئے جائیں تو پورا پہلا مصرع خصوصاً لفظ لطف اپنے معنی کھو دیتا ہے۔ اس صورت میں شعر کے معنی یوں ہوں گے۔

شراب موجود نہ ہو تو دلوں کی تشنگی اور محرومی کی کیفیت مشترک اور ہم آہنگ ہوتی ہے۔ بوتل کے مُنہ پر روئی لگی ہو یعنی اس میں سے شراب نہ نکالی جائے تو ہمدردی میں یہ روئی لبِ ساغر کا جھاگ بن جاتی ہے۔ پیالے میں پہلے کسی نے شراب پی ہوگی اس کا بقیہ جھاگ پیالے کے کنارے پر لگا رہ گیا۔ یہ جھاگ پیالے کے خالی ہونے کی علامت ہے۔ پنبۂ مینا جو اس کفِ لب کی ذمہ دار ہے گویا خود لبِ ایاغ پر آگئی ہے اور یہ دلوں کے قرب، ہمدردی کی وجہ سے ہے پہلے معنی بہتر ہیں۔

مُفت صفائے طبع ہے، جلوۂ نازِ سوختن

داغِ دلِ سیہ دلاں، مردم چشمِ زاغ ہے

سیہ دل : گناہ گار، ظالم چشم زاغ : بے حیا شخص۔ م پر اضافت نہیں ہونی چاہیئے۔

نسخۂ عرشی میں اضافت دی ہے جو غالباً صحیح نہیں۔ اپنے دل کی صفائی کی جائے تو سوختن کا جلوہ نازمفت میں دیکھنے کو ملے گا۔ یہ کس طرح؟ ظاہر ہے طبیع کی پاکیزگی کے لیے خود کو جلانا ہوگا۔ عشق کی آگ میں خود کو جلا کر ہی صفائی نصیب ہو سکتی ہے۔ حسرت موہانی کا شعر ہے۔

محبت نے کی دل میں وہ آگ روشن

کہ ہم ہو گئے جس میں خاکی سے نوری

تو صفائی طبیع نے آگ لگنے کا تماشا دکھایا۔ اس کے برعکس سیاہ دل لوگوں کے دل کا داغ بے حیا آنکھ کی پتلی ہوتا ہے۔ پتلی کالی ہوتی ہے اور کوے جیسی آنکھ والے کی پتلی اور بھی کالی ہوگی داغ کالا ہوتا ہے اور سیاہ دل کا داغ اور بھی کالا ہوگا۔ تشبیہہ مکمل ہوگئی۔ دونوں مصرعوں میں دو متضاد شخصوں کا ذکر ہے۔

رنجش یار مہرباں، عیش و طرب کا ہے نشاں

دل سے اُٹھے ہے جو غبار، گرد سواد باغ ہے

مہربان دوست اگر آزردہ ہو جائے تو یہ عیش و خوشی کا پیش خیمہ ہے کیونکہ وہ جلد ہی مَن جائے گا اور اس کے بعد محبت کی پینگیں کچھ اور بڑھیں گی۔ بمصداق ؎

بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

دل سے جو غبار شکوہ اُٹھتا ہے وہ نواح باغ کی طرح ہے جو قرب باغ کا پتہ دیتا ہے۔ گرد کے بعد باغ اور خفگی کے بعد ملاپ کی توقع کی جا سکتی ہے۔

شعر کی فکر کو، اسد، چاہیے ہے دل و دماغ

وائے کہ یہ فسردہ دل، بے دل و بے دماغ ہے

بے دل: اُداس بے دماغ: آزردہ و زود رنج۔ شعر کی فکر کیلئے دل اور دماغ چاہیئے۔ اور میں افسردہ دل بے دل و بے دماغ ہوں کیونکر شعر کہوں۔ لفظ بے دل اور بے دماغ کی ہیئت ظاہری سے مضمون پیدا کیا ہے ویسے معنوی اعتبار سے بھی یہ الفاظ برمحل ہیں یعنی سست ہوں شعر کہنے کا دماغ نہیں۔

(۲۶۵)

اے بے خبراں میرے لب زخم جگر پر

بخیہ جسے کہتے ہو شکایت ہے رفو کی

اے بے خبر و میرے زخمِ جگر پر ٹانکے بگتے ہیں۔ تم الزام دیتے ہو کہ میں نے زخم کو سلوا کر کم ہمتی کا ثبوت دیا۔ دراصل یہ بخیہ نہیں ہونٹوں پر بخیہ کی شکایت ہے جو سفید ٹانکوں کی شکل میں دکھائی دے رہی ہے۔

گو زندگیِ زاہدِ بے چارہ عبث ہے

اتنا ہے کہ رہتی تو ہے تدبیر وضو کی

وضو کی ضرورت ناپاک ہو جانے کے بعد ہوتی ہے جو جنسی فعل یا میخواری وغیرہ کے بعد ہوسکتی ہے۔ غالب شوخی سے کہتے ہیں۔ گو بے چارے زاہد کی زندگی بے کار ہے لیکن اتنا تو ہے کہ وہ چھپکے سے کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے بے وضو ہو جاتا ہے اور از سرِ نو وضو کی تدبیر کرتا ہے

اس کے آگے وہ اشعار درج کئے جاتے ہیں جو گنجینۂ معنی کے حواشی بہ عنوانِ شرحِ غالب میں دیئے ہیں۔

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا

اسد اللہ خاں، قیامت ہے

اسد اللہ خاں بے دل کے انداز میں اردو میں شاعری کرنا اہلِ اردو کیلئے قیامت ہے۔ بیدل بہت دقیق معنی بندی اور نازک خیالی کرتا تھا۔

زندگی میں بھی، رہا ذوقِ فنا کا مارا

نشہ بخشا غضب اس ساغرِ خالی نے مجھے

زندگی بھر میں لذتِ فنا پر دلدادہ رہا۔ ذوقِ فنا خالی ساغر کی طرح ہے لیکن اس خالی جام نے مجھے عمر بھر نشے میں رکھا۔

لبکہ تھی فصلِ خزانِ چمنستانِ سخن

رنگِ شہرت نہ دیا تازہ خیالی نے مجھے

شاعری کے باغ پر خزاں آئی ہوئی تھی یعنی لوگوں میں مذاقِ شاعری کم ہو گیا تھا۔ میں نے نئے نئے خیالات پیدا کئے لیکن کسی نے توجہ نہ کی اور مجھے شہرت نہ ملی۔

جلوۂ خور سے، فنا ہوتی ہے شبنم غالب

کھو دیا سطوتِ اسمائے جلالی نے مجھے

سطوت: رعب داب، قہر۔ اسمائے جلالی: خدا کے جلالی نام مراد ہیں مثلاً جبّار، قہّار۔

سورج کے جلوے سے شبنم فنا ہو جاتی ہے۔ مجھے خدا کے جلوے کی بھی ضرورت نہ پڑی صرف اس کے قہار ناموں کے رعب نے مجھے فنا کر دیا۔

دل تو ہو، اچھا نہیں ہے گر دماغ
کچھ تو اسبابِ تمنا چاہیئے

دماغ ہونا: کسی چیز کی طرف توجہ کی توفیق ہونا، خواہش ہونا۔ اچھا اگر بے زاری کے سبب کچھ کرنے کا دماغ نہیں تو کم ازکم اس کیلئے دل یعنی جذبہ تو ہونا چاہیئے۔ تبھی تمنا کا سامان ہو سکتا ہے۔ ورنہ بے زاری بھی ہو اور افسردگی بھی تو کیا تمنا کی جا سکتی ہے۔

یہ کون کہوے ہے آباد کر ہمیں! لیکن
کبھی زمانہ مرادِ دلِ خراب تو دے

ہم یہ کب مطالبہ کرتے ہیں کہ زمانہ ہمیں پوری طرح آباد کرے۔ لیکن کبھی ایک آدھ بار تو تباہ حال دل کی مراد پوری کر دے۔

ہو کر شہید عشق میں پائے ہزار جسم
ہر موجِ گردِ راہ، مرے سر کو دوش ہے

عشق میں شہید ہوئے۔ سر خاک پر لوٹا کیا۔ شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یہ بڑی خوشگوار صورتِ حال ہے۔ گردِ راہ کی موجیں دھڑ کی طرح ہیں جو مرے سے مل کر جسم بن جاتی ہیں۔ اس طرح ایک بار مر کر میرے سر کو ہزار بار جسم ملے۔ حالانکہ درحقیقت یہ قابلِ رحم صورتِ حال ہے کہ سر راستے کی دھول پر پڑا لڑھکتا ہے۔

انجامِ شمارِ غم نہ پوچھو
یہ مصرف "تابہ کے؟" نہیں ہے

تابہ کے؟ کب تک۔ مصرف: استعمال کا مقام۔ میرے غم کے شمار کا اختتام نہ ڈھونڈھو اگر تم کہو کہ کب تک غموں کا سلسلہ چلتا رہے گا؟ تو یہ سوال بے کار ہے۔ میرے معاملہ میں اس سوال کا موقع ہی نہیں کیونکہ کبھی خاتمہ ہوگا ہی نہیں۔

جس دل میں کہ "تابہ کے؟" سما جائے
واں عزتِ تختِ کے نہیں ہے

تابہ کے: کب تک، واضح نہیں کہ شاعر کے ذہن میں اس کا کیا مفہوم ہے۔ دوسرے مصرع میں کَے سے مُراد ایران کے کیانی بادشاہ ہیں۔ غالباً شعر کا مفہوم یہ ہے زندگی میں خواہشیں

کی جائیں تو ایک کے بعد دوسری خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ سمجھ دار اور متوکل دل یہی کہے گا کہ تا بہ کے ان خواہشوں کو پورا کیا جائے۔ بہتر ہے کہ انھیں ترک ہی کر دیا جائے۔ جس دل میں یہ "تا بہ کے" آ جائے (یعنی کب تک خواہشوں کی غلامی کریں) اس دل میں بادشاہ کے تخت کی بھی عزت نہیں۔ وہ لالچوں سے بلند ہو جاتا ہے۔

(۲۶۶)

پیٹھ محراب کی قبلے کی طرف رہتی ہے
محوِ نسبت ہیں، تکلف ہمیں منظور نہیں

محرابِ مسجد کا دہانہ نمازیوں کی طرف اور پیٹھ قبلے کی طرف ہوتی ہے۔ ہم بھی قبلہ اور رسول سے دلی تعلق رکھتے ہیں نماز وغیرہ کے تکلف کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اگر محراب قبلے کی طرف سے منہ موڑ سکتی ہے اور موردِ اعتراض نہیں تو ہم بھی اس کی تقلید کیوں نہ کریں۔ محض شوخ خیال ہے۔

(۲۶۷)

ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو
برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

ابر کا برسنا رونے سے مشابہ ہے اور رونے کی وجہ قرار دی ہے کہ وہ مُصر ہے کہ خوشی کی محفل سجاؤ۔ جس طرح بچے کسی خواہش کے پورا کرانے کیلئے روتے ہیں اسی طرح بادل بھی رو کر ضد کر رہا ہے۔ بجلی کا چمکنا ہنسنے سے مشابہ ہے لیکن آنی وفانی ہوتا ہے۔ بجلی چمک کر گویا ابر کی فرمائش پر ہنس رہی ہے کہ زندگی میں فرصت کتنی کم ہے۔ ایک لمحے میں بزم آرائی کیا کی جائے۔

طاقتِ رنجِ سفر بھی نہیں پاتے اتنی — ہجرِ یارانِ وطن کا بھی الم ہے ہم کو
لائی ہے معتمد الدولہ بہادر کی امید — جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

یہ اشعار اسی غزل کے ہیں جس میں یہ شعر ہے۔

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

لکھنؤ میں بیٹھ کر مندرجہ بالا دو اشعار کہے ہیں۔ ہم خود میں سفر کی تکلیفیں اٹھانے کی طاقت بھی نہیں پاتے۔ وطن کے دوستوں کے بچھڑنے کا بھی غم ہے لیکن معتمد الدولہ آغا میر

کے کرم کی اُمید لائی ہے۔ ان کے کرم کی کاف کی کشش ہمارے لئے جادۂ راہ بن گئی۔

(۲۶۸)

وہ بات چاہتے ہیں کہ جو بات چاہیئے
صاحب کے ہم نشیں کو کرامات چاہیئے

ہم اس بات کی خواہش کرتے ہیں جس کا ہونا ضروری اور مناسب ہے۔ ہم تمھارے ہم نشیں ہیں کاش ہم میں اتنی کرامات ہوتی کہ جو چاہتے وہ پورا ہو جایا کرتا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات "وصل" ہوگی۔ نسخۂ شیرانی میں چاہتے ہیں کی جگہ "چاہتے ہو" ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے۔ آپ اس بات کی خواہش کرتے ہیں جو ہونی چاہیئے۔ ہم آپکے ہم نشیں ہیں۔ کاش ہمارے اندر اتنی کرامات ہوتی کہ آپ کی خواہش پوری کرنے کی دُعا کرتے اور پوری ہو جاتی۔
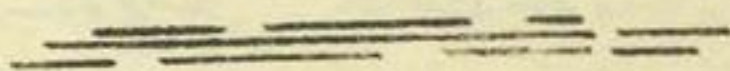
(۱)

ہر چند کہ دوستی میں کامل ہونا
ممکن نہیں یک زبان و یک دل ہونا
میں تجھ سے اور مجھ سے تو پوشیدہ
ہے مفت نگاہ کا مقابل ہونا

مُفت : رائگاں ہونا۔ نگاہ کا مقابل ہونا : ایک دوسرے کی نگاہیں چار ہونا مراد نہیں بلکہ اپنی نگاہ کا آنکھ سے نکل کر پیش منظر پر پڑنا مراد ہے۔ کہتے ہیں۔ دوستی کتنی بھی کامل کیوں نہ ہو دو دوستوں کے خیالات اور اقوال ہر موقع پر بالکل یکساں نہیں ہو سکتے۔ میں اور تو ایک دوسرے کی نگاہوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ اس لئے میری نگاہ کا سامنے کو دیکھنا ضائع جاتا ہے۔ تیرے ساتھ میری دوستی کامل ہے لیکن ہم دونوں یک زبان و یک دل تو در کنار ایک دوسرے کی آنکھوں سے بھی اوجھل ہیں۔

(۲)

سامانِ ہزار جستجو یعنی، دل
ساغر کشِ خونِ آرزو یعنی، دل
پشت و رُخِ آئینہ ہے، دین و دُنیا
منظور ہے دو جہاں سے تو یعنی، دل

دل میں ہزار چیزوں کی جستجو اور طلب رہتی ہے۔ یہ آرزوئیں پوری تو ہوتیں نہیں، اس لئے دل آرزوؤں کے خون کا پیالہ پیتا ہے۔ دین اور دُنیا ایک ہی آئینے کے دو رُخ ہیں مثلاً دُنیا آئینے کا سامنے کا رُخ ہے جسے ہم دیکھ سکتے ہیں اور دین اس کے پیچھے کا رُخ۔ دُنیا تو یہ دُنیا ہے ہی۔ دین کا تعلق دوسری دُنیا سے ہے اس لئے دین، و دُنیا کو بہ آسانی آئینے کی پُشت و رُخ کہہ سکتے ہیں۔ اے محبوبِ حقیقی دو جہاں کہہ کر تجھے مراد لے سکتے ہیں اور تو اور میرا دل ایک ہیں کیونکہ دل میں دونوں جہانوں کی طلب بھری ہوئی ہے۔

اے کاش اِبتاں کا خنجر سینہ شگاف ‌ ‌ ‌ پہلوئے حیات سے گزر جاتا صاف
اک تسمہ لگا رہا کہ تا روزِ سے چند ‌ ‌ ‌ رہیئے نہ مشقتِ گدائی سے معاف

حسینوں نے ہمارے پہلو پر خنجر سے وار کیا لیکن ادھیا گیا۔ ایک تسمہ باقی رہ گیا۔ زندہ رہیں گے لیکن مجروح رہیں گے۔ شاید اُنھوں نے ایسا قصداً کیا ہے کہ ہم جسم و جاں کو یکجا رکھنے کے لئے بھیک مانگنے کی مشقت میں مبتلا رہیں۔

(۴)

اے کثرتِ فہم بے شمار اندیشہ ‌ ‌ ‌ ہے اصلِ خرد سے شرمسار اندیشہ
یک قطرۂ خون و دعوتِ صد نشتر ‌ ‌ ‌ یک وہم و عبادتِ ہزار اندیشہ

فہم بے شمار اندیشہ: بہت سے اندیشوں میں مبتلا رہنے والی عقل۔ عبادتِ ہزار اندیشہ: یہ ترکیب اضافی نہیں بلکہ توصیفی ہے۔ ہزار اندیشوں والی عبادت۔

غالب نے ایک شعر میں کہا ہے

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاریِ وہم
کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

اس رُباعی میں بھی کثرت آرائیِ وہم کا ذکر ہے۔ اے طرح طرح کے وہم کرنے والی عقل اور اے کثرت بیں عقل 'اندیشہ' یعنی خیال اصلی عقل سے شرمندہ ہے۔ حقیقی عقل کا تقاضا یہ ہے کہ طرح طرح کے اوہام میں مبتلا نہ ہو کر ہر چیز میں وحدت کا مشاہدہ کرو۔ جو فہم طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا رہتی ہے وہ عقل کی اصل سے ہٹی ہوئی ہے۔ یہ صورتِ حال ایسی ہے جیسے ایک قطرۂ خوں ہو اور سو نشتروں کو دعوت دی جائے کہ فصد کھولو۔ "یک وہم" سے مراد "ایک کمزور عقیدہ" ہو سکتا ہے یا اس سے بھی زیادہ قرینِ قیاس دُنیا کو وہم کہا ہے۔ ایک کمزور عقیدہ یا ایک موہوم دُنیا ہے اور ہزار طرح کے شکوک و شبہات سے بھرپور عبادت ہے۔ اس کثرت بینی اور کثرتِ اوہام کی جگہ وحدت کی طرف راغب ہونا چاہیئے۔ پہلے مصرع میں کثرتِ فہم کے معنی عقل کی زیادتی ہو سکتے ہیں لیکن اس سے بہتر یہ ہے "فہم کی آفریدہ کثرتِ موجودات۔

(۵)

دل سوزِ جنوں سے جلوہ منظر ہے آج　　نیرنگِ زمانہ فتنہ پرور ہے آج
یک تارِ نفس میں، جوں طنابِ صنّاع　　ہر پارۂ دل، برنگِ دیگر ہے آج

طنابِ صنّاع: کسی ہوشیار کاریگر کی بنائی ہوئی رنگین رسّی یا ڈوری جس میں کئی رنگ کے دھاگے لگے ہوں۔ جنون سے دل جل کر جلوہ کر رہا ہے۔ فتنہ پرور زمانے کی نیرنگی دکھائی دے رہی ہے۔ جس طرح کسی ہوشیار کاریگر کی ایک ڈوری میں کئی مقام پر مختلف رنگ ہوتے ہیں اسی طرح میرے سانس کے تار میں دل کے ٹکڑے ہیں جن میں سے ہر ایک کا رنگ مختلف ہے۔

گو جوہرِ امتیاز ہوتا ہم میں　　رسوا کرتے نہ آپ کو عالم میں
ہے نام و نگیں، کمیں گہِ نقبِ شعور　　یہ چور پڑا ہے خانۂ خاتم میں

انگوٹھی کے نگین پر نام کھدا ہوتا تھا جس سے مہر کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اگر ہم میں تمیز کا جوہر ہوتا تو اپنے نام کی مہر لگا کر خود کو دُنیا میں رسوا نہ کرتے۔ انگوٹھی کے نگیں پر نام کھدا ہونا عقل و شعور پر نقاب لگانے کی گھات کی جگہ ہے۔ انگوٹھی کے گھر میں چور آ گیا ہے۔ چور کون؟ نام کا کندہ ہونا جو خلافِ عقل بات ہے۔

یادگارِ نالہ

نسخۂ عرشی کے تیسرے جزو یادگارِ نالہ میں مختلف ذرائع سے لے کر غالب کا متفرق کلام جمع کیا گیا ہے۔ نادم سیتاپوری کی کتاب "غالب کے کلام میں الحاقی عناصر" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حصّے میں کچھ الحاقی کلام میں بھی شائع ہو گیا ہے۔ میں بغیر کسی بحث میں پڑے مشکوک کلام کو نظرانداز کرتا ہوں۔ یادگارِ نالہ کے اشعار کی ابھی تک شرح نہیں لکھی گئی۔ ان میں بیشتر اشعار صاف ہیں صرف کہیں کہیں کوئی شعر وضاحت طلب ہے۔ چونکہ میری کتاب کا مقصد غالب کے تمام مشکل اشعار کی شرح فراہم کرنا ہے (متداول دیوان کی متعدد شرحیں موجود ہونے کی وجہ سے میں نے تکرار کو تحصیلِ حاصل سمجھا) اس لئے اسے حصّے کو بھی اپنے مطالعے میں شامل کر لیتا ہوں۔ یوں اس شرح کا مقصد کلامِ غالب کی تحقیق نہیں اس لئے ممکن ہے کہ درجِ ذیل اشعار میں بھی کوئی الحاقی شعر راہ پا گیا ہو۔

قطعات

(۱)

بسکہ فعّالِ ما یرید ہے آج ہر سلح شور انگلستاں کا

فعّالِ ما یرید: وہ ذات جو جو کچھ بھی ارادہ کرے اسے عمل میں لانے کی قدرت رکھتی ہو۔ ایک آیت میں خدا نے اپنے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ "تمہارا رب فعّالِ ما یرید ہے" مندرجہ بالا قطعے میں غالب نے انگریزوں کی آمریت اور ظلم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آج انگلستان کا ہر ہتھیار بند سپاہی بالکل آمر بنا پھرتا ہے۔ جو اس کے جی میں آتا ہے کر بیٹھتا ہے۔ کوئی روکنے والا نہیں۔ سلح شور: ہتھیار بند۔

(۴)

مسلمانوں کے میلوں کا ہوا قُل پچھے ہے جوگ مایہ اور دیبی

نشاں باقی نہیں ہے سلطنت کا مگر ہاں نام کو اورنگ زیبی

قُل ہونا: فاتحہ ہونا یعنی ختم ہو جانا۔ جوگ مایہ: قطب صاحب میں ہندوؤں کا ایک مندر۔ پھول والوں کی سیر کے موقع پر پھولوں کا پنکھا یہاں بھی جاتا ہے۔

اورنگ زیبی: سکار بنگل پھوڑے کو اورنگ زیبی پھوڑا کہتے ہیں کیونکہ دکن کی مہم میں گولکنڈہ میں اورنگ زیب کے بہت سے لشکریوں کے یہ نکلا تھا۔ شاعر ماتم کرتا ہے۔ کہ زوالِ سلطنت کے ساتھ مسلمانوں کے میلے ختم ہو گئے۔ پھول والوں کی سیر کے موقع پر ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے۔ سلطنت کا نشان باقی نہیں۔ ہاں اورنگ زیبی پھوڑے میں بادشاہ اور سلطنت کا نام باقی ہے۔

(۱۰)

اسے فضائلِ علم و ہنر کی افزائش ‌ ‌ ‌ ہوئی ہے مبدعِ عالم سے اس قدر انعام

کہ بحثِ علم میں، اطفالِ ابجدی اس کے ‌ ‌ ‌ ہزار بار فلاطوں کو دے چکے الزام

مبدع : نئی بات ایجاد کرنے والا۔ اطفالِ ابجدی : ابجد خواں لڑکے۔ حکیم سلیم خاں کی مدح میں لکھتے ہیں کہ انھیں خدا کی طرف سے فضیلتِ علم و ہنر اتنی زیادہ ملی ہے کہ مکتب کے بچے بھی جب ان کے علم کے بارے میں بحث کرتے ہیں تو افلاطون پر الزام دیتے ہیں کہ سلیم خاں کے مقابلے میں اس کا علم ناقص تھا۔ افلاطون کی پستیِ علم اس قدر مسلّم ہے کہ عقلِ مکتب بھی اس سے واقف ہے۔

(۱۲)

مقامِ شکر ہے اے ساکنانِ خطۂ خاک ‌ ‌ ‌ رہا ہے زور سے ابرِ ستارہ بار برس

کہاں ہے ساقیِ مہوش؟ کہاں ہے ابرِ مطیر ‌ ‌ ‌ "بیار" "لا" مے گلفام گوں "بیار" برس

چوتھے مصرع میں ساقی سے تقاضا کیا ہے۔

ایک بار "لا" کہا۔ "لا، لا" سرخ رنگ کی شراب لا "۔ "برس" ابر سے خطاب کیا ہے۔

(۱۴)

رام پور آج ہے وہ بقعۂ معمور کہ ہے ‌ ‌ ‌ مرجع و مجمعِ اشرافِ نژادِ آدم

بقعہ : مکان۔ معمور : آباد، بھرا ہوا۔ رام پور آج ایسے آباد مکان کی طرح ہے جس میں آدم کی نسل کے اشراف آکر جمع ہو گئے ہیں۔

حبذا باغِ ہمایونِ تقدس آثار ‌ ‌ ‌ کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غزالانِ حرم

حبذا : کلمۂ تحسین ہے، بہت خوب۔ غزالانِ حرم : کعبے کے نواح کے جنگل میں شکار ممنوع ہے۔ وہاں کے ہرن۔ نواب صاحب کا مبارک اور مقدس باغ کتنا اچھا ہے۔ جہاں کعبے کے ہرن بھی چرنے کو آتے ہیں۔ ان کے آنے سے باغ کا تقدس ظاہر ہوتا ہے۔

مسلکِ شرع کے ہیں راہرو و راہ شناس

خضر بھی یاں اگر آجائے، تو لے ان کے قدم

نواب کلب علی خاں شرع کے راستے پر چلتے ہیں اور اس سے کما حقہ واقف ہیں۔ خضر جو سب کی راہبری کرتا ہے اگر شرع کے راستے میں آئے تو نواب کلب علی خاں کے قدموں کو چھو کر انھیں اپنا رہنما تسلیم کرے گا۔

قصائد

(۱)

ملاذِ کشور و لشکر، پناہِ شہر و سپاہ — جنابِ عالی ایلن برونِ والا جاہ

ملاذ: جائے پناہ۔ ایلن برون لشکر اور شہر کو پناہ دینے والے ہیں۔

بلند رتبہ وہ حاکم، وہ سرفراز امیر — کہ باج تاج سے لیتا ہے جس کا طرفِ کلاہ

دوسرے مصرع کے معنی ہیں کہ اس کا گوشۂ کلاہ بادشاہوں کے تاج سے خراج لیتا ہے یعنی جس کا مرتبہ بادشاہوں سے زیادہ ہے۔

وہ محضِ رحمت و رافت کہ بہرِ اہلِ جہاں
نیابتِ دمِ عیسیٰ کرے ہے جس کی نگاہ

رافت: مہربانی۔ وہ مجسم رحمت و عنایت ہے۔ اس کی نگاہِ کرم لوگوں کیلئے عیسیٰ کی پھونک کی طرح حیات بخش ہے۔

وہ عینِ عدل کہ دہشت سے جس کی پرسش کی
بنے ہے شعلۂ آتش، انیسِ پرِ کاہ

پرِ کاہ: گھاس کا تنکا۔ وہ بالکل انصاف ہیں۔ ان کے ڈر سے شعلے کی گھاس کے تنکے کو جلانے کی مجال نہیں بلکہ اس کا دوست بنا ہوا ہے۔ گھاس کا تنکا کمزور سے کمزور چیز ہے لیکن اس پر بھی کسی کو ظلم کی مجال نہیں۔

زمیں سے سودۂ گوہر اُٹھے بجائے غبار
جہاں ہو توسنِ حشمت کا اس کے جولاں گاہ

سودہ: جو کچھ گھسنے سے حاصل ہو۔ سفوف۔ اس کی شوکت کا گھوڑا جس میدان میں دوڑے گا وہاں سے گرد کی بجائے موتیوں کا سفوف اُڑائے گا۔

یہ اس کے عدل سے اضداد کو ہے آمیزش — کہ دشت و کوہ کے اطراف میں بہر سرِ راہ
ہژبر پنجے سے لیتا ہے کام شانے کا — کبھی جو ہوتی ہے اُلجھی ہوئی دُمِ روباہ

شیر اور لومڑی ایک دوسرے کے دوست نہیں ہو سکتے لیکن اس کے انصاف سے وہ بھی ایک ہو گئے ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کی ضد ہیں چناں چہ جنگل اور پہاڑ میں کبھی لومڑی کو اتنی سی

بھی تکلیف پہنچے کہ اس کی دُم کے بال اُلجھے اکھڑے سے ہو جائیں تو شیر اپنے پنجے سے اُنھیں سنوارے گا یعنی شیر جیسا ظالم لومڑی جیسے کمزور جانور کی مدد کرنے لگا ہے۔

کہے گی خلق اسے دادرِ سپہر شکوہ

کہیں گے لوگ اسے شہر و ستارہ سپاہ

اس کا مرتبہ اتنا بلند ہوگا کہ لوگ اسے آسمان کی سی شکوہ رکھنے والا حاکم کہیں گے اور لوگ اسے ایسا بادشاہ کہیں گے ستارے جس کی فوج ہیں۔

ملے گی اس کو وہ عقلِ نہفتہ داں کہ اسے

پڑے نہ قطعِ خصومت میں، احتیاجِ گواہ

نہفتہ داں: پوشیدہ باتوں کی جاننے والی۔ دو شخصوں میں دشمنی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ بنائے مخاصمت دور ہو جائے اور ان میں پھر سے تعلقات بحال ہو جائیں۔ ایک فریق کچھ کہے گا دوسرا کچھ۔ گواہ لائے جائیں گے تاکہ حقیقت کھُل کر سامنے آئے اور جھگڑے کی جڑ کاٹ دی جائے۔ ممدوح کی عقل پوشیدہ باتوں کو اتنی جاننے والی ہوگی کہ اسے دو جھگڑنے والے فریقوں کی تحقیق میں گواہ کی ضرورت ہی نہیں۔ خود بخود حقیقت سے واقف ہو کر ان کا جھگڑا ختم کر دے گا۔

یہ ترکتاز سے برہم کرے گا کشورِ روس

یہ لے گا، بادشہِ چیں سے چھین تخت و کلاہ

ترکتاز: یکایک دوڑنا، حملہ کرنا۔ ترکتاز اور روس میں رعایتِ لفظی ہے۔ ممدوح حملہ کر کے روس کے مُلک کو برہم کر دے گا اور فتح کرے گا۔ چین کے بادشاہ سے تخت و تاج چھین لے گا۔

(۴)

گرہ سے اور گرہ کی اُمید کیوں نہ پڑے؟

کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں، تین چار گرہ

سالگرہ کے دھاگے میں ایک گرہ کے بعد دوسری گرہ کی اُمید کیوں نہ بندھے کیونکہ ہر گرہ کے بیچ میں اور کئی گرہیں پوشیدہ ہیں۔ اس طرح عمر کا رشتہ لامتناہی ہو جائے گا۔

خود آسماں ہے مہاراؤ راجہ پر صدقے

کرے گا سینکڑوں، اس تار پر نثار، گرہ

گرہ : ہندی جیوتش میں نو تاروں سورج، چاند، منگل، بدھ وغیرہ کو گرہ کہتے ہیں۔ آسمان مہاراجہ کے عمر کے تار پر سینکڑوں تارے نچھاور کرے گا۔ گرہ کے لفظ میں ایہام ہے۔

وہ راؤ راجہ بہادر کہ حکم سے جن کے

رواں ہوتا رہے فی الفور، دانہ وار، گرہ

تار یا تاگے میں گرہ ایک مقام پر جامد ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس دانہ زمین پر لڑھکتا ہے۔ راجہ بہادر کے حکم میں یہ تاثیر ہے کہ تار کی گرہ دانے کی طرح چل سکتی ہے۔

اُنہیں کی سالگرہ کیلئے بناتا ہے

ہوا میں بوند کو، ابرِ تگرگ بار، گرہ

تگرگ : اولا۔ اولا برسانے والا بادل ہوا میں بوند کو اولا نہیں بناتا ان کی سالگرہ کے لئے گرہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔

سن اے ندیم برس گانٹھ کے یہ تاگے نے
تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار گرہ

پئے دعائے بقائے جنابِ فیض مآب
لگے گی اس میں ثوابت کی استوار گرہ

ہزار دانے کی تسبیح چاہتا ہے بنے
بلا مبالغہ درکار ہے ہزار گرہ

اے ہم نشیں برس گانٹھ کے تاگے نے گرہ کا شیوہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ یہ فیاض راجہ کی بقا کی دعا کیلئے تسبیح ہزار دانہ بننا چاہتا ہے۔ اس میں معمولی گرہیں نہیں لگیں گی بلکہ تاروں کی گرہ لگائی جائیں گی۔ عموماً تسبیح سو دانوں کی ہوتی ہے لیکن یہ ہزار دانوں کی تسبیح بنا چاہتا ہے تاکہ دعا زیادہ موثر ہو۔ اس کے لئے ہزار گرہوں کی ضرورت ہوگی جو ہزار سال میں ممکن ہوں گی۔ ثوابت اور گرہ (ہندی میں بمعنی سیارہ) میں رعایت ہے اور ثوابت اور استوار کے لفظ میں بھی رعایت ہے۔ سالگرہ کے تاگے کو تسبیحِ سال بھی کہتے ہیں۔

عطا کیا ہے خدا نے یہ جاذبہ اس کو

کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ زینہار گرہ

جاذبہ : جذب کرنے والی قوت، تاثیر۔ رشتۂ سال گرہ میں ایسی قوتِ جذب ہے کہ اس نے گرہ کو گرفت میں لیا ہوا ہے اور اسے چھوڑتا ہی نہیں۔ گرہ خیر و عافیت سے سال پورا ہونے کی نشانی ہے۔ رشتے کا گرہ سے تعلق نیک شگون ہے۔

کشادہ رُخ نہ پھرے کیوں؟ جب اس زمانے میں
بچے نہ از پئے، بندِ نقابِ یار گرہ

چونکہ ساری گرہیں مہاراجہ کے سال گرہ کے رشتے کیلئے وقف ہو گئی ہیں اس لئے اور کسی کام کے لئے گرہ میسر ہی نہیں۔ محبوب کے نقاب کیلئے گرہ بچی ہی نہیں۔ اس لئے وہ منہ کھول کر پھرنے کے لئے مجبور ہے۔

متاعِ عیش کا ہے، قافلہ چلا آتا
کہ جادہ، رشتہ ہے اور ہے شترِ قطار گرہ

سالگرہ کا رشتہ ایک راستے کی طرح ہے اور اس کی گرہ اونٹوں کی قطار کی طرح ہے ان اونٹوں کے قافلے میں عیش کی پونجی چلی آرہی ہے یعنی سال گرہ مہاراجہ کیلئے عیش کے قافلے لائے گی۔

(۳)

مرحبا سالِ فرخی آئیں! عیدِ شوّال و ماہِ فروردیں

عیدِ شوال: عید الفطر جو یکم شوال کو ہوتی ہے۔ ماہِ فروردیں: ایرانی شمسی سال کا پہلا مہینہ جو مارچ میں شروع ہوتا ہے۔ یہ مبارک سال کتنا اچھا ہے کہ ابھی عید الفطر ہوئی ہے اور اس کے کچھ ہی بعد ماہِ فروردیں جو بہار کا مہینہ ہے شروع ہو رہا ہے۔

شب و روز، افتخارِ لیل و نہار
مہ و سال، اشرفِ شہور و سنیں

شب و روز کے فارسی میں جو معنی ہیں وہی لیل و نہار کے عربی میں ہیں، رات دن یعنی زمانہ۔ مہ و سال کی عربی شہور و سنین ہے۔ شہر: مہینہ جس کی جمع شہور ہے۔ سنہ: سال کی جمع سنین ہے۔ آج کل کے رات دن زمانے کیلئے باعثِ فخر ہیں اور یہ مہینہ اور سال تمام مہینوں اور سالوں کے سلسلے میں بہترین ہیں۔

بزم گہ میں امیرِ شاہ نشاں
رزم گہ میں حریفِ شیر کمیں

بزم میں وہ ایسا امیر ہے جس میں بادشاہی کے آثار ہیں۔ میدانِ جنگ میں وہ غنیم کیلئے ایسا مدِ مقابل ہے جو شیروں کی گھات میں رہ کر ان کا شکار کرتا ہے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~~~~~~~~~

پیشگاہِ حضور، شوکت وجاہ
خیر خواہِ جناب، دولت و دیں

پیش گاہ: مسند یا تختِ شاہی کے آگے کا فرش۔ شوکت وجاہ ان کے سامنے فرش کی طرح بچھی ہوئی ہیں اور دولتِ دینوی اور دین دونوں ان کی جناب کے خیر خواہ ہیں۔

انجمیں چرخ، گوہر آگیں فرش
نور مے۔ ماہ، ساغرِ سیمیں

نواب کی بزم کا موتیوں سے ٹنکا ہوا فرش تاروں سے بھرے آسمان کی طرح ہے۔ چاندی کا پیالہ چاند کی طرح ہے اور اس میں بھری شراب چاند کا نور ہے۔

راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے — ہے وہ بالائے سطحِ چرخِ بریں
وہ نظر گاہِ اہلِ وہم و خیال — یہ ضیا بخشِ چشمِ اہلِ یقیں

راجہ اندر کا اکھاڑا آسمان کے اوپر ہے۔ اسے کس نے دیکھا ہے وہ خیالی دنیا میں رہنے والوں کا وہم ہے اور یہ بزم یقین و عقیدہ رکھنے والوں کی آنکھ کو روشنی بخش رہی ہے۔ یعنی اسے یقین کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔

یاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے
ژالہ آسا، بچھے ہیں دُرِّ ثمیں

دُرِّ ثمیں: بیش بہا موتی۔ اس محفل میں جتنی دور تک نظر دیکھ سکتی ہے اولوں کی طرح بڑے بڑے بیش بہا موتی بچھے ہیں۔

اُس اکھاڑے میں جو کہ ہے مظنون
یاں وہ دیکھا بچشمِ صورت بیں

راجہ اندر کے اکھاڑے میں جو کچھ ظن و قیاس کیا جاتا ہے یہاں وہ آنکھ سے دیکھ لیا۔

سرورِ مہر فر ہوا جو سوار
بہ کمالِ تجمّل و تزئیں

سورج کی سی شوکت رکھنے والا سردار بکمال شوکت و زیبائی کے ساتھ جو سوار ہوا۔

سب نے جانا کہ ہے پری توسن
اور بالِ پری ہے دامنِ زیں

سب نے جانا کہ گھوڑا پری ہے اور زین کے دونوں پہلو پری کے پر ہیں۔

نقشِ سمِ سمند سے یک سر
بن گیا دشت دامنِ گل چیں

پھول توڑنے والے کے دامن میں پھول بھرے رہتے ہیں۔ حضور کے گھوڑے کے سموں کے نقوش پھول کی طرح ہیں جن سے جنگل کا دامن بھر گیا۔

فوج کی گردِ راہ، مشک افشاں
رہروؤں کے مشام، عطر آگیں

آپ کی فوج کے چلنے سے جو گرد اُڑتی ہے وہ مُشک کی سی خوشبو رکھتی ہے جس کی وجہ سے راستے پر چلنے والوں کی قوتِ شامہ (سونگھنے کی قوت) عطر سے بھری رہتی ہے۔

بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت
فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں

پیادہ اور فرزیں شطرنج کے مہروں کے نام ہیں۔ فرزیں وزیر کو کہتے ہیں پیادہ کم رتبہ اور فرزیں عالی مرتبہ ہوتا ہے۔ نواب نے فوج کو یہ عزت بخشی ہے کہ اس کا ہر پیادہ فرزیں کا رتبہ رکھتا ہے۔

ران پر داغ تازہ دے کے وہیں	چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام
خاص بہرام کا ہے زیبِ سُریں	اور داغ آپ کی غلامی کا

بہرام گور شاہِ ایران کو گورخر کے شکار کا شوق تھا۔ یہ قاعدہ ہے کہ غلاموں کے کولھے پر گرم لوہے سے داغ کر دیتے ہیں تاکہ معلوم رہے کہ یہ غلام ہے۔ بہرام گورخر کو پکڑ کر اس کی ران پر داغ دے کر چھوڑ دیتا تھا تاکہ معلوم رہے کہ یہ گورخر اس کا صید کردہ ہے لیکن خود بہرام کے کولھے پر آپ کی غلامی کا داغ موجود تھا۔

پیری و نیستی، خدا کی پناہ
دستِ خالی و خاطرِ غم گیں

نیستی: نحوست، افلاس۔ خدا کی پناہ کہ بڑھاپے میں مجھے نحوست نے گھیرا ہے ہاتھ روپے پیسے سے خالی ہے اور دل غم سے بھرا ہوا ہے۔ غم گیں میں گیں مخفف ہے آگیں کا جس کے معنی ہیں بھرا ہوا۔ خالی اور بھرے کا تضاد دکھایا ہے۔

(۴۸)

حق گوے وحق پرست وحق اندیش وحق شناس
نوّابِ مستطاب، امیرِ شہِ احتشام

جم رتبہ میکوڈ بہادر کہ وقتِ رزم
ترکِ فلک کے ہاتھ سے وہ چھین لیں حسام

مستطاب: بزرگ، پاک۔ میکوڈ ایسے امیر ہیں جن میں بادشاہوں کی شوکت ہے جمشید کا رُتبہ رکھتے ہیں اور لڑائی کے وقت زمین کے شجاعوں کا تو کیا ذکر وہ مریخ سے بھی تلوار چھین لیتے ہیں۔ ترکِ فلک سے مُراد مریخ ہے۔

چاہا تھا میں نے تم کو مہِ چاردہ کہوں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیالِ خام

دو رات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا
حضرت کا عز و جاہ رہے گا علی الدّوام

تمہیں چودھویں کا چاند کہنا ناقص خیال ہے کیونکہ پورا چاند تقریباً دو رات رہتا ہے لیکن آپ کی عزت و شان ہمیشہ رہے گی۔

سچ ہے، تم آفتاب ہو، جس کے فروغ سے
دریائے نور ہے فلکِ آبگینہ فام

آبگینہ: کانچ، بلّور۔ فام: رنگ۔ تم سورج ہو جس کی روشنی سے شیشے کے رنگ کا آسمان دریائے نور بن گیا ہے۔

جو واں نہ کہہ سکا، وہ لکھا ہے حضور کو
دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام

فائز المرام: مراد کو پہنچنے والا۔ "ہوں" یہاں مضارع کا صیغہ ہے۔ آپ کی رُخصت کے وقت مجھے جو کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا وہ لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ آپ میرے ساتھ انصاف کریں تاکہ میری مُراد پوری ہو۔

مرثیہ

(۱)

اے زمزمۂ قُم، لبِ عیسیٰ پہ فغاں ہو
اے ماتمیانِ شہِ مظلوم کہاں ہو

قُم: اُٹھ جا۔ حضرت عیسیٰ قم کہہ کر مردوں کو جلاتے تھے۔ غالب کہتے ہیں کہ شہدائے کربلا کے غم میں لبِ عیسیٰ پر قم کی آواز کو نالۂ ماتم میں بدل جانا چاہیئے۔

یہ خرگہہ نہ پایہ جو مدت سے بپا ہے
کیا خیمۂ شبیر سے رتبے میں سوا ہے

اس سے پہلا مصرع ہے ع گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو
خرگاہ بڑے خیمے کو کہتے ہیں۔ خرگہہ نہ پایہ سے مراد آسمان ہے۔ نہ پایہ کہنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ عرش و کرسی سمیت نو آسمان ہوتے ہیں جیسا کہ ظہیر فاریابی نے کہا تھا۔

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پا
تا بوسہ بر رکابِ قزل ارسلاں دہد

یا پھر ہندی جیوتش کے مطابق ان نو ستاروں کو کہتے ہیں۔ سورج، چاند، منگل، بدھ برہسپت، شکر، سنیچر، راہو، کیتو۔ غالب نے غالباً پہلے معنی میں لیا ہے حالانکہ اس معنی میں نہ فرش کہا جا سکتا تھا نہ پایہ نہیں۔ بپا ہونا : برپا ہونا یعنی استادہ ہونا۔ یہ نو پایوں والا خیمہ جو مدت سے لگا ہے شبیر کے خیمے سے تو افضل نہیں۔ جب خیمۂ شبیر تباہ ہو گیا تو خیمۂ آسمان جل جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

کیسا فلک اور مہرِ جہاں تاب کہاں کا
ہوگا دلِ بے تاب کسی سوختہ جاں کا

کیسا آسمان اور کہاں کا دُنیا کو منور کرنے والا سورج۔ یہ سورج نہیں کسی غم سے جلے ہوئے کا بے چین دل ہوگا۔

اب صاعقہ و مہر میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں، اس رو سے کہو برق نہیں ہے

صاعقہ : گرنے والی بجلی۔ دُنیا میں سب شہدائے کربلا کے غم میں دل سوختہ ہیں۔ گرنے والی بجلی یا سورج دونوں کا دل بے قرار ہے دونوں سوختہ جاں ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے صرف اس اعتبار سے فرق کر سکتے ہو کہ سورج چونکہ گرتا نہیں اس لئے یہ صاعقہ نہیں اُس سے مختلف چیز ہے۔ ورنہ دلی کیفیت کے اعتبار سے دونوں ایک سے ہیں۔

(۲)

کفیلِ بخششِ اُمت ہے بن نہیں پڑتی
اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اس کو

کفیل : ذمہ دار۔ شافع : شفاعت کرنے والا یعنی کسی کیلئے بھلائی کا کلمہ کہہ کر سفارش

کرنے والا - روزِ جزا : صلہ ملنے کا دن یعنی قیامت۔ حضرت امام حسین اُمت کی بخشش کے ضامن ہیں کیوں نہ اُنھیں قیامت کے روز کا شفاعت کرنے والا کہوں۔

وہ جس کے ماتمیوں پہ ہے سلسبیل سبیل
شہیدِ تشنہ لبِ کربلا کہیں اُس کو

سلسبیل : جنت کی نہر۔ سبیل : وہ پانی یا شربت جو راہِ خدا میں پیاسوں کو پلائیں۔ امام حسین کے ماتم کرنے والوں کیلئے نہرِ جنت کا پانی میسر ہوگا۔ ستم ہے کہ خود امام کو کربلا کے میدان میں پیاسا شہید ہونا پڑا۔

عدو کے سمعِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
کہ جن و انس و ملک سب بجا کہیں اس کو

سمع : رضامندی کے ساتھ سننا۔ افسوس حضرت کی جس بات کو سن کر جن اور انسان اور فرشتے غرضیکہ سب مخلوق بجا کہیں دشمن اس بات کو سُن کر راضی نہ ہو گویا سُننے ہی سے انکار کر دے

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حسین بلند
بہ قدرِ فہم ہے گر کیمیا کہیں اس کو

نظارہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرۂ خاک
کہ لوگ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اس کو

جس راستے سے امام حسین گزریں اس کی گرد کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اگر کوئی اسے کیمیا کہے تو یہ سمجھ کر معاف کر دیا جائے گا کہ اپنی فہم کے مطابق ہی سوچ سکا۔ ان کی خاکِ راہ کا ہر ذرہ کثرتِ نور کے سبب نظر اور نظارے کو جلانے والا ہے۔ اسے موت کی تلوار کا جوہر کہتے ہیں۔ فولاد کو گھسا جائے تو جو نقطے اور خطوط دکھائی دیتے ہیں اسے جوہر کہتے ہیں پہلے شعر میں خاکِ راہ کی جمالی کیفیت دکھائی ہے اور دوسرے میں جلالی۔

زمامِ ناقہ کف اس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں
پس از حسین علی پیشوا کہیں اس کو

بظاہر یہ شعر امام زین العابدین کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد کے دو اشعار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اونٹ کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے جسے یقین کے ساتھ حسین ابنِ علی کے بعد پیشوا کہا جا سکتا ہے۔ یہ کیفیت اس وقت کی ہے جب سانحۂ کربلا کے بعد

زین العابدین اور دوسرے اہل بیت کو اسیر کر کے لے گئے تھے۔

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
علی سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اس کو

اجتہاد: جو مسائل قرآن میں واضح نہیں ان کو قرآن و حدیث و اجماع پر قیاس کر کے عقل کے مطابق حل طے کرنا۔ اس شعر میں شیعی نقطۂ نظر سے دشمنِ دیں سے مراد حضرت امیر معاویہ ہیں۔ جنگ جمل کی طرف اشارہ ہے جو حضرت معاویہ نے حضرت علی کے خلاف کی تھی۔ اس کا جواز اجتہاد میں تھا۔ غالب اس اجتہاد پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ "خطا کہیں اس کو" بظاہر حضرت علی کے لئے ہے لیکن میرا خیال ہے کہ "اجتہاد" کیلئے ہے۔ اجتہاد میں خطا بھی ہو جاتی ہے کیونکہ انسان سے بھول چوک ہوتی ہے۔ حضرت معاویہ نے اجتہاد کے نام پر اعلان جنگ کیا۔ اب ان کی صفائی میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ جنگ ناروا تھی تو خطائے اجتہاد ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ اتنی بڑی بات کو محض خطا کہہ کر رفع دفع کیا جا رہا ہے۔ (واللہ اعلم)

سہرا

(۱)

تارِ ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابرِ بہار
لائے گا تابِ گراں بارئ گوہر، سہرا!

رگِ ابر: وہ خط جو بادل میں نمایاں ہو۔ سہرے کا تار، ریشم کا نہیں یہ بہار کے ابر نیساں کی رگ ہے جو بہت سے موتی برسائے گا۔ کیا سہرا اتنے موتیوں کے بوجھ کی تاب لا سکے گا۔

(۲)

چرخ تک دھوم ہے، کس دھوم سے آیا سہرا
چاند کا دائرہ لے، زہرہ نے گایا سہرا

دائرہ: ایک باجا جسے ہاتھ کی ضرب سے بجایا جاتا ہے۔ دوسرے مصرع میں سہرا سے مراد سہرے کی نظم ہے نوشہ کا سہرا اتنا شاندار ہے کہ آسمان تک اس کی دھوم مچ گئی چنانچہ مطرب فلک زہرہ نے چاند کی ڈفلی ہاتھ میں لے کر اسے بجا بجا کر سہرے سے متعلق نظم گائی۔

(۳)

ان کو لڑیاں نہ کہو، بحر کی موجیں سمجھو
ہے تو کشتی میں و لے بحرِ رواں ہے سہرا

کشتی: بڑی طشت۔ اس لفظ پر ایہام ہے۔ سہرے کی لڑیاں سمندر کی لہریں ہیں اور سہرا بحرِ رواں ہے۔ عموماً کشتی (ناؤ) سمندر میں ہوتی ہے۔ یہاں سمندر کشتی (طشت) میں ہے۔

غزلیات

(الف)

(۱)

جگر سے ٹوٹے ہوئے مو کی ہے سناں پیدا
دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

نسخۂ عرشی میں اس شعر کا متن عمدۂ منتخبہ کے مطابق دیا ہے۔ نودریافت مخطوطے سے اس کے پہلے مصرع کا صحیح متن دریافت ہوا۔ یہ صحیح متن اور اس کا مطلب آگے کے اوراق میں نودریافت اشعار کی ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(د)

(۱)

نیازِ عشق، خرمن سوزِ اسبابِ ہوس بہتر
جو ہو جائے نثارِ برق مشتِ خار و خس بہتر

نیازِ عشق کا خرمن سوزِ اسبابِ ہوس ہونا بہتر ہے۔ دنیوی ساز و سامان ہوس کا اسباب ہے یہ عشق میں جل جائے تو اچھا ہے۔ اسبابِ ہوس تنکوں کی طرح ہیں۔ اگر یہ بجلی پر نثار ہو جائیں تو خوب ہے خس کم جہاں پاک۔

(ط)

(۱۴)

یاد جو آیا جو وہ کہنا کہ "نہیں، واہ، غلط"
کی تصوّر نے بہ صحرائے ہوس راہ غلط

فرض کیجئے کہ ہم نے کبھی محبوب سے کہا ہو کہ "خدا نے حسینوں کو حسن اس لئے دیا ہے کہ وہ اہلِ دل کو اس سے گل چینی کرنے دیں۔" جواب میں محبوب کہے گا "نہیں، واہ، غلط" کوئی اس قسم کا مکالمہ یاد آیا تو تصوّر ہوس کے جنگل میں گمراہ ہو گیا یعنی ہمیں طرح طرح کی خواہشوں نے آ دبوچا جو ایک طرح کی گمراہی ہے کیونکہ وہ مقصود تک نہیں لے جا سکتی۔ راہ غلط کرنا یعنی گمراہ ہونا، غلط راستے پر چل پڑنا۔

(ک)

(۱۵)

دیکھنے میں ہیں گرچہ دو، پر ہیں یہ دونوں یار ایک
وضع میں گو ہوئی دو سر، تیغ ہے ذوالفقار ایک

ذوالفقار: فقرہ ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ فقرہ کی جمع فقار۔ ذوالفقار حضرت علی کی تلوار کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اونچی نیچی تھی چناں چہ وہ ایک کنارے پر کٹ پھٹ کر دو سر معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود ایک ہی تلوار تھی یہ غزل احمد بیگ خاں طپاں دہلوی اور سید ابوالقاسم خاں کی توصیف میں ہے۔ ان دونوں دوستوں کو ایک ظاہر کیا ہے۔

نقدِ سخن کے واسطے، ایک عیارِ آگہی
شعر کے فن کے واسطے، مایۂ اعتبار ایک

عیارِ آگہی: واقفیت کی کسوٹی۔ مایۂ اعتبار: ایسی دولت جس پر اعتبار کیا جا سکے ان دوستوں میں سے ایک شاعری کی پرکھ کیلئے پہچاننے والی کسوٹی ہے۔ اور دوسرا شاعری کی دولت سے بہرہ ور ہے۔

گلکدہ تلاش کو، ایک ہے رنگ، ایک بو
ریختے کے قماش کو، پود ہے ایک تار ایک

قماش: ریشمی کپڑا۔ پود: بانا۔ تار: تانا۔ گلکدۂ تلاش سے مراد حقیقت کی جستجو سے ہے

جستجوئے حقیقت کو اگر باغ مان لیا جائے تو ایک اس کا رنگ ہے اور دوسرا بو۔ اُردو ادب کو ریشمی کپڑا قرار دیا جائے تو ایک اس کا تانا ہے دوسرا بانا یعنی کسی کو حقیقت کی تحقیق کرنی ہو تو ان حضرات سے سب کچھ معلوم ہو سکتا ہے یا یہ خود حقیقت کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں اور دونوں اُردو ادب بالخصوص شاعری کی زینت بڑھا رہے ہیں۔

مملکتِ کمال میں، ایک امیر نامور

عرصۂ قیل وقال میں، خسروِ نامدار ایک

قیل وقال: بات چیت، مباحثہ۔ کمال کے ملک کا ایک مشہور سردار ہے یعنی بڑا صاحب کمال ہے۔ بات چیت کے میدان میں دوسرا مشہور بادشاہ ہے یعنی بڑا فصیح البیان ہے۔

گلشنِ اتفاق میں، ایک بہارِ بے خزاں

مے کدۂ وفاق میں، بادۂ بے خمار ایک

اتفاق اور وفاق دونوں کے معنی موافقت و میل جول کے ہیں۔ اتفاق کے باغ کی بہار اور موافقت کے میکدے کی شراب دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی دونوں محبت و مروت و دوستی میں بڑے ثابت قدم ہیں۔

زندۂ شوقِ شعر کو، ایک چراغ انجمن

کشتۂ ذوقِ شعر کو، شمعِ سرِ مزار ایک

کشتۂ ذوق کی رعایت سے زندۂ شوق لے آئے ہیں۔ جو شخص صرف شاعری کے شوق میں زندہ ہے اس کیلئے قاسم وطپاں میں سے ایک بزمِ شعر کا چراغ ہے اور جو شخص ذوقِ شعر کا شہید ہے اس کے لئے قاسم وطپاں میں کا دوسرا شخص مزار کی شمع ہے یعنی دونوں حضرات شاعری کے شوقینوں کو روشنی عطا کرتے ہیں۔

دونوں کے دل حق آشنا، دونوں رسول پر فدا

ایک محبِ چار یار، عاشقِ ہشت وچار ایک

چار یار: چار خلفا یعنی حضرات، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی۔ ہشت وچار یعنی بارہ سے مُراد حضرات علی۔ حسن۔ حسین وغیرہ بارہ امام۔ محبِ چار یار سے مُراد سنّی اور عاشقِ ہشت وچار سے مراد شیعہ ہے۔ ظاہر اطپاں سنّی اور قاسم شیعہ ہیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جانِ وفا پرست کو، ایک شمیم نوبہار
فرقِ ستیزہ مست کو، ابرِ تگرگ بار ایک

فرقِ ستیزہ مست: لڑائی کے نشے سے مست سر۔ تگرگ بار: اولے برسانے والا۔ وفادار شخص کو ان میں سے ایک اولِ بہار کی ہوا کی طرح تازگی دیتا ہے۔ لڑائی کرنے والے سر کے لئے دوسرا اولے برسانے والا بادل ہے۔ یعنی دوستوں کو فائدہ پہنچانے والے اور دشمن کو سزا دینے والے ہیں۔

(ف)

(۱۸)

محفلِ شمع عذاراں میں جو آجاتا ہوں
شمع ساں، میں تہہِ دامانِ صبا جاتا ہوں

شمع عذاراں: شمع کے سے گال رکھنے والے یعنی روشن چہرے والے حسین۔ میں حسینوں کی محفل میں جاتا ہوں تو میرا یہ حال ہوتا ہے جیسے شمع ہوا کی لپیٹ میں آجانے اور بجھ جانے کو ہو یعنی حسینوں کی محفل میں موت میرے سر پر کھیلنے لگتی ہے۔ سوال ہوگا کہ صبا کا اثر حسینوں پر کیوں نہیں ہوتا۔ جواب ہے کہ وہ شمع نہیں شمع جیسے گال رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ گالوں کی روشنی ہوا سے نہیں بجھ سکتی۔ صبا سے مُراد حسینوں کا معاندانہ رویہ، جفا و ستم ہے۔

ہووے ہے جادۂ رہ رشتۂ گوہر ہر گام
جس گزرگاہ میں، میں آبلہ پا جاتا ہوں

میرے پاؤں میں آبلے ہیں۔ میں جس راستے سے گزرتا ہوں اس پر پھوٹے ہوئے آبلوں سے بوندیں ٹپکتی ہیں اور یہ قطرات کی لائن موتیوں کی لڑی اور راستہ لڑی کا دھاگا بن جاتا ہے۔

سرگراں مجھ سے سبک رو کے، نہ رہنے سے رہو
کہ بہ یک جنبشِ لب مثلِ صدا جاتا ہوں

پہلے مصرع میں تعقید ہے۔ نثر ہوگی مجھ سے سبک رو کے رہنے سے سرگراں نہ رہو۔ سبک رو: تیز رفتار۔ مجھ جیسے گرم عناں کے اپنے پاس موجود رہنے سے ناراض و آزردہ کیوں ہوتے ہو۔ آواز سے ذرا سا اشارہ کردو اور میں اتنی تیزی سے جاؤں گا جیسے ہونٹ سے نکل کر آواز جاتی ہے۔ آواز کی رفتار چھ سو سات سو میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

(۱۹)

نہیں کرتے کا، میں تقریر ادب سے باہر

میں بھی ہوں محرمِ اسرار، کہوں یا نہ کہوں

میں تمام رازوں سے واقف ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ کون سی بات کہنے کی ہے اور کون سی نہیں کہنے کی۔ اگر مجھے بولنے کا موقع ملے تو آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کوئی بات آپ کے خلاف آپ کی بے ادبی کی نہ کہوں گا۔ کہیئے اس یقین دہانی کے بعد بولنے کی اجازت ہے کہ نہیں ہے

(۲۵)

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں

میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں

جنگل میں کوئی ہرن صیاد کو دیکھ لے اور اس کے دام میں نہ آئے تو بھی اسے ہر وقت دھڑکا لگا رہے گا کہ گرفتار نہ ہو جاؤں۔ وہ بھول کے بھی آرام نہیں کر سکتا۔ غم کے جنگل میں میری بھی وہی کیفیت ہے۔

ہوں درد مند، جبر ہو یا اختیار ہو

گہ نالۂ کشیدہ، گہ اشکِ چکیدہ ہوں

چکیدہ: ٹپکا ہوا۔ جبر و اختیار دو نظریے ہیں پہلے کے مطابق آدمی ہر فعل میں مجبور ہے قدرت جو کراتی ہے وہ کرتا ہے۔ دوسرے کے مطابق اسے اختیار ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ حقیقت کچھ بھی ہو میں دردمند ہوں۔ کبھی کھینچا ہوا نالہ ہوں اور کبھی ٹپکا ہوا آنسو۔ نالہ کھینچنا اختیار سے متعلق ہے کیونکہ باآواز بلند رونے نہ رونے پر انسان کو قدرت ہے۔ آنسو ٹپکنا جبر سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ آنسو اضطراری طور پر آتے ہیں۔ اپنی مرضی کا نتیجہ نہیں ہوتے۔

جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن

از بسکہ تلخیِ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں

"جانِ شیریں" عام طور سے کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے ہونٹوں پر جان آگئی تو بھی میرے منہ کا ذائقہ میٹھا نہ ہوا میں یہاں تک ہجر کے غم کی تلخی چکھے ہوئے ہوں۔ جان ہونٹوں پر آنا قریب المرگ ہونے کے معنی میں ہے۔ غالب نے شوخی سے ہندی کی چیندی کر کے مٹھاس کی تلاش کی ہے۔

دستخط

نے سُبحہ سے علاقہ، نہ ساغر سے واسطہ

میں معرضِ مثال میں، دستِ بریدہ ہوں

معرض: ظاہر ہونے کی جگہ، موقع و محل۔ مجھے نہ تسبیح سے تعلق ہے نہ ساغر سے یعنی نہ زاہد ہوں نہ رند مجھے کٹے ہوئے ہاتھ سے مثال دی جاسکتی ہے یعنی ایسا ہاتھ جو کسی کام کے اہل ہی نہ ہو۔

ہوں خاکسار، پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ

نے دانۂ فتادہ ہوں نے دامِ چیدہ ہوں

لاگ کے معنی لگاؤ اور عداوت دونوں کے ہیں۔ دانۂ فتادہ: گرا ہوا دانہ۔ دامِ چیدہ: پھیلا ہوا جال۔ دانہ و دام کسی کو پھنسانے کیلئے ہوتے ہیں۔ میں خاکسار ہوں لیکن مجھے کسی سے شکایت اور عداوت نہیں۔ دانہ اور دام بھی خاک پر پھیلے ہوتے ہیں لیکن وہ دوسروں سے کینہ رکھتے ہیں۔ اس شعر میں خاکسار سے مراد خاک نشین یعنی مفلس ہے۔ بعض اوقات مفلسوں کو خوشحال لوگوں سے حسد ہوتی ہے۔

جو چاہیئے، نہیں وہ مری قدر و منزلت

میں یوسفِ بہ قیمتِ اوّل خریدہ ہوں

قیمتِ اوّلِ یوسف یا بازارِ اوّلِ یوسف ایک محاورہ ہے۔ حضرت یوسف کو کنوئیں سے نکال کر ان کے بھائیوں نے کسی مصری سوداگر کے ہاتھ کھوٹے درہموں کے عوض بیچ دیا۔ مختلف روایتوں کے مطابق یہ درہم ۲۰۔ ۱۸ یا ۱۷ تھے۔ دوسری بار یوسف مصر میں زلیخا کے ہاتھ بکے۔ قیمتِ اوّلِ یوسف سے مراد نہایت کم قیمت ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ میں یوسف کی طرح بیش بہا ہوں لیکن مجھے بہت کم قیمت پر بیچ دیا گیا یعنی میرے مرتبے کے مطابق میری قدر نہیں ہوئی۔

ہر گز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ

ہوں میں کلامِ نغز ولے ناشنیدہ ہوں

کوئی عمدہ بات ہو لیکن کسی نے سنی ہی نہ ہو تو اس کی قدر کون کرے گا۔ میں بھی ایسے ناشنیدہ کلام کی طرح ہوں۔ کسی کے دل میں میری جگہ نہیں یعنی مجھ سے کسی کو الفت نہیں۔

اہلِ ورع کے حلقے میں، ہر چند ہوں ذلیل

پر عاصیوں کے زمرے میں، میں برگزیدہ ہوں

ورع : پرہیزگاری۔ برگزیدہ : منتخب ۔ زاہدوں کو برگزیدہ ہستیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ میں زاہدوں کے دائرے میں ذلیل ہوں تو کیا ہوا گناہگاروں کے گروہ میں تو منتخب و ممتاز ہوں۔ نیکوں میں سرداری نہ ملی تو بروں میں سہی۔

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

کسی کو پاگل کتے نے کاٹ لیا ہو تو کچھ دنوں کے بعد وہ دیوانہ ہو جاتا ہے اور پانی سے ڈرنے لگتا ہے۔ میں آدمی کا ستایا ہوا ہوں اس لئے آئینے تک سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ اس کے اندر ایک آدمی کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ آدمی سے یہاں تک اندیشہ ہے کہ خود اپنے عکس سے ہیبت ہوتی ہے۔ آئینے میں آب (چمک) ہوتی ہے اس لئے وہ آب یا پانی سے مشابہ ہوتا ہے۔ مردم گزیدہ : آدمی کا کاٹا ہوا۔

(۴۷)

نسخۂ سوزشِ دل، درخورِ عناب نہیں
سر سودا زدہ، آتش کدۂ تاب نہیں

عناب : انگور اور بیر کو کہتے ہیں۔ نسخوں میں سوکھے ہوئے بیر شامل کئے جاتے ہیں مثلاً جوشاندہ میں عناب، گل بنفشہ وغیرہ۔ آتش کدۂ تاب : جلتا ہوا آتش کدہ۔ دل کی سوزش کا نسخہ یعنی ترکیبِ علاج عناب اور اس کی مماثل ادویات کے لائق نہیں یعنی عناب سے میل نہیں کھاتا۔ طبیب جسمانی بیماری کا نسخے سے علاج کر سکتا ہے۔ نفسیاتی سوزش عناب وغیرہ سے شفایاب نہیں ہو سکتی۔ جس سر میں عشق یا کسی اور قسم کا سودا ہو وہ آتش کدہ سے مختلف ہے۔ آتش کدے میں زیادہ حدت ہو تو پانی ڈال کر اعتدال پر لایا جا سکتا ہے لیکن سر کا سودا علاج سے بالاتر ہے۔

ہمت و حوصلۂ شورشِ شبنم معلوم
قلزمِ اشک، نم دیدۂ خوناب نہیں

شورش : ہنگامہ۔ خوناب : خون اور آب ملا ہوا یعنی خون سے ملے ہوئے آنسو۔ خوناب دوسرا لفظ ہے جس کے معنی خالص خون کے ہیں۔ شبنم کتنا ہی شور و ہنگامہ کرے اس کی ہمت اور حوصلہ ہمیں معلوم ہے یعنی کچھ نہیں ہے۔ شبنم نہ آنسوؤں کا سمندر ہے نہ خونیں اشک سے بھری آنکھ کا نم ہے ان دونوں میں بڑا حوصلہ ہوتا ہے۔ شبنم کا کیا، چند لمحوں میں فنا ہو جاتی ہے۔

پرسشِ عشق سے ہے ان کو فراغت مقصود

ہدیۂ پارۂ دل، نازشِ جلباب نہیں

عاشق معشوق سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے غافل نہ ہوگا۔ اس کا حال پوچھتا رہے گا۔ محبوب اس ہر گھڑی کی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتا ہے۔ عاشق نے محبوب کو دل کے ٹکڑے پیش کئے۔ محبوب بلکہ محبوبہ نے اُنہیں چادر کے کونے میں باندھ رکھا جیسے روپیہ انگوٹھی وغیرہ کو رکھ لیں۔ ظاہر ہے کہ میرے دل کے ٹکڑے چادر کیلئے باعث فخر نہیں لیکن محبوب نے صرف اس غرض سے انھیں چادر میں رکھ لیا ہے تاکہ عاشق پر یہ ظاہر ہو۔ کہ اسے (محبوب کو) عاشق کا خیال ہے اور لفظوں میں حالِ دل پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ جلباب: عورتوں کی اوڑھنی یا دوپٹہ۔

ہمت و شوقِ طلب گاریِ مقصود کہاں

برق خرمن زنِ بے تابیِ سیماب نہیں

خرمن زن: خرمن اکٹھا کرنے والی۔ مقصود سے مراد محبوب ہے۔ پہلے مصرع میں ایک دعویٰ ہے جسے تمثیلی رنگ میں دوسرے مصرع سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمیں اپنے مقصود (یعنی محبوب) کی طلب کی ہمت نہیں کیونکہ وہ ہماری بساط سے بالاتر ہے ہمیں اس مقصود کی طلب کا شوق بھی نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ملنے والا نہیں۔ پارہ بے تاب رہتا ہے منتشر ہوتا ہے ٹوٹتا پھوٹتا ہے لیکن برق اس کی طرف توجہ نہیں کرتی اس کے خرمن کو اکٹھا نہیں کرتی حالانکہ سیماب میں برق کی طرح تڑپ ہے۔ ہم جو محبوب کیلئے شوقِ بے پایاں رکھتے ہیں وہ بھی سیماب کی طرح ہے اور محبوب برق کی طرح لیکن وہ کب ہمارے شوقِ مضطرب کو آسودہ کرنا چاہے گا۔

گلشنِ ہستی عالم ہے دبستانِ نشاط

نقشِ گل، رونقِ بے مشقیِ طلاب نہیں

طلاب یعنی طالبِ علم کی جمع۔ دُنیا کا باغ نشاط کا مدرسہ ہے یعنی اس باغ
ہے سے نشاط حاصل ہوتی ہے۔ پھول کے نقش کو دیکھو کتنا نشاط
میں نو مشق بچے بھدے بھونڈے نقش کھینچتے ہیں جو کسی طرح دل کو خوش
نش گل کی رونق، اطفالِ مکتب کے اناڑی پن نے تخلیق نہیں کی۔ یہ کسی ماہر کا
ئے فرح بخش ہے۔

(و)

(۲۸)

دیکھتا ہوں اُسے، تھی جس کی تمنا مجھ کو
آج بیداری میں ہے خواب زلیخا مجھ کو

زلیخا نے کنوارے پن میں تین بار خواب میں حضرت یوسف کو دیکھا تھا اور دل دے بیٹھی تھی۔ کہتے ہیں میں آنکھوں سے اپنے محبوب کو دیکھ رہا ہوں گویا بیداری میں خوب زلیخا نظر آرہا ہے۔

(۲۹)

شمشیرِ صاف یار، جو زہراب دادہ ہو
وہ خطِ سبز ہے کہ بہ رخسارِ سادہ ہو

شاعری کی روایت میں زہر سبز ہوتا ہے۔ خط کو بھی سبز کہتے ہیں کیونکہ ایران میں کالا اور نیلا رنگ منحوس ہوتے ہیں۔ ان دونوں کو سبز کہتے ہیں۔ سادہ گالوں پر نیا نیا خط آئے تو اُردو کے شاعر کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اسے تلوار بھی خوشنما معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ شہادت کا شائق ہے اور اگر تلوار زہر کے پانی میں بجھائی ہوئی ہو تو عاشق کیلئے سونے پر سہاگہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل کھِل جاتا ہے۔ تلوار پر زہر اتنا ہی خوشنما ہے جتنا رخسار پر خط۔

(ک)

(۳۰)

خراج بادشہِ چیں سے کیوں نہ مانگوں آج
کہ بن گیا ہے، خمِ جعدِ پُرشکن، تکیہ

جعد: زلف۔ وصل کی شب میں محبوب کی زلفوں کا خم میرا تکیہ بن گیا ہے یعنی میں اس کے ساتھ اس طرح بغل گیر ہو کر لیٹا ہوں کہ اس کی زلفیں میرے سر کے نیچے آگئی ہیں۔ اب دُنیا میں مجھ سے بڑا کون ہے۔ مجھے ساری دُنیا کی دولت مل گئی۔ میں بادشاہوں سے بڑا شہنشاہ ہوں۔ چین کا بادشاہ بہت بڑا سمجھا جاتا ہے لیکن آج تو میں اس سے بھی بڑا ہوں کیوں نہ اس سے خراج طلب کروں۔

دوسرے مصرع کے معنی یوں بھی بیان کئے جا سکتے ہیں کہ میرا تکیہ محبوب کی زلفوں کا خم بن گیا ہے یعنی محبوب کی زلفیں میرے تکیے کے اطراف میں منتشر ہیں۔ اس صورت میں بھی

معنی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

بنا ہے تختۂ گل ہائے یاسمین، بستر
ہوا ہے دستۂ نسرین و نسترن، تکیہ

یاسمین: چمیلی۔ نسرین عربی میں اور نسترن فارسی میں سیوتی کے پھول کو کہتے ہیں
وصل کی رات محبوب کے ساتھ لیٹنے سے بستر چمیلی کے پھولوں کی کیاری کی طرح اور تکیہ سیوتی
کے پھولوں کے گلدستے کی طرح معلوم ہو رہا ہے۔

فروغِ حسن سے روشن ہے، خواب گاہ تمام
جو رختِ خواب ہے پرویں، تو ہے پرن تکیہ

پرویں اور پرن دونوں سے مُراد عقدِ ثریا ہے چند تاروں کا جھمکا جو پاس پاس واقع
ہیں۔ شبِ وصل میں حسنِ محبوب کے نور سے خواب گاہ روشن ہے۔ سونے کا لباس اور تکیہ
سب عقدِ ثریا کی طرح چمک رہے ہیں۔

ہوا ہے کاٹ کے چادر کو ناگہاں غائب
اگرچہ زانوئے نل پر رکھے دمن تکیہ

راجہ نل اور دمن جوے میں اپنی سلطنت اور سب مال و اسباب کھو کر جنگل میں پریشان
گھومتے تھے۔ پہننے کے زیادہ تر کپڑے بھی جاتے رہے تھے۔ نل نے دمن سے اصرار کیا
کہ وہ اپنے والد کے گھر چلی جائے لیکن وہ تیار نہ ہوئی۔ ایک روز دمن نل کے زانو پر سر رکھ کر
سو گئی۔ کچھ دیر بعد نل نے اسے آہستہ سے ہٹایا۔ اس کی چادر کو پھاڑ کر دو حصے کئے ایک دمن
کے پہننے کو چھوڑا۔ دوسرا اپنے جسم پر لپیٹ لیا اور غائب ہوگیا تاکہ دمیتی باپ کے پاس جانے
کو مجبور ہو جائے۔ اس شعر میں زانو پر تکیہ دھرنے سے مراد زانو کا سہارا لینا ہے۔ مرد کی بے
وفائی دکھائی ہے۔

بہ ضربِ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا
کہ ضربِ تیشہ پہ رکھتا تھا کوہکن تکیہ

فرہاد اپنے تیشہ کی کارگزاری پر بھروسہ رکھتا تھا کہ اس کے طفیل نہر کاٹ کر مقصود میں
کامیاب ہوگا۔ یہ اس کی غلط فہمی تھی جس کے خمیازے کے طور پر اسے جان دینی پڑی جس تیشے
پر اعتماد تھا اسی سے جان دی۔

شبِ فراق میں یہ حال ہے اذیت کا
کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے من تکیہ

فراق میں تکلیف کی وجہ سے بستر سانپ کی طرح کاٹتا ہے اور تکیہ سانپ کے من کی طرح ہیبت پیدا کرتا ہے۔

روا رکھو نہ رکھو، تھا جو لفظ "تکیہ کلام"
اب اُس کو کہتے ہیں اہلِ سخن "سخن تکیہ"

یوسف علی خاں عزیز لکھنوی "تکیۂ کلام" کی جگہ "سخن تکیہ" کہتے تھے۔ غالب اس ترکیب کو سن کر بہت محظوظ ہوئے اور اس پر یہ غزل سپردِ قلم کر دی۔ اس شعر میں کہتے ہیں کہ تم اس استعمال کو جائز قرار دو یا نہ قرار دو لیکن اب تکیہ کلام کی جگہ "سخن تکیہ" بھی کہتے ہیں۔

ہم اور تم "فلکِ پیر" جس کو کہتے ہیں
فقیر غالبِ مسکیں کا ہے کہن تکیہ

فقیروں اور درویشوں کے مسکن کو ان کا "تکیہ" کہا جاتا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ ہم تم جسے بوڑھا آسمان کہتے ہیں دراصل یہ فقیر غالب کا پرانا تکیہ یعنی اقامت گاہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ غالب کو دنیا چھوڑ کر اپنے تکیے میں چلے جانا چاہیئے۔

(ی)

(۳۶)

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب ناتواں مجھے
یہ رنگِ زرد ہے چمنِ زعفراں مجھے

زردی کی وجہ سے زعفران سے مشابہت ہے۔ یہ مشہور ہے کہ زعفران کے کھیت کو دیکھیے تو مسلسل ہنسی آتی ہے۔ چونکہ لوگ مجھے دیکھ کر استہزا کے طور پر ہنستے ہیں اس لئے میرے لئے میرا رنگ زعفراں کا باغ ہے۔

(۳۷)

دیکھ وہ برقِ تبسم، بس کہ دل بے تاب ہے
دیدۂ گریاں مرا فوّارۂ سیماب ہے

محبوب کے تبسم کو دیکھ کر میرا دل بہت بے تاب ہے۔ میری رونے والی آنکھوں سے

اتنے آنسو گر رہے ہیں کہ فوارہ جیسا معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ دل بے تاب ہے اس لئے آنسو سیماب کے فوارے سے مشابہ ہیں۔ سیماب میں تڑپ ہوتی ہے۔

کھول کر دروازۂ مے خانہ بولا مے فروش
اب شکستِ توبہ میخواروں کو فتح الباب ہے

فتح الباب: لفظی معنی دروازہ کھولنا مجازی معنی کامرانی۔ اس کے علاوہ اگر دو تارے ایک دوسرے کے سامنے کے خانوں میں ہوں اور ایک دوسرے کو دیکھیں مثلاً عطارد جوزا میں آکر۔ قوس میں مشتری کو دیکھے تو جب بھی ایسا ہوگا بارش آئے گی اور اسے فتح باب کہا جاتا ہے اس لئے فتح الباب برسات کے آغاز کو بھی کہتے ہیں۔ غالب نے اس شعر میں یہ تمام رعایتیں مدِ نظر رکھی ہیں۔ میخانے کے مالک نے میخانے کا دروازہ کھول کر صلائے عام دیا کہ میخواروں کو توبہ شکنی کر کے شراب پینا کامرانی ہے بارش رہی ہے۔

(۵۹) ماہِ نو ہوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

نیا چاند دبلا ہوتا ہے جیسے کہ عاجز و مجبور ہو۔ یہ ہمیشہ ایک ہی کروٹ سے لیٹا دکھائی دیتا ہے۔ آدمی کروٹ کے بل لیٹ کر اگر پاؤں کو کسی قدر موڑ کر پیٹ کی جانب کر لے تو ہلال سے مشابہت ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ آسمان نے مجھے ماہِ نو کی طرح عاجز و ناتواں کیا ہوا ہے اور ہلال کی طرح ہمیشہ ایک ہی کروٹ لٹاتا ہے۔

(۶۰)

آپ نے "مسّنی الضّر" کہا ہے تو سہی
یہ بھی اے حضرتِ ایوب گلا ہے تو سہی

"مسّنی الضّر": مجھے ضرر (تکلیف) نے مس کیا (چھوا)۔ یہ ایک آیت کا جزو ہے جس کے معنی ہیں "اور ایوب نے جب پکارا اپنے رب کو کہ بے شک مجھے پہنچی تکلیف اور تو رحمان و رحیم ہے۔" غالب اسی قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اے حضرت ایوب آپ کا صبر مشہور ہے لیکن خدا سے یہ کہنا کہ مجھے تکلیف ہوئی یہ بھی تو شکایت ہے۔

رنج طاقت سے سوا ہو تو نہ پیٹوں کیوں کر
ذہن میں خوبیِ تسلیم و رضا ہے تو سہی

پیٹوں، سینہ کوبی کرنا، ماتم کرنا۔ میں مرضیِ الٰہی کے آگے تسلیم کی خوبی جانتا ہوں لیکن جب رنج برداشت سے زیادہ ہو جائے تو کیونکر شور و غل نہ کروں۔

ہے غنیمت کہ بہ اُمید گزر جائے گی عمر

نہ ملے داد، مگر روزِ جزا ہے تو سہی

روزِ جزا: انصاف کا دن یعنی قیامت۔ قیامت کا دن تو یقیناً آئے گا۔ اس روز اگر ظلموں کی داد نہ دی جائے تو بھی یہ فائدہ ہے کہ زندگی میں اس داد و انصاف کی اُمید ہے اور اس اُمید کے سہارے عمر کٹ جائے گی۔ یعنی ظالم کو ظلم کی سزا ملے کہ نہ ملے اس وقت تک ہم اپنے دل کو بہلا لیتے ہیں کہ اس کو حساب چکانا ہوگا۔

نقل کرتا ہوں اسے نامۂ اعمال میں میں

کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو سہی

جبریوں کا عقیدہ ہے کہ خدا نے ازل ہی میں سب کی تقدیر لکھ دی ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں میں اسی لکھے کو عمل کی شکل میں ڈھال رہا ہوں۔ اس شعر میں شوخی یہ ہے کہ اپنے سارے گناہوں کی ذمہ داری خدا کے ذمے ڈال دی ہے۔

(۶۱)

تیرے کوچے کا ہے مائل دلِ مضطر میرا

کعبہ اک اور سہی، قبلہ نما اور سہی

قبلہ نما: وہ آلہ جو سمت کا پتہ دے اور جس سے قبلے کا پتہ لگائیں۔ میرا تڑپتا ہوا دل صرف تیرے کوچے کی طرف مائل رہتا ہے۔ میرے لئے تیرا کوچہ کعبے کی طرح ہو گیا ہے۔ اور میرا دل اس کے قبلہ نما کی طرح۔ یہ نیا قبلہ نما ہمیشہ کوچۂ محبوب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں

زہر کچھ اور سہی، آبِ بقا اور سہی

یہ مانا کہ زہر کچھ اور ہوتا ہے اور آبِ حیات اور یعنی زہر آبِ حیات نہیں پھر بھی مجھے ایسی چیز دو جسے کھانے کے بعد کسی چیز کی طلب نہ رہے۔ پانی بھی نہ مانگوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی چیز زہر ہی ہو سکتی ہے۔ آبِ حیات نہیں۔ زہرِ ہلاہل پی کر فوراً ختم ہو جائیے۔ کبھی کسی شے کی ضرورت نہ رہے گی۔

(۶۲)

کٹے تو شب کہیں، کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے

زلف کٹنے سے مراد "زلف تراشی جانے" نہیں بلکہ شبِ زلف قطع (کٹے) ہو یعنی زلف کا قرب حاصل ہو اور کچھ دیر زلف کے سائے میں گزارتی ہے۔ اس صورت میں زلف کو رات سے تشبیہہ دیں گے۔ اگر زلف کا قرب میسّر نہ ہو اور دور سے جلوہ دکھا کر محروم رکھے اور ستائے تو اسے سانپ کہیں گے۔ آخر یہ زلف ہے کیا؟

لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے

نجومی پیدا ہونے والے بچّے کا زائچہ بنا کر اس کی قسمت کے بارے میں حکم لگاتے رہیں یعنی پیشین گوئی کرتے رہیں لیکن اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ کسی کو کیا خبر کہ خدا کے قلم نے کیا لکھا ہے۔

نہ حشر و نشر کا قائل، نہ کیش و ملّت کا
خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

نشر: قیامت کے دن مُردوں کا اُٹھ کھڑا ہونا۔ ظاہراً یہ شعر محبوب کے بارے میں ہے کہ وہ کسی مذہب کا قائل نہیں اس کے قول و قسم کا کیا بھروسہ

وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے

مہرِ سلیمان: سلیمان کی انگوٹھی جس پر اسمِ اعظم کندہ تھا اور اس کی وجہ سے جن و پری اور دوسری سب مخلوق ان کے قبضے میں تھی۔ حضرت سلیمان اپنے اقتدار کے بل پر انصاف کرتے تھے۔ جامِ جم سے غیب کے حالات معلوم ہوتے تھے۔ داد یا انصاف کا اشارہ مہرِ سلیمان کی طرف ہے اور دید کا اشارہ جامِ جم کی طرف۔ مُراد یہ ہے کہ صرف مہرِ سلیمان یا جامِ جم کی کیا اہمیت ہے اصل اہمیت تو ان اشیا کے مالکوں کی عدل پروری یا بصیرت کی ہے۔ یعنی اگر کسی کے پاس بادشاہی کے مادّی ساز و سامان ہو بھی تو کیا؟ اصل چیز یہ ہے کہ اس میں بادشاہوں کی نیک صفات پیدا ہوں۔

(۶۳)

لطفِ نظارۂ قاتل، دمِ بسمل، آئے
جان جائے تو بلا سے، پہ کہیں دل آئے

دمِ بسمل کے معنی دمِ قتل نہیں ہوسکتے اس لئے دمِ بسمل کو مخاطب کر کے معنی نکالنے ہوں گے اے بسمل کے سانس یا جان، تیرا وقوع ہو یعنی بسمل ہونے کا موقع آئے تو اس کا روشن پہلو یہ ہے کہ قاتل کو دیکھنے کا لطف ملے گا۔ جان جائے گی تو جائے لیکن ایک ایسی شکل تو دکھائی دے گی کہ اس پر دل آجائے گا۔

آئیں جس بزم میں وہ، لوگ پکار اُٹھتے ہیں
لو، وہ برہم زنِ ہنگامۂ محفل آئے

ہنگامہ: زور شور کسی محفل میں شور ہو رہا ہو خواہ وہ پسندیدہ ہو یعنی رونق فزا ہو یا ناپسندیدہ۔ جب محبوب وہاں پہنچتا ہے تو سب کہتے ہیں کہ لو یہ ہنگامے کو ختم کر دینے والے آئے۔ سب ان کے سامنے یا اُن کے رعب سے خاموش ہو جاتے ہیں اور محفل کا ہنگامہ ختم ہو کر خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ وہ سب کو قتل کر کے محفل کو گورستاں کی طرح سنسان بنا دیتے ہیں۔

رُباعیات

(۱)

اے منشیِ خیرہ سر سخن ساز نہ ہو
عصفور ہے تو، مقابلِ باز نہ ہو

برہانِ قاطع کے معرکے میں منشی سید سعادت علی نے محرقِ قاطعِ برہان لکھی تھی۔ غالب نے میاں داد خاں سیاح کے نام سے اس کے جواب میں لطائفِ غیبی لکھی جس میں مندرجہ بالا رُباعی شامل ہے۔ عصفور چڑیا کو کہتے ہیں۔ اے بیہودہ خیالات رکھنے والے منشی باتیں نہ بنا۔ تو چڑیا ہے باز سے مقابلہ نہ کر۔

دوسرا شعر صاف ہے اس لئے حذف کر دیا گیا۔

[illegible]

غالبؔ کے خودنوشت دیوان کے نئے اشعار

ص۱۹ الف اسد افسردگی آوارۂ کفر و دیں ہے

یادِ روزے کہ نفس در گرہِ یارب تھا

افسردگی آوارہ: وہ شخص جو افسردگی کی وجہ سے آوارہ ہوگیا ہو۔ "یارب" غالبؔ کے یہاں عموماً فریاد کی علامت ہے لیکن اس شعر میں خدا کی ذات پر عقیدے کی طرف توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ ایک زمانے میں غالبؔ افسردہ ہوتا تھا تو یارب کہہ کے خدا کو یاد کرتا تھا یعنی اسے خدا کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا۔ اب شدتِ افسردگی کی وجہ سے مذہبیت سے گریز کرکے تعقل اور کفر کی طرف مائل ہوجاتا ہے اس طرح کثرتِ آلام نے اسے مذہبیت اور الحاد کے بیچ آوارہ بنایا ہوا ہے۔

ص۲۰ الف فرو پیچیدنی ہے فرش، بزمِ عیش گستر کا

در لفا گردش آموزِ فلک ہے دورِ ساغر کا

پیچیدنی: لپیٹنے کے لائق۔ فرو: نیچے، یہ لفظ محض زائد ہے۔ بزمِ عیش گستر: عیش کرنے والی بزم۔ محفل سجانے کیلئے سب سے پہلے فرش بچھایا جاتا ہے گویا فرش، بزم آرائی کی علامت ٹھہرا لیکن بزمِ عیش کا فرش اس قابل ہے کہ اسے شروع ہی میں اٹھا دیا جائے۔ کیونکہ جیسے ہی ساغر کا دور چلے گا اسے دیکھ کر آسمان کو بھی گردش کرنا آجائے گی اور ساغر کی طرح وہ بھی گھومنے لگے گا۔ گردشِ آسمان کا نتیجہ ہے تغیر و انقلاب یعنی بزمِ عیش کا بزمِ ماتم و فریاد میں بدل جانا جو کہ دورِ ساغر کا لازمی نتیجہ ہے آلام و مصائب کا نزول اس لئے بہتر ہے کہ بزمِ عیش کا فرش بچھاتے ہی تہہ کر کے رکھ دیا جائے۔

خطِ نوخیز کی آئینے میں دیکھی کس نے آرائش

کہ ہے تہہ بندیِ پرہائے طوطی، زنگ جوہر کا

اس شعر میں گوناگوں رعایتوں سے کام لیا گیا ہے خط، آئینہ، طوطی، جوہر۔ فولادی آئینے کا جوہر نقطوں یا دھاریوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اس لئے اسے سبزۂ خط سے مشابہ کرتے ہیں۔ خط کو سبز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایرانیوں میں کالا اور نیلا رنگ منحوس سمجھا جاتا ہے اس لئے ان رنگوں کی اشیا مثلاً خط اور آسمان کو ہرا قرار دیا جاتا ہے۔ طوطی اور آئینے کی مناسبت کی

دو وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر بولنا سکھاتے ہیں دوسرے یہ کہ برسات میں فولادی آئینے پر ہرے زنگ کا میل یا زنگار لگ جاتا ہے اور اسے طوطی سے مشابہ کرتے ہیں۔ اب اس شعر کے معنی یہ ہوئے۔

آئینے کے سامنے بیٹھ کر کس حسین نے اپنے نئے نئے سبزۂ خط کو سنوارا ہے کہ فولادی آئینے کے جوہر کا زنگ ایسا خوشگوار سبز ہو گیا ہے جس سے طوطی کے پروں کو رنگنے کے لئے تہہ بندی کا کام لیا جائے۔ تہہ بندی زنگ کے اس استر کو کہتے ہیں جو اصلی زنگ لگانے سے پہلے لگایا جائے تاکہ اصلی رنگ کم خرچ ہو اور بہتر طریقے سے چڑھے۔ سبزۂ خط کے عکس نے جوہر کی دھاریوں کو اس طرح سبز کر دیا ہے معلوم ہوتا ہے طوطی کے پروں پر زنگ چڑھانے کے لئے استر کا ہاتھ لگایا گیا ہے۔

گیا جو نامہ بر وہاں سے بزنگِ باختہ آیا
خطوطِ روئے قالیں، نقش ہے پشتِ کبوتر کا

اس شعر میں قالیں کی جگہ "قاصد" ہوتا تو شعر کے معنی بہتر طریقے پر بیان کئے جا سکتے تھے لیکن بصورتِ موجودہ مخطوطے میں "قالیں" صاف صاف لکھا ہے اسے قاصد نہیں پڑھا جا سکتا معنی ہیں کہ میرے پاس سے جو نامہ بر محبوب کے پاس گیا وہاں محبوب نے اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اڑا ہوا زنگ لے کر آیا۔ کبوتر کو خط لے کر بھیجا تو اس پر ایسی ڈانٹ پھٹکار پڑی کہ اس کی کمر کے نقوش کا زنگ اڑ گیا کہیں دھاریاں معلوم ہوتی تھیں کہیں زنگ اڑ کر سفید خطوط بن گئے تھے۔ اس طرح کمر کی ہیئت قالین جیسی ہو گئی تھی جس پر طرح طرح کی دھاریاں بنی ہوں دوسرے مصرع کی نثر یہ ہے

پشتِ کبوتر کا نقش، خطوطِ روئے قالیں ہے۔

شکستِ گوشہ گیراں ہے فلک کو حاصلِ گردش
صدف سے آسیائے آب میں ہے دانہ گوہر کا

آسیائے آب: پن چکی یعنی وہ چکی جو پانی کے زور سے چلے۔ گوشہ گیر اس شخص کو کہتے ہیں جو قناعت کر کے گوشہ نشیں ہو چکا ہو۔ دانۂ گوہر صدف میں گوشہ نشیں ہوتا ہے اس کی حسنِ تعلیل کی ہے۔ صدف کو چکی کے دو پاٹوں سے مشابہ کیا ہے اور چونکہ صدف پانی میں ہوتی ہے اس لئے اسے پانی کی چکی کہا۔ آسمان جو گردش کرتا رہتا ہے اس کا مقصد گوشہ نشیں لوگوں کو گزند

پہنچاتا ہے خیال یہ گوہر جو گوشہ نشین ہے اس پر صدف کی پن چکی ہر دم چل رہی ہے تاکہ گوہر کو تکلیف ہو۔ یہ سب آسمان کی تحریک پر ہو رہا ہے۔

فزوں ہوتا ہے ہر دم جوشِ خوں باری، تماشا ہے
نفس کرتا ہے رگ ہائے مژہ پر کام نشتر کا

فصد کرتے وقت رگ پر نشتر لگایا جاتا ہے جس سے خون ٹپکنے لگتا ہے۔ عاشق کی آنکھوں سے ہر دم خوں باری بڑھتی جا رہی ہے عجیب بات ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر سانس کی آمد پلکوں کی رگ پر نشتر لگا کر مزید خون جاری کر رہی ہے۔ تارِ نفس کی مشابہت نشتر سے ہے لمحوں کا تعلق سانس کے آنے جانے سے ہے۔ ہر لمحے کے گزرنے یعنی ہر بار سانس کے آنے سے خوں باری بڑھی گویا سانس کی آمد ہی خوں باری کی ذمے دار ہے۔

خیال شربتِ عیسیٰ، گدازِ تر جبینی ہے
اسدؔ ہوں مست، دریا بخشیِ ساقیِ کوثر کا

شربتِ عیسیٰ: آبِ حیات۔ لغت کے مطابق شربتِ مسیحا آبِ حیات کو کہتے ہیں اور یہی شربتِ عیسیٰ کے معنی ہوئے۔ گداز: پگھلنے سے پانی کا ظاہر ہونا۔ ترجبینی: شرم و غیرت کے سبب پیشانی کا عرق آلود ہونا۔ آبِ حیات کے بارے میں سوچنا در اصل عرقِ شرمندگی کے سوا کچھ نہیں یعنی اس تصور سے محض ندامت و خجالت ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسدؔ میں ساقیِ کوثر حضرت علی کی دریا بخشی سے مست ہوں۔ آبِ کوثر کے سامنے مجھے آبِ حیات کی کوئی ضرورت یا خواہش نہیں۔

الف خاکِ عاشق لبکہ ہے فرسودۂ پروازِ شوق
جادۂ ہر دشت، تارِ دامنِ قاتل ہوا!

فرسودۂ پروازِ شوق: شوق کی پرواز کے ہاتھوں خستہ و فرسودہ یعنی گھسی پٹی ہوئی، تباہ حال۔ مرنے کے بعد عاشق کا جسم خاک ہو کر جنگل کے ہر راستے پر چھا گیا۔ خاکِ عاشق کا صحیح مقام محبوب قاتل کا دامن تھا۔ اب یہ خاک صحرا کے راستوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں مضمر شدتِ جذبۂ عشق کی وجہ سے گویا ہر راستہ تارِ دامنِ محبوب ہو گیا ہے کیونکہ یہ عاشق کے شوق کا مرہونِ منت ہوا ہے۔

والف تنک ظرفوں کا رتبہ جہد سے برتر نہیں ہوتا
حبابِ کے یہ صد بالیدنی ساغر نہیں ہوتا

جو کم ظرف، اوچھے اور کم مایہ لوگ ہوتے ہیں وہ کتنی کوشش کریں ان کا مرتبہ بلند نہیں ہو سکتا شراب کے اوپر جو بلبلہ ہوتا ہے وہ کم ظرف ہے کیونکہ اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ وہ کتنا ہی پھول جائے لیکن وہ ساغر نہیں بن سکتا یعنی اس کا رتبہ وہی ہلکا رہتا ہے۔

عجب ہے آبلہ پایانِ صحرائے نظر بازی
کہ تارِ جادۂ رہ، رشتۂ گوہر نہیں ہوتا

عجب: تعجب ہے۔ صحرا میں عاشق فرطِ وحشت میں دوڑتے ہیں تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے ہیں۔ یہاں نظر بازی یعنی حسینوں کو گھورنے کے صحرا کا ذکر ہے جس کے معنی ہوئے حسن کو تکنے والے۔ انھیں خطاب کر کے کہتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تمہارے راستے کا تار وہ دھاگا نہیں بن جاتا جس میں موتی پروئے ہوں۔ راستے سے مراد نظر بازی کے جنگل کا راستہ ہے۔ گوہر اور آبلے میں مناسبت ہے۔ صحرا میں کوئی آبلہ پا دوڑتا ہے تو جادے پر مسلسل رطوبت کی بوندیں پڑ جانے سے جادہ رشتۂ گوہر بن جاتا ہے۔ یہاں شاعر اظہارِ تعجب کر رہا ہے کہ اے نظر بازو تمہارا راستہ موتیوں کی لڑی کیوں نہیں بن جاتا یعنی یہ حیرت کی بات ہے کہ تمہاری مسلسل محویت کے باوجود تم کامرانی کے موتیوں سے مالا مال نہیں ہوتے۔

خوشا عجزے کہ عاشق جل بجھے جوں شعلہ خاموش
کہ کم از سرمہ اس کا مشتِ خاکستر نہیں ہوتا

عجزے: ایسا عجز یا خاکساری۔ مشتِ خاکستر: ایک مٹھی راکھ۔ عاشق محبوب کے حضور خاکساری و عاجزی کا مظاہرہ کرتا رہے تو کچھ برا نہیں۔ اگر وہ عشق کی آگ میں شعلے کی طرح جل کر خاموش ہو جاتا ہے تو اس سے پیدا شدہ مٹھی بھر راکھ اتنی بیش بہا ہوگی کہ لوگ اسے سرمہ کی طرح آنکھوں میں لگائیں گے یعنی عشق میں صبر و ضبط سے جان دے دینے میں کوئی خسارہ نہیں بعد میں عاشق کا نام روشن رہے گا۔

سرمہ اور خاموشی میں ایک رعایت ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے جس طرح شعلہ بجھ کر خاموش ہو جاتا ہے اسی طرح عاشق جل کر سرمہ یعنی خموشی کی علامت بن جاتا ہے۔

تماشائے گل و گلشن ہے مفت سر بہ جیبی ہا
بہ از چاکِ گریباں، گلستاں کا در نہیں ہوتا

سر بہ جیبی۔ جیب کے معنی ہیں گریباں، سر کو گریبان میں ڈالنے کا شغل جو مایوسی یا تصور کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ہم نے گریباں چاک کیا اور اس میں سر ڈال کر دیکھا کئے۔ اس میں پھول اور باغ کا نظارہ مفت ہی میں حاصل ہو گیا۔ غالباً سینے کے زخموں اور داغوں کو دیکھ کر یا پھر محض تصور کے گلزار کی سیر کر کے۔ اس سے ثابت ہوا کہ باغ کا دروازہ چاکِ گریباں سے بہتر نہیں ہوتا

نہ رکھ چشمِ حصولِ نفعِ صحبت ہائے ممسک سے
لبِ خشکِ صدف، آبِ گہر سے تر نہیں ہوتا

چشم: توقع۔ ممسک: کنجوس۔ کنجوسوں کی صحبت میں کسی قسم کے نفع کی توقع نہ رکھ۔ موتی مالدار اور بیش بہا ہوتا ہے۔ اس کے پاس آب بھی ہے لیکن صدف کا سوکھا ہونٹ اس بخیل کے آب سے فیض پا کر تر نہیں ہوتا۔

آب کے لفظ کے دو معنوں چمک اور پانی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پانی میں چمک ہوتی ہے جسے آب کے مترادف مان لیا ہے۔

نہ دیکھا کوئی ہم نے آشیاں بلبل کا گلشن میں
کہ جس کے در پہ غنچہ شکلِ قفلِ زر نہیں ہوتا

دروازے پر تالا لگا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ مکان کے اندر کوئی موجود نہیں اور یہ کہ اس کے اندر کسی کو داخل ہونا ممکن نہیں۔ ہوا سے اڑ کر سنہرے غنچے بلبلوں کے آشیانوں کے باہر پڑے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر سونے کا تالا لگا دیا گیا ہے۔ کوئی ایسا گھونسلا نہیں جس پر غنچے کا قفلِ زریں نہ لگا ہو یعنی عشق کرنے سے انسان گھر بار سے محروم ہو کر خانماں برباد اور آوارہ ہو جاتا ہے اور اس کی اس خانہ بربادی کی ذمہ داری محبوب پر ہے۔

صفا کب جمع ہو سکتی ہے بغیر از گوشہ گیری ہا
صدف بن قطرۂ نیساں، اسد، گوہر نہیں ہوتا

گوشہ گیری: توکل کر کے گوشہ نشین ہو جانا۔ دل کی صفائی گوشہ نشینی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ابرِ نیساں کی بوند صدف میں گرتی ہے تبھی موتی بن کر صفائی کا خزانہ جمع کر لیتی ہے۔ اگر گوشہ گیری اختیار نہ کرتی تو گوہر نہ ہو پاتی۔

وہ فلک رتبہ کہ بر توسنِ چالاک چڑھا
ماہ پر ہالہ صفت حلقۂ فتراک چڑھا

وہ محبوب جس کا مرتبہ آسمان کی طرح بلند ہے جب چالاک گھوڑے پر سوار ہوا تو چاند کے گرد اس کے فتراک کا حلقہ اس طرح محصور ہو گیا جیسے ہالہ ہو یعنی اس نے گھوڑے پر چڑھ کر چاند کو اسیر کر لیا کیونکہ چاند سے بھی کم حسین تھا۔

نشۂ مے کے اُتر جانے کے غم سے انگور
صورتِ اشک بہ مژگانِ رگِ تاک چڑھا

تاک: انگور کی بیل۔ نشۂ مے کس پر تھا جس کے اُترنے کا انگور کو غم ہے یہ واضح نہیں کسی رند کا نشہ اُترا ہے یا خود انگور مست تھا اور اس کا نشہ جاتا رہا۔ بہر حال نشے کی کیفیت خواہ کسی بادہ نوش کی رہی ہو یا انگور کی اس کیفیت کے زوال پر انگور کو دکھ ہوا اور وہ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے انگور کی بیل کی پلک پر آنسو کا قطرہ ہو۔ رگِ تاک سے مراد ہے انگور کی بیل کے ریشے یعنی خود انگور کی بیل اور اس کی ٹہنیاں۔ انگور کو افسوس ہے کہ اس کی زائیدہ چیز شراب اب ختم ہو گئی اور اس کا اثر زائل ہو گیا۔

بوسۂ لب سے ملی طبع کو کیفیتِ خال
مے کشیدن سے مجھے نشۂ تریاک چڑھا

یار کے لب پر تل تھا۔ ہونٹوں کا بوسہ لیا تو تل کا مزا بھی مل گیا۔ سرخ ہونٹ شراب کی طرح ہوتے ہیں اور کالا تل کالی افیون کی طرح۔ میں نے ہونٹوں کی شراب پی لیکن مجھے افیون کا نشہ ملا۔

میں جو گردوں کو میزانِ طبیعت تولا
تھا یہ کم وزن کہ ہم سنگِ کفِ خاک چڑھا

ہم سنگ: ہم وزن۔ سنگ سے مراد باٹ ہیں جن چیزوں کو تولنے میں برابر کے باٹ کام آئیں۔ میں نے آسمان کو اپنی طبیعت کی ترازو پر تولا تو یہ ایک مٹھی خاک کے برابر ہلکا نکلا۔ آسمان جو بلندی کی معراج ہے وہ میرے مزاجِ فقر کے سامنے خاک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

اے اسد، واشدنِ عقدۂ غم گر چاہے
حضرتِ زلف میں، جوں شانہ، دلِ چاک چڑھا

کسی کو کوئی اُلجھن یا پریشانی درپیش ہوتی ہے تو کسی محترم ہستی یعنی پیر، درویش وغیرہ کی درگاہ

میں کوئی چوٹھا دا چڑھاتے ہیں۔ غم سے چاک چاک شدہ دل شانے کی طرح ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اے اسد اگر اپنی غم کی گرہ کو کھولنا چاہیے تو محبوب کی زلف کی بارگاہ میں اپنے چاک شدہ دل کو چڑھا دے۔ وہ خوش ہو کر تیرے غم کو دور کر دے گا۔ شانہ زلفوں میں چڑھا ہی کرتا ہے۔ دل کو بھی اسی کی طرح چڑھانے کا مشورہ دیا ہے۔

۱۱ب خط جو رُخ پر جانشینِ ہالۂ مہ ہو گیا
ہالۂ دودِ شعلۂ جوالۂ مہ ہو گیا

شعلۂ جوالہ: کسی لکڑی کے سرے کو جلا کر یا ان میں جلتا ہوا کپڑا باندھ کر گھمایا جائے تو اسے شعلۂ جوالہ کہتے ہیں۔ دوسرا مصرع تشبیہ کے طور پر ہے یا حقیقی معنی میں اس سے دو مختلف مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) محبوب کا چہرہ چاند کی طرح ہے۔ اس پر خط جو آیا تو وہ چاند پر ہالے کی جگہ ہو گیا۔ یہ چاند سا چہرہ شعلۂ جوالہ تھا اور یہ ہالۂ خط اس شعلے کا دھواں معلوم ہوتا تھا کیونکہ دھواں اور خط دونوں کالے ہوتے ہیں۔ (۲) محبوب کے چاند سے چہرے پر خط ہالۂ مہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر آسمان پر چاند ماند ہو گیا اور محض ایک جلتے پھرتے شعلے کی طرح رہ گیا اور اس کا ہالہ اس شعلے کا دھواں معلوم ہونے لگا۔ سبزۂ خط کے مقابلے میں ہالے کی کیفیت بس اتنی تھی۔

حلقۂ گیسو کھلا، دورِ خطِ رخسار پر
ہالۂ دیگر بہ گردِ ہالۂ مہ ہو گیا

رُخسار پر خط چاند پر ہالے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ گیسو کھل کر خطِ رُخسار کے حلقے کے ارد گرد حلقے کی طرح پھیل گئے اور چاند کے ہالے کے گرد ایک دوسرا ہالہ معلوم ہونے لگا۔

شب کہ مستِ دیدنِ مہتاب تھا وہ جامہ زیب
پارۂ چاکِ کتاں، پرکالۂ مہ ہو گیا

کتاں کے لئے ایک روایت مشہور ہے کہ یہ اتنا نازک کپڑا ہوتا ہے کہ چاندنی میں رکھا جائے تو پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ پرکالہ: ٹکڑا۔ جامہ زیب محبوب نے کتاں کا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ رات وہ مہتاب کا نظارہ کرنے میں مست ہو گیا۔ چاندنی میں اس کے لباس کا کتاں جو چاک ہوا تو اس چاند جیسے محبوب کے جسم سے وابستگی کی وجہ سے کپڑے کا ٹکڑا چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔

شب کہ وہ گل باغ میں تھا جلوہ فرما اے اسد
داغِ مہ جوشِ چمن سے لالۂ مہ ہو گیا

رات وہ پھول جیسا محبوب باغ میں جلوہ فرما تھا۔ اس کے اثر سے باغ میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ آسمان پر چاند میں جو داغ تھا اس میں جوشِ روئیدگی نے یہ اثر کیا کہ اسے کالے داغ کی جگہ سُرخ کر دیا جس سے وہ چاند کے بیچ ایک گلِ لالہ معلوم ہونے لگا۔ یہ سب باغ میں محبوب کی موجودگی کا کرشمہ تھا۔

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا
دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

یہ شعر عمدۂ منتخبہ سے لے کر عرشی صاحب نے یادگارِ نالہ کے ضمن میں شائع کیا ہے۔ وہاں پہلے مصرع کے متن میں اختلاف ہے۔ ان اوراق کے پیچھے اس شعر کا مفہوم درج کیا جا چکا ہے۔ مندرجہ بالا متن کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ یار نے عاشق کے جگر پر سناں کا وار کیا۔ اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر جگر میں رہ گیا۔ اُس وقت سناں اندر ڈوب گئی تھی لعد میں زخم پک کر اس کا ٹکڑا دکھائی دینے لگا گویا زخم کے دہن میں زبان پیدا ہو گئی۔

لبانِ سبزہ رگِ خواب ہے زباں ایجاد
کرے ہے خامشی احوالِ بے خوداں پیدا

رگِ خواب: جسم میں لعض ایسی رگیں ہوتی ہیں جنھیں دبانے یا صدمہ پہنچانے سے غشی طاری ہونے لگتی ہے ان کو رگِ خواب کہتے ہیں۔ رگِ خواب، علامت ہوئی غفلت و بے ہوشی کی۔ بے ہوشی میں انسان کچھ نہیں بول سکتا لیکن غور سے دیکھا جائے تو بے ہوش یا خوابیدہ شخص زبانِ حال سے اپنا احوال بیان کر رہا ہوتا ہے گویا رگِ خواب نے سبزے کی طرح زبان پیدا کر لی ہے۔ بے خود و بے ہوش لوگوں کی خاموشی ہی ان کا احوال ظاہر کر رہی ہے۔

صفا و شوخی و اندازِ حسن، پا بہ رکاب
خطِ سیاہ سے ہے گردِ کارواں پیدا

پا بہ رکاب: کوچ پر آمادہ۔ خط: داڑھی۔ حسن کی صفائی، شوخی اور ناز و ادا کو قیام نہیں یہ کوچ پر آمادہ ہیں۔ امردوں کے چہرے پر جو داڑھی کے کالے بال آتے ہیں وہ ان کی صفائے حُسن اور انداز وغیرہ کے کوچ کی نشانی ہیں۔ یہ کاروانِ حُسن کی گرد ہیں۔ داڑھی آنے کے بعد حسن زائل ہو جاتا ہے۔ نئے نئے خط میں بالوں کا رُواں گرد سے مشابہ ہوتا ہے۔

نہیں ہے آہ کو ایما ئے تیر بالیدن
وگرنہ ہے خم تسلیم سے کماں پیدا

ایما: اشارہ - عاشق کی آہ کو تیر سے مشابہ کیا جاتا ہے۔ غالب نے یہ جدت کی کہ کماں بھی پیدا کر لی۔ محبوب کے سامنے جس وقت تسلیم کے لئے سر اور کمر کو خم کرتے ہیں تو کماں کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے آہ کو تیر پیدا کرنے کا اشارہ نہیں کیا۔ ورنہ میرے تسلیم میں تو کماں کی صورت ہے ہی۔ اس کماں سے آہ کا تیر سر کر سکتا تھا۔

نصیب تیرہ، بلا گردش آفریں ہے اسد
زمیں سے ہوتے ہیں صد دامن آسماں پیدا

صد دامن آسماں: وہ آسمان جس میں بہت سے دامن ہوں۔ اے اسد سیاہ نصیب بڑا گردش پیدا کرنے والا ہے۔ انسانوں کو آسمان تکلیف دیتے ہیں۔ سیاہ بختوں کیلئے زمین سے سینکڑوں آسمان پیدا ہو جاتے ہیں۔ آسمان بھی وہ جن کے سینکڑوں دامن ہوتے ہیں اور وہ جن کی گردش طوفاں خیز ہوگی۔

۱۲ب

دل بے تاب کہ سینے میں دم چند رہا
یہ دم چند گرفتار غم چند رہا

پہلے مصرع میں دم کے معنی لمحے اور دوسرے مصرع میں دم کے معنی سانس ہیں۔ اس مختصر زندگی میں بے قرار دل سینے میں کچھ دیر رہا۔ چند انفاس کی حیات کی بدولت متفرق غموں میں گرفتار رہا۔

زندگی کے ہوئے تا گر نفس چند تمام
کوچۂ یار جو مجھ سے قدم چند رہا

اس شعر کے وہی معنی ہیں جو ذیل کے مشہور شعر کے ہیں۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند — دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

لکھ سکا میں نہ اسے شکوۂ پیماں شکنی — لاجرم تو ڑ کے عاجز، قلم چند رہا

دوسرے مصرع کی نثر ہے۔ "لاجرم قلم چند توڑ کے عاجز رہا۔" لاجرم: لاچار۔ میں مجبوراً محبوب کو اس کی وعدہ شکنی کی شکایت نہ لکھ سکا۔ لکھنے میں کئی قلم ٹوٹے عاجز آکر میں نے شکایت نامہ لکھنے کی کوشش ترک کر دی۔ قلم ٹوٹنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ شکایت کرنے کی جرأت نہ ہوئی، قلم نے ساتھ نہیں دیا اور ٹوٹ ٹوٹ گیا۔ دوسرے یہ کہ شکوے کا طومار

اتنا لمبا تھا کہ لکھتے لکھتے کئی قلم ٹوٹ گئے لیکن بات پوری نہ ہوئی۔

اُلفتِ زر ہمہ نقصاں ہے کہ اب تک قاروں
زیرِ بارِ غمِ دام و درمِ چند رہا

قاروں مع اپنے خزانوں کے زمین کے نیچے دھنس گیا اور قیامت تک نیچے کو دھنستا چلا جائے گا۔ روپے کی محبت میں سراسر نقصان ہے۔ قاروں عمر بھر دام و درم کی خاطر پریشان رہا اور مرنے کے بعد سے اب تک اُنھیں کے بوجھ سے دبتا چلا جا رہا ہے۔

عمر بھر ہوش نہ یک جا ہوئے میرے کہ اسد
میں رہے پرستندۂ روئے صنمِ چند رہا

یوں تو ایک محبوب کے عشق میں ہوش بجا نہیں رہتے لیکن میرے لئے اس کی مزید وجہ یہ ہے کہ میں عمر بھر متعدد حسینوں کو چاہتا رہا۔ آج اسے کل اُسے یا بیک وقت کئی کو۔ ایک سے دل لگایا جائے تو ہوش یک جا رہیں۔ جب ہرجائی پن اختیار کیا تو دل کو بھی مختلف مقامات پر لے جانا پڑا اور ہوش ایک جا پر قائم نہ رہے۔

۱۳ الف

نہاں کیفیتِ مے میں ہے سامانِ حجاب اس کا
بُنا ہے پنبۂ مینا سے ساقی نے نقاب اس کا

پنبۂ مینا: وہ روئی جو صراحی کے منہ پر ڈاٹ کے طور پر لگائی جائے۔ بہتر تھا کہ شاعر کہتا کہ محبوب کے نقاب میں نشۂ مے پوشیدہ ہے۔ اس کی بجائے شاعر کہتا ہے کہ محبوب کے حجاب کا سامان نشۂ شراب میں نہاں ہے۔ ساقی نے اس کا نقاب شراب کی صراحی کی روئی سے بُنا ہے اس لئے اسے دیکھنے سے نشہ کی کیفیت ہو جاتی ہے۔

ایک دور از کار زاہدانہ معنی اور ممکن ہیں۔ اس کا سے مراد محبوبِ حقیقی لیا جائے۔ شراب کے نشے میں آدمی خدا کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے یعنی شراب کی کیفیت میں ایک پردہ نہاں ہے جو محبوبِ حقیقی کے اور ہمارے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ ساقی نے ہمیں شراب کیا پلائی صراحی کی روئی سے کپڑا تیار کر کے محبوب کے چہرے پر نقاب ڈال دی یعنی شراب کے نشے میں مدہوش کر کے حقیقت ہماری آنکھوں سے دور کر دی۔

اگر اس شعلہ رو کو دورِ باشِ مجلس افروزی
زبانِ شمعِ خلوت خانہ دیتی ہے جواب اس کا

شعلہ رو: شعلہ جیسے بھبوکے چہرے والا محبوب۔ اگر اس کو پیغام بھیجوں کہ آ کر میری مجلس
کو روشن اور پُر رونق کر تو میرے خلوت خانے کی شمع اس پیغام کا جواب دیتی ہے کہ نہ کوئی شعلہ
رو محبوب آئے گا نہ بزم آرائی ہوگی بلکہ تیری قسمت میں محض تنہائی کا حجرہ ہے اور اس میں محض شمع
ہوگی۔

عیاں کیفیت مے خانہ ہے جوئے گلستاں میں
کہ مے عکسِ شفق ہے اور ساغر ہے حباب اس کا

باغ کی نہر میں شراب خانے کی کیفیت ظاہر ہو رہی ہے۔ پانی میں شفق کا عکس پڑنے سے
پانی سُرخ معلوم ہو رہا ہے جیسے شراب ہو۔ اس پانی کا حباب ساغرِ شراب جیسا معلوم ہوتا ہے

اُٹھائے ہیں جو میں افتادگی میں متصل صدمے
کروں گا اشک ہائے واچکیدہ سے حساب اس کا

افتادگی: افلاس اور مصیبت زدگی۔ واچکیدہ: ٹپکے ہوئے۔ میں نے نکبت کے زمانے
میں جو مسلسل صدمے اُٹھائے ہیں ان کا حساب ٹپکے ہوئے آنسوؤں سے کروں گا۔ آنسوؤں کی
بوندوں کو شمار کروں گا اور اس سے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے کتنے صدمے اُٹھائے ہیں۔

اسد کے واسطے رنگے بہ روئے کار ہو پیدا
غبار آوارۂ و سرگشتہ ہے یا بو تراب اس کا

روئے کار: ریشمی کپڑے کا سیدھا رُخ۔ بوتراب: حضرت علی۔ یا علی اسد کے مرنے
کے بعد اس کا غبار آوارہ اور پریشان ہے اس کے روئے کار کے لئے کوئی رنگ پیدا کر دو یعنی اس
لئے ماحول سازگار کر دو، اس کے ظاہر پر بہار لے آؤ۔

(۱۲ الف) زبس ہے ناز پردازِ غرورِ نشۂ صہبا
رگِ بالیدۂ گردن ہے موجِ بادہ در مینا

ناز پرداز: ناز کی پرورش یا آراستگی کرنے والی یعنی ناز بڑھانے والی۔ رگِ گردن:
نخوت۔ رگِ بالیدۂ گردن: بڑھی چڑھی ہوئی نخوت و غرور۔ دوسرے مصرع میں کون مبتدا
ہے اور کون خبر اس سے شعر کے دو معنی ہو جاتے ہیں۔

(۱) گردن کی بڑھی ہوئی رگ نشۂ صہبا جیسے غرور میں ناز پیدا کر دیتی ہے۔ رگِ گردن
یعنی نخوت میں وہی کیفیت ہوتی ہے جو بوتل میں موجِ بادہ کی۔ موجِ بادہ بھی نشہ پیدا کرتی ہے
رگِ گردن بھی۔ رگِ گردن علامت ہے غرور کی۔ (۲) شراب کی بوتل میں موجِ صہبا ایسی نخوت

ظاہر کرتی ہے جو رگ گردن میں ہوتی ہے۔ یہ موجِ بادہ نشۂ شراب کے غرور کو کچھ اور آراستہ و پیراستہ کر دیتی ہے یعنی شراب کو احساسِ غرور ہو جاتا ہے کہ میں اس قدر نشہ پیدا کر سکتی ہوں۔

پہلے معنی بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

در آبِ آئنہ از جوشِ عکسِ گیسوئے مشکیں بہارِ سنبلستاں جلوہ گر ہے آں سوئے دریا

آں سو: اُس طرف یعنی دوسری طرف۔ آب کے معنی چمک اور پانی دونوں کے ہیں اور شاعر نے اس بات کا فائدہ اُٹھایا ہے۔ محبوب آئینے کے سامنے کالے خوشبودار بال سنوار رہا ہے۔ آئینے میں ان کا عکس یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آبِ آئنہ کے دریا کے دوسری طرف سنبل کے باغ پر بہار آئی ہو۔ سنبل سیاہی مائل خوشبودار گھاس ہوتی ہے جس سے گیسوؤں کو تشابہ کرتے ہیں۔

کہاں ہے دیدۂ روشن کہ دیکھے بے حجابانہ
نقابِ یار ہے از پردہ ہائے چشمِ نابینا

دیکھنے والی آنکھ ہی نہیں ہے کہ محبوبِ حقیقی کو بے پردہ دیکھ سکے۔ لوگوں کی آنکھیں نابینا ہیں ان اندھی آنکھوں کے پردے محبوب کا نقاب بن گئے ہیں۔ یعنی جن میں بصیرت ہوتی ہے وہ محبوب کو دیکھ سکتے ہیں جن میں بصیرت نہیں وہ نہیں دیکھ سکتے۔ آنکھ میں روایت کے مطابق سات پردے ہوتے ہیں ان پردوں کو روئے یار کا نقاب قرار دیا ہے۔ یہ مضمون بہت عام ہے ولی نے کہا تھا۔

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسنِ بے حجاب اس کا
بغیر از دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اس کا

اور خود غالب نے ایک اور جگہ کہا۔

وا کر دئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

نہ دیکھے پاسِ ضبطِ آبرو وقتِ شکستن بھی
تحمل پیشہ تمکیں رہے ہے آئنہ آسا

تمکیں: استقلال، رکھ رکھاؤ۔ شکست کھانے یا ٹوٹنے کے وقت بھی اپنی آبرو کا خیال رکھئے آئینے کو دیکھئے وہ ٹوٹتا بھی ہے تو اس کے ٹکڑوں میں وہی آب برقرار رہتی ہے۔

اسی طرح آپ بھی ناکامی میں ثابت قدمی کے ساتھ اپنا وقار ہاتھ سے نہ دیجئے۔

اسدؔ طبعِ متیں سے گر نکالوں شعر برجستہ
شرر ہو قطرۂ خونِ فسردہ در رگِ خارا

کسی قطرے کے ٹھٹھرنے کی انتہا یہ ہے کہ وہ جم کر پتھر ہو جائے۔ پتھر جمود کی انتہائی مثال ہے۔ سخت پتھر کی رگوں میں خون بالکل افسردہ رہتا ہے کیونکہ یہ کبھی ہلتا جلتا ہی نہیں۔ اے اسدؔ اگر میں اپنی متانت بھری طبیعت سے بے ساختہ اور برمحل اشعار کہوں تو سنگِ خارا کی رگوں میں جما ہوا قطرۂ خون بھی چنگاری بن جائے۔

پتھر میں چنگاری کا وجود ہوتا ہی ہے۔ پتھر کی دھاری کو رگ کہتے ہیں۔ رگ کی رعایت سے قطرۂ خون بھی فرض کر لیا۔

(۱۶ الف) رنگ ریزِ جسم و جاں نے از خمستانِ عدم
خرقۂ ہستی نکالا ہے بہ رنگِ احتیاج

رنگ ریزِ جسم و جاں: خالق۔ خمستان: وہ مقام جہاں بہت سے مٹکے رکھے ہوں یہاں رنگ کے ماٹھ مراد ہیں۔ عدم کو رنگنے کی کارگاہ قرار دیا ہے۔ جہاں سے خالق جامہ ہائے ہستی کو رنگ دے کر اس دنیا میں بھیج رہا ہے۔ اس نے ہستی کی گدڑی پر احتیاج کا رنگ چڑھایا ہے جس کی وجہ سے انسان زندگی بھر ضرورتوں میں مبتلا رہتا ہے خصوصاً مالی اعتبار سے۔ احتیاج خاص طور سے معاشی ضرورتوں کے لئے آتا ہے۔

(۱۸ ب) ناتوانی نے نہ چھوڑا لیک بیش از عکسِ جسم
مفت واگستردنی ہے فرشِ خواب آئینہ پر

واگستردنی: کھول کر بچھانا۔ کمزوری نے ہمارے جسم کو اتنا کاہیدہ و نحیف کر دیا ہے کہ یہ محض عکس ہو کر رہ گیا ہے۔ اب ہمیں سونے کیلئے بستر کی ضرورت نہیں۔ بغیر کچھ صرف کئے ہم اپنا فرشِ خواب آئینہ پر کھول سکتے ہیں کیونکہ عکسِ جسم کے لئے آئینہ صحیح مقام ہے۔

دنداں کا خیال چشمِ تر کر
ہر دانۂ اشک کو گہر کر

اے میری چشمِ تر روتے وقت محبوب کے موتی جیسے دانتوں کا تصور کر۔ اس طرح تیرے دانۂ اشک بھی موتی بن جائیں گے۔

آتی نہیں نیند اے شبِ تار
افسانۂ زلفِ یار سر کو

افسانہ سر کرنا = افسانہ شروع کرنا۔ اے تاریک شب ہجر نیند نہیں آتی۔ محبوب کی زلف کا افسانہ شروع کردے۔ زلف اور شب تاریک میں تشابہ ہے۔

اے دل! بہ خیالِ عارضِ یار — یہ شامِ غم آپ پر سحر کر

اے دل محبوب کے گورے صبح جیسے گالوں کے تصور میں شامِ شبِ ہجر کو صبح کی طرح خوشگوار اور روشن بنالے۔

غالب کا "اپنے تئیں" اور "آپ" والا لطیفہ مشہور ہے کہ انہوں نے اہل لکھنؤ کے "خود" کی جگہ "آپ" کے استعمال پر طنز کیا تھا۔ یہاں غالب "خود" کے معنی میں "آپ" استعمال کر گئے ہیں۔

ہر چند امید دور تر ہو — اے حوصلہ سعی بیش تر کر

امید کتنی بھی دور کیوں نہ ہو۔ اے حوصلہ اور زیادہ بہتر جہد کر۔ امید پوری ہو جائے گی

میں آپ سے جا چکا ہوں، اب بھی — اے بے خبری! اسے خبر کر

میں ہجر یار میں صدمہ اٹھاتے اٹھاتے خود فراموشی کی منزل میں جا پہنچا ہوں۔ اے میری بے خبری ابھی وقت ہے کہ اسے میرے حال سے مطلع کردے۔ وہ مجھ سے مل لے تو میں بچ سکتا ہوں۔

افسانہ، اسد، بہ ایں درازی!
اے غم زدہ! قصہ مختصر کر

اے غم زدہ اسد اپنے غموں کا افسانہ اتنی تفصیل سے کیوں سنا رہا ہے۔ اب اسے مختصر بھی کر۔ (۲۶۱ ب)

یہاں اشک جدا گرم ہے اور آہ جدا گرم
حسرت کدۂ عشق کی ہے آب و ہوا گرم

عشق میں آنسو بھی گرم ہیں اور آہیں بھی۔ اس حسرت بھرے گھر کی آب و ہوا گرم ہے جو عشق میں ناکام ہے اس کے لیے عشق حسرت کدے کے سوا کیا ہے۔

اس شعلے نے گلگوں کو جو گلشن میں کیا گرم
پھولوں کو ہوئی بادِ بہاری، وہ ہوا گرم

گلگوں = خسرو کے گھوڑے کا نام تھا۔ گرم کرنا = تیز دوڑانا۔ اس شعلے جیسے محبوب نے باغ میں آکر جو گھوڑا دوڑایا تو اس کے بھاگنے سے گرم ہوا نکلی لیکن پھولوں کو وہی گرم ہوا موسم بہار کی خوشگوار ہوا کی طرح محسوس ہوئی کیونکہ اس سے جلانے کی ذمہ داری اس شعلہ رو محبوب پر تھی۔

گر ہے سرِ دریوزگیِ جلوۂ دیدار
جوں پنجۂ خورشید ہو اے دستِ دعا، گرم

دریوزگی: بھیک مانگنا۔ گرم ہو: شدت کے ساتھ مشغول ہو جا۔ اگر تو محبوب کے دیدار کے جلوے کی بھیک مانگنا چاہتا ہے تو اے دعا مانگنے والے ہاتھ سورج کے پنجے کی طرح محویت اور تسلسل کے ساتھ مانگ۔ سورج کا پنجہ بھی ایک دستِ گدائی ہے جو محبوب کے جلوے کی طلب کیلئے پھیلا ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ محبوب کے جلوے کو سورج کی چمک دمک پر فوقیت ہے۔

یہ آتشِ ہم سایہ کہیں گھر نہ جلادے
کی ہے دلِ سوزاں نے مرے پہلو میں جاگرم

جاگرم کرنا: جائے قرار پکڑنا یعنی لمبے عرصے کیلئے آ بیٹھنا۔ پہلو میں جاگرم کرنا: کسی شخص کا اپنے پہلو میں آکر بیٹھ رہنا اور مستقلاً بیٹھے رہنا۔ بھڑکتے ہوئے دل نے مرے پہلو میں مقام کرلیا ہے۔ پڑوس کی یہ آگ کہیں مرا گھر نہ جلادے۔ اگر ہم سایہ میں آگ لگتی ہے تو اپنے مکان کو بھی شدید خطرہ ہوتا ہے۔ یہاں شاعر نے دلِ سوزاں کو اپنے وجود سے الگ اپنا ہم سایہ قرار دیا ہے۔

غیروں سے اسے گرمِ سخن دیکھ کے غالب
میں رشک سے جوں آتشِ خاموش رہا گرم

آتشِ خاموش: وہ آگ جس میں شعلہ نہ ہو۔ میں نے محبوب کو غیروں سے بات چیت میں مشغول دیکھا تو میں رشک سے آتشِ خاموش کی طرح جلتا رہا یعنی میں نے محبوب سے کوئی لفظی احتجاج نہیں کیا کچھ کہا نہیں۔

(۲۸۹) سرابِ یقیں ہیں پریشاں نگاہاں   اسد کو گر از چشمِ کم دیکھتے ہیں
کہ ہم بیضۂ طوطیِ ہند غافل   تہ بالِ شمعِ حرم دیکھتے ہیں

سرابِ یقیں: جن کا یقین یا راسخ عقیدہ سراب یا دھوکے سے زیادہ نہیں۔ پریشاں نگاہ: وہ شخص جو کبھی اس چیز پر نظر ڈالے کبھی اس پر یعنی جس کی نظروں کو ہرجائی پن کی عادت ہو۔ چشمِ کم: تحقیر کی نگاہ۔ بیضہ تہ بال لانا: انڈے کو پروں کے نیچے چھپانا۔

دوسرا شعر بہت غیر واضح ہے۔ ایک دوراز کار معنی درج کئے جاتے ہیں جن کے بارے میں یقین نہیں کہ شاعر کا یہی عندیہ تھا۔ طوطیِ ہند سے مراد امیر خسرو لیجئے۔ اس صورت میں بیضۂ طوطیِ ہند امیر خسرو کا دیوان ہوگا جو محض طوطی کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ اب فارسی کا یہ شعر یاد کیجئے۔

دیوانِ ظہیر فاریابی   در کعبہ بدزد، اگر بیابی

جو حضرات اسدؔ کی شاعری کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (کیونکہ وہ ہندی نژاد ہے) ان کی نظر بھٹکی ہوئی اور آوارہ ہے اور ان کا فیصلہ ایک دھوکے سے زیادہ نہیں۔ غافلوں کو جاننا چاہیئے کہ ایک ہندوستانی شاعر امیر خسروؔ کی شعری تخلیقات کو کعبے جیسے مقدس مکان کی شمع کے سائے میں جگہ دی گئی یعنی مرکزی مقام دیا گیا۔ اسدؔ بھی انھیں کی برادری کا شاعر ہے اس لئے اسے سبکی کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔

(۳۹ ب)   برنگِ سایہ، سروکارِ انتظار نہ پوچھ

سراغِ خلوتِ شب ہائے تار رکھتے ہیں

سروکار: علاقہ۔ برنگِ سایہ کا تعلق مصرعِ ثانی سے ہے۔ یہ نہ پوچھ کہ ہمیں محبوب کے مسلسل انتظار سے کتنا تعلق ہے یعنی ہم انتظار میں کس بیوستگی سے لگے رہتے ہیں۔ جیسے سایہ مسلسل کسی کے پیچھے لگا رہتا ہے تاکہ اس کے ہر قدم کا سراغ رکھے اسی طرح ہم تاریک رات کی خلوت کے پیچھے لگے ہیں تاکہ اس خلوت کا پتہ رکھیں۔ یعنی ہم انتظارِ یار میں تاریک رات میں اکیلے پڑے رہتے ہیں جیسے شبِ تاریک کی تنہائی کی جاسوسی کر رہے ہوں۔

ادب نے سونپی ہمیں سرمہ سائیِ حیرت

زبان بستہ و چشم کشادہ رکھتے ہیں

سرمہ سائی: لفظی معنی سرمہ گھسنا یعنی سرمہ لگانا۔ چونکہ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے اس لئے یہاں سرمہ سائی کے مجازی معنی خموشی کے ہیں۔ زبان بستہ: بند زبان یعنی کچھ نہ بولنا۔ ہمیں ادب نے یہ سکھایا کہ جو کچھ دیکھو اس پر حیران ہونے کے باوجود خاموش رہو۔ ہماری زبان بند ہے لیکن آنکھ کھلی ہے یعنی ہم خبردار و ہوش مند ہیں۔ صرف ادب کی وجہ سے ہم چپ ہیں۔

(۴۳ و)   امانِ جادہ رویاندن ہے خطِ جامِ مے نوشاں

وگرنہ منزلِ حیرت سے کیا واقف ہیں مدہوشاں

رویاندن: رویانیدن کے معنی ہیں اگانا، اسی کو شاعر نے مخفف کر کے "رویاندن" کر لیا ہے یعنی نوت مفتہ باندھی گئی ہے یعنی "رویاں دن"۔ جامِ جم میں کچھ خطوط بنے تھے جن سے سیاروں کی کیفیت وغیرہ معلوم ہوتی تھی۔ اب ہر جام کیلئے خط کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ منزلِ حیرت سلوک و طریقت کی ایک منزل ہے جب سالک انوارِ ایزدی کو دیکھ کر حیرت کے عالم میں گم ہو جاتا

کسی نامعلوم میدان میں ادھر اُدھر چلنے کی بجائے پہلے سے بنے ہوئے کسی راستے پر چلا جائے تو یہ بے فکری رہتی ہے کہ یہ راستہ منزل تک پہنچا دے گا۔ اگر اٹکل پچو چل دیں تو کوئی بھروسہ نہیں کہ صحیح مقام تک جا سکیں گے کہ نہیں۔ مے نوشوں کو منزلِ حیرت تک پہنچنا ہے۔ ان مدہوشوں کو کیا معلوم کہ منزلِ حیرت کدھر ہے اور وہاں کس طرح پہنچا جائے۔ اس لئے انھوں نے اپنے جام میں خط بنا لیا ہے تاکہ اس کے ذریعے صحیح راستے کی عافیت اور تحفظ میسر آ سکے۔

خطِ جام کو راستے سے تشبیہ دی ہے۔ یہ محض راستہ نہیں راہ نما بھی ہے۔ اس شعر کا پہلا لفظ مخطوطے میں "ضمان" بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ ضمان کے معنی ہیں "ضامنی" اس صورت میں شعر کے معنی یہ ہوں گے۔

شراب پینے والوں کے جام میں جو خط بنے ہیں وہ گویا ان کے لئے راستہ مہیا کرنے کی ضمانت ہیں ورنہ یہ مدہوش منزلِ حیرت کے راستے سے کہاں واقف ہیں۔ خطِ جام کا جادہ انھیں منزلِ حیرت تک پہنچا دے گا یعنی جام کا شغل کرنے سے حیرت کے مقام تک پہنچ جائیں گے ظاہر ہے کہ یہ جام مے حقیقت کا جام ہے۔

نہیں ہے ضبط جز مشاطگی ہائے غم آرائی

کہ میل سرمۂ چشمِ داغ میں ہے آہِ خاموشاں

مشاطگی: آرائش کرنا۔ میل: سلائی۔ خاموشی عاشقوں نے ضبط جو اختیار کر رکھا ہے یہ غم آرائی مشاطگی کر رہی ہے۔ اس کے سوا اس ضبط کی اور کوئی حقیقت نہیں یعنی غم کو اور زیادہ انتہائی بنا کر پیش کرتا ہے۔ گویا خاموش فراق زدوں کی دھیمی آہ داغِ ہجر کی آنکھ میں سرمہ کی سیاہی پھیرتا ہے جس سے چشمِ داغ آراستہ ہو جائے۔

یہ رعایت ملحوظ رہے کہ سرمہ کا تعلق خاموشی سے ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے۔

بہ ہنگامِ تصور ساغرِ زانو سے پیتا ہوں

مے کیفیتِ خمیازہ ہائے صبح آغوشاں

صبح آغوش: وہ شخص جس کی آغوش صبح کی طرح گوری ہو۔ صبح جبیں اور صبح رخسار کی طرح محبوب کے معنی میں آیا ہے۔ زانو کو کاسہ سے تشبیہ دینا عام ہے۔ زانو پر سر رکھ کر انسان غور و فکر میں کھو جاتا ہے اس لئے ساغرِ زانو سے تصور کی شراب ہی پی جا سکتی ہے۔ کہتے ہیں جب میں محبوب کا تصور کرتا ہوں تو اپنے ساغر سے حسینوں کی انگڑائی کی کیفیت کی شراب نوش کرتا ہوں۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا ہے کہ جب بھی میں زانو پر سر رکھ لیتا ہوں حسینوں کی انگڑائی کا منظر چشمِ تصوّر کے سامنے لہرا جاتا ہے۔

لیانِ روشنیِ دل، نہاں ہے تیرہ بختوں کا
نہیں محسوس دودِ مشعلِ بزمِ سیہ پوشاں

"نہاں ہے" کا مبتدا دود ہے جس کا دوسرے مصرع میں ذکر ہے۔ سیہ پوش: ماتمی اور سوگوار۔ ماتمیوں کی بزم کی مشعل کا دھواں محسوس نہیں ہوتا۔ جس طرح دل کی روشنی باہر سے دکھائی نہیں دیتی اسی طرح بدبختوں کی بزم کا دودِ مشعل بھی نہاں ہوتا ہے۔ محسوس تو تب ہو جب کوئی مشعل جل رہی ہو۔ شاید سیہ پوشوں کی بزم میں مشعل ہوتی ہی نہیں۔

پریشانی اسد، در پردہ ہے سامانِ جمعیت
کہ ہے آبادیِ صحرا، ہجومِ خانہ بر دوشاں

جمعیت: دل جمعی، طمانیتِ خاطر۔ اے اسد پریشانی بھی ایک طرح سے جمعیت کا اہتمام ہے۔ خانہ بر دوش ہونا پریشانی کی علامت ہے کیونکہ بے گھر ہونے سے بڑی پریشانی کیا ہوگی لیکن جنگل میں بہت سے خانہ بر دوش جمع ہو جائیں تو یہ جمعیت نہیں ہوئی تو اور کیا ہے۔

(۱۲۲) نہیں ہے بے سبب قطرے کو شکلِ گوہر افسردن
گرہ ہے حسرتِ آبے بہ روئے کار آوردن

روئے کار: ریشمی کپڑے کا سیدھا رُخ۔ آبے: کسی قدر چمک۔ پانی کا قطرہ بے سبب موتی کی شکل میں ٹھٹھر کر نہیں رہ گیا۔ اس بوند کو حسرت ہے کہ اس کے ظاہرا رُخ پر کچھ آب تاب آجائے۔ اس کی یہ حسرت گرہ بن کر رہ گئی ہے اور یہی گرہ اس قطرے کو منجمد کر دیتی ہے۔
اس شعر میں موتی کو بغیر آب کے تصوّر کیا گیا ہے اسی لئے اسے حسرت زدہ مانا ہے

مہِ نو سے ہے رہ زن وار نعلِ واژگوں باندھا
نہیں ممکن بہ جولاں ہائے گردوں، دلِ پے بردن

پے بردن: سُراغ پانا۔ مویشیوں کے چور لوہے کے ایسے جوتے لاتے ہیں جن سے سُموں کے نشان مخالف سمت کو پڑتے ہیں۔ یہ نعل گلے یا بھینس کو پہنا دیے جاتے ہیں اور تب مویشی کے جاتے سے جو نشانِ قدم ہوتے ہیں وہ سُراغ پانے والے کو گمراہ کر کے دوسری سمت دوڑا دیتے ہیں۔ اس قسم کے نعلوں کو نعلِ واژگوں کہتے ہیں۔ آسمان نے رہزن کی طرح ہلال سے نعلِ

واژگوں پہنا ہوا ہے۔ اس کی جولانی کا سُراغ پانا ممکن نہیں۔ یعنی گردشِ آسماں کیا رنگ دکھلائے گی یہ کوئی نہیں جان سکتا ہے۔

خمارِ ضبط سے بھی نشۂ اظہار پیدا ہے
تراوش شیرۂ انگور کی ہے منتِ افشردن

تراوش: ٹپکنا۔ افشردن: نچوڑے جانا۔ ضبطِ جذبہ کی وجہ سے ایک خمار کی کیفیت ہو جاتی ہے اور اس سے بہت کچھ ظاہر ہو جاتا ہے۔ خمار میں اعضا شکنی ہوتی ہے ضبط کی وجہ سے کسی کا رنگ باختہ ہوتا ہے تو دیکھنے والے جان جاتے ہیں کہ یہ کوئی صدمہ کھائے ہوئے ہے۔ اگر انگور کو کھینچ کر نہ نچوڑا جائے اور یوں ہی دبے دیا جائے تو کچھ عرصے بعد اس میں سے شیرہ ٹپکنے لگے گا۔ گویا یہ بغیر کوشش کے نچوڑنا نہیں۔ جس طرح انگور کی حالتِ ضبط نے اس کا باطن افشا کر دیا اسی طرح غم زدوں کا ضبط بھی اظہار سے عاری نہیں ہوتا۔

خرابِ آبادِ غربت میں عبث افسوسِ ویرانی
گُل از شاخ دور افتادہ ہے نزدیکِ پژمردن

غربت: مسافرت۔ غالباً یہاں غربت سے مراد یہ دنیا ہے۔ غریب الدیاری میں ویرانی کا افسوس بے کار ہے۔ پھول شاخ سے ٹوٹ کر دور جا پڑتا ہے تو مرجھانے کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اس لئے غربت میں ویرانی و تباہی فطری ہے۔ آدمی اس دُنیا سے اپنے وطن کی طرف لوٹ کر جائے گا تو اس کی خستہ حالی دور ہو گی۔

فغان و آہ سے حاصل بجز دردِ سرِ یاراں؟
خوشا اے غفلت آگاہاں! بقبضِ دم دیدن مُردن

غفلت آگاہاں: غافل لوگ، جو صحیح طریقِ کار سے ناواقف ہیں۔ اے غافلو آہ و فغاں سے اور تو کچھ حاصل نہ ہو گا صرف اپنے ساتھیوں کیلئے دردِ سر ہو جائے گا۔ کتنا اچھا ہے کہ دم روک کر مر جاؤ تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو اور تم بھی غم سے چھوٹ جاؤ۔

دریغا! لیتن رختِ سفر سے ہو کے میں غافل
رہا پامالِ حسرت ہائے فرشِ بزم گستردن

افسوس کہ میں اس دُنیا سے سامانِ سفر باندھ کر کوچ کرنے سے غافل رہا اور اس کی بجائے بزمِ عیش میں فرش بچھانے کی حسرت سے پامال رہا۔ بزم میں فرش بچھانا یعنی بزم آرائی کرنا یہ

دُنیا بزم آرائی کی جگہ نہیں۔ یہاں سے جتنی جلد سامان باندھ کر رخصت ہو لیا جائے بہتر ہے

اسدؔ ہے طبع مجبورِ تمنا آفریدن ہا
فغاں بے اختیاری و فریب آرزو خوردن

طبع مجبور: فطرت کی وجہ سے مجبور۔ اسدؔ اپنی سرشت سے تین باتوں کے لئے مجبور ہے (۱) نئی تمناؤں کو جنم دیتے رہنا (۲) فغاں کیلئے بے اختیاری یعنی فغاں نہ کرنے پر اختیار نہ ہونا۔ (۳) آرزوؤں کا فریب کھانا۔ جب آرزو دل میں آتی ہے تو یہ امکان دکھاتی ہے کہ وہ پوری ہو جائے گی لیکن بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پوری نہیں ہو سکتی۔ اس کو جنم دینا ہی غلطی تھی۔ (۳۲ ب)

سازش صلحِ بتاں میں ہے نہاں جنگیدن
نغمۂ چنگ ہیں جوں تیر و کماں خمیدن

چنگ ایک خمیدہ نحیف سا ساز ہوتا ہے۔ بتوں نے محفل آرائی کی ہے اس میں چنگ بجا کر نغمہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس بزم میں عشاق کو بھی بلایا گیا ہے ان سے بڑی صلح و مدارا کا برتاؤ کیا جارہا ہے لیکن یہ صلح و مروت ایک سازش ہے جس کے پیچھے عشاق سے جنگ کرنا پوشیدہ ہے۔ چنگ کمان ہے اور نغمہ کا نکہ تیر ہے۔ ظاہر ہے بتوں کی بزم میں جانے کے بعد عشاق کو تڑپنا ہی ہوگا اس لئے اُن سے ملنا جلنا ضرب کھانے کے مترادف ہے۔

بسکہ شرمندۂ بوئے خوش گل رویاں ہے
نکہت گل کو ہے غنچے میں نفس دزدیدن

پھولوں کی خوشبو پھول سے چہرے والے حسینوں کی بہتر خوشبو کے آگے شرمندہ ہے اس لئے وہ دم روک کر غنچے میں جا چھپی ہے۔ میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی ہے۔

ہے فروغِ رُخِ افروختۂ خوباں سے
شعلۂ شمع، پَرافشانِ بہ خود لرزیدن

پرافشاں: پر جھاڑنے والا۔ حسینوں کے روشن چہرے کی روشنی کو دیکھ کر شمع کا شعلہ لرز رہا ہے اور کلپنے کا نپنے کا نتیجے اپنے پر جھاڑ رہا ہے جس طرح پروانہ شمع پر جاکر اپنے پر جھاڑتا ہے۔ اسی طرح شمع کا شعلہ حسینوں کے چہرے کے آگے پرافشاں ہے۔

گلشن زخم کھلاتا ہے جگر میں پیکاں
گرہ غنچہ ہے سامانِ چمن بالیدن

چمن بالیدن: چمن کی نشو و نما کرنا۔ گرہِ غنچہ سے مُراد پیکانِ تیر ہے۔ محبوب کے تیر کا اگلا حصّہ جگر میں لگا اور زخم پیدا کر کے باغ لہلہا دیا۔ یہ پیکان غنچے کی گرہ کی طرح ہے لیکن اتنی سی کلی کے پاس چمن لہلہا دینے کا اہتمام ہے۔

چمنِ دہر میں ہوں سبزۂ بیگانہ اسدؔ
وائے اے بے خودی و تہمتِ آرامیدن

سبزۂ بیگانہ: گھاس کے وہ تنکے ہوتے ہیں جو دوسروں سے علیحدہ اوپر نکل آئے ہوں اور جنھیں تراش کر بقیہ کی سطح کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ اے اسدؔ میں دُنیا میں سبزۂ بیگانہ کی طرح ہوں تنہا ہوں۔ کوئی میرا ہمدرد نہیں۔ اپنی بے خودی اور آرام طلبی کے الزام پر افسوس ہوتا ہے۔ میں بے خودی کے عالم میں پڑا رہتا ہوں لیکن مجھ پر تہمت لگائی جاتی ہے کہ یہ آرام طلبی اور تن آسانی کے باعث پڑا رہتا ہے۔

(۲۴ الف) منقار سے رکھتا ہوں بہم چاکِ قفس کو
تا گل ز جگر زخم میں ہے راہ نفس کو

دوسرے مصرع میں وزن کی مجبوری سے کچھ تعقید ہو گئی ہے۔ غالباً شاعر کہنا چاہتا تھا از زخمِ جگر تا گل ہے راہ نفس کو لیکن وزن کی مجبوری سے جگر اور زخم کو الگ کر دیا۔ اب شعر کے معنی یہ ہوئے کہ پنجرہ ایک جگہ سے پھٹا ہوا ہے۔ میں اس چاک میں چونچ ڈالے ہوئے ہیں۔ اس طرح جگر کے زخم سے لے کر پھول تک میرا سانس آمد و رفت کر رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں میرا سانس پھول تک جا کر اس کی خوشبو لے کر جگر میں زخم تک پہنچتا ہے۔

بے باک ہوں از بسکہ بہ بازارِ محبت
سمجھا ہوں زرہ جوہرِ شمشیرِ عسس کو

عسس: کوتوال۔ کوئی اُٹھائی گیرا یا رہزن بازار میں ہاتھ صاف کرنے جائے تو اسے سب سے بڑا ڈر کوتوال کی تلوار کا رہتا ہے۔ میں بازارِ محبت میں ایسا نڈر ہوں کہ کوتوال کی تلوار کے جوہر کو اپنے لئے حفاظتی زرہ سمجھتا ہوں۔ یعنی بازارِ محبت میں زخموں کو سب سے خوش آئند مانتا ہوں۔

رہنے دو گرفتار بہ زندانِ خموشی
چھیڑو نہ مجھ افسردۂ دزدیدہ نفس کو

دزدیدہ نفس: جو شخص دم روکے ہوئے ہو۔ مجھے خاموشی کے قید خانے میں گرفتار رہنے دو میں دم روکے

پڑا ہوں۔ مجھے نہ چھیڑو۔

پیدا ہوئے ہیں ہم الم آبادِ جہاں میں
فرسودنِ پائے طلب و دستِ ہوس کو

دُنیا مصیبتوں کا گھر ہے جہاں ہم صرف اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ چیزوں کی طلب میں بھاگ دوڑ کر پاؤں کو گھستے رہیں اور اپنی خواہشات پوری کرنے کیلئے ہوس سے بھرے ہاتھوں کو گھستے رہیں۔ یعنی ہم دُنیا میں ایک طرف بے نوا ہیں دوسری طرف ہوس اور طلب نے ہمیں گھیرا ہے۔

نالاں ہو اسدؔ، تو بھی سرِ راہ گُذر پر
کہتے ہیں کہ تاثیر ہے فریادِ جرس کو

جب قافلہ کوچ کرنے کو ہوتا ہے تو گھنٹہ بجایا جاتا ہے جس کی آواز سُن کر سب اہلِ کارواں چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ گھنٹے کی آواز سب کو متوجہ کرتی ہے۔ شاعر نے اسے فریادِ جرس میں تاثیر سے تعبیر کیا۔ کہتے ہیں کہ اسدؔ تو بھی سرِ راہ فریاد کر کیونکہ جرس جو رہگذر پہ بجتا ہے اس کی آواز یا نالے پر سب دھیان دیتے ہیں۔

(۳۵ب) اشک چکیدہ، رنگِ پریدہ
ہر طرح ہوں میں از خود رمیدہ

فراق میں میرے آنسو ٹپک رہے ہیں اور چہرے کا رنگ اُڑ رہا ہے گویا میں مجسم ٹپکا ہوا آنسو اور اُڑا ہوا رنگ ہوں۔ آنسو اور رنگ دونوں میری ذات سے الگ ہو جاتے ہیں اس طرح میں خود اپنے وجود سے دور بھاگ رہا ہوں۔

گو، یاد مجھ کو کرتے ہیں خوباں
لیکن بہ ہانِ دردِ کشیدہ

دردِ کشیدہ: وہ درد جو اُٹھایا جا چکا ہو، جس کو جھیل چکے ہوں۔ مجھے حسین یاد ضرور کرتے ہیں لیکن اس درد کی طرح جو ماضی میں ان پر گزر چکا ہو اور جس کی یاد خوشگوار نہ ہو۔ گویا میں ایک مصیبت تھا جس کا انھیں سامنا کرنا پڑا تھا۔

ہے رشتۂ جاں، فرطِ کشش سے
مانندِ نبضِ دستِ بریدہ

رشتۂ جاں: رگِ جاں۔ کسی دھاگے کو بہت کھینچا جائے تو وہ ٹوٹ جائے گا یا ٹوٹنے

کو ہوگا۔ میرے رشتۂ جاں کی بھی یہی کیفیت ہے صدمات نے اسے تندی سے کھینچا کہ وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی نبض کی طرح ٹوٹ گیا ہے۔

ٹوٹا ہے، افسوس، موئے خمِ زلف

ہے شانہ بکسر دستِ گزیدہ

دستِ گزیدہ: دانتوں سے کاٹا ہوا ہاتھ۔ افسوس میں دانتوں سے ہاتھ کو کاٹ لیتے ہیں۔ محبوب کی زلفوں میں خم تھے۔ شانہ کرتے ہوئے خمیدہ بال ٹوٹ گیا افسوس کی وجہ سے کنگھی ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے اپنے پنجے کو دانتوں سے کاٹ لیا ہو۔ بکسر بمعنی مطلق۔ اس میں سر اور زلف و شانہ میں تلازم ہے۔

خالِ سیاہِ رنگیں رخاں سے

ہے داغِ لالہ درخوں طپیدہ

دو چیزوں کا مقابلہ ہے رنگین چہرے والے حسینوں کے کالے تل کا اور گلِ لالہ کے کالے داغ کا۔ اول الذکر کی فوقیت دیکھ کر آخر الذکر خون میں لوٹ پوٹ ہو کر تڑپ رہا ہے۔ گلِ لالہ کے رنگ سے خون کا وجود ہو گیا۔

جوشِ جنوں سے جوں کسوتِ گل   سرتا بپا ہوں جیبِ دریدہ

کسوت: لباس۔ جیبِ دریدہ: پھٹا ہوا گریبان۔ پھول کے کھلنے کو اس کے لباس کے چاک ہونے سے تعبیر کیا ہے جو جنون کی علامت ہے۔ میں جوشِ جنوں میں سر سے پا تک پھٹے ہوئے گریبان کی طرح ہوں یعنی میں نے پھول کی طرح اپنا کرتا گریبان سے لے کر نیچے دامن تک پھاڑ دیا ہے۔

یارو اسدؔ کا نام و نشاں کیا   بے دل فقیرِ آفت رسیدہ

صاف شعر ہے۔ بے دل سے مراد شاعر بیدل نہیں بلکہ لغوی معنی میں لیا گیا ہے۔

(۳۵۵) خوشا طوطی بہ کنجِ آشیانہ   نہاں در زیرِ بال، آئینہ خانہ

طوطی دیکھنے میں کتنی اچھی لگتی ہے اور یہ کتنا اچھا ہے کہ وہ گوشۂ آشیانہ میں عافیت سے رہے۔ اس کے پروں کے نیچے ایک آئینہ خانہ چھپا ہو جس کا عکس جھلک کر اس کے پروں کے اوپر آرہا ہو۔ طوطی کے پروں کے نقش و نگار کو آئینے سے تشبیہ دی ہے۔

سرشک بر زمیں افتادہ آسا

اٹھا یہاں سے ترا آب و دانہ

اس شعر میں اُٹھا ماضی مطلق کا صیغہ ہے امر کا نہیں۔ زمین سے پانی ملتا ہے اور زمین ہی سے غلّہ کا دانہ۔ مجھے اس زمین سے نہ آب ملا نہ دانہ۔ جس طرح زمین پر گرا ہوا آنسو نہیں اُٹھتا اسی طرح میرا آب و دانہ زمین سے نہیں اُٹھ سکا یا حاصل ہو سکا۔

قطرۂ اشک آب بھی ہے اور دانہ بھی۔ اس لئے یہ تشبیہ نہایت برجستہ ہے۔

حریفِ عرضِ سوزِ دل نہیں ہے

زباں ہر چند ہو جاوے زبانہ

زبانہ: شعلہ تیری زبان میں کتنی ہی تیزی کیوں نہ آجائے وہ شعلہ ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن میرے دل میں جو سوز بھرا ہے اسے عرض کرنے کے ناقابل ہے۔

دلِ نالاں سے ہے بے پردہ پیدا

نوائے بربط و چنگ و چغانہ

بربط، چنگ اور چغانہ باجوں کے نام ہیں۔ بعض باجوں میں پردہ ہوتا ہے لیکن میرے نالہ کرنے والے دل میں سے پردے کے بغیر بھی بربط، چنگ اور چغانہ کی آواز پیدا ہو رہی ہے۔

کرے کیا دعویٔ آزادیٔ عشق

گرفتارِ الم ہائے زمانہ

جو شخص غمِ دُنیا میں پھنسا ہو وہ عشق کی آزادی کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے عشق کو محبوب کے علاوہ اور سب قیود سے بے نیاز ہونا چاہیئے لیکن آلامِ دوراں کے ہوتے آزادی کا دعویٰ بے معنی ہے۔

اسد اندیشۂ ششدر شدن ہے

نہ پھریے مہرہ ساں خانہ بر خانہ

ششدر: نرد کی بازی میں وہ خانے ہیں جن میں مہرہ پھنس جائے تو بڑی مشکل سے رہا ہوتا ہے۔ اے اسدؔ مہرے کی طرح لوگوں کے گھر گھر مزید تم سے کر مانگتے نہ پھریے۔ اندیشہ ہے کہ نرد کے مہرے کی طرح ششدر ہو کر رہ جایئے گا یعنی کہیں ایسے پھنس جائیں گے کہ آزادی دشوار ہوگی۔ (۳۶ ب)

اے دریغا کہ نہیں طبع نزاکت ساماں

ورنہ کانٹے میں تلے ہے سخن سنجیدہ

کانٹا: سونا چاندی تولنے کی چھوٹی ترازو جو ہلکے وزن کو بھی صحیح صحیح تولتی ہے۔ کانٹے میں تُلنا: سونے چاندی کے مول بکنا۔ طبع نزاکت سامان سخن سنجیدہ تخلیق کرنے والے کی ہے اس کے

قدرداں گاہکوں کی نہیں۔ افسوس کوئی نازک خیال شاعر نہیں ورنہ ینی تلی اچھی شاعری کا بہت بڑا مول ہے۔ ناقدری کی شکایت مناسب نہیں۔

(۴۷ ب) کرے ہے رہرواں سے خضرِ راہِ عشق جلادی
ہوا ہے موجۂ ریگِ رواں شمشیرِ فولادی

راہِ عشق کا رہبر اس راستے پر چلنے والوں سے رہنما کی بجائے جلاد کا سا برتاؤ کر رہا ہے ایسا قاتل راستہ ہے کہ اڑتے ہوئے گرم ریت کی لہر فولادی تلوار کی طرح کاٹ کرتی ہے۔ اس طرح یہ راستہ اور اس کا خضر یعنی رہبر دونوں قاتل ہیں۔

نظر بند تصور ہے قفس میں لطفِ آزادی
شکستِ آرزو کے رنگ کی کرتا ہوں صیادی

نظر بند: قید ہونا۔ میں قفس میں قید ہوں اور آزادی کے لطف کے بارے میں تصور کر رہا ہوں۔ ساتھ ہی میرے نصیب میں شکستِ آرزو ہے کیونکہ میری آرزوئے آزادی ناکام ہے۔ میں اس شکستِ آرزو کو صید کئے ہوئے ہوں۔ اس طرح قفس میں رہ کر میں نے تصورِ لطفِ آزادی اور شکستِ آرزو دو چیزوں کو قید کیا ہوا ہے۔

کرے ہے حسنِ ویراں کار روئے سادہ رویاں پر
غبارِ خط سے تعمیر بنائے خانہ بربادی

خانہ بربادی کو ایک دیوار یا مکان مان لیا ہے جس کی تعمیر کی جائے۔ دیوار کی تعمیر کیلئے مٹی گھول کر گارا بنانا پڑتا ہے۔ چھوٹے ابتدائی خط کو غبار مان کر اس سے تعمیر کا گارا بنا دیا۔ سادہ رو: امرد جس کے سبزہ نہیں آیا۔ حسن جو دوسروں کو ویران و تباہ کرتا ہے لڑکوں کے چہرے پر غبارِ خط سے مزید تعمیر کر کے دیکھنے والوں کی خانہ بربادی کا انتظام کر رہا ہے کیونکہ خط کے آنے سے وہ اور حسین معلوم ہوں گے۔

خانہ بربادی سے مراد خود لڑکوں کے حسن کی خانہ بربادی نہیں ہو سکتی بلکہ دیکھنے والوں کی خانہ بربادی ہے۔

چنار آسا، عدم سے بادلِ پُر آتش آیا ہوں
تہی آغوشیٔ دستِ تمنا کا ہوں فریادی

اکتوبر، نومبر میں چنار کے پتے سرخ رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ دور سے ایسا معلوم

ہوتا ہے جیسے آگ بھبوکا ہو۔ اس لئے چنار کو آتشیں کہا جاتا ہے کہتے ہیں میں عدم سے چنار کی طرح جلتا پھنکتا دل لے کر آیا ہوں۔ میری تمنا کا مانگنے والا ہاتھ جو پھیلا ہے وہ بالکل خالی ہے۔ میں اپنی بے نوائی اور ناکامی کا فریادی ہوں اسی لئے مجھے سخت غم و غصہ ہے اور میرے دل میں آگ دہک رہی ہے۔

اسدؔ از بسکہ فوجِ دردِ غم سرگرمِ جولاں ہے
غبارِ راہِ ویرانی ہے ملکِ دل کی آبادی

اے اسد درد و غم کی فوج اس شدت سے جولانی کر رہی ہے کہ میرے دل میں جو جو آرزوئیں آباد تھیں۔ وہ راہِ ویرانی میں غبار بن کر منتشر ہو گئیں یعنی اب ملکِ دل میں کچھ آباد نہیں رہا۔ دوسرے مصرع میں آبادی مبتدا اور غبار خبر ہے۔

(۳۸ ب) بہ زلفِ مہ وشاں رہتی ہے شب بیدار ظاہر ہے
زبانِ شانہ سے تعبیر صد خوابِ پریشاں کی

اگر کوئی شخص ساری رات کوئی قصہ سناتا رہے تو کہہ سکتے ہیں کہ فلاں کی زبان سے وہ قصہ رات بھر بیدار رہا۔ اب شاعر نے کچھ اور نازک خیالی کی۔ رات کی جگہ چاند سے چہرے والے حسینوں کی زلف ہے۔ زلف رات سے مشابہ ہوتی ہے اور چونکہ یہ چاند جبیوں کی ہے اس لئے رات سے اس کی مشابہت کا اور جواز ہو گیا۔ قصہ کی جگہ عاشقوں کے خوابِ پریشاں کی تعبیر ہے۔ راوی کی جگہ کنگھی کی زبان ہے۔ کنگھی نے حسینوں کی زلف کو سنوار دیا۔ فراق زدہ عاشق طرح طرح کے پریشاں خواب دیکھتے ہیں لیکن ان کی تعبیر محض اتنی ہے کہ محبوب رات بھر بنا سنورا رہتا ہے لیکن عشاق سے دور۔

تھکا جب قطرہ بے دست و پا بالا دویدن سے
زبہر یادگاری ہا گرہ دیتا ہے گوہر کی

بالا دویدن: چستی و چالاکی و تیز روی۔ غالبؔ کا اصول تھا کہ رات میں شعر کہہ کر کمر بند میں گرہ لگا دیتے تھے جس سے اگلے دن شعر یاد آجاتا تھا۔ مندرجہ بالا شعر میں یادگاری سے مراد یاد کرنا ہی ہے۔ بارش کا قطرہ بے دست و پا ہوتا ہے جب یہ فضا میں چلتے چلتے تھک گیا تو اس نے سوچا کہ کہیں قیام کیا جائے۔ وہ کتنا ہی چلا ہے اس بات کو یاد رکھنے کے لئے کسی چیز میں گرہ لگانے کا فیصلہ کیا۔ خود ہی میں گرہ لگا کر ٹھہر گیا اور جمود کے باعث گوہر میں تبدیل ہو گیا۔

(۳۹ الف) آنکھوں میں انتظار سے جاں پُرشتاب ہے
آنا ہے آ، وگرنہ یہ پا در رکاب ہے

تیرے انتظار میں جان آنکھوں میں آ گئی ہے اور باہر نکلنے کیلئے جلدی کر رہی ہے۔ اگر تجھے آنا ہو تو آ جا ورنہ یہ جان پا در رکاب ہے یعنی کوچ کرنے کو ہے۔

حیراں ہوں، دامنِ مژہ کیوں جھاڑتا نہیں
خطِ صفحۂ عذار پہ گردِ کتاب ہے

الماری سے کوئی گرد آلود کتاب اُٹھائی جائے تو پڑھنے سے پہلے اسے کسی کپڑے سے جھاڑ لیتے ہیں۔ اگر کوئی اور کپڑا میسر نہ ہو تو اپنے دامن ہی سے جھاڑا جا سکتا ہے۔ پلکوں کے بالوں میں کپڑے کے تاروں کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ چہرہ کھُلی کتاب ہے جس کے دو صفحے دو گال ہیں۔ ان پر نیا نیا خط گرد کی طرح ہے۔ شاعر کو حیرت ہے کہ پلکوں کا دامن رخسار کے صفحے سے غبار جیسے خط کو کیوں نہیں جھاڑ دیتا۔

جوں نخلِ ماتم ابر سے مطلب نہیں مجھے
رنگِ سیاہ نیل غبارِ سحاب ہے

نخلِ ماتم: تابوت۔ فارسی میں نیل نیلے کے علاوہ کالے کو بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں رنگ لباسِ ماتم کی علامت ہیں۔ نخلِ ماتم میں چونکہ لفظ نخل (بمعنی پیڑ) پوشیدہ ہے۔ اس لئے شاعر نے نازک خیالی کی کہ تابوت کے پیڑ کی طرح مجھے بادل کی ضرورت نہیں۔ میرے لئے ماتمیوں کے لباس کی سیاہی ہی بادل کا غبار ہے۔ دوسرے پیڑوں کیلئے بادل اور بارش ضروری ہے نخلِ ماتم کو نہیں۔ یہی شاعر کا حال ہے۔

ممکن نہیں کہ ہو دلِ خوباں میں کارگر
تاثیر جُستنِ اشک سے نقش بر آب ہے

جُستن بر ج مضموم: ڈھونڈھنا۔ نقش بر آب: پانی پر نقش کرنا فضول اور رائگاں بات ہے۔ ممکن نہیں کہ عاشقوں کے آنسو حسینوں کے دل میں تاثیر کریں۔ ان سے تاثیر کی اُمید ایسی ہی فضول بات ہے جیسے پانی پر لکیر کھینچنا۔ اشک پانی ہوتا ہی ہے اس لئے نقش بر آب اس کیلئے موزوں ہے۔

دیکھ اے اسد بہ دیدۂ باطن کہ ظاہرا

ہر ایک ذرہ غیرتِ صد آفتاب ہے

اے اسد اگر تو باطنی آنکھ سے دیکھے تو دُنیا کا ہر ذرہ کھُلم کھُلا اتنا نورانی ہے کہ سو سورجوں کو بھی غیرت دے۔ ظاہر ہے کہ یہ نورِ ضیائے خداوندی کا حصہ ہے۔

(۲۱۰ ب) بہارِ شوخ و چمن تنگ و رنگِ گل دلچسپ

نسیم باغ سے پادر حنا نکلتی ہے

پادر حنا: مجروح ہونا۔ بہار کے مزاج میں شوخی ہے۔ چمن میں جگہ کی تنگی ہے پھولوں کا رنگ دلچسپ ہے۔ نسیم باغ میں آتی ہے تو نکلنا ہی نہیں چاہتی پھولوں کے رنگ پر مائل ہو کر ٹھہرنا چاہتی ہے۔ باغ تنگ ہے اور بہار شوخی پر آمادہ اس لئے جب نسیم باغ سے نکلتی ہے تو بہار کے ہاتھوں ضرب کھا کر نکلتی ہے۔

(۲۱۲ ب) نقشِ صد سطرِ تبسم ہے برآبِ زیرِ کاہ

حسن کا خط پر، نہاں، خندیدنی انداز ہے

پہلے مصرع کی مختلف تاویلوں سے شعر کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ کاہ: گھاس، بالخصوص سوکھی گھاس۔ آبِ زیرِ کاہ: وہ پانی جس کی پوری سطح پر گھاس پھیلی ہو۔ محبوب کے خط آیا ہوا ہے۔ وہ آبِ زیرِ کاہ پر سینکڑوں استہزائی تبسم کر رہا ہے کہ تم (پانی) گھاس سے دب کر رہ گئے لیکن میرا حسن خط کے باوجود نہیں دبا۔ اس طرح حسنِ محبوب در پردہ اپنے خط پر بھی خندہ کر رہا ہے کہ تم مجھے زائل کرنے میں ناکام رہے۔

(۲) آبِ زیرِ کاہ سے مراد حسن کی وہ چمک دمک ہے جو گیاہِ سبزہ کے نیچے پوشیدہ ہے۔ ظاہراً محبوب کا تبسم ظاہر نہ ہو لیکن سبزۂ خط کے نیچے جلد پر تبسم کے سینکڑوں خطوط ہیں۔ حسنِ محبوب اپنے خط پر خندہ کر رہا ہے کہ اس کے باوجود حسن کی آب و تاب نہیں دبی۔ یہ خندہ یا تبسم نہاں اس لئے ہے کہ اس کے نقوش سبزہ کے نیچے ہیں۔

(۳) جو پانی گھاس کے نیچے چھپا ہے اس کی سطح پر تبسم کے سینکڑوں خطوط ہیں وہ کاہ پر تبسم کر رہا ہے کہ تو سمجھتی ہے میں ختم ہو گیا لیکن میں تیرے نیچے رواں دواں ہوں۔ اسی کی مماثلت پر حسنِ محبوب اپنے سبزۂ خط کو خندہ آمیز انداز سے دیکھتا ہے کہ سبزۂ خط کے باوجود حسن دب نہ سکا۔ جس طرح آبِ زیرِ کاہ کا تبسم گھاس کے نیچے پوشیدہ ہے اسی طرح حسن کا

خندیدنی انداز خط کے نیچے نہاں ہے

(۴۶ ل) از دلِ ہر دردمندے جوشِ بےتابی زدن

اے ہمہ بے مدعائی! یک دعا ہوجائیے

جوش زدن: جوش زائل کرنا یا خارج کرنا۔ دوسرے مصرع میں "بے مدعائی" کی جگہ "بے مدعائے" بھی پڑھا جا سکتا ہے اور معنی میں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اس سے مراد وہ شخص ہوگا جو "بے مدعا" ہے۔

اے میری پوری بے مدعائی یا اے وہ شخص جو پوری طرح بے مدعا ہے ایک دعا ہوجا کہ ہر دردمند شخص کے دل سے بےتابی کا جوش ختم کردیں۔ یعنی یہ تو اچھا ہے کہ دل میں اپنے لئے کوئی بھی مدعا نہ رکھا جائے لیکن یہ کافی نہیں۔ ساتھ میں یہ بھی کوشش ہونی چاہیئے کہ ہر دردمند کے دل سے بےقراری دور کردی جائے۔

(۴۷ ب) تجھ کو اے غفلت نسب پروائے مشتاقاں کہاں

یہاں نگاہ آلودہ ہے دستارِ بادامی تری

غفلت نسب: جو غفلت کے خاندان سے ہے۔ اے تغافل کیش محبوب تجھے عاشقوں کی پروا نہیں۔ حالانکہ تیری بادامی رنگ کی پگڑی ان کی نگاہوں سے آلودہ ہے۔ بادامی کے یہاں کوئی خاص معنی نہیں محض قافیے کی وجہ سے لے آئے ہیں۔

(۴۹ ب) نہیں ہے حوصلہ پامردِ کثرتِ تکلیف

جنون ساختہ ہے حرزِ فسونِ دانائی

پامرد: ہمت والا۔ حوصلہ تکالیف کی شدت کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتا اس لئے جنون کا ڈھونگ کرلیا ہے۔ یہ عقلمندی بلکہ مصلحت کے منتر کا تعویذ ہے۔ جس طرح کوئی افسوں لکھ کر تعویذ میں بند کردیتے ہیں اسی طرح مصلحت نے یہ راستہ سجھایا کہ مکر سے دیوانے بن جاؤ تاکہ گویا گراں تکالیف کا مقابلہ ہی نہ کرنا پڑے اور بزدل بھی نہ کہلاؤ۔

(۵۰ الف) جورِ زلف کی تقریر، پیچ تابِ خاموشی

ہند میں اسد نالاں، نالہ در صفاہاں ہے

صفاہاں: اصفہان جہاں کا سرمہ مشہور ہے اور سرمہ کھانے سے آواز ختم ہوجاتی ہے۔ ایک پردہ موسیقی کا نام بھی ہے جو آخر شب میں گایا جاتا ہے۔ اصفہان اور خاموشی کا

تعلق غالب کے ایک اور شعر میں ملتا ہے۔

بہ گمانِ قطعِ زحمت، نہ دو چارِ خامشی ہو

کہ زبانِ سرمہ آلود، نہیں تیغ اصفہانی

اگر ہند کسی پردۂ موسیقی کا نام ہوتا تو اس شعر میں صفاہاں بھی پردۂ موسیقی کے معنی میں لیا جا سکتا تھا۔ فی الوقت صفاہاں سے سرمہ اور خاموشی کی طرف ذہن کو لے جانا مقصود ہے اور بس۔

زلفِ محبوب عاشقوں پر جو ظلم ڈھاتی ہے ان کا بیان کرنا چاہیں تو مشکل ہے خاموشی سے پیچ و تاب کھا کر رہ جانا پڑے گا۔ جو زلف کے خلاف اسد ہندوستان میں بیٹھ کر نالے کر رہا ہے لیکن نالے کا عالم صفاہان میں ہونے والے نالے جیسا ہے جو امید ہے کہ اثر سرمہ سے سکوت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ ہند کے نالے کو صفاہانی نالہ قرار دینا ایک طرح کی شوخیٔ گفتار ہے

(۵۰ الف) نقش رنگینیٔ سعیٔ قلمِ مانی ہے

بر کمر دامنِ صد رنگِ گلستاں زدہ ہے

دامن بر کمر کے معنی ہوتے ہیں کسی کام کا ارادہ کرنا یا کسی خدمت میں الگ جانا۔ غالب نے بر کمر دامن باندھا ہے معنی وہی ہیں اگر مانی کی بنائی ہوئی تصویر خوش رنگ ہے تو اس کی کامیابی کا کیا راز ہے؟ یہ مانی کے قلم کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس کے قلم نے یا خود مانی نے کمر پر جو دامن لپیٹا ہے وہ گوناگوں رنگ کے گلستاں جیسا ہے۔ اس شگفتگی کے ساتھ تخلیق کا ارادہ کیا جائے تو تخلیق بھی رنگین ہوگی۔ (۵۱ الف) کرتا ہے گل جنون، تماشا کہیں جسے

گلدستۂ نگاہِ سویدا کہیں جسے

بہار میں پھولوں کی سیر کو جایئے تو اسے پھولوں کا تماشا کرنا کہتے ہیں لیکن در اصل پھولوں کی دید جنون پیدا کرتی ہے۔ پھولوں کے منظر سے پیدا شدہ جنون۔ سویدائے دل کی نگاہ کا گلدستہ ہے۔ سویدا دل کے مرکز میں کالا نقطہ ہوتا ہے۔ سویدا کا تعلق سودا سے ہے۔ سودا (جنون) کا رنگ بھی سیاہ ہوتا ہے۔ اس سیاہ نقطے کی نگاہ بھی وحشت آمیز ہوگی انہیں وحشت بھری نگاہوں کا گلدستہ ہے۔

۵۲ الف ع سمجھ اسے، یہ وضع چھوڑے جو چاہے کرے پہ دل نہ توڑے

اس غزل کے بیشتر اشعار صاف ہیں، چند کے معنی درج کئے جاتے ہیں:۔

نذرِ مژہ کر دل و جگر کو
چیرے ہی سے جائیں گے یہ پھوڑے

اپنے دل و جگر کو آنسوؤں کے ساتھ بہا کر پلکوں پر لے آئے۔ دل و جگر پھوڑے کی طرح پک رہے ہیں پلکیں نشتر کی طرح ہیں۔ وہ انھیں چیر دیں گے۔ اس کے بعد نہ پھوڑے رہیں گے نہ درد۔

غم خوار کو ہے قسم کہ زنہار غالب کو نہ تشنہ کام چھوڑے
حسرت زدۂ طرب ہے یہ شخص دم جب کہ بہ وقتِ نزع توڑے
پانی نہ چوائے اس کے منہ میں گل مئے میں بھگو بھگو نچوڑے

غالب کو تمام عمر خوشی کی حسرت رہی۔ نزع کے وقت جب یہ دم چھوڑے تو اس کے غم خوار کو قسم ہے کہ اسے پیاسا نہ چھوڑے لیکن پیاس دور کرنے کے لئے اس کے منہ میں پانی نہ ٹپکائے بلکہ شراب میں بھگو بھگو کر پھول نچوڑے۔

(۵۳۶)

نمک بر داغِ مشک آلودۂ وحشت تماشا ہے سوادِ دیدۂ آہو شبِ مہتاب ہو جائے

سوادِ دیدہ: آنکھ کی سیاہی۔ داغ یا زخم پر مشک چھڑک دی جائے تو زخم اور ہرا ہو جاتا ہے۔ جفا کار محبوب اور اذیت پسند عاشق زخم پر مشک یا نمک پسند کرتے ہیں۔ داغ کو ہرا کرنے کے لئے اس پر مشک چھڑکی گئی تو وہ ہرن کی سیاہ آنکھ بن گیا۔ وحشت اور مشک دونوں کا تعلق ہرن سے ہے۔ مزید اذیت کیلئے داغ پر نمک بھی چھڑکا گیا۔ مشک کی سیاہی میں نمک کی سفیدی ملنے سے چاندنی رات کی کیفیت ہو گئی۔

(۵۴ الف) اس قامتِ رعنا کی جہاں جلوہ گری ہے
تسلیم فروشی روشِ کبکِ دری ہے

تسلیم فروشی: تسلیم نمائی۔ کبکِ دری یعنی پہاڑی چکور کی چال مشہور ہے لیکن میرے محبوب کا دلکش قد جہاں ظاہر ہوتا ہے اس کی شاندار چال کے آگے کبکِ دری بار بار سرِ تسلیم خم کرتا دکھائی دیتا ہے۔

شرمندۂ الفت ہوں مداوا طلبی سے
ہر قطرۂ شربت مجھے اشکِ شکری ہے

اشکِ شکری: وہ آنسو جو خوشی یا فرحت کی شدت سے نکل آئیں لیکن ایسا شبہ ہوتا ہے

کہ غالب نے اس محاورے کے معنی نہیں سمجھے اور محض میٹھے آنسو کے معنی میں لے آئے۔

میں نے عشق میں اپنا علاج کرانا چاہا۔ طبیبوں نے دوائیں بجھے طرح طرح کے شربت دئے لیکن عشق میں علاج کی خواہش نامناسب ہے اس لئے میں عشق سے شرمندہ ہوں اور دوا کے سلسلے میں جو قطرۂ شربت پیتا ہوں وہ میرے لئے آنسو سے کم نہیں گو میٹھے ذائقے کا آنسو ہی۔

سرمایۂ وحشت ہے دلا ، سایۂ گلزار
ہر سبزۂ نوخاستہ یہاں بال پری ہے

یہ روایت مشہور ہے کہ جس کے اوپر سے پری گذر جائے وہ دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اسی رعایت کے پیش نظر باغ کے ہر نئے سبزے کو پری کا پنکھ قرار دیا ہے۔ اے میرے دل پری کی طرح باغ کا سایہ (باغ میں جو سایہ ہو) بھی وحشت پیدا کرنے والا ہے یہاں کا پھول تو پھول گھاس کا تنکا بھی پری کے پنکھ کی تاثیر رکھتا ہے۔

اس لئے عاشق کو سیرِ گل سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

روشن ہوئی یہ بات دمِ نزع کہ آخر
فانوسِ کفن بہرِ چراغِ سحری ہے

چراغ سحری : وہ شمع جو صبح کے وقت گل ہونے کو ہو۔ جب ہمارا نزع کا لمحہ آیا تو ہمیں سمجھ میں آیا کہ شمع کو فانوس سے کیا فائدہ ہے۔ جب شمع کا چل چلاؤ کا وقت آتا ہے تو فانوس اس کے کفن کا کام کرتا ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ فانوس حفاظت یا زیبائش کے لئے ہے وہ غلطی پر ہیں۔ جب ہم موت سے دوچار ہوئے تو معلوم ہوا کہ دنیا کے رفیقوں اور پشت پناہوں سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

ہم آئے ہیں غالب رہِ اقلیمِ عدم سے
یہ تیرگیٔ خاک ، لباسِ سفری ہے

سفر سے آنے کے بعد کپڑے میلے ہو جاتے ہیں اور جسم پر میل چڑھ جاتا ہے۔ ہم اس دنیا میں ملکِ عدم سے چل کر آئے ہیں۔ ہماری جلد جو میلی مٹی کی ہے یہ سفر کا لباس ہے۔ انسان مٹی کا بنا ہوا ہے۔ اس کے جسم کو گنجی دھول قرار دے کر میلا لباس مان لیا۔

ختم شد

(۵۶ ب) وہ نہا کر آبِ گل سے سایۂ گل کے تلے
بال کس گرمی سے سکھلاتا تھا سنبل کے تلے

محبوب پھولوں کے پودوں کی چھاؤں میں گلاب کے عرق سے نہایا۔ اس کے بعد سنبل کے تلے بڑی تندہی سے بال سکھاتا تھا۔ سنبل کی مشابہت زلف سے ہے اس لئے محبوب نے سنبل کے تلے بال سکھائے تاکہ اس پر فوقیت ظاہر ہو جائے۔ ممکن ہے گرمی طیش کے معنی میں ہو۔

کثرتِ جوشِ سویدا سے نہیں تل کی جگہ
خال کب مشاطہ دے سکتی ہے کاکل کے تلے

محبوب کے بالوں کے پاس جلد پر تل ہے۔ مشاطہ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس تِل کو زلفوں کے نیچے کرکے چھپا دے۔ عاشقوں کے دل اس کثرت سے زلف میں اور زلف کے تلے بھرے ہوئے ہیں کہ تِل کی بھی جگہ نہیں۔ سویدا دل کا مرکزی سیاہ نقطہ ہوتا ہے۔ زلف کے نیچے دل کیا سویدا ہائے دلہا کی بھیڑ ہے۔

بسکہ خوباں باغ کو دیتے ہیں وقتِ مے شکست
بال اُگ جاتا ہے شیشے کا رگِ گل کے تلے

شراب پینے کے وقت حسین لوگ باغ کو شکست دیتے ہیں۔ وہ شیشے سے شغلِ مے کرتے ہیں۔ پھول کو رشک یا حسد کی وجہ سے صدمہ ہوتا ہے اور اس میں ایسا شگاف پیدا ہو جاتا ہے جیسے شیشے میں بال آجائے۔ پھول میں رگ کے نام کے باریک ریشے ہوتے ہیں اُنہیں سے ملحق دراڑ پڑ جاتی ہے۔ حسینوں کا شیشۂ مے سالم رہتا ہے باغ کا ساغرِ گل سالم نہیں رہتا۔

ہے پر افشانِ طپیدن ہا بہ تکلیفِ ہوس
ورنہ صد گلزار ہے یک بالِ بلبل کے تلے

بلبل ہوس کی وجہ سے تڑپ کر پر جھاڑ رہی ہے۔ اگر قناعت کرکے بیٹھ جائے تو اس کے ہر پنکھ کے نیچے سو باغوں کی کیفیت ہے کہیں دوسرے باغ یا پھول کی تلاش میں جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یعنی آدمی صبر کرے تو جو کچھ اس کے پاس ہے وہی باغ و بہار معلوم ہونے لگے۔ ہوس کی وجہ سے بے چین ہو کر کاہیدہ ہو جاتا ہے۔

پئے بہ مقصد بُرونی ہے خضرِ مے اے اسؔد
جادۂ منزل ہے خطِ ساغرِ مُل کے تلے

پے بردن: کسی چیز کا سُراغ پانا۔ شراب کو خضر یعنی رہنما قرار دیا ہے۔ مقصد کے سُراغ میں جانا اسی وقت زیب دیتا ہے جب خضرِ مے کی رہبری میں جاؤ۔ منزلِ مقصود کا راستہ جامِ شراب کے خط کے نیچے جاتا ہے یعنی شراب پیو اور اپنے مقصود کو پہنچو۔
جمشید کے جام میں فوائدِ نجوم کیلئے کچھ خطوط بنے تھے۔ اب ہر جام میں خطوط فرض کر لئے جاتے ہیں۔

(۵۸ د)
نہ پوچھ کچھ سر و سامان و کاروبارِ اسدؔ
جنوں معاملہ، بے دل، فقیرِ مسکیں ہے

یہ نہ پوچھ کہ اسدؔ کے پاس کیا کیا مال و اسباب ہے اور وہ کیا کاروبار کرتا ہے۔ وہ پیشے کے معاملے میں جنوں پیشہ بے دل عاشق ہے اور سامان کے معاملے میں بے چارہ عاجز فقیر ہے۔

(۵۸ الف)
روتا ہوں بس کہ در ہوسِ آرمیدگی
جوں گوہر، اشک کو ہے فرامشِ چکیدگی

میں آرام کی ہوس میں روتا ہوں۔ اگر آنسو نکل جائیں تو کچھ چین مل جائے لیکن موتی کی طرح آنسو کے دانے بھی ٹپکنا بھول گئے ہیں۔ آنکھوں کے اندر ہی رہتے ہیں جس کی وجہ سے بے قراری رہتی ہے۔

برخاک اوفتادگیِ کشتگانِ عشق
ہے سجدۂ لباس بہ منزل رسیدگی

خاک افتادگی کے لفظی معنی خاک پر گرنا ہیں اور مجازی معنی عاجزی و ناقدری۔ اس شعر میں لفظی معنی زیادہ موزوں ہیں۔ عشق میں قتل ہو کر جب عشاق خاک پر گر پڑتے ہیں تو یہ منزل پر پہنچ جانے کا سجدۂ شکر ہے۔ زندگی کی منزل موت ہے اور عاشق کی منزل شہادت
مجازی معنی میں لیا جائے تو عشاق کی عاجزی، بے سروپائی اور بے حرمتی ان کیلئے عین پسندیدہ ہے۔ عاشق کی منزل یہی تھی اور اس پر پہنچ کر وہ خاک پر لوٹ گیا۔ تو گویا شکر کا سجدہ کر رہا ہے۔

انساں نیاز مندِ ازل سے ہے کہ بوں کماں
مطلب ہے رابطۂ مہرِ رگ و پے کی خمیدگی

رگ و پے : رگ اور پٹھے۔ انسان ازل سے نیاز مند ہے۔ نیاز مندی کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ کسی کے آگے سر جھکایا جائے۔ ضعیفی میں رگ و پے میں جو خم آجاتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سر کو پاؤں سے ربط کر دیا جائے جس طرح کمان کے دونوں سرے ایک دوسرے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ سر کا نیچے کی طرف مائل ہونا انسان کی نیاز مندی پر دال ہے۔

ہے بسمل ادائے چمن عارضاں بہار
گلشن کو رنگِ گل سے ہے درخوں طپیدگی

چمن عارضاں : باغ جیسے گالوں والے حسین۔ بہار یا باغ حسینوں کی اداؤں سے بسمل ہے چنانچہ باغ خون میں لوٹ پوٹ ہو کر تڑپ رہا ہے۔ خون کون سا؟ رنگِ گل کا۔ یہ ثبوت ہوا کہ بہار اور باغ بسمل ہیں۔

دیکھا نہیں ہے ہم نے بہ عشقِ بتاں اسد
غیر از شکستہ حالی و حسرت کشیدگی

اے اسد حسینوں کے عشق میں ہمیں تباہ حالی اور حسرت کھینچنے کے اور کوئی تجربہ نہ ہوا۔

(۵۹ الف) بہ دست آوردنِ دل، گوہرِ دریائے شاہی ہے
وگرنہ خاتمِ دستِ سلیماں، فلسِ ماہی ہے

خاتمِ سلیمان : سلیمان کی وہ انگوٹھی جس پر اسمِ اعظم کندہ تھا اور جس کی تاثیر سے جن وانس ان کے تابع تھے۔ دوسروں کے دلوں کو الطاف و مروّت سے جیتنا بادشاہی کے دریا کا موتی ہے ورنہ بیش بہا اشیا، زر و جواہر حتیٰ کہ خاتمِ سلیماں جیسی چیز بھی فلسِ ماہی کی طرح کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

دُنیا میں دوسروں کو اُلفت کے ذریعے اپنا بنا لیا جائے تو یہ سب سے بڑی دولت بلکہ بادشاہی ہے۔ مالِ دُنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔

سخن تاریک طبعوں کا ہے اظہارِ کثافت ہا
کہ زنگِ خانۂ فولاد نامائے سیاہی ہے

تاریک طبع والے (یعنی) بد اذیت لوگوں کی بات محض گندگی کا اظہار ہوتی ہے۔ جیسے گھر کا زنگ سیاہی کی طرح ہوتا ہے۔ لوہے کے قلم (ضب) کو تاریک طبع انسان سمجھئے اور

اس کے ڈنگ کو کثافت آلودہ بات چیت۔ یعنی بُرے آدمیوں کی باتیں بھی بُری ہوتی ہیں۔

خمیدن نشۂ مے میں ہے شرم زشت اعمالی
دماغِ زاہد میں آخر غرورِ بے گناہی ہے

نشۂ مے کس پر طاری ہے زاہد پر یا رند پر؟ شعر کے دو معنی ہو سکتے ہیں جن میں سے دوسرے کو ترجیح ہے (۱) رند شراب پیتے ہیں تو نشے میں ان کا سر جھک جاتا ہے کیونکہ انہیں اپنے بُرے اعمال پر شرم آتی ہے۔ اس کے برعکس زاہد کے دماغ میں بے گناہی ظاہر کرنے کا غرور ہے حالانکہ بد اعمال وہ بھی ہے۔

(۲) اہلِ دُنیا کے سامنے زاہد کے سر میں بے گناہی کا غرور ہے لیکن جب وہ نشۂ مے کا شغل کرتا ہے تو اس کا سر خم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی بد اعمالی پر شرم کرنے لگتا ہے۔

نہیں ہے خالی آرائش سے بے سامانیِ عاشق
شکستِ حال اندازآفرینِ کج کلاہی ہے

ٹوپی کو ٹیڑھا کر کے سر پر رکھنا بانکپن اور شان کی بات مانی جاتی ہے۔ عاشق کی بے سامانی میں بھی آرائش کا ایک ڈھنگ پیدا ہے کیونکہ شکستہ حالی سے کج کلاہی کا انداز پیدا ہو جاتا ہے۔ کس طرح؟ دو صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو انسان زمین پر لوٹتا پوٹتا ہے محنت مزدوری میں لگا رہتا ہے اور اسے اپنے لباس کا ہوش ہی نہیں رہتا جس کے طفیل میں ٹوپی کج ہو جاتی ہے۔ یا پھر ٹوپی اتنی ٹوٹی پھوٹی ہے کہ وہ سر پر سیدھی تھمی ہی نہیں رہتی بلکہ کچھ دیر کے بعد ایک سمت کو ڈھلک جاتی ہے۔

اسدؔ خوباں بھی دورِ چرخ سے رنجیدہ خاطر ہیں
گریباں چاکیِ گل ہا نشانِ داد خواہی ہے

داد خواہی: کسی کے خلاف فریاد کر کے انصاف چاہنا۔ اے اسدؔ حسین لوگ بھی آسمان کی گردش سے رنجیدہ ہیں۔ یہ پھول جو کھلا ہے دراصل اس نے غم کے مارے گریباں چاک کر رکھا ہے اور یہ آسمان کے خلاف داد خواہ ہے۔

(۵۹ الف) نہ چھوڑو محفلِ عشرت میں جا اے مے کشاں خالی
کہیں گاہ بلا ہے، ہو گیا شیشۂ جہاں خالی

اے میکشو بزمِ عشرت میں جگہ خالی چھوڑ کر نہ جاؤ یعنی مسلسل شغلِ مے کشی جاری رکھو

کیونکہ شیشہ اگر خالی ہو جائے تو مصیبت اور بلا کے ورود کا مقام ہے مثلاً شیشے کا کانچ ٹوٹ کر چبھ سکتا ہے اس لئے بہتر ہے کہ شیشے کو بار بار پُر کرتے رہو اور بزمِ عشرت میں مشغول رہو۔

نہ دوڑا ریشۂ دیوانگی صحنِ بیاباں میں
کہ تارِ جادہ سے ہے سبحۂ ریگِ رواں خالی

ریشہ دوڑانا: اردو محاورہ ریشہ دوانی کے معنی میں نہیں بلکہ ریشے کی بالیدگی اور نشو و نما ~~کیلئے~~ ہے۔ غزل کی عام روایات کے خلاف یہاں شاعر نے کہا ہے کہ دیوانگی کی نمود بیابان میں نہیں ہو سکتی۔ اس کا مقام بستی ہی ہے "دوڑا" ماضی مطلق کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور امر کا بھی دوسرے مصرع میں چلتی پھرتی اُڑتی ریت کو تسبیح سے تشبیہ دی ہے اور راستے کو رشتۂ تسبیح سے۔ چونکہ ریگِ رواں کسی مقررہ راستے کے مطابق نہیں چلتی اس سے شاعر نے نتیجہ نکالا کہ ریگِ رواں کی تسبیح جادہ سے یعنی دھاگے سے معرّا ہے۔ بغیر دھاگے کی تسبیح کو نہیں گھمایا جا سکتا اس لئے پہلے مصرع میں شاعر نے یا تو ایک حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ بیاباں میں دیوانگی کو فروغ نہیں ہوا کیونکہ ریگِ رواں بغیر جادے کے تھا۔ یا شاعر نے مخاطب سے کہا ہے کہ تو جنگل میں جا کر دیوانگی کو فروغ دینے کی بات بھول جا کیونکہ وہ ریگِ رواں بغیر راستے کے ہے۔ دیوانگی کے لئے لازم ہے کہ بہت ساری ریت اُڑایا جائے۔

دکانِ ناوکِ تاثیر ہے از خود تہی ماندن
سراسر عجز ہو اکر خانہ مانندِ کماں خالی

ناوکِ تاثیر: تاثیر کرنا جو تیر کی طرح کارگر ہو، دوسروں کو متاثر کرنا۔ دکانِ ناوکِ تاثیر: تاثیر کے تیروں کی دکان یعنی تاثیر کی متاع کا خزینہ ہونا۔ از خود تہی ماندن: اتنا بے سرو ساماں ہونا کہ اپنے پاس خود اپنی ذات بھی نہ ہو۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری ذات دوسروں کو متاثر کرے اور تیری بات میں تاثیر ہو تو بے غرضی اور بے نوائی اختیار کر۔ کمان کے حلقے کی طرح خالی ہو یعنی ترک و فقر کا راستہ پسند کرے اور سب سے عاجزی کا برتاؤ کر۔

محبت ہے نواسازِ فغاں در پردۂ دل ہا
کرے ہے مغز سے مانندِ نے کے استخواں خالی

ہڈی کے بیچ گودا ہوتا ہے۔ اگر اسے خالی کر لیا جائے تو ہڈی بانسری کی طرح کھوکھلی

ہو جائے گی اور فغاں کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ کہتے ہیں کہ محبت دِلوں کے اندر فغاں کی آواز پیدا کرتی ہے۔ اس کی ایک ترکیب یہ ہے کہ ہڈیوں کا مغز کھا کر انہیں نے کی طرح کر دیتی ہے۔ یعنی محبت میں ہڈیاں تک پُھنک جاتی ہیں اور رونا ہی رونا مِلتا ہے۔

عبث ہے خطِ ساغر جلوۂ طوقِ گردنِ قمری

مئے اُلفت سے ہے مینائے سروِ بوستاں خالی

خطِ ساغر جلوہ: وہ خط جو دیکھنے میں ساغر کے منہ کے دائرے کی طرح ہو۔ قمری کی گردن کا طوق خواہ مخواہ حلقۂ ساغر کی طرح ہے۔ سرو کا پیڑ، بوتل کی طرح ہے لیکن محبت کی شراب سے خالی ہے۔ قمری سرو سے محبت کرتی ہے لیکن اسے یہ توقع نہ کرنی چاہیئے کہ سرو کی بوتل سے قمری کے ساغر کو شراب مِلے گی۔

نہ بھولو ریزشِ اعداد کی قطرہ فِشانی پر

عزیزاں ہے برنگِ صِفر، جامِ آسماں خالی

ریزش: بخشش۔ قطرۂ فِشانی: کسی کام میں زیادہ تردد اور بھاگ دوڑ کرنا۔ آسمان پر بہت سے تارے بہت سے زر و جواہر کی طرح ہیں۔ عزیزو آسمان اعداد کی بارش کرنے پر بڑی خاص کوشش کر رہا ہے۔ STATISTICS کی بڑی ریل پیل ہے لیکن اس سے تم بہکاوے میں نہ آجانا۔ آسمان کا جام صِفر کے دائرے کی طرح خالی ہے۔ آسمان سے کچھ توقع نہ کرو۔

اَسدؔ، ہنستے ہیں میرے گریۂ زار پر مردم

بھرا ہے دہر بے دردی سے، دِل کیجئے کہاں خالی

اسد، لوگ میرے زار و قطار رونے پر ہنستے ہیں۔ دُنیا بے دردی سے بھری ہے، کہاں جا کر اپنے دِل کی بھڑاس نکالوں۔ اس بات کو شاعر نے ایک لطیف طریقے پر کہا۔ چونکہ دُنیا بے دردی سے بھری ہے اس لئے اس میں مزید کسی چیز کی سمائی نہیں۔ میں کہاں اپنے دِل کے مظروفات کو انڈیلوں۔

(۶۰ الف) ہوئے یہ رہرواں دِل خستہ شرمِ نارسائی سے

کہ دستِ آرزو سے یک قلم پائے طلب کاٹے

یک قلم: تمام۔ راستہ چلنے والے اپنی منزلِ مقصود پر نہ پہنچ پانے کی وجہ سے اتنے بد دِل اور

ملول ہوتے کہ آرزو کے ہاتھ سے طلب کے پاؤں کاٹ دیتے یعنی یہ تہیہ کر لیا کہ آئندہ کسی شے کی طلب میں در بہ در نہ پھریں گے۔

(۶۰ الف) تماشائے جہاں مفت نظر ہے
کہ یہ گلزار باغِ رہگذر ہے

دُنیا کا تماشا نظر کو مفت ہی دیکھنے کو مل رہا ہے کیونکہ یہ باغ راستے کے باغ کی طرح ہے جو کوئی شخص کسی اور مقام کو جاتے سرِ راہ مفت ہی میں دیکھ لے۔ دُنیا بھی مستقل قیام کی جگہ تو ہے نہیں۔ راستے کا ایک منظر ہے۔

جہاں شمعِ خموشے جلوہ گر ہے
پرِ پروانگاں بالِ شرر ہے

شمعِ خموشے: کوئی بجھی ہوئی شمع۔ بالِ شرر: چنگاری کے بازو جہاں بھی کوئی بجھی ہوئی شمع موجود ہے، پروانوں کے پر چنگاری کی طرح جل رہے ہیں۔ شعر میں ذرا عجیب بات ہے کہ شمع بجھی ہوئی ہے اور پروانوں کے پر اب بھی جل رہے ہیں۔ غالباً یہ کہنا مقصود ہے کہ پروانوں کے پر شرر زدہ ہیں۔ شرر فوراً جل بجھتا ہے وہ پروانوں کے پروں کو جلا کر فوراً بجھ جائے گا۔

بہ جیبِ اشک چشمِ سرمہ آلود
مسی مالیدہ دندانِ گہر ہے

پہلے مصرع کی دو قرائتیں ممکن ہیں۔ اشک پر اضافت دی جائے یا نہ دی جائے دونوں سے دو معنی نکلتے ہیں۔ اوّل اشک کو بغیر اضافت کیجئے۔

(۱) جیب: گریباں، چونکہ اگلے زمانے میں جیب گریباں میں ہوتی تھی اس لئے جیب سے مُراد پاکٹ یعنی موجودہ مفہوم میں جیب بھی لے سکتے ہیں۔ دندانِ گہر: موتی کا دانت یعنی خود موتی عاشق کی آنکھ میں آنسو ہے اس میں محبوب کی چشم سرمہ آلود کا عکس پڑ رہا ہے۔ آنکھ مسی لگائے ہوئے دانت کی طرح ہے۔ دانت سفید ہوتا ہے اور اس کے اطراف میں مسوڑے سیاہ یا اودے محبوب کی آنکھ دانت کی طرح روشن ہے اور اس کے چاروں طرف سرمہ مسی کی طرح ہے۔ لیکن تشبیہ معمولی دانت سے نہیں بلکہ موتی کے دانت سے ہے۔ جو صدف میں پانی سے ہے۔ غالب نے وہاں بھی دندانِ گہر پر مسی فرض کر لی۔ چونکہ محبوب کی آنکھ کا عکس عاشق کے آنسو

پڑ رہا ہے اس لئے آنکھ کی مشابہت گہر سے ہوگئی کہ وہ بھی پانی میں رہتا ہے۔

(۲) اگر گہر بر جیب اشک چشم سرمہ آلود۔ پڑھیں تو اس صورت میں محبوب کی سرمہ آلود آنکھ کا آنسو مراد ہوگا۔ آنسو کی وجہ سے چشم سرمہ آلود ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پانی کے اندر موتی کے دانتوں پر مسی لگی ہو۔

دندانِ گہر کے معنی وہ دانت جو موتی کی طرح ہیں، یا جو موتی سے بنے ہیں، بھی لئے جا سکتے ہیں لیکن اس صورت میں اشک کی معنویت جاتی رہے گی۔ اشک کی وجہ سے پانی کا جو ہوتا ہے جو موتی کیلئے مناسب ہے۔ غالب کی ابتدائے عمر کی دقت خیال کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دندانِ گہر سے موتی مراد لیا جائے۔

شفق ساں موجِ خوں ہے رگِ خواب

کہ مژگاں کشودہ نیشتر ہے

رگِ خواب اس رگ کو کہتے ہیں جس کے دبانے سے آدمی پر غشی طاری ہونے لگے۔ غالب نے محض نیند کی رگ کے معنی میں استعمال کیا ہے کہتے ہیں کہ ہمیں نیند کیونکر آئے۔ ہماری آنکھ کھلی رہتی ہے اور پلک رگِ خواب پر نشتر کا کام کرتی ہے جس کی وجہ سے رگِ خواب سے خون کی موجیں نکل کر شفق کی سی سرخی پھیلی ہوئی ہے۔ اگر رگ پر مسلسل نشتر لگتا رہے تو نیند کا کیا سوال ہے۔

کرے ہے روئے روشن آفتابی

غبارِ خطِ رخ، گردِ سحر ہے

آفتابی: بہت سرخ۔ آفتاب کا سا جلوہ کرنا۔ گردِ سحر: صبح کے وقت مشرق پر جو نور چھٹکتا نظر آتا ہے اسے اڑتے ہوئے سفید غبار سے مشابہ کر سکتے ہیں۔

محبوب کا روشن چہرہ آفتاب کا کام کر رہا ہے۔ اس کے چہرے پر خط، نورِ سحر کے غبار کی طرح ہے۔

ہوئی یک عمر صرفِ مشقِ نالہ

اثر موقوف بر عمرِ دگر ہے

ایک عمر نالے کی مشق کرتے ہی صرف ہوگئی۔ اس کی تاثیر کیونکر ہوتی۔ اس کے لئے دوسری عمر چاہیئے۔ اس عمر میں رونا بے فائدہ ہی رہا۔

اسد ہوں میں پر افشانِ رمیدن سوادِ شعر در گردِ سفر ہے

پر افشاں: پر جھاڑتا ہوا، ترکِ علائق کرتا ہوا۔ رمیدن: بھاگنا یعنی کوچ کرنا۔سوادِ نواح: اطراف۔ اے اسدؔ میں دُنیا سے کوچ کرنے کی تیاری میں پر جھاڑ رہا ہوں یعنی ترکِ علائق کر رہا ہوں، کاہیدہ ہوتا جا رہا ہوں۔ شعر کی بستی گردِ سفر میں چھپ گئی ہے اور اب نظر نہیں آتی۔ یعنی چل چلاؤ کی وجہ سے شعر و شاعری کا ولولہ نہیں رہا۔

(۶۰ میہ) اے اسدؔ، مایوس مت ہو از درِ شاہِ نجف

صاحبِ دلہا وکیلِ حضرتِ اللہ ہے

اے اسدؔ حضرت علی کے در سے مایوس مت ہو۔ وہ لوگوں کے دلوں کے آقا ہیں اور اللہ کی جناب کے وکیل ہیں یعنی خدا کے حضور میں شفاعت کرنے والے ہیں۔

غیر مطبوعہ رُباعیات

در بزمِ وفا، خجل نشینی ہے مجھے	بے گریہ کمال ترجبینی ہے مجھے
ابریشمِ ساز، موئے چینی ہے مجھے	محرومِ صدا رہا بغیر از یک بار

ترجبینی: شرمندگی کیونکہ غیرت سے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے۔ ابریشمِ ساز: ساز کے تار۔ ابریشم کے مجازی معنی تارِ ساز کے بھی ہیں۔ موئے چینی: چینی کے برتن کا بال یا باریک شگاف جس کے پڑنے کے بعد برتن میں سے جھنکار نہیں نکلتی۔

میں روئے بغیر بڑی شرمندگی محسوس کرتا ہوں۔ حسن و عشق کی بزم میں گریہ وفا کی نشانی سمجھا جاتا ہے لیکن میں چونکہ رو نہیں رہا ہوں اس لئے وہاں بڑی ندامت کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔ میں ایک دفعہ کے علاوہ ہمیشہ آواز سے محروم رہا۔ میرے لئے چینی کے پیالے کا بال ہی باجے کا تار ہے۔ پیالے میں جب بال پڑتا ہے تو وہ کسی چیز سے ٹکرانے کے سبب ہوتا ہے اس وقت پیالے میں سے جھنکار نکلتی ہے۔ اس کے بعد پھر کبھی جھنکار نہیں نکلتی۔ جب میں اس بال سے اپنے ساز کا تار تیار کر رہا ہوں تو میرا ساز بے آواز ہی رہے گا یعنی میں نالہ نہیں کر سکتا۔ زندگی میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ ظاہر ہے کہ ولادت کے وقت ہوا ہوگا۔ اس کے بعد سے خاموش ہوں۔

گلخنِ شررِ اہتمام بستر ہے آج — یعنی تبِ عشق شعلہ پرور ہے آج
ہوں دردِ ہلاکِ نامہ بر سے بیمار — قارورہ مرا خونِ کبوتر ہے آج

گلخن شرر اہتمام: بھٹی کے سے شرر پیدا کرنے والا۔ تبِ عشق: عشق کی حدت۔ میرا بستر آج آگ کی بھٹی کی طرح چنگاریاں برسا رہا ہے یعنی عشق کی سوزش اب شعلے اُگانے لگی ہے۔

میں نے قاصد کو محبوب کے پاس بھیجا لیکن محبوب نے اسے ہلاک کر دیا۔ میں اس صدمے سے بیمار ہو گیا ہوں۔ بیمار آدمی کا پیشاب صاف نہیں رہتا۔ میرا پیشاب خونِ کبوتر کی طرح سُرخ آ رہا ہے جس کے معنی ہیں کہ میں بہت بیمار ہوں۔ کبوتر کو قاصد بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ خونِ کبوتر کبوتر کے قتل کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ قارورے کو خونِ کبوتر سے مشابہ کرنے میں یہ رعایت ملحوظ ہے۔

پہلے مصرع کی قرأت گلخن، شرر اہتمام بستر ہے آج بھی ہو سکتی تھی۔ یعنی میرا بستر بھٹی کی طرح ہے اور شرر بار ہے۔ لیکن غالب کے ابتدائی کلام میں دو اسموں کو مرکب کر کے ایک اور لفظ شامل کر کے مرکب بنانے کا رجحان بہت عام ہے اس لئے غالباً انھوں نے "گلخن شرر اہتمام" ایک ہی ترکیب کے طور پر استعمال کیا ہوگا۔

ضمیمۂ نسخۂ عرشی کے چند اشعار

نسخۂ عرشی طبع اول کے بعد عرشی صاحب کو متفرق ذرائع سے غالب کا کچھ اور کلام ملا۔ ان منتشر اشعار کو ان کے صاحبزادے اکبر علی خاں نے ضمیمۂ نسخۂ عرشی کے عنوان سے رسالہ نقوش شمارہ ۱۰۱ بابت نومبر ۱۹۶۴ء میں شائع کر دیا۔ ان تمام اشعار کے بارے میں یقینی طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ غالب ہی کے ہیں لیکن زیادہ تر انھیں کے ہیں۔ جامعیت کی خاطر میں اس ضمیمے کو بھی اس شرح کے حصار میں لے لیتا ہوں۔ ان میں محض چند اشعار ہی میں کوئی پہلو حل طلب ہے۔ انھیں درج ذیل کیا جاتا ہے۔ جن اشعار کا غالب سے انتساب مشکوک تھا انھیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(۱)

یارانِ رسول یعنی اصحابِ کبار — ہیں گرچہ بہت خلیفہ ان میں ہیں چار
ان چار میں ایک سے ہو جس کو انکار — غالب وہ مسلمان نہیں ہے زنہار

غالب پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا تھا تو انہوں نے اپنی برات میں چند رباعیاں لکھی تھیں۔ مندرجہ بالا رباعی انہیں میں سے ہے۔ اس رباعی کے معنی صاف ہیں۔ صرف تیسرے مصرع کی ایک نہفتہ شوخی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے بہ ظاہر اس مصرع اور شعر کے معنی یہ ہیں کہ "چاروں خلفا میں سے کسی ایک سے بھی کوئی انکار کرے تو وہ مسلمان نہیں۔" لیکن غالب نے ایک یہ پہلو بھی ذہن میں رکھا ہے "ان چاروں خلفا میں سے صرف ایک یعنی حضرت علی ایسے ہیں کہ کوئی ان سے انکار کرے تو وہ مسلمان ہی نہیں رہتا۔"

(۱۲)

اس قدر ضبط کہاں ہے کبھی آبھی نہ سکوں

ستم اتنا تو نہ کیجیے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں

پہلے مصرع کے الفاظ اور ترکیب ناقص ہیں۔ کہنا یہ چاہتے تھے "کبھی آ ہی نہ سکوں مجھ میں اس قدر ضبط کہاں ہے" "ہی" کی جگہ "بھی" لانے سے شعر کے معنی ہی بدل گئے۔ اب اس مصرع کی تشریح یوں کی جائے گی۔

آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ کبھی آپ کی بزم میں گستاخی نہ کروں بلکہ کبھی آپ کے سامنے آؤں ہی نہیں۔ یہ تو ممکن تھا کہ میں بزم میں آتا خاموشی سے آپ کا نظارہ کرتا رہتا بات چیت سنتا رہتا لیکن شدتِ جذبات کو اتنا ضبط نہیں ہے کہ کبھی آپ کے سامنے آبھی نہ سکوں۔